خطباتِ حکیم الامت

www.besturdubooks.net

بسلسلہ خطباتِ حکیم الامتؒ جلد ۱۴

(جدید ایڈیشن)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

عنوانات و ترتیب

منشی عبدالرحمٰن خان رحمہ اللہ

تصحیح و تزئین — صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ

تخریج احادیث — مولانا زاہد محمود قاسمی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240

www.besturdubooks.net

جزاو سزا

تاریخ اشاعت...................رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

ناشر........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.....................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قیصر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان — مکتبہ الفاروقی... سریال مطابع ہزاریال... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات.........انارکلی.........لاہور — دارالاشاعت.......اردو بازار.........کراچی

مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار.........لاہور — مکتبۃ القرآن.......بنوری ٹاؤن.........کراچی

مکتبہ رحمانیہ.........اردو بازار.........لاہور — مکتبہ دارالاخلاص...قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE — 119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

www.besturdubooks.net

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی دعاؤں کے طفیل ''خطبات حکیم الامت'' مکمل ۳۲ جلدوں میں شائع کر چکا ہے۔

بہت سے بزرگوں کی تمنا تھی کہ خطبات میں آنے والی احادیث مبارکہ کی تخریج ہو جائے اور فارسی اشعار وغیرہ کا ترجمہ ہو جائے۔

الحمد للہ ادارے نے زر کثیر خرچ کر کے یہ کام کیا۔ محترم جناب مولانا زاہد محمود صاحب نے تخریج احادیث اور حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے فارسی اشعار کے ترجمہ وغیرہ کے کام انجام دیئے۔ اس طرح الحمد للہ یہ جدید ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے آمین۔

احقر: محمد اسحق عفی عنہ

رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بمطابق جولائی 2009ء

www.besturdubooks.net

اجمالی فہرست

جمال الجلیل........................ ۱۱

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ
وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ

حیوۃ طیبہ........................ ۶۲

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ
حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اجر الصیام من غیر انصرام........... ۹۳

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

المعرق والرحیق........................ ۱۴۶

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا

انوار السراج........................ ۲۱۵

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

طلب الجنۃ........................ ۲۴۰

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ
عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

آثار المربع........................ ۲۸۱

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ

المودۃ الرحمانیہ........................ ۳۵۴

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

www.besturdubooks.net

فہرست

عنوان	صفحہ
جمال الجلیل	۱۱
خطبہ ماثورہ:	۱۲
تمہید:	۱۲
ہوا کی اہمیت:	۱۳
ضروری اشیاء:	۱۴
ایمان کی اہمیت:	۱۴
ارکان اسلام:	۱۵
حقیقت اذکار:	۱۶
کافر کا حرص:	۱۷
کافر اور متاع دنیا:	۱۸
خاصیت ایمان:	۱۹
ترجمہ اشعار:	۲۰
مومن کا خاصہ:	۲۰
مقدار غذائے جسمانی:	۲۲
تشبہ بالملئکہ:	۲۳
چائے میں برف:	۲۶
کھانے کی رعایت:	۲۷
جمعیت قلب:	۲۸
کلام کی اقسام:	۲۹
عملی تعلیم:	۳۰
قرأت اور موسیقی:	۳۱
بے سُود سوال:	۳۲
ایک قاعدہ کلیہ:	۳۳
نیت کا فرق:	۳۴
اصلاح کی صورت:	۳۶
راحت دین و دنیا:	۳۷
غرض و غایت:	۳۹
مسئلہ قدر:	۴۰
اطاعت شیخ:	۴۱
دخلِ ترغیب وترہیب:	۴۳
گستاخی اور دلیری:	۴۳
عنایت کی انتہا:	۴۵
رحمت کی صورت:	۴۶
اثر خوف ورجا	۴۸
مغفرت ورحمت حق	۴۸
فرق فعل اور صفت:	۵۰
خوف کی حد:	۵۱
افراط خوف کا اثر:	۵۲
خوف کی حقیقت:	۵۳
جنسِ ایمان:	۵۵
شرط ایمان:	۵۷
غالب علی الاحوال:	۵۸

www.besturdubooks.net

بیعت کا چرکہ:	۵۹
خلاصہ بیان:	۶۰
وعظ ملقب بہ حیٰوۃ طیبہ	۶۲
خطبہ ماثورہ:	۶۳
طالب ومطلوب:	۶۳
لذت وراحت:	۶۴
درجات لذت وراحت:	۶۵
اجر اخروی:	۶۷
لطف دائم:	۶۸
قبر کی حقیقت:	۶۹
حقیقت برزخ:	۷۰
حقیقت حیٰوۃ طیبہ:	۷۲
اطاعت کاملہ:	۷۳
حقیقت تواضع:	۷۳
حقیقت انسانیت:	۷۴
رضا اور فنا:	۷۸
دنیا اور ترقی:	۸۰
فرق غم وپریشانی:	۸۳
فضائل محبت:	۸۴
سلسلہ اشرف المواعظ کا پہلا وعظ	۸۸
خطبہ ماثورہ:	۸۹
زبان کے گناہ:	۸۹
توبہ آسان نہیں:	۸۹
جھوٹ کی عادت:	۹۰
جھوٹ کی اقسام:	۹۰
غیبت کی کدورت:	۹۱

گناہ کی لذت:	۹۱
الواعظ المسمّٰی بہ اجر الصیام	۹۳
من غیر انصرام (حصہ دوم)	۹۳
خطبہ ماثورہ:	۹۴
ایک اہم سوال:	۹۴
ظہور جنت ونار:	۹۵
لطیفہ قلب:	۹۶
فنا اور بقاء:	۹۸
ظن کے معنی:	۹۹
اسباب اشکال:	۱۰۱
علوم ظنیہ کا جزم:	۱۰۴
ارضاء رسول:	۱۰۵
خوش اعتقادی:	۱۰۷
موت کی اہمیت:	۱۰۸
آگ کا سمندر:	۱۱۰
غلو اور مشیت:	۱۱۱
علوم انبیاء:	۱۱۲
سعید اور شقی:	۱۱۳
ادراک مذاق:	۱۱۵
الصالحات باقیات:	۱۱۶
حیات اور احساس:	۱۱۸
وجود صانع حقیقی:	۱۱۹
محبت کے تقاضے:	۱۲۱
وحدت الوجود کا مطلب:	۱۲۴
محبت حق کا غلبہ:	۱۲۷
غیر محدود اجر:	۱۲۹

www.besturdubooks.net

عنوان	صفحہ
حرکت فی الزمان:	۱۳۲
ترک بالقصد:	۱۳۲
شانِ حمدیت و استغناء:	۱۳۴
شانِ عبدیت:	۱۳۵
تشبہ بالملائکہ:	۱۳۶
عبادت اور صحت:	۱۳۹
روزہ کی فضیلت:	۱۴۰
لفظ صبر کی تفسیر:	۱۴۲
ضمیمہ وعظ ہذا از حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کہ بعد وعظ نوشتہ عطا فرمودند	۱۴۳
تنبیہ نمبر 1:	۱۴۴
جواب:	۱۴۴
تنبیہ نمبر 2:	۱۴۴
جواب:	۱۴۴
تنبیہ نمبر 3:	۱۴۴
تنبیہ نمبر 4:	۱۴۵
جواب:	۱۴۵
تنبیہ نمبر 5:	۱۴۵
جواب:	۱۴۵
اَلْمُعْرِق وَالْرَّحِيْق لِلْمُحْرَق وَالْغَرِيْق	۱۴۶
المعرق والرحیق للمحرق والغریق	۱۴۶
خطبہ ماثورہ:	۱۴۷
ترجمہ آیات:	۱۴۷
تمہید:	۱۴۸
افادہ جدیدہ پُر لطیف استشہاد:	۱۴۸
ذکر اللہ سے غفلت:	۱۴۹
عجیب ادب:	۱۵۱
عارف کی دُعا:	۱۵۳
ہدیہ دینے کا اَدب:	۱۵۴
رحمت کی ایک صورت:	۱۵۵
راحت کا لطف:	۱۵۶
پہلا اذنِ تصرف:	۱۵۹
توجہ اور تصرف:	۱۶۱
عارف کی شان:	۱۶۲
رضاء الٰہی کی ضرورت:	۱۶۳
علم اور خشیت:	۱۶۵
طالب کی محرومی:	۱۶۵
ذکر کا نفع:	۱۶۷
خدا کا تصور:	۱۶۹
محبت کا پیمانہ:	۱۷۱
اہل اللہ کا امتحان:	۱۷۳
سلوک کا تقاضا:	۱۷۵
وسوسہ سے اجتناب:	۱۷۶
قرآن وحدیث وتصوف:	۱۷۷
جسم اور اعمال کا تعلق:	۱۷۸
اختلاف طبائع:	۱۸۰
مشائخ اور طالبین:	۱۸۱
ادب کا تقاضا:	۱۸۳
آدابِ شیخ:	۱۸۵
رنگِ ولایت:	۱۸۸
رحمت کی دو قسمیں:	۱۹۱
شیخ سعدی اور عشق مجازی:	۱۹۲

www.besturdubooks.net

عنوان	صفحہ
نسبت شوقیہ:	۱۹۴
شہداءِ امت:	۱۹۷
مواخذہ کا مدار:	۲۰۰
انسان کا خاصہ:	۲۰۰
صبر کے معنی:	۲۰۲
وظائف واوراد:	۲۰۴
بشارت فتح:	۲۰۵
جنت کی نعمتیں:	۲۰۶
ایک آریہ کا بیہودہ اعتراض:	۲۰۸
جنت ودوزخ:	۲۰۹
شراب آخرت:	۲۱۲
انوار السراج سے موسوم یہ وعظ	۲۱۵
الوعظا المسمّٰی (بہ) ''انوار السراج''	۲۱۵
خطبہ ماثورہ:	۲۱۶
تمہید:	۲۱۶
اسباب بے صبری:	۲۱۷
زرومال سے استغنی:	۲۱۷
صاحب نظر:	۲۱۸
حُسن انتخاب:	۲۱۸
حُسن اعتقاد:	۲۱۹
حقیقت مال وزر:	۲۲۰
خوف کا سبب:	۲۲۱
مقصود بالذات:	۲۲۱
دخلِ اکتساب:	۲۲۲
لاٹری کی خوشی:	۲۲۴
حالت محبین حق:	۲۲۴
حرص کا علاج:	۲۲۶
جنون محبت:	۲۲۷
حکمت اور شفقت:	۲۳۰
دنیا کی مثال:	۲۳۰
غم درحد شریعت:	۲۳۲
غم کا علاج:	۲۳۲
حکمت غم:	۲۳۳
غم اور گناہ:	۲۳۴
سراب محبت:	۲۳۵
راحت کدہ قبر:	۲۳۶
دنیا بمقابلہ آخرت:	۲۳۷
علاج غم:	۲۳۸
طَلَبُ الجنّۃ	۲۴۰
خطبہ ماثورہ:	۲۴۱
طلب بلا اکتساب:	۲۴۱
دنیوی اور اخروی اسباب:	۲۴۲
طلب اور اجر:	۲۴۴
حال اور کمال:	۲۴۶
طالبانِ جنت:	۲۴۷
شناخت مبتدی ومنتہی:	۲۴۸
اہل حال وقال:	۲۴۹
فرق مبتدی ومنتہی:	۲۵۱
طریق حصول جنت:	۲۵۲
افراط وتفریط:	۲۵۴
از خود مطالعہ کتب:	۲۵۵
خوف ورجاء:	۲۵۷

www.besturdubooks.net

عنوان	صفحہ
احتساب نفس:	۲۵۸
اسراف اور فیشن:	۲۵۹
خواہش نفسانی:	۲۶۲
مصیبت کی مضرتیں:	۲۶۴
طاعت کے فائدے:	۲۶۵
عبادت اور ریاء:	۲۶۶
ابتدا اور انتہا:	۲۶۷
متعدی مضرتیں:	۲۶۸
مصلحت و حکمت:	۲۶۹
ایثار و قربانی:	۲۷۰
حدود و قیود:	۲۷۱
قانون اور اطاعت:	۲۷۲
عوامی بت پرستی:	۲۷۳
صفائی معاملات:	۲۷۴
طریقۂ تعلیم:	۲۷۵
مخالفت برائے موافقت:	۲۷۶
علاج ہوائے نفس:	۲۷۷
محاسبہ نفس و مراقبہ:	۲۷۹
آثار المرلع	۲۸۱
خطبہ ماثورہ:	۲۸۲
ہماری کوتاہی:	۲۸۲
خوش آئند توقعات:	۲۸۳
غیر متناہی حسن:	۲۸۴
اہل درد:	۲۸۶
ایمان اور عمل صالح:	۲۸۷
اسباب اور مقصود:	۲۸۸
اعمال اور مقصود:	۲۹۰
مبتدی و منتہی کا مطالعہ:	۲۹۱
کتابی علم:	۲۹۲
دعا کا اثر:	۲۹۴
شیخ کی ضرورت:	۲۹۵
جلالی اور جمالی طریق:	۲۹۷
شرط داخلہ جنت:	۲۹۸
بغاوت کی سزا:	۲۹۹
غیر اختیاری فعل:	۳۰۰
ضرورت اسباب:	۳۰۱
امید و بیم:	۳۰۲
وعدہ الٰہی:	۳۰۴
جھوٹے وعدوں کی فرحت:	۳۰۵
اہل حق کے دعوے:	۳۰۶
دشنام محبت:	۳۰۷
سوئے جنت:	۳۰۸
توکل اور تامل:	۳۱۰
جنت کا راستہ:	۳۱۱
حزن اور فرح:	۳۱۳
دو غلطیاں:	۳۱۵
عالم مثال:	۳۱۶
اکرام مسلم:	۳۱۹
عالم مثال:	۳۲۰
مناسبت اور مماثلت:	۳۲۱
تعویذ بازی:	۳۲۱
تعبیر بازی:	۳۲۲

www.besturdubooks.net

عنوان	صفحہ
عقل پرناز:	۳۲۳
عالم مادی:	۳۲۵
جوتے کی برکت:	۳۲۶
مالیخولیا کا علاج:	۳۲۷
حکایت افلاطون:	۳۲۷
حکایت خلوت نشیں:	۳۲۸
موت کا خوف:	۳۲۹
متاع دنیا:	۳۳۰
افلاطونی دعوت:	۳۳۱
قوت تصرف:	۳۳۲
اعمال کے ثمرات:	۳۳۳
جزاالاعمال:	۳۳۵
انسان اور حیوان میں مناسبت:	۳۳۶
مثالی شکلیں:	۳۳۷
مثالی صورتیں:	۳۳۸
اخلاقی حدود:	۳۳۹
اعتدال حقیقی:	۳۴۰
وساوس وقرب:	۳۴۲
ظاہر وباطن کا فرق:	۳۴۳
تصرف کی قدرت:	۳۴۵
اعمال کی صورتیں:	۳۴۶
خوف وبیم:	۳۴۶
اعمال واسرار:	۳۴۸
مصالح عقلیہ:	۳۴۸
دہن اور ذہن:	۳۵۰
المودۃ الرحمانیہ	۳۵۴
خطبہ ماثورہ:	۳۵۵
ایمان عمل صالح:	۳۵۵
حقیقت ایمان عمل صالح:	۳۵۶
حقیقت دنیا:	۳۵۷
واقعہ غزوہ احد:	۳۵۸
لمحہ فکریہ:	۳۵۹
تلبیس خداع:	۳۶۰
مذمت دنیا:	۳۶۱
گرانی اور گراں باری:	۳۶۲
ترک مالایعنی:	۳۶۳
حلال وحرام کا علم:	۳۶۵
حقیقی مفلسی:	۳۶۶
جائز وناجائز:	۳۶۷
قرب کی ایک صورت:	۳۶۹
اعمال کی توفیق:	۳۷۱
پسندیدہ ادا:	۳۷۳
محبت خالق ومخلوق:	۳۷۵
محمود اور مذموم محبت:	۳۷۷
شیخ کا مقام:	۳۷۸
فقہ اور تصوف:	۳۷۹
سلف کا مذاق:	۳۸۰
قول حق:	۳۸۲
کشف اور جانور:	۳۸۳
محبت خلق:	۳۸۴
دل کی غذا:	۳۸۵
مدار قرب:	۳۸۶
غذائے روحانی:	۳۸۷

www.besturdubooks.net

جمال الجلیل

ترغیب وترہیب کے متعلق

یہ وعظ

۱۴ شوال ۳۵ھ یک شنبہ کو حضرت حکیم الامت کے گھر میں ہوا۔
جو حضرت والا نے کرسی پر بیٹھ کر چار گھنٹے ارشاد فرمایا۔
سامعین کی تعداد مستورات کے علاوہ تیس تھی۔
مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِیۡ ھُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ

ترجمہ: (اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا ہوں اور نیز یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔"

تمہید: چونکہ یہ بیان ایک مہمان کی فرمائش سے ہو رہا ہے اور فرمائش ہے خاص اس لئے مضمون بھی خاص ہوگا جس کا مقتضی تقلیل ہے اس لئے خیال یہ ہے کہ بیان مختصر ہی ہوگا اور اسی واسطے مضمون بھی سہل اختیار کیا ہے تاکہ صاحب فرمائش کو فہم میں آسانی ہو اور اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علوم تو فی نفسہ سہل ہی ہوتے ہیں دقت و غموض مقدمات و مبادی کی وجہ سے ہو جاتا ہے ورنہ مقاصد سہل ہی ہوتے ہیں جن کو شہری اور دیہاتی عورتیں اور مرد جاہل اور فلسفی سب کے سب آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں، مقاصد شرعیہ میں کوئی غموض اور پیچیدگی نہیں ہے۔ ہاں جب ان پر دلائل قائم کئے جائیں اور ان کے مقدمات و مبادی پر کلام کیا جائے تو اس وقت دقت و غموض ہو جاتا ہے مگر دلائل و مقدمات قائم کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ بعض لوگ ان مقاصد میں شبہات نکالنے لگتے ہیں اگر شبہات نہ پیدا کئے جائیں تو نفس مقاصد علوم انبیاء میں سہل و آسان ہی ہوتے ہیں اور یہی رنگ اُن حضرات کے علوم کا ہے جو وارثان انبیاء علیہم السلام ہیں اسی

www.besturdubooks.net

واسطے محققین کے علوم ان کی ابتدائی حالت میں تو غامض ودقیق ہوا کرتے ہیں اور انتہاء میں اُن کا مرجع بھی سہولت ہی کی طرف ہو جاتا ہے کیونکہ ابتداء میں ان کے اندر وراثت نبوت کامل نہیں ہوتی، انتہاء میں جب وہ مظہر علوم انبیاء ہو جاتے ہیں ان کے علوم سہل ہو جاتے ہیں جبکہ ابتداء کلام کی اُن کی جانب سے ہو اور اگر ابتداء کسی دوسرے کی طرف سے ہو تو اُس کے جواب میں دقت وغموض ہونا اور بات ہے کیونکہ اس وقت معترض کے شبہ کی وجہ سے ان کو دلائل مقدمات سے تعرض کرنا پڑتا ہے اور میں بتلا چکا ہوں کہ مقاصد میں مقدمات ومبادی کی وجہ سے غموض ہو جاتا ہے اور جس طرح سلسلہ تشریع میں جو علوم زیادہ نافع ہوتے ہیں وہی زیادہ سہل ہوتے ہیں اسی طرح سلسلہ تکوین میں بھی یہی قانون ہے کہ جتنی اشیاء زیادہ ضروری ہیں وہ نہایت سہل ہیں۔

ہوا کی اہمیت:

چنانچہ اسی سلسلہ تکوین میں سب سے زیادہ ضروری ہوا ہے دیکھئے وہ سب سے زیادہ سہل الحصول ہے کہ اس کے استعمال کے لئے ارادہ اختیار کی بھی ضرورت نہیں ورنہ زندگی موت ہو جاتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اور ایک وقت میں دو کام نہیں ہوسکتے تو اگر سانس لینے کے لئے ارادہ واختیار کی ضرورت ہوا کرتی تو دنیا کے اور کام بالکل ہی نہ ہوسکتے، بات کرنا چاہتے تو ایک طرف بات کا ارادہ کرنا پڑتا اور دوسری طرف سانس لینے کا ارادہ کرنا پڑتا اور دو طرف توجہ نہ ہوسکتی تو بات کرنا مشکل ہو جاتا اور سونا تو موت ہو جاتا کیونکہ سونے کی حالت میں سانس کا ارادہ اور قصد سخت ہی مشکل ہے اگر سانس لینا ہمارے ارادہ پر موقوف ہوتا تو بس ساری رات بیٹھے ہوئے سانس ہی لیا کرتے پھر سونا کس وقت ہوتا پس یہ کس قدر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جس چیز پر ہماری حیات موقوف تھی، اس کو ہمارے ارادہ واختیار پر موقوف نہیں رکھا بلکہ ایسا اضطراری بنا دیا کہ وہ بدوں قصد وارادہ کے برابر جاری رہتا ہے۔ اس کی طرف ہم کو توجہ کی بھی ضرورت نہیں اس لئے سونا بھی آسان ہو گیا اور دوسرے کاموں میں بھی توجہ کرنا سہل ہو گیا اور یہ سانس ایسا اضطراری امر ہے کہ اس کے لینے میں ارادہ کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اگر بند کرنا چاہو تو اس کے لئے ارادہ کرنا پڑتا ہے اور اس ارادہ میں بھی پوری کامیابی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے ذرا سی دیر میں جی تنگ ہونے لگتا ہے غرض جب سانس میں ہوا کا لینا ایسا ضروری تھا تو حق تعالیٰ نے اُس کا سامان بھی اتنا سہل کر دیا کہ اس کی تحصیل میں کوشش کی بھی ضرورت نہیں چنانچہ ہر جگہ ہوا موجود ہے اور جو آسمان میں بھری ہوئی ہے جو سانس کے ساتھ ہر وقت

www.besturdubooks.net

آمدورفت کرتی رہتی ہے گو تکثیر ہوا کے لئے اسباب کی ضرورت ہو مثلاً گرمی کے وقت زیادہ ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا جھلنا پڑتا ہے مگر تکثیر ہوا پر حیات موقوف نہیں صرف راحت موقوف ہے اور سانس کے لئے جتنی ہوا کی ضرورت ہے اس کے لئے کسی سامان کی ضرورت نہیں۔

ضروری اشیاء:

اس کے بعد پانی کا درجہ ہے کہ اس پر بھی حیات موقوف ہے یہ ہوا سے کسی قدر دشوار ہے کہ اس میں ارادہ واختیار واستعمال کی بھی ضرورت ہے۔ اور بعض دفعہ چل کر لانا بھی پڑتا ہے کیونکہ یہ ہر جگہ موجود نہیں اور بعض دفعہ خریدنا بھی پڑتا ہے، ہوا میں اس کی بھی ضرورت نہیں وہ ہر جگہ موجود ہے اسی طرح غذا میں جن چیزوں کی ضرورت زیادہ ہے وہ اور اشیاء سے سہل ہیں اور جو چیزیں سب سے زیادہ غیر ضروری ہیں وہ سب سے زیادہ صعب الحصول ہیں یعنی جواہرات کہ نہ کھانے کے نہ پینے کے نہ اوڑھنے کے نہ بچھانے کے ان پر زندگی کا کوئی کام بھی اٹکا ہوا نہیں چنانچہ بہت سے آدمیوں نے عمر بھر بھی ان کی صورت نہ دیکھی ہوگی مجھے خود اپنا قصہ یاد ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ لکھنؤ میں میرے ایک دوست جواہرات کی تجارت کرتے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کچھ جواہرات ہوں تو ہم کو بھی دکھلا دو اس کے بعد انہوں نے ایک ڈبیہ جیب میں سے نکالی جس میں ہزاروں روپیہ کے جواہرات تھے، میں نے اس روز اُن کی شکل دیکھی ہے، پھر جو سب سے زیادہ قیمتی موتی ہے وہ سم قاتل ہے جو دوا کے بھی کام میں نہیں آتا، یعنی ہیرا اور جو جواہرات کسی کے نزدیک دوا میں کام آتے ہیں جیسے یاقوت ویشب وغیرہ وہ ہیرے سے ارزاں ہیں مگر اور دواؤں سے یہ بھی قیمتی ہیں کیونکہ ان کا دوا ہونا مختلف فیہ ہے اطباء ان کو دوا مانتے ہیں اور ڈاکٹر ان کو دوا نہیں مانتے تو یہ تکوین میں سہولت کا بیان تھا۔

ایمان کی اہمیت:

اب تشریع میں دیکھئے کہ سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اس قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لینا اور زبان سے کہہ لینا کافی ہے تکرار استحضار واظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں صرف اتنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے اس کا اعتقاد واظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد واظہار نہ ہو باقی ہر وقت اس اعتقاد کا استحضار و تکرار اظہار مکمل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہوگی باقی نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں اور اگر کسی کو عمر بھر میں ایک بار بھی

www.besturdubooks.net

زبان سے اس اظہار کی قدرت نہ ملی ہو تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے، اگر قدرت ہو تو پھر عدم اظہار میں اختلاف ہے کہ اس وقت محض تصدیق قلبی عنداللہ ایمان معتبر ہے یا نہیں مذہب منصور (اور صحیح قول) یہ ہے کہ عنداللہ یہ بھی ایمان معتبر ہے مگر باوجود قدرت کے عدم اظہار معصیت ہے جس کا گناہ ہوگا اور عندالناس یہ شخص احکام ظاہرہ میں کافر ہوگا کیونکہ ہم کو بدوں اظہار کے ایمان کا علم نہیں ہو سکتا اور علم ہو بھی جائے تو چونکہ اس نے باوجود قدرت کے ایمان ظاہر نہیں کیا اس لئے ہم اس کو احکام دنیا میں مومن نہیں کہہ سکتے نہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے مگر عنداللہ یہ شخص مومن ہے گو عاصی بھی ہے تو دیکھئے ایمان میں کس قدر سہولت ہے کہ عنداللہ محض تصدیق قلبی بھی معتبر ہے اور نجات مطلقہ کے لئے تکرار استحضار و اظہار کی ضرورت نہیں۔

ارکان اسلام:

اس کے بعد ارکان اسلام کو دیکھئے جو شعائر اسلام ہیں کہ ایمان کے بعد اُن کا درجہ ہے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج وغیرہ ان میں چونکہ نماز روزہ سب سے زیادہ عام ہیں کہ ہر بالغ ان کا مکلف ہے تو یہ سب سے زیادہ سہل ہیں روزہ تو سہل ہے ہی کیونکہ اس کی حقیقت ترک ہے جس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا صرف کھانا پینا وغیرہ چند اشیاء کو ترک کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ ترک بہ نسبت فعل کے سہل ہے سہولت صوم کے متعلق میرا ایک بیان نہایت مبسوط ہو چکا ہے جس میں یہ مسئلہ اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے۔ نماز میں بعض قیود کی وجہ سے البتہ کچھ دقت ہے اسی لئے ارشاد ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ روزہ میں کچھ بھی دقت نہیں اسی لئے روزہ کا حکم بیان فرمانے کے بعد حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتے) گو یہ ارشاد جملہ احکام کو عام ہے لیکن اس حکم عام کو روزہ کے باب میں بیان فرمانا اس کو مقتضی ہے کہ روزہ کے ساتھ یسر کو خاص خصوصیت ہے روزہ کے سہل ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مستورات اس کے لئے بہت باہمت ہیں حالانکہ وہ مردوں سے ضعیف ہیں اور نماز سے عورتیں چور ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ روزہ میں کچھ کرنا نہیں پڑتا چنانچہ کوئی ذکر روزہ کا جزو و رکن نہیں ہے۔ ہاں تکثیر ذکر موجب کمال صوم ضرور ہے رہی نیت صوم وہ اگرچہ وجودی شئے ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے، پھر بھی وہ صوم کی شرط اور اُس سے مقدم ہے جزو صوم نہیں، اگر جزو ہوتی تو صوم سے مقدم کس طرح ہوتی اور نماز میں اذکار کو جزو بنایا گیا ہے چنانچہ تکبیر تحریمہ بعض کے نزدیک رکن ہے اور ہمارے نزدیک شرط مقدم ہے اور قرأت اتفاقاً رکن داخلی ہے اور

www.besturdubooks.net

تشہد واجب ہے اس لئے نماز گو نہ بہ نسبت صوم کے دشوار ہے مگر فی نفسہ دشوار نہیں بلکہ سہل ہی ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے تکان ہو، پریشانی ہو کوئی بوجھ اٹھانا نہیں پڑتا۔

حقیقت اذکار:

رہے اذکار تو وہ گو رکن صلوٰۃ ہیں مگر دشوار نہیں کیونکہ اذکار کی حقیقت ذکر اللہ ہے اور اللہ کی یاد سبب راحت ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (ترجمہ: یاد رکھو کہ دلوں کو اطمینان صرف اللہ کی یاد سے حاصل ہوتا ہے) مریض کے دل سے پوچھو کہ بیماری میں ذکر اللہ کو خود دل چاہتا ہے بے ساختہ زبان سے اللہ اللہ نکلتا ہے اور اس سے ایسی راحت پہنچتی ہے گویا بوجھ اتر گیا اگر ذرا بھی حس ہو تو خود معلوم ہو جائے گا کہ واقعی ذکر اللہ راحت ہے اور صوفیہ کے واقعات تو اس پر شاہد عدل ہیں کہ ذکر اللہ ان کی غذا بن جاتا ہے اور غذائے جسمانی کا کام دیتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ذکر اللہ کرنے والے کی غذائے جسمانی کم ہو جاتی ہے یعنی ذکر اللہ میں مشغول ہونے سے پہلے جس قدر اس کی غذا تھی اس سے اب کم ہو جائے گی، یہ مطلب نہیں کہ اس کی غذا ہر شخص سے کم ہو جائے گی اور دنیا میں کوئی اس سے کم کھانے والا نہ ہوگا نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ خود اس شخص کی غذا جو ذکر سے پہلے تھی بعد اشتغال بالذکر کے کم ہو جائے گی اور یہی جواب ہے اس اشکال کا جو حدیث پر کیا گیا ہے کہ **المؤمن یا کل فی معاواحد والکافر یا کل فی سبعة امعاء** حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کی خوراک کافر سے کم ہوتی ہے، اس پر بعض کو اشکال پیش آیا ہے کہ ہم تو بعض مسلمانوں کی خوراک کافروں سے زیادہ دیکھتے ہیں جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہر مسلمان کی خوراک ہر کافر سے کم ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر کافر مسلمان ہو جائے تو اسلام کے بعد اس کی خوراک پہلے سے گھٹ جائے گی اور کفر کی حالت میں وہ جتنا کھاتا تھا اب اس سے کم کھائے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ کفر میں خاصہ ہے کہ اس سے دنیا کی حرص بڑھتی ہے کافر کھانے کے وقت صرف پیٹ ہی نہیں بھرتا بلکہ نیت بھی بھرتا ہے اور مسلمان صرف پیٹ بھرتا ہے۔ اگر کسی کو اس جگہ یہ سوال پیدا ہو کہ تم نے تو حدیث کا مطلب ایسا بیان کیا کہ جس کے سمجھنے کے لئے کسی کافر کے اسلام کا انتظار کرنا پڑے گا تو میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ اگر تم کافر کے اسلام کا انتظار نہ کر سکو تو اس کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم دو آدمی یکساں تن و توش کے ایک حالت کے لے لو ایک

www.besturdubooks.net

مسلمان ایک کافر پھر اُن کی خوراک کا موازنہ کرو تو یقیناً مسلمان کو کافر سے کم خوراک والا پاؤ گے اور تم کو جو اس میں اشکال ہوا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم نے بعض جگہ صرف یہ دیکھ لیا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہے، دوسرا کافر ہے اور مسلمان کی خوراک کافر سے زیادہ ہے یہ نہیں دیکھا کہ مسلمان تندرست مضبوط و توانا ہے اور کافر کمزور ہے یا مسلمان کئی وقت کا فاقہ زدہ ہے اور کافر فاقہ زدہ نہیں یا مسلمان تو پوری خوراک کھا رہا ہے اور بچانے کی فکر نہیں کرتا اور کافر اپنی پوری خوراک نہیں کھا رہا بلکہ بخل کی وجہ سے پیٹ کا ٹکڑا کفایت کرنا چاہتا ہے تو ایسی اختلافی حالت میں موازنہ نہیں ہو سکتا بلکہ موازنہ کی صورت وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کی کہ جس قوت وصحت و جسم کا مسلمان ہو اسی جیسا کافر بھی ہو اور دونوں یکساں حالت میں ہوں ایک دوسرے سے زیادہ فاقہ زدہ نہ ہو اور دونوں اپنی خوراک کے موافق کھا رہے ہوں کوئی بچت اور کفایت کے درپے نہ ہو جس کی سہل صورت یہ ہے کہ دونوں کو دعوت کے موقع پر دیکھو یا خود دعوت کرو اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعی مسلمان کافر سے کم کھاتا ہے اور جس طرح اسلام سے خوراک کم ہو جاتی ہے اسی طرح حرص مال بھی کم ہو جاتی ہے۔

کافر کا حرص:

کافر مال کا زیادہ حریص ہے کیونکہ کفر میں طلب دنیا کا خاصہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کافر تو دنیا ہی کو جانتا ہے آخرت کو نہیں مانتا اس لئے وہ دنیا کا حریص نہ ہو تو اور کس چیز کا حریص ہو اور مسلمان آخرت کو بھی مانتے ہیں اس لئے وہ دنیا کے زیادہ حریص نہیں ہوتے اسی لئے مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہے کیونکہ ان کو فکر کسب نہیں ورنہ کیا مسلمانوں کو کمانا نہیں آتا کمانا تو ایسا آتا ہے کہ بعض مسلمان قوموں نے کافروں کو بھی ہرا دیا لیکن عام طور پر مسلمانوں کو کمانے کی فکر نہیں بخلاف کفار کے کہ وہ ہر دم اسی فکر میں رہتے ہیں۔

چنانچہ لہٹہ کا قصہ ہے کہ میں بہلی میں سوار ہو کر وہاں سے گزر رہا تھا تو سرکاری سکول سے دو لڑکے سیر و تفریح کو نکلے جن میں سے ایک مسلمان کا لڑکا تھا ایک ہندو کا، اور دونوں کے پاس ایک ایک پیسہ تھا جو ان کو گھر سے ملا ہوگا دونوں نے صلاح کی کہ اس پیسہ کا کچھ لے کر کھانا چاہئے پھر مشورہ ہوا کہ کیا لینا چاہئے مسلمان لڑکے نے کہا کہ ہم تو اس کا پیڑا لیں گے، ہندو لڑکا بولا کہ ہم تو سنگھاڑے لیں گے تاکہ پیٹ میں کچھ بوجھ تو ہو اس کو بچپن سے ہی اس کی فکر تھی کہ کسی صورت سے روٹی کی بچت کرنا چاہئے بخلاف مسلمانوں کے کہ انہوں نے اس کا سبق ہی نہیں پڑھا پس جو آیا

www.besturdubooks.net

کھایا اڑایا اور اس کی وجہ وہی ہے کہ کفار میں دنیا کی حرص مسلمانوں سے زیادہ ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ (ایسے شخص کو جو کافر رہے تو آرام برتاؤں گا) کی تفسیر میں ایک لطیف بات فرمائی ہے اس آیت میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ فَاُمَتِّعُهٗ کو ماقبل سے اعرابا کیا تعلق ہے، بعض نے کہا ہے کہ فَاُمَتِّعُهٗ، کلام مستانف ہے اور مَنْ كَفَرَ، فعل مقدر کا مفعول ہے تقدیر یوں ہے وَارْزُقُ مَنْ كَفَرَ کہ میں کافروں کو بھی رزق دوں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاء میں مومنین کی تخصیص کی تھی، وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور پھلوں میں سے انہیں رزق عطا فرمایا جو ان میں سے اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر) حق تعالیٰ نے ومن کفر بڑھا دیا کہ دعاء رزق کو مومنین کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں کفار بھی شریک ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تخصیص ادبا کی تھی کیونکہ اس سے پہلی دعا میں انہوں نے تعمیم فرمائی تھی قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (ترجمہ: انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی) جس کو حق تعالیٰ نے مومنین کے ساتھ خاص کر دیا تھا تو اب انہوں نے دوسری دعا کو خود ہی مومنین کے ساتھ خاص کر دیا، حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اس کو خاص کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ رزق تو میں سب کو دوں گا۔

کافر اور متاع دنیا:

اس کے بعد فَاُمَتِّعُهٗ (پس اس کو فائدہ پہنچاؤں گا) سے کافر کو رزق دینے کی تفصیل ہے کہ اس کو صرف دنیا میں رزق دیا جائے گا آخرت کے رزق سے وہ محروم ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فَاُمَتِّعُهٗ خبر ہے مَنْ كَفَرَ کی اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ خبر پر فاء اس وقت داخل ہوتی ہے جبکہ مبتدا میں معنی شرطیت کے ہوں اور مبتدا سبب ہو خبر کے لئے تو لازم آئے گا کہ کفر کو تمتیع میں دخل ہو جمہور نے تو اس لازم کا التزام نہیں کیا اور یوں کہا کہ محض فائدہ کیلئے ہے ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ (پھر اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچاؤں گا) اور فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا (پس اس کو تھوڑے روز بہت آرام برتاؤں گا) اس کی تمہید ہے جس پر فاء اس لئے داخل ہو گئی کہ مبتداء کو فَاُمَتِّعُهٗ کے معطوف میں دخل ہے گو معطوف علیہ میں دخل نہ ہو مگر مقصود معطوف ہے معطوف علیہ محض اس کی تمہید ہے لیکن قاضی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں بلکہ من کفر کو فَاُمَتِّعُهٗ کے ساتھ ہی شرطیت کا علاقہ ہے اور کفر کو تمتیع دنیا میں دخل ہے، متاع دُنیا کامل طور پر کافر ہی کو دی جاتی ہے کیونکہ وہ آخرت کا قائل نہیں اس لئے ہمہ تن دنیا

www.besturdubooks.net

میں منہمک ہوتا ہے اور ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ دنیا میں ترقی کیونکر ہو اور مال کس طرح جمع کیا جائے تو دنیا کی تمتیع اسی کے لئے ہوئی ہے بخلاف مسلمان کے کہ اس کو اسلام انہماک فی الدنیا سے مانع ہوتا ہے، اس لئے اس کو تمتیع دنیا کافر سے کم ہوتی ہے اور دوسرے کافر تو دنیا میں محض دنیا کو مقصود سمجھ کر اس میں مشغول ہوتا ہے تو اس کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ دنیا ہی دنیا ہے بخلاف مسلمان کے کہ وہ دنیا کو مقصود سمجھ کر اس میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ ذریعہ اعمال آخرت اور ذریعہ ادائے حقوق سمجھ کر مشغول ہوتا ہے تو اس کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ دنیائے محضہ نہیں بلکہ چونکہ وہ اس کو مقدمہ آخرت بناتا ہے اس کے لئے یہ متاع دنیا بھی متاع آخرت ہے، لان مقدمة الشيء في حكمه پس اب یہ کہنا بالکل بے غبار ہے کہ تمتیع بالدنیا میں کفر ہی کو دخل ہے، ایمان و اسلام دنیا کو تو تمتیع بالدنیا میں دخل نہیں بلکہ اسلام کو تمتیع بالآخرت میں دخل ہے حتیٰ کہ وہ دنیا کو بھی بحکم آخرت بنا دیتا ہے۔ (واللہ اعلم) رہا یہ سوال کہ یہاں تو حق تعالیٰ نے کفر پر تمتیع قلیل کو مرتب فرمایا ہے حالانکہ یہ مشاہدہ ہے کہ کافر کو دنیا زیادہ ملتی ہے اور یہی توجیہ شرطیت کا بھی مقتضا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں متاع قلیل سے مراد دنیا ہے گو وہ دنیا مقدار میں کتنی ہی زیادہ ہو اس کو قلیل ہی کہا جاتا ہے کیونکہ آخرت کے مقابلے میں وہ لاشئی ہے چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى اور قاضی صاحب نے جو تمتیع بالدنیا کو کافر کے ساتھ خاص مانا ہے اس کی تائید دوسری نصوص سے بھی ہوتی ہے۔

خاصیت ایمان:

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ. وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ. (گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں) اور گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے عورتوں اور مردوں کے ساتھ خاص ہے مگر عموم الفاظ کی وجہ سے ہر خبیث و طیب کو عام ہے جس سے معلوم ہوا کہ خبیث چیزیں خبیثوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ چیزیں پاکیزوں کے لئے ہیں اور دنیا خبیث ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدنيا ملعون وملعون ما فيها الا ذكر الله وَمَا و الاه (سنن ابن ماجة: ۴۱۱۲، کنز العمال ۶۰۸۳، کتاب التمهید لابن عبدالبر ۱:۷ ۱۴ فی) (اور حضرات اہل اللہ کا ارشاد ہے الدنيا جيفة وطالبوها كلاب) اور ایک حدیث میں ہے لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى منها كافرا شربته ماء (مجمع الزوائد ۱۰:۲۸۸) تو ان نصوص کا مقتضٰی بھی

www.besturdubooks.net

یہی ہے کہ یہ خبیث دنیا کافروں ہی کے لئے خاص ہونا چاہئے۔ پس دنیا کافروں کے لئے ہے اور کافر دنیا کے لئے ہیں اور آخرت مسلمانوں کے لئے اور مسلمان آخرت کے لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بعد محبت دنیا کم ہو جاتی ہے۔ ایمان میں خاصہ ہے کہ وہ محبت دنیا کو سوختہ کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی کا قرضہ تھا اس نے آپ پر تقاضا کیا اور سختی کے ساتھ تقاضا کیا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں بھی نہ جانے دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غصہ آیا اور اس کو دھمکانا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو منع کیا اور فرمایا کہ صاحب حق کو تقاضا کا حق ہے غرض رات بھر آپ مسجد میں رہے اور وہ یہودی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا صبح کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تحمل و کرم کو دیکھ کر اسلام لے آیا پھر اسلام لاتے ہی اس کی یہ حالت ہوئی کہ یا تو رات کو مال کی اس قدر محبت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تقاضا کرتا اور گھر جانے سے بھی آپ کو روکے رکھا تھا اور یا اب کہتا ہے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس بہت مال ہے وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ ہے جہاں آپ مناسب سمجھیں تقسیم فرما دیں غرض اس کلمہ ایمان میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے حب دنیا کم ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند	درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت	مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

ترجمہ اشعار:

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے لا الہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) غیر اللہ کے ہلاک کرنے میں چلاؤ پھر دیکھو لا الہ کے بعد کیا رہ گیا، یعنی اللہ باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہو گئے۔ اے عشق عزت و شوکت سوز تجھ پر آفرین ہے کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا۔

مومن کا خاصہ:

اس پر شاید کوئی کہے کہ یہ ایمان کامل کا خاصہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کا عشق ہو کر اس سے حب دنیا کم ہو جاتی ہے، مطلق ایمان کا خاصہ ہو نہیں سکتا کیونکہ ہر مسلمان عاشق کہاں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (ترجمہ: اور جو ایمان والے ہیں سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں) اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اپنا عاشق فرمایا ہے کیونکہ

www.besturdubooks.net

شدتِ حُب ہی کا نام عشق ہے البتہ عشق کا لفظ چونکہ بھدا سا ہے اس لئے شریعت میں وارد نہیں ہوا، ہاں ایک حدیث میں یہ لفظ وارد ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ من عشقکم فکتم وعف کان له اجر شهيد ۔ سوممکن ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو اور بعض جہلاء صوفیہ نے قرآن میں بھی عشق کا لفظ ٹھونسا ہے چنانچہ ایک غالی کا قول ہے کہ حٰمٓ عٓسٓقٓ میں عشق کا ذکر ہے مگر مولویوں سے چھپانے کے لئے اس کو ہجی کے ساتھ ذکر کیا گیا، کسی نے سوال کیا کہ عشق میں تو شین معجمہ ہے اور حٰمٓ عٓسٓقٓ میں سین مہملہ ہے تو اس کا جواب اس جاہل نے یہ دیا ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمی تھے اس لئے آپ کی زبان سے بڑا شین ادا نہ ہوا آپ نے اس کو سین فرمایا توبہ توبہ...... اس نامعقول سے کوئی پوچھے کہ پھر سارے قرآن میں کسی جگہ بھی شین معجمہ نہ ہوتا آخر دوسری آیتوں میں آپ نے شین کو کس طرح اَدا کیا تھا؟ محدثین نے تو اس روایت کو بھی موضوع کہا ہے جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اذان میں شین کو سین بولتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ تو حبشی تھے جن کے وطن ہی کے نام میں شین موجود ہے وہ تو خوب موٹا شین اَدا کرتے ہوں گے جیسا کہ پانی پت قراء تفشی کرتے ہیں کہ منہ بھر کے شین کو اَدا کرتے ہیں اور جس حدیث کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے جس میں مادہ عشق مذکور ہے گو اس کی سَند میں کلام ہو لیکن معنی اس کے صحیح ہیں کہ عشق میں عفت و کتمان سے کام لیا جائے تو شہید ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دق وغیرہ میں شہادت کی بشارت فرمائی ہے اور عشق تو دق سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عشق مجازی مطلوب ہے کہ لگو اس کے لپٹانے اور اختیار کرنے بلکہ اس کی یہ فضیلت ایسی ہی ہے جیسے غریق و حریق و مدقوق و مطعون کی فضیلت ہے اس کا تو یہ مطلب نہیں کہ لگو ڈوبنے اور آگ میں کودنے اور بخار چڑھانے جو ایسا کرے گا اُس کو بجائے ثواب کے خودکشی کا عذاب ہوگا جو بہت سخت عذاب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بلا قصد کے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا کسی کو دِق ہو جائے تو اس کی یہ فضیلت ہے یہی مطلب اس حدیث کا ہے یہ گفتگو تو ضمنی تھی میں اس کو بیان کر رہا تھا کہ مولانا نے جو یہ فرمایا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے"

یہ ہر مومن کا خاصہ ہے اسی کو حق تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ میں بیان فرمایا ہے کیونکہ حب اور عشق دونوں مرادف ہیں جنس دونوں کی ایک ہے البتہ عشق میں حد سے تجاوز اور شدت ہوتی ہے وہ اس کی فصل ہے اس فصل کو الگ کر کے دیکھا جائے تو جنس میں حب و عشق ایک

www.besturdubooks.net

ہی ہیں اور نص میں حب کے ساتھ لفظ اشد بھی ہے بس اب تو شدت حب کا حاصل عشق ہی ہوا معلوم ہوا کہ ہر مومن اللہ کا عاشق ہے اس سے خالی کوئی نہیں مگر یوں کہئے کہ ایک مانع کی وجہ سے اثر ظاہر نہیں ہوتا ہم لوگوں نے ایک برف کا ٹکڑا اپنے دل پر رکھ لیا ہے (یعنی غفلت) اس برف کو ہٹا دو پھر وہ چنگاری اپنا اثر دکھائے گی اور اس برف کے ہٹانے کی یہ صورت ہے کہ اہتمام کر کے غفلت کو دُور کر دو فکر اور سوچ کی عادت کرو اور بالخصوص لا الہ الا اللہ کا تکرار کرو ایک دن یہ برف لا الہ الا اللہ کی گرمی سے پگھل جائے گی اور یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ ذکر اللہ سے راحت ہوتی ہے اُس پر تفریعاً یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ ذکر اللہ سے غذائے جسمانی کم ہو جاتی اور وہ خود غذا کا کام دیتا ہے۔

مقدار غذائے جسمانی:

شیخ ابن القیم فرماتے ہیں کہ اور میں ان کے صوفی ہونے کا قائل ہوں ان کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بڑا محقق صوفی ہے اس کے کلام کا رنگ بتلاتا ہے کہ یہ تصوف و معرفت سے خالی نہیں اور ابن تیمیہ کے صوفی ہونے کا ابن القیم کے قول سے معتقد ہوا ہوں کہ وہ ان کو صوفی مانتے ہیں باقی خود ابن تیمیہ کے کلام سے وہ رنگ ظاہر نہیں ہوتا جو ابن القیم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس میں شک کرے کہ ذکر اللہ سے غذائے جسمانی کم ہو جاتی ہے وہ غبی ہے (اھ) اور واقعی یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس میں بجز غبی کے کوئی شک نہیں کر سکتا اور جیسے ذکر اللہ کی کثرت سے غذائے جسمانی کم ہو جاتی ہے اسی طرح غذائے جسمانی کی کثرت سے غذائے روحانی یعنی ذکر اللہ کم ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

تہی از حکمتی بہ علت آں — کہ پری از طعام تا بینی

(یعنی جب تم روٹی سے ناک تک ٹھسے ہوئے ہو تو اب تمہارے اندر ذکر اللہ کیونکر سمائے) اس کی جگہ ہی نہیں رہی، اس لئے غذائے جسمانی میں کثرت نہ چاہئے بلکہ توسط کا لحاظ رکھنا چاہئے مگر یہ ضرور ہے کہ سب کا اوسط ایک نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا اوسط مختلف ہے چنانچہ ایک بزرگ کی خانقاہ میں ایک نیا مرید داخل ہوا تو وہ دوسروں سے زیادہ کھاتا تھا نقیب خانقاہ نے شیخ کو اطلاع دی کہ یہ نو وارد بہت کھاتا ہے اس کو تقلیل غذا کی نصیحت کی جائے شیخ نے اس کو بلایا کہ بھائی تم ایک وقت میں کتنی روٹیاں کھاتے ہو اس نے مقدار بتلائی جو پندرہ سولہ روٹیاں ہوں گی اور بقیہ اہل خانقاہ پانچ روٹیاں کھاتے تھے، شیخ نے کہا اس طریق میں تقلیلِ غذا ضروری ہے اور تم بہت کھاتے ہو اپنی خوراک کم کرو اور توسط کا لحاظ رکھو، مرید نے کہا کہ حضرت کیا سب کا اوسط برابر ہے یا ہر ایک کا اوسط

www.besturdubooks.net

جدا ہے فرمایا نہیں بلکہ ہر ایک کا اوسط جدا ہے، مرید نے کہا حضرت تو پہلے آپ نے مجھ سے تو یہ پوچھا ہوتا کہ تیری اصلی خوراک کیا ہے، میری اصلی خوراک چالیس پچاس روٹیوں کی ہے اس کے لحاظ سے یہ پندرہ سولہ تو اوسط سے بھی کم ہیں شیخ محقق تھے فوراً اپنی غلطی کو مان گئے اور خانقاہ والوں سے فرمایا کہ بھائی اس کو ملامت نہ کرو وقتی جتنا یہ کھاتا ہے وہ اس کے اوسط سے بھی کم ہے سب کا اوسط ایک نہ ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ وہ یہ کہ ایک چوہے اور اونٹ کی دوستی ہوگئی تھی، دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے ایک دفعہ راستے میں ندی آئی اونٹ تو بے تکلف اندر گھس گیا چوہا کنارہ پر رہ گیا اونٹ نے کہا پیچھے کیوں رہ گیا کہا میں ڈوب جاؤں گا تو اونٹ کہتا ہے کہ نہیں ڈوبنے کی کوئی وجہ نہیں ہے پانی تو گھٹنوں گھٹنوں ہے چوہے نے کہا حضور آپ کے گھٹنے تک تو میرا سارا خاندان ڈوب جائے گا تو جو شخص سب کو اپنے اوپر قیاس کرے وہ اس اونٹ کے مشابہ ہے جس نے چوہے کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا، میرٹھ میں ہمارے ایک دوست ہیں وہ جب قصد کرتے ہیں تو بہت کھاجاتے ہیں اور کمال یہ کہ نہ قبض ہو نہ اسہال بلکہ اُس حال میں ہی رہتے ہیں جو پہلے تھا ایک دفعہ ایک خوانچہ والے کی مصیبت آگئی، انہوں نے اس سے کہا کہ مٹھائی سے ہمارا پیٹ بھر دو اور بتلادو کہ پیٹ بھرائی کا کیا لوگے، وہ یہ سمجھا کہ بہت سے بہت سیر بھر کھالیں گے اس نے دس بارہ آنے بتلائے، یہ راضی ہوگئے اور کھانے جو بیٹھے تو سیروں کھا گئے آخر خوانچہ والے رونے لگا کہ تم مجھ سے اپنے دام واپس لےلو میں اپنی شرط سے باز آیا، اب ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا اوسط دوسروں کے برابر نہیں ہوسکتا، غرض اوسط ہر ایک کا الگ ہے اس کی رعایت چاہئے اور اوسط سے تجاوز کرنا اور زیادہ کھانا برا ہے۔

تشبہ بالملٰئکہ:

اسی طرح اوسط سے کم کھانا بھی مضر ہے یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ یہاں بعض مبتدی سلوک بھی موجود ہیں جو محقق نہیں ہیں کہیں وہ کم کھانے کی فضیلت سُن کر غذا کو اوسط سے بھی کم نہ کردیں چنانچہ بعض مبتدی ایسا کرچکے ہیں اور اس سے ضرر اُٹھاچکے ہیں ایک ضرر تو جسمانی ہے کہ غذا بہت کم کرنے سے ضعف لاحق ہوجاتا ہے اور ایک ضرر مقصود سلوک کا ہے وہ یہ کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ تشبہ بالملٰئکہ حاصل کرے اور تشبہ بالملٰئکہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو نہ شبع سے بدمست ہو نہ جوع سے پریشان ہو بلکہ معتدل حالت میں رہ کر طمانیت و جمعیت قلب سے متصف ہو پس بھوکا رہنا کمال نہیں بلکہ فی نفسہ نقص ہے مگر بعض دفعہ ضرورت علاج کے لئے تجویز کیا جاتا ہے جیسے دست آنا کمال نہیں مگر بعض دفعہ کسی ضرورت سے مسہل دیا جاتا ہے اور بعض بیماروں کو فاقہ کرایا جاتا

www.besturdubooks.net

ہے مگر فی نفسہ مطلوب نہیں جیسے سفر حج میں ہمارے ساتھ ایک رفیق حج ایسا ہی سمجھتے تھے وہ کبھی تو اتنا
کھاتے کہ کئی آدمیوں کی خوراک کھا جاتے اور کبھی ایسا فاقہ کرتے تھے کہ کئی دن تک کچھ نہ کھاتے
اور یہ کہا کرتے تھے کہ مجاہدہ اکلاً و جوعاً دونوں طرح ہونا چاہئے کیونکہ مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان
کرنا ہے تو زیادہ کھا کر بھی اسے پریشان کرنا چاہئے اور فاقہ کر کے بھی مگر بندہ خدا دونوں حالتوں میں
تشبہ بالملئکہ سے محروم تھا کبھی شبع سے بدمست ہوتا اور کبھی فاقہ سے پریشان ہوتا تو یہ کمال نہ تھا بلکہ
نقص تھا وہ بیچارہ ایسے شاہ صاحب کا مرید تھا جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی وراثت یعنی تعلیم و
تربیت کچھ نہ تھی اس لئے ان کے مریدوں کے اندر ایسی ہی بے قاعدہ باتیں ہیں بلکہ بہت سے
شرکیات میں مبتلا ہیں کہ پیر کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور اپنی تحریرات کے اول میں بھی اُن کا نام
لکھتے ہیں اور افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ہماری جماعت کے اندر بھی ایک شائبہ شرک
کا آچلا ہے کہ خطوط میں بامداد اللہ اور ہو الرشید لکھتے ہیں اگر اس سے حضرت حاجی صاحب
اور حضرت مولانا گنگوہی کے نام سے استعانت و تیمن مقصود نہیں تو اس کی کیا وجہ کہ بعون اللہ اور
ہو اللہ کو چھوڑ کر امداد اور رشید کا لفظ اختیار کیا گیا کیا اللہ کا نام رشید ہی رہ گیا اور بھی تو بہت سے اسماء ہیں
مگر اُن میں پیر کے نام کی طرف کیونکر اشارہ ہوتا بس یہی شائبہ شرک ہے گو شرک نہ ہو اور اسی کے
قریب ایک مرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے نام کے ساتھ رشیدی قاسمی خلیلی محمودی لکھنے
لگے اور بعض کوڑی ہو کر اپنے کو اشرفی لکھتے ہیں اس میں شائبہ شرک تو نہیں مگر تحزب ہے اور پارٹی
بندی ہے اور حنفی شافعی لکھنے میں جو حکمت ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں تو اہل زیغ یعنی
مدعیان اجتہاد سے احتراز مقصود ہے یہاں کس سے احتراز مقصود ہے کیا اس جماعت میں بھی
تمہارے نزدیک کوئی صاحب زیغ ہے؟ جس سے امتیاز کا قصد کیا جاتا ہے البتہ اس کا مضائقہ نہ تھا
کہ یہ سب کے سب اپنے کو امدادی لکھا کریں تو اس میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ سلسلہ اہل بدعت
سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس زمانہ میں صوفیہ کے جس قدر سلاسل ہیں قریب قریب سب بدعات
میں مبتلا ہیں۔ صرف حاجی صاحب[1] کا سلسلہ ہی ایسا ہے جو اتباع سنت کے ساتھ ممتاز ہے یہ گفتگو
شیخ ناقص کے اُس مرید کے قصہ پر چلی تھی جو سفر حج میں ہمارا رفیق تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح
زیادہ کھانے سے تشبہ بالملئکہ فوت ہوتا ہے یوں ہی کم کھانے سے بھی یہ تشبہ زائل ہو جاتا ہے پس
جس طرح بہت کھانا مطلوب نہیں کم کھانا بھی مطلوب نہیں بلکہ اصل مقصود جمعیت قلب ہے فقہاء

---

[1] (اور حاجی صاحب کے خدام میں جو بعض مبتدعین تھے اُن سے سلسلہ ہی نہیں چلا یہ بھی اُس کی دلیل ہے کہ
وہ حاجی صاحب کے طریق پر نہ تھے ورنہ ضرور فیض چلتا)

www.besturdubooks.net

نے اس کو سمجھا ہے اور فقہاء بھی صوفی ہیں یہ مزاج شناس ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لئے فقہ و حدیث سب تصوف ہی ہے شریعت وطریقت ایک ہے ایک ہی چیز کے چند نام ہیں صوفی اگر واقعی صوفی ہوگا تو اس کو فقہ وحدیث میں بھی تصوف نظر آئے گا اور وہ یوں کہے گا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت رامی شناسم

(جس رنگ کا کپڑا پہنے گا قد کے انداز سے تجھ کو پہچان لوں گا)

اور ایک نسخہ یہ ہے ۔   بہر رنگے ترا من می شناسم

(ہر رنگ سے میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں)

اور ایک نسخہ یہ ہے ۔   من از رفتار پایت می شناسم

(پاؤں کی رفتار سے میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں)

ہر شاعر نے اپنے مذاق کے موافق جو اچھا لگا کہہ دیا اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ آشفتہ ایک شاعر تھا اس نے ایک غزل لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

حال آشفتہ چہ دانی بے خبر   در خیالِ زلف عنبر بُوئے تو

(تیرے زلف وعنبر میں آشفتہ کا جو حال ہے بے خبر تو اس کو کیا جان سکتا ہے)

اور استاد کے سامنے اصلاح کے لئے پیش کی استاد نے یوں اصلاح دی ۔

حال آشفتہ پریشان ترشدہ

(آشفتہ کا حال زیادہ پریشان ہوگیا)

غالب کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ استاد صاحب قال ہے اور شاگرد صاحب حال ہے۔ واقعی ۔

حالِ آشفتہ پریشان تر شدہ

(آشفتہ کا حال زیادہ پریشان ہوگیا)

میں صنعت تو بڑھ گئی کہ آشفتہ اور پریشانی میں خاص مناسبت ہے مگر چہ دانی بے خبر میں جو بے ساختگی اور بے چارگی ہے وہ پریشان ترشدہ میں کہاں، اسی طرح کسی نے صنعت کا لحاظ کر کے ۔

من انداز قدت رامی شناسم

(قد کے انداز سے میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں)

کہا اور کسی نے بے ساختگی سے ۔

www.besturdubooks.net

بہر رنگے ترا من می شناسم
(ہر رنگ سے میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں)

کہا یہ تو ایک لطیفہ تھا مقصود یہ ہے کہ شریعت اور طریقت دونوں ایک ہی چیز کے ایوان ہیں۔

عبار اتناشتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہمارے عنوانات مختلف ہیں مگر مضمون صرف ایک حسن ہے اور ہر عنوان اس خوبصورتی کی طرف اشارہ ہے۔

چائے میں برف:

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو تیز بھوک لگ رہی ہو اور کھانا سامنے رکھا ہو، اِدھر جماعت شروع ہوگئی ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے یہ مسئلہ تو حدیث میں صراحتاً مذکور ہے اذا حضر العشاء و العشاء فابدؤا بالعشا (جب کھانا سامنے آئے اور عشا کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ) جس سے معلوم ہوا کہ کم کھانا مطلوب نہیں بلکہ جمعیت قلب مطلوب ہے اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کھانے کو نماز سے مقدم فرمایا پھر فقہاء نے اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تصریح کی وہ یہ کہ اگر کسی کو بھوک زیادہ نہ ہو مگر کھانا ٹھنڈا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور ٹھنڈا ہونے سے اس کی لذت جاتی رہے گی جب بھی اجازت ہے کہ کھانا پہلے کھالے اور نماز کو موخر کردے کیونکہ بعض کھانے ایسے ہیں جن کی لذت گرم ہی رہنے تک ہے مثلاً چائے گرم ہی اچھی لگتی ہے اور اہل ذوق کہتے ہیں کہ پلاؤ گرم ہی اچھا ہوتا ہے اور زردہ ٹھنڈا اچھا ہوتا ہے اور ہمارا ذوق تو سب ہی سے نرالا ہے ہم تو اُس دیہاتی پیر کے مشابہ ہیں جس سے مرید نے کہا کہ حضور میں نے میٹھے چاول پکائے ہیں گھی سے کھائیں گے یا دودھ سے تو پیر نے کہا بھائی ہم بے سوادوں کا کیا سواد، ہم تو گھی لگا کر اوپر سے دودھ ڈال لیں گے۔ (سبحان اللہ! دونوں نعمتوں کو منگوا کر بھی بے سواد ہی رہے۔) اور آج کل جنٹلمینوں میں یہ نیا رواج نکلا ہے کہ چائے میں برف ڈال کر پیتے ہیں یہ تو محض یورپ کے مقلد ہیں اگر وہ کسی وقت ناک کٹوانے لگیں تو یہ ناک بھی اڑا دیں گے اس فیشن کی اصل یہ ہے کہ کوئی انگریز بڑے درجہ کا ریل سے اسٹیشن پر اتر کر ہوٹل میں کھانا کھانے گیا پھر چائے سامنے لائی گئی جو بہت گرم تھی ٹھہر ٹھہر کر پینے میں گاڑی چھوٹ جانے کا اندیشہ تھا اس نے اس مصلحت سے برف ڈال لیا تھا کہ ٹھنڈا کرنے میں دیر نہ لگے کسی ہندوستانی نے صاحب بہادر کا یہ فعل دیکھ لیا وہ سمجھے کہ یہ بھی فیشن ہے حالانکہ ایک خاص وجہ سے اس نے ایسا کیا تھا۔

www.besturdubooks.net

کھانے کی رعایت:

فقہاء نے کھانے کی یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر ٹھنڈا ہونے سے اس کی لذت زائل ہو جانے کا اندیشہ ہو جب بھی نماز کو مؤخر کر دینا جائز ہے اور منشا اس کا وہی ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنے سے جمعیت قلب فوت ہوگی بار بار یہ خیال آئے گا کہ نماز جلدی پڑھوتا کہ کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے، معلوم ہوا کہ اصل مطلوب جمعیت قلب ہے کہ اسی سے تشبہ بالملئکہ حاصل ہوتا ہے کم کھانا مطلوب نہیں اور پہلے صوفیہ سے جو تقلیل غذا کے واقعات منقول ہیں آج کل ان پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ ان حضرات میں قوت زیادہ تھی ان کو غذا بہت کم کرنے سے بھی جمعیت قلب فوت نہ ہوتی تھی ان کی قوت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اُن سے بعضے ایسے اشغال منقول ہیں جو آج کل کوئی کرے تو مر ہی جائے چنانچہ ایک شغل صلوٰۃ معکوس کا ہے اور اُس کو اصطلاحاً صلوٰۃ کہہ دیا گیا ہے ورنہ وہ نماز نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اُلٹا لٹک کر شغل کرتے ہیں، بابا فرید شکر گنج سے یہ مراقبہ منقول ہے کہ کسی کتاب میں تو دیکھا نہیں مگر مشہور ہے کہ وہ رات کو ایک کنوئیں میں الٹا لٹک کر شغل کرتے تھے اور نماز کے وقت مؤذن اُن کو نکال لیا کرتا تھا، آج کل ایک جاہل شیخ نے اپنے ایک مرید کو یہ شغل تعلیم کیا اس نے شکایت کی کہ مجھے تو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے جو برداشت سے باہر ہے کہا کچھ پرواہ نہیں مجاہدہ تو ہے ہی تکلیف کے لئے انجام یہ ہوا کہ ایک دن غریب کی جان نکل گئی مگر شیخ جاہل کو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوئی سمجھ لیا ہوگا کہ شہید ہوا اور واقعی جب کا فر کا مارا شہید ہے تو تیرا مارا ہوا کیونکر شہید نہ ہوگا وہ تو شہید ہی ہوا مگر تو جہنمی ہوگیا۔ جیسے ایک جاہل طبیب نے کسی مریض کو مسہل دیا تھا کہ اس کو دست بہت آئے طبیب کو اطلاع دی گئی کہ دست بہت آرہے ہیں بند کرنے کی تدبیر کرنا چاہئے کہا آنے دو مادہ نکل رہا ہے، دوسرے دن پھر کہا گیا کہ اب بھی دست بند نہیں ہوئے کہا کچھ پرواہ نہیں اُس میں مادہ بہت ہے نکلنے دو آخر تیسرے دن وہ مر گیا تو طبیب کہتا ہے اللہ رے مادہ نکل کر تو یہ نتیجہ کیا اندر رہتا تو نہ معلوم کیا کرتا کوئی اس احمق سے پوچھے کہ موت سے زیادہ کیا کرتا ہاں شاید طبیب کو یہ احتمال ہو کہ اندر رہ کر دوسروں کو بھی مار دیتا جیسا کہ ڈاکٹر بعض امراض کو متعدی مانتے ہیں غرض پہلے بزرگوں پر اپنے کو قیاس کر کے تم ان کی طرح غذا کم کرنے کی تدبیر نہ کرو ان میں قوت بہت زیادہ تھی تم کمزور ہو تم کو زیادہ تقلیل سے تکلیف ہوگی جس سے جمعیت قلب فوت ہو جائے گی، شاید اس پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم کو تو جمعیت قلب نہ کھانا کم کرنے سے حاصل ہے نہ زیادہ سے نہ اوسط سے۔

www.besturdubooks.net

جمعیت قلب:

تو سمجھ لو کہ جمعیت قلب وہ مطلوب ہے جس میں اپنی طرف سے اسباب مشوشہ کو اختیار نہ کیا جائے پھر اگر جمعیت حاصل نہ ہو تو یہ معذور ہے اور جب کھانا اوسط مقدار میں کھایا جائے گا تو یہ بات ضرور حاصل ہوگی اور زیادہ کھانے اور بہت کم کھانے میں یہ بات حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس نے خود اسباب مشوشہ کو جمع کیا اور جمعیت قلب بہ ایں معنی مطلوب نہیں کہ بلا قصد بھی تشویش نہ ہو میرا تجربہ ہے اور میں اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ جو تشویش قلب اختیار سے ہو وہی مضر ہے کیونکہ یہ شخص خود بخود پریشانی کو خریدتا ہے اور اگر بلا قصد تشویش ہو وہ کچھ مضر نہیں مثلاً ایک شخص صاحب عیال ہے اس وجہ سے دنیا میں مشغول ہے اور اس کو کسی وقت یکسوئی حاصل نہیں ہوتی نماز اور ذکر میں بلا قصد و اختیار وساوس مشوشہ آتے رہتے ہیں تو یہ کچھ مضر نہیں اور جس کو پریشانی کچھ نہیں مگر وہ خواہ مخواہ بالقصد مشوشات کو جمع کرتا ہے، یہ مضر ہے پس جن مشتغلین بالدنیا کو توسط فی الغذا سے یکسوئی حاصل نہیں ہوتی وہ ہرگز پریشان نہ ہوں کیونکہ اس کے بعد جو تشویش بلا قصد ہوگی وہ ذرا مضر نہیں کہ وہ محض وسوسہ غیر اختیاری ہوگا جو وسوسہ و حدیث النفس غیر اختیاری ہو وہ مضر نہیں البتہ جو قصد اور بلا ضرورت ہو وہ مضر ہوتا ہے اور یہ بات کہ ضروری مضر نہیں اور غیر ضروری مضر ہے کچھ حدیث النفس ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حدیث اللسان یعنی کلام لسانی میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ ہر چند کہ تقلیل کلام ضروری ہے اور تکثیر کلام مضر ہے مگر وہی تکثیر مضر ہے جو بے ضرورت ہو چنانچہ بلا ضرورت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالنا قلب کا ستیاناس کر دیتا ہے مگر قلوب پر چونکہ ظلمت محیط ہے اس لئے بہت لوگوں کو اس مضرت کا احساس نہیں ہوتا اگر قلب میں نور ہو تو معلوم ہوگا کہ اس ایک غیر ضروری کلمہ سے قلب کا کیا حال ہو گیا لیکن بضرورت تکثیر ہو تو کچھ بھی مضر نہیں مثلاً ایک شخص پہرہ دینے پر نوکر ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا ہے اس سے نور قلب میں کچھ بھی کمی نہ آئے گی، اسی طرح دکاندار خریداروں سے تجارت کی ضرورت سے گھنٹوں باتیں کرتا ہے تو جب تک ضرورت کی وجہ سے باتیں کر رہا ہے اس کے قلب کو اس سے کچھ ضرر نہ ہوگا خواہ کتنی ہی دیر لگ جائے اسی طرح تحریر میں بھی جب تک ضرورت کا مضمون لکھا جائے کچھ ضرر نہ ہوگا اور بے ضرورت ایک جملہ بھی لکھا گیا تو قلب کا ناس ہو جائے گا یہ ذرا سی بات ہے اس کو غور سے سنو کیونکہ بہت لوگ کلام فضول کو تو مضر سمجھتے ہیں مگر تحریر کو مطلقاً مضر نہیں سمجھتے گو فضول ہی ہو وہ اس کو کلام ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی ایک نوع ہے کلام کی۔

www.besturdubooks.net

کلام کی اقسام:

ان کا تحریر کو کلام نہ سمجھنا ایسا ہے جیسا ایک طالب علم نے نماز میں قم کہا تھا اور وہ کلام صرف اردو جملہ کو سمجھتا تھا اور عربی کو تلاوت سمجھتا تھا جیسے ایک گنوار نے مزاح میں عربی لغات کو قرآن خوانی سے تعبیر کیا تھا قصہ یہ ہوا کہ لکھنؤ میں ایک رئیس کے پاس جس کو لغات بولنے کا شوق تھا گاؤں کے زمیندار آئے تو رئیس نے ان سے پوچھا کہ امسال تمہارے کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں تو ایک گنوار نے کہا کہ چلو میاں یہ تو ابھی کُران (قرآن) پڑھ رہے ہیں جب آدمیوں کی بولی بولیں گے اُس وقت آئیں گے ان رئیس کا نام تفضل حسین خان تھا یہ عامل بھی تھے گو بزرگ نہ تھے چنانچہ وہ عمل ہی کے ذریعے شیر کو مسخر کر لیتے تھے ایک دفعہ ایک شیرنی ان کے گھر میں سو رہی تھی جس پر کپڑا ڈال رکھا تھا اسی وقت ایک دوست ملنے آگئے انہوں نے شیرنی پر کپڑا پڑا ہوا دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید کسی عورت کو بھگا کر لائے ہیں جس کو چادر سے چھپا رکھا ہے وہ کہنے لگے کہ آج تو چوری پکڑ لی اور چادرہ اُٹھانا چاہا یہ کہنے لگے کہ خبردار کپڑا نہ اُٹھانا دوست نے کہا کہ ایسی کہاں کی حُور یا پَری ہے جو تاب نہ رہے گی یہ کہہ کر کپڑا اُٹھا دیا۔

کپڑے کا اُٹھانا تھا اور شیرنی نے غرا کر ان کی طرف نگاہ کی بس یہ صورت دیکھتے ہی دھڑام سے بے ہوش ہو کر گر پڑے تو جیسے گاؤں والوں نے اس رئیس کی باتوں کو کلام سے خارج کر کے تلاوت قرآن کہا تھا اسی طرح آج کل بہت لوگ تحریر کو کلام سے خارج سمجھتے ہیں اور اس کی مضرت کے معتقد نہیں وہ اس کو کلام ہی نہیں سمجھتے حالانکہ اگر قلب میں ذرا بھی سلامتی ہو تو معلوم ہو کہ جیسے ایک کلام لفظی ہے ایسے ہی ایک کلام تحریری بھی ہے اور ایک کلام نفسی بھی ہے اور ہر ایک میں بلا ضرورت ایک جملہ سے بھی قلب کا ناس ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ ضرر غیر ضروری کلام نفسی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ قلب کے زیادہ قریب ہے مگر بہت لوگ اس کو بھی کلام نہیں سمجھتے اور بلا ضرورت حدیث النفس میں مشغول رہتے ہیں جس سے دل سیاہ و برباد ہو جاتا ہے بہر حال کلام کی تین قسمیں ہیں ایک کلام نفسی ہے ایک لفظی ہے ایک تحریری ہے اور کلام تحریری میں جیسے لکھنا داخل ہے ایسے ہی تحریر کا مطالعہ بھی داخل ہے لکھے ہوئے مضمون کا دیکھنا بھی تکلم تحریری ہے اس لئے ہر کتاب کا مطالعہ بھی جائز نہیں بلکہ ضروری اور مفید کا مطالعہ ہی جائز ہے اور جو تحریر مضر ہو جیسے ناول وغیرہ ان کا دیکھنا جائز نہیں اور جو مضر نہ ہو مگر بلا ضرورت ہو اس سے گناہ تو نہ ہوگا مگر قلب پر اس کا

www.besturdubooks.net

بھی بُرا اثر پڑے گا غرض کلام کی یہ تین قسمیں ہیں اور ہر ایک میں ضرورت کا درجہ مضر نہیں اور بلا ضرورت ایک جملہ کا تلفظ یا کسی بات کا سوچنا یا لکھنا مضر ہے، چنانچہ بعض لوگ کلام کو خوشنما بنانے میں ''سجع'' وغیرہ کا تکلف کرتے ہیں چونکہ یہ بلاضرورت ہے اس لئے قلب کو اس سے ضرر ہوتا ہے اور اسی کی تعلیم کے واسطے قرآن میں سجع کی رعایت نہیں کی گئی بعض سورتوں میں دور تک فواصل مسجع چلے گئے ہیں مگر آگے چل کر سجع کو توڑ دیا گیا حالانکہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہیں اُن کو سجع میں کیا تکلف ہوتا اگر وہ چاہتے تو سارے قرآن کو مسجع ہی نازل فرما دیتے مگر باوجود قدرت کے ایسا نہیں کیا گیا تو اس میں ہم کو تنبیہ ہے عدم تکلف کی کہ دیکھو جب ہم باوجود قدرت کے سجع کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ ہم کو اس میں تکلف بھی نہیں کرنا پڑتا تو تم کو بھی سجع کی رعایت نہ کرنا چاہئے کیونکہ تم کو تکلف کرنا پڑے گا اور بے ضرورت چیز کے لئے تکلف کرنا تم کو مضر ہے۔

عملی تعلیم:

اس تنبیہ کی نظیر وہ ہے جس کو ہمارے علماء نے خَلَقَ سَمٰوٰتٍ وَاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ میں بھی حکمت بیان کی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ کام میں عجلت نہ کرنا چاہئے بلکہ سکون واطمینان سے کرنا چاہئے دیکھو ہم نے باوجود یکہ ہم ایک کلمہ کن سے سب کچھ پیدا کر سکتے تھے پھر بھی زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا ہے پھر تم باوجود عجز کے عجلت کیوں کرتے ہو تو جیسا علماء نے حق تعالیٰ کے اس فعل کو تعلیم عملی پر محمول کیا ہے اسی طرح میرے نزدیک قرآن میں سجع کی رعایت نہ ہونا بھی عملی تعلیم ہے پس یہ شریعت کی بہت بڑی تعلیم ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔ حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء تر که مالا یعنیه (الکامل لابن عدی ۳:۹۰۷، مسند احمد ۱:۲۰۱، کنزالعمال ۳:۸۲۹۱) مگر آج کل مسلمانوں نے اس تعلیم کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے اکثر لوگ فضول باتوں کے درپے ہیں اور ضروریات سے غافل ہیں میرے پاس ایسے فضول سوالات بہت آتے ہیں جن کو اعتقاد یا عمل میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا میں ایسے سوالات کا جواب ہی نہیں دیتا بلکہ لکھ دیتا ہوں کہ یہ سوال فضول ہے اس پر بعض لوگ خفا بھی ہوتے ہیں مگر بے رنج کے گنج نہیں ملا کرتا اس وقت تو اُن کو میرا جواب ناگوار ہوتا ہے لیکن جب ان پر حقیقت منکشف ہوگی اس وقت اس جواب کی قدر ہوگی اور اس میں عوام کی خطا تو ہے ہی مگر اُن سے زیادہ بعض علماء کی بھی خطا ہے کہ ایسے فضول سوال کرنے والوں کو منہ لگاتے ہیں اور ان کو غلطی پر متنبہ نہیں کرتے پھر جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ علماء تو اس رنگ کے ہیں جو ہر

www.besturdubooks.net

سوال کا جواب دے دیتے ہیں اب وہ شخص اُن کو اوپر معلوم ہوتا ہے جو بعض سوالوں کو فضول بتلا کر رد کر دیتا ہے چنانچہ یہ بات اُن کی زبان پر بھی آتی ہے کہ ہم نے یہی سوال فلاں مولوی صاحب سے بھی کیا تھا انہوں نے تو اس کو فضول نہیں بتلایا بلکہ جواب دے دیا تھا گو اُس سے ہماری تسلی نہیں ہوئی اس طرح علماء نے جاہلوں کا دماغ بگاڑ دیا ہے کہ اب اُن کو یہی معلوم نہیں کہ ہمارے بعض سوالات فضول ولایعنی بھی ہوتے ہیں بلکہ وہ ہر سوال کو ضروری سمجھتے ہیں۔

قرأت اور موسیقی:

اس عدم تنبیہ کی نظیر میں مجھے ایک قصہ یاد آیا میں ایک دفعہ بریلی تھا وہاں ایک خان صاحب ایک انسپکٹر صفائی کے ہمراہ مجھے ملنے آئے، انسپکٹر نے ان کی تعریف کی کہ یہ موسیقی میں بہت ماہر ہیں اور یہ قرآن بھی بہت اچھا پڑھتے ہیں مجھے معلوم تھا کہ گویا آدمی قرآن کیا پڑھے گا مگر یہ خیال ہوا قرآن بھی اگر نہ سنا تو وہابیت کی اور رجسٹری ہو جائے گی اس لئے میرے منہ سے نکل گیا کہ بہت اچھا قرآن سن لوں گا پس خان صاحب تیار ہو گئے اور انہوں نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کو موسیقی کے قاعدہ سے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس طرح پڑھا کہ میں نے ان کی اعوذ باللہ سُن کر ہی کہا نعوذ باللہ، انہوں نے اول تو اعوذ کے واؤ کو بہت لمبا کھینچا اور آواز کو بھی بے حد بلند کیا پھر آواز کو اتارتے ہوئے بے حد پست کر کے باللہ کو ادا کیا، میں نے اعوذ باللہ سُن کر ہی اُن کو روک دیا کہ بس آگے قرآن کو بھی اسی طرز سے پڑھیں گے میں سُننا نہیں چاہتا کیونکہ اس طرح قرآن پڑھنا بھی حرام اور اس کا سننا بھی حرام، خان صاحب بگڑ گئے اور کہنے لگے واہ صاحب میں نے بہت سے علماء کو قرآن سنایا ہے کسی نے بھی مجھ پر اعتراض نہیں کیا، میں نے کہا خان صاحب میں نے اسی لئے متنبہ کیا ہے کہ آپ مجھ کو اُس فہرست میں شمار نہ فرماویں اُن علماء ہی نے آپ کو یہ جرأت دلائی ہے کہ آج آپ میرے سامنے بھی پڑھنے کو تیار ہو گئے اگر ان میں سے کوئی آپ کی خیر خواہی کرتا اور آپ کے عیب پر متنبہ کر دیتا تو آج آپ کو یہ نوبت نہ آتی اس پر خان صاحب تیز ہو کر کہنے لگے کہ اچھا پھر آپ ہی بتلایئے کس طرح پڑھنا چاہئے میں نے کہا یہ تو جب کہیے کہ میں اچھا پڑھنے کا دعویٰ کرتا ہوں میں خود ہی ماہر نہیں ہاں اچھا پڑھنے والوں کا پتہ بتلا سکتا ہوں آپ اُن سے جا کر صحیح طریقہ سیکھیے۔ پھر میں نے قراء پانی پت کا اور الٰہ آباد کے قاری صاحب کا پتہ بتلایا کہنے لگے بہت اچھا میں ان کے پاس جاؤں گا اور یہ

www.besturdubooks.net

جواب بھی خفگی کے لہجہ میں دیا، میں نے دل میں کہا کہ بس جا چکے، جانے والوں کی یہ صورت نہیں ہوتی خیر میرے جواب سے تو خان صاحب لاجواب نہ ہوئے مگر میرے ایک عزیز نے اُن سے ایسی بات کہی جس سے وہ بالکل لاجواب ہوگئے وہ بات یہ کہی کہ قرآن مجید ایک شاہی فرمان ہے اس کو اس طرح پڑھنا چاہئے جس سے سننے والوں کو اس کا شاہی فرمان ہونا معلوم ہو، غور کیجئے اگر آپ کو جارج پنجم اپنا کوئی فرمان دیں کہ اس کو لوگوں کو سُنا دو تو کیا آپ اس کو اسی طرح موسیقی کے قاعدہ سے گا کر پڑھیں گے کہ حضور (آواز ہلا کر) بادشاہ سلامت (آواز ہلا کر) یوں فرماتے ہیں، (آواز ہلا کر) ہرگز نہیں اگر اس طرح آپ پڑھیں گے تو بادشاہ فوراً اپنے فرمان کو آپ سے چھین کر دربار سے آپ کو نکال دے گا بادشاہ کے کلام کو اس طرح پڑھنا چاہئے جس سے اس کی عظمت وصولت ظاہر ہو نہ اس طرح جس طرح غزلیں پڑھی جاتی ہیں، تو دیکھئے ان خان صاحب کو میری تنبیہ اس لئے منکر معلوم ہوئی کہ دوسرے علماء نے ان کا قرآن سُن لیا اور متنبہ نہ کیا اسی سکوت نے تو عوام کا دماغ بگاڑ دیا ہے۔

بے سُود سوال:

باقی علماء میں تنبیہ کرنے والے بھی ہیں مگر کم مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے ایک نیلگر نے سوال کیا فلانے حافظ جی نے پوچھا ہے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں کون حق پر ہیں، مولانا نے فرمایا کہ بھائی تم کیا کام کرتے ہو کہا میں نیلگر ہوں فرمایا وہ حافظ جی کیا کرتے ہیں کہا جوتے بیچتے ہیں فرمایا جاؤ تم اپنے نیل کے مٹکے کی خبر لو اور کپڑے رنگو اور حافظ جی سے کہو جوتے بیچیں قیامت کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ جانیں اور حضرت امیر معاویہ جانیں ان کا قضیہ فیصلہ کے لئے تمہارے پاس نہ آئے گا اور نہ تم سے یہ سوال ہوگا کہ بتلاؤ ان دونوں میں سے کون حق پر تھے، واقعی خوب جواب دیا اسی طرح میرے پاس ایک شخص کا سوال آیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دارالحرب ہے تو آپ کیا کریں گے؟ بس اس کے بعد پھر سوال نہیں آیا، بات یہ ہے کہ آج کل مذاق ایسا بگڑا ہے کہ عوام تو عوام خواص کو بھی فضول سوالات کا مضر ہونا معلوم نہیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس سے قلب پر بھی کچھ اثر ہوتا ہے یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ ترک اکل خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اس طریق میں جمعیت قلب ہے اور وہ زیادہ تقلیل غذا سے بھی فوت ہو جاتی ہے تو اس حالت میں یہ

www.besturdubooks.net

شخص تشبہ بالملئکہ سے محروم ہوگا اور یہ کلام اس پر شروع ہوا تھا کہ ذکر اللہ سے راحت ہوتی ہے اور وہ غذائے جسمانی کے قائم مقام بن جاتا ہے اور نماز میں ذکر اللہ ہی ہے پس اب تو نماز بھی سہل ہوگئی اور اس کا ضروریات شرعیہ میں سے ہونا معلوم ہے تو دیکھئے کہ کتنی آسان ہے پس میرا دعویٰ واضح ہوگیا کہ جو امور تکوینا یا تشریعا زیادہ ضروری ہیں وہ سب سے زیادہ سہل ہیں۔

ایک قاعدہ کلیہ:

اب میں اصل مضمون شروع کرتا ہوں جو صاحب فرمائش کی رعایت سے سہل ہی اختیار کیا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے بندوں کو بتلادیں کہ میں غفور الرحیم ہوں اور میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ میرے بندوں کو دو باتیں پہنچا دو اور ظاہر ہے کہ ہر فعل اختیاری کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے تو اس فعل اختیاری کی بھی کوئی غایت ہونا چاہئے یعنی یہ کہ ان باتوں کے پہنچانے سے کیا مقصود ہے اور اس وقت یہ بات میری زبان سے بڑے کام کی نکلی ہے کہ ہر قول اور ہر فعل اختیاری کسی نہ کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے پس ہر بات اور ہر کام میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس کی غایت کیا ہے جس بات اور جس کام کی کچھ غایت معلوم نہ ہو وہ فضول ہے اور غایت معلوم ہو مگر مفید نہ ہو تو وہ بھی فضول ہے اور اگر وہ غایت کوئی ضرر ہو لازم یا متعدی تو وہ کام مضر ہے۔ اس قاعدہ سے آپ کو اپنے افعال واقوال کا حسن وقبح اور لغو یا مفید ہونا آسانی سے معلوم ہو جائے گا، میں عوام سے کہتا ہوں کہ تم جو علماء سے سوالات کیا کرتے ہو ان میں پہلے یہ سوچ لیا کرو کہ اس سوال کی غایت کیا ہے، بعض اوقات تو معلوم ہوگا کہ غایت کچھ بھی نہیں چنانچہ پوچھنے پر اقرار کرتے ہیں کہ غایت تو کچھ نہیں ویسے ہی سوال کر لیا تھا اس کا فضول ہونا اور لغو وبیکار ہونا تو ظاہر ہے اور بعض لوگ بڑی غایت یہ بتلاتے ہیں کہ ایک مخالف نے یہ سوال کیا تھا مگر یہ بھی لغو غایت ہے کیونکہ مخالف کا جواب وہ دے جو عالم ہو جاہل کو مخالف کے منہ نہ لگنا چاہئے کیونکہ اس طرح کام کہاں تک چلے گا گھڑے کا پانی کب تک باقی رہے گا کسی نہ کسی دن ختم ہو جائے گا۔ کام تو کنویں ہی سے چلے گا جس میں ہر دم آمد ہو تم نے ایک بات کا جواب ہم سے پوچھ کر دیدیا کل کو وہ اور کوئی سوال کرے گا اس کا جواب کیونکر دو گے اور جب یوں کام نہیں چل سکتا تو یہ حرکت لغو ہوئی اور یہ غایت بھی فضول ہوئی بس

www.besturdubooks.net

مخالف کا تو سہل جواب یہی ہے کہ اس سے صاف کہہ دو کہ بھائی ہم تو جاہل ہیں اگر تم کو سوال کرنا ہے تو ہمارے علماء کے پاس جاؤ وہ جواب دیں گے اور اگر جاہل کہنے سے شرم آتی ہے تو اجہل کہہ دیا کرو یہ لفظ جاہل کہنے سے آسان ہوگا کیونکہ تم کو اس کے معنی کی خبر نہیں اور جس سے کہو گے اس کو بھی خبر نہیں تو تم کو اجہل کہنے میں شرم نہ آئے گی، جیسے مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوتا تھا جس کو لوگ نبیا نبیا کہتے تھے ایک دفعہ اس نے مولانا سے درخواست کی کہ میرا ایک خط لکھ دیجئے مولانا نے خط لکھ دیا جب اس کا نام لکھنے لگے تو اس نے کہا نبیا نہ لکھئے نبی الدین لکھئے مولانا نے مزاحاً فرمایا نہیں نبح الدین ہوگا اور یہ نباح سے مشتق ہے جس کے معنی بھونکنے کے ہیں مگر اس کو تو لغت کی کچھ خبر نہ تھی وہ اس کو گاتا پھرتا تھا کہ میرا نام نبح الدین ہے مجھے نبیا نہ کہا کرو لوگ ہنستے تھے کہ بے وقوف یہ تو بہت برا نام ہے وہ کہتا واہ مولانا نے میرا نام یہی لکھا ہے اسی طرح جہاز میں ہمارے ایک بھوپالی صاحب نے ایک بخاری سے دل لگی کی اور کہا آؤ ہم تم کو اردو سکھلائیں وہ اس پر تیار ہو گیا تو آپ نے سب سے اول اس کو یہ سکھلایا کہ یوں کہو میں گدھا ہوں میں گدھا ہوں اور کہہ دیا کہ پہلے اس سبق کو یاد کر لو پھر آگے پڑھائیں گے وہ بے چارہ اس کو یاد کر رہا تھا پھر وہ میرے پاس دوڑے ہوئے آئے کہ آؤ ایک تماشا دکھلائیں میں گیا تو وہ بخاری بڑے شوق سے پڑھ رہا تھا کہ میں گدھا ہوں میں گدھا ہوں میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے اردو سکھلانے کے لئے بھی آپ کو یہی لفظ ملا تھا تو جیسے اس بخاری کو یہ لفظ آسان تھا کیونکہ معنی کی خبر نہ تھی اسی طرح آپ کو اجہل کہنا آسان ہوگا پس دوسروں کو جواب دینے کے لئے سوال کرنا لغو ہے اور آج کل یہ مرض بہت زیادہ ہے لوگ اپنے واسطے سوال بہت کم کرتے ہیں زیادہ تر سوالات اس لئے کئے جاتے ہیں تاکہ دوسروں کا منہ بند کریں بس وہ حال ہے کہ ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم در جہاں

(ہر شخص دوسروں کے لئے ناصح ہے اپنے آپ کو نصیحت کرنے والا میں نے بہت کم پایا ہے)

نیت کا فرق:

دوسروں کی اصلاح کی فکر تو وہ کرے جو اپنی اصلاح سے فارغ ہو گیا ہو تم کو تو ابھی اپنے ہی امراض سے فراغت نہیں تم دوسروں کی فکر میں کیوں پڑتے ہو پس عوام کو چاہئے کہ جو سوال کریں اپنی ضرورت سے کریں اسی طرح آج کل مناظرہ بھی بہت مضر ہے کیونکہ اس کی بھی کچھ غایت

www.besturdubooks.net

محمودہ نہیں بس زیادہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ خصم کو ذلیل کیا جائے اور اپنی بات کو اونچا کیا جائے تحقیق حق مقصود نہیں کل کا واقعہ ہے کہ ایک اخبار میں غیر مقلدوں کے مقابلہ میں ایک مضمون چھپا تھا جس میں مولوی محمد صدیق حسن صاحب نواب بھوپال کا ایک مضمون بھی درج تھا جو غیر مقلدوں پر الزام قائم کرنے میں بہت مفید تھا میں نے ناقل مضمون سے اس قول کا حوالہ پوچھا تو انہوں نے اس کا حوالہ مع صفحہ وسطر اور اصلی عبارت کے میرے پاس لکھ کر بھیج دیا مگر ساتھ میں یہ درخواست بھی کی کہ ابھی اس حوالہ کو شائع نہ کرنا اچھا ہے ذرا غیر مقلدین پریشان ہوں اور جب ان کو یہ قول نہ ملے تو وہ یوں کہیں کہ مولوی صدیق حسن صاحب کی طرف اس قول کو نسبت غلط ہے اس وقت ہم صفحہ وسطر وعبارت کا حوالہ شائع کر کے ان کا منہ بند کریں گے یہ درخواست پڑھ کر مجھے بہت افسوس ہوا کہ مضمون تو اس شخص نے بہت عمدہ لکھا مگر افسوس نیت اچھی نہیں یہ لوگ ہدایت کے لئے مناظرہ نہیں کرتے بلکہ محض اپنی بات کو اونچا کرنے کے لئے مناظرہ کرتے ہیں اگر ہدایت منظور تھی تو خصم کے انکار کا انتظار کیوں ہے اور اس کو پریشان کیوں کیا جاتا ہے اول ہی سے حوالہ کیوں نہ شائع کر دیا گیا اس پر مجھے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ یاد آتا ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ حماد کو نصیحت فرمائی تھی کہ دیکھو مناظرہ کبھی نہ کرنا انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو آپ کو بارہا مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر آپ مجھے کیوں منع فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ہم تو مناظرہ اس نیت سے کرتے تھے کہ شاید خصم کے منہ سے حق بات نکل جائے تو ہم اس کی بات کو مان لیں اور تم لوگ مناظرہ اس نیت سے کرتے ہو کہ اللہ کرے خصم کے منہ سے حق بات کبھی نہ نکلے بلکہ جو بات نکلے باطل ہی نکلے تا کہ تم اس کا رَد کر سکو واقعی آج کل یہی حالت ہے بلکہ اس سے بھی بدتر کیونکہ اس وقت جو یہ تمنا ہوتی تھی کہ خصم کے منہ سے باطل ہی نکلے حق نہ نکلے اس تمنا کا منشا یہ تھا کہ وہ حضرات حق بات کو رد کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ حق بات کے رَد سے شرماتے تھے اس لئے یہ تمنا تھی کہ خصم کے منہ سے حق نہ نکلے تا کہ رد کر سکیں اور اب تو مناظرہ میں اول ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ خصم کی ہر بات کو رَد کریں گے خواہ حق ہو یا باطل اور اس کا مضر ہونا بدیہی ہے مگر کسی کو اس کے ضرر کا احساس نہیں کیونکہ لوگوں کو اس کی عادت ہی نہیں کہ اپنے افعال واقوال کی غایت کو سوچیں اگر وہ غایت کو سوچ کر کام کیا کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ مناظرہ سراسر مضر اور نقصان دہ ہے پس یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ کوئی بات زبان سے کہیں یا قلم سے لکھیں اور اس کا کوئی بھی نتیجہ نہ ہو اسی واسطے دین تباہ ہو رہا ہے اور زیادہ وقت فضولیات

www.besturdubooks.net

میں گزر رہا ہے بلکہ مضرات میں چنانچہ اس وقت بھی خانقاہ میں ایک صاحب موجود ہیں جنہوں نے میرے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں بہت سی باتیں لغو تھیں بلکہ بعض میں گستاخی تھی اور اس کا منشاء وہی مرض ہے کہ غایت سوچ کر نہیں لکھتے پس جو جی میں آیا لکھ مارا۔ اگر سوچ کر کام کیا جائے تو ان لغویات و مضرات کا بہت سا حصہ حذف ہو جائے۔

اصلاح کی صورت:

پھر اگر ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ خطا ہو گئی معاف کرو، بھلا میرے معاف کر دینے سے کیا اُن کی اصلاح ہو جائے گی یہ تو ایسا ہوا کہ جیسے ایک بڑھیا حج کو گئی جب طواف کے بعد سعی کی نوبت آئی تو ایک دو چکر میں بڑھیا تھک گئی، اب وہ مطوف سے کہتی ہے کہ اے معلم صاحب بس اب تو معاف کرو معلم نے کہا بڑی بی اگر حج میرے باوا کا ہوتا تو میں معاف کر دیتا حج تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے، میرے معاف کر دینے سے تمہارا حج تو اَدا نہ ہو جائے گا ایسے ہی یہ لوگ جو اللہ کا راستہ پوچھنے آتے ہیں اور جب ان کو طریقہ بتلایا جاتا ہے تو مجھ سے کہتے ہیں کہ خطا معاف کرو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ میرے معاف کرنے سے کیا تمہاری اصلاح ہو جائے گی ہرگز نہیں اصلاح تو جب ہوگی کہ تم ان باتوں کو چھوڑ دو جو سدِ راہ ہیں جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ فضول اقوال و اعمال سے احتراز کرو اس لئے میرے یہاں یہ کہنا کافی نہیں ہوتا کہ غلطی ہوگئی معاف کرو۔ بلکہ میں اس پر یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنی غلطی بیان کرو کہ اس تحریر میں تم سے کیا غلطی ہوئی اس سوال کے جواب میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ کے لئے یہ سوال نہ کرو میں مر جاؤں گا گویا میں عزرائیل ہوں میں نے لکھا کہ جب تم کو میرے سوال کے جواب سے موت کا خوف ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئے تھے کسی دوسرے کے پاس جاؤ جس کے جواب دینے میں موت کا خوف نہ ہو بلکہ حیات کی اُمید ہو، ذرا غور تو فرمایئے کہ کیا طالب اصلاح کی یہی شان ہوتی ہے جو مربی کو ملک الموت سمجھے اور اس سے ایسا ڈرے جیسا موت کے فرشتہ سے اور یہ ساری خرابی دین کو چھوڑنے کی ہے واللہ اگر دین کو اختیار کیا جائے تو راحت ہی راحت ہے اور میں ان صاحبوں سے جو سوالات کرتا ہوں وہ اللہ ہی سے ملانے کے لئے کرتا ہوں جس کا انجام راحت ہے اور راحت کیوں نہ ہو جبکہ اس سے اللہ ملتا ہے۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ   جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ

(جس جگہ محبوب ہو خوش وخرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند ہے، زمین سے پست)

www.besturdubooks.net

اور ؎

گفت معشوقے بہ عاشق کائے فتا ... تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامی شہر ز انہا خوشتر ست ... گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

(کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تم نے سیاحت میں کون سا شہر پسند کیا تو اس نے کہا سب میں عمدہ وہ شہر ہے جہاں محبوب کی زیارت ہو۔)

اور جیسے وصل محبوب اصل راحت ہے اسی طرح فراق محبوب اصل مصیبت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

از فراق تلخ می گوئی سخن ... ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

(فراق کی باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کر لو مگر یہ نہ کرو)

اور عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت ... فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر ... کنایتیست کہ از روزگار ہجراں گفت

میں نے سنا پیر کنعان نے بہت اچھی بات کہی (کہ محبوب کی جدائی وہ حالت پیدا کرتی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی، قیامت کے ہولناک واقعات بیان کرنا روزگار ہجر کا ایک کنایہ کہنا چاہئے۔)

راحت دین ودنیا:

مگر افسوس کہ لوگ آج کل وصال کو معاملۂ فراق سمجھتے اور فراق کو وصال جانتے ہیں اگر کوئی ان کی اصلاح کرنا چاہے تا کہ اللہ سے ان کو ملا دے تو اس کو ملک الموت سمجھتے ہیں اور جو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے کچھ نہ کہے جس سے ہمیشہ فراق میں مبتلا رہیں اس سے خوش ہیں بس اب اس کا علاج میرے پاس بجز اس کے کیا ہے کہ یوں کہہ دوں۔ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ کہ انکشاف حقائق کے وقت کے منتظر رہو اس وقت معلوم ہوگا کہ تمہارا خیر خواہ کون تھا اور اگر ذرا انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ میں کسی ایسی بات کی تعلیم نہیں دیتا جو فی نفسہٖ دشوار ہو یہ اور بات ہے کہ کسی مبتدی کو اس لئے دشوار ہو کہ وہ اُس کی ضد کا عادی ہو رہا ہے جیسے بچہ کو روٹی پر اکتفا کرنا اوّل اوّل دشوار ہوتا ہے کیونکہ وہ دودھ کا عادی ہو رہا ہے۔

مگر کیا بچہ کی دشواری کی وجہ سے روٹی کھانے کو فی نفسہ دشوار کہا جائے گا ہرگز نہیں مثلاً میں یہ کہتا ہوں کہ فضول باتوں کو چھوڑو اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو اس سے احتراز کرو بتلایئے اس

www.besturdubooks.net

میں کیا دشواری ہے نہایت آسان بات ہے کیونکہ اس میں کچھ نہیں کرنا پڑتا بلکہ بہت سے کاموں کو ترک کرنا پڑتا ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ ترک میں بہ نسبت فعل کے سہولت ہے مگر جو لوگ فضولیات کے عادی ہوں ان کو یہ آسان بات بھی دشوار معلوم ہو تو اس کا کیا علاج بس اس کا علاج تو یہی ہے کہ اُن کی اس عادت کو چھڑایا جائے جیسے بچہ کا دودھ چھڑایا جاتا ہے۔ پھر بعد میں ان کو خود معلوم ہوگا کہ اس میں کس قدر سہولت ہے جیسے بچہ کو دودھ چھوڑنے کے بعد روٹی کھانے کی سہولت کا علم ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی دلیل اس کی سہولت کی یہ ہے کہ یہ تعلیم دین کی تعلیم ہے اور دین کے اختیار کرنے میں راحت ہی راحت ہے۔ خصوصا دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سب ادیان سے اکمل و افضل و اسہل ہیں اس میں تو دشواری ہے ہی نہیں بلکہ اس کے ترک میں رنج وکلفت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیندار کو بیماری یا غم اور کلفت پیش نہیں آتی نہیں جو مصائب تم کو پیش آتی ہیں اس کو بھی پیش آتی ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ تمہارے دل کو مصیبت میں چین نہیں رہتا بے چین ہو جاتے ہو اور دیندار کے دل کو جمعیت حاصل ہوتی ہے جس کا منشا قرب محبوب ہے اور محبوب بھی کون حضرت حق سبحانہ جو کسی وقت ہم سے جدا نہیں ہیں پس جب دیندار کو کلفت پیش آتی ہے اور اس کے ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ محبوب کی طرف سے آئی ہے تو اس کو اس کے کہنے میں لذت آتی ہے ؎

از محبت تلخہا شیریں بود

(محبت میں ناگواریاں بھی اچھی معلوم ہوتی ہے)

اور اس وقت اگر اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلفت تمہارے بجائے کسی دوسرے کو دے دی جائے تو وہ یوں کہتا ہے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں۔)

اور صاحبو یہ کلیہ جو میں نے بیان کیا ہے کہ سوال وہ کرو جس کی ضرورت ہو بات وہ کرو جس کی کچھ غایت ہو کام وہ کرو جس کا کچھ مفید نتیجہ ہو اور جس کام کی غایت معلوم نہ ہو اس کو چھوڑ دو، جس بات کا کچھ نتیجہ نہ ہو اس کے درپے نہ ہو، اس میں دین کی راحت تو ہے ہی واللہ دنیا کی بھی اسی میں راحت ہے فضول باتوں سے ہی عداوت و بغض و حسد و کینہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ جھوٹ اور غیبت و

شکایت سب انہی فضول ولغو باتوں کے افراد ہیں اور یہی سارے فسادوں کی جڑ ہیں اور جھوٹ اور غیبت وغیرہ کے علاوہ بھی جو بے فائدہ باتیں ہیں اُن سے بھی بعض دفعہ بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں بعض دفعہ انسان پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ بات کیوں کہی تھی دوسرے ان فضول قصوں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے بعد میں انسان کو اس کا بھی قلق ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں ذرا بھی سلامی ہو اور جو شخص محض ضروری باتوں کا عادی ہو فضول ولغو سے احتیاط کرتا ہو وہ ان سب پریشانیوں سے محفوظ رہے گا اُس کو راحت ہی راحت ہے بس سوالات لایعنی تو پہلے ہی دن حذف ہو جائیں گے اب اس کا سارا وقت ضروری کاموں اور ضروری باتوں میں صرف ہوگا تو جب اس میں دنیا کی بھی راحت ہے اور دین کی بھی پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

غرض وغایت:

اگر کوئی تم سے فضول بات پوچھے یا ایسی بات پوچھے جس کا جواب تم کو معلوم نہیں تو صاف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے میں سچ کہتا ہوں کہ اس جواب میں ایسی راحت ہے جو کسی جواب میں نہیں مگر اس کو سستا اور عام نہ کر دینا کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم مسلمان ہو یا کافر تو وہاں بھی یہی کہو کہ ہم نہیں جانتے۔ جیسے ایک بد استعداد طالب علم نے وقت رخصت استاد سے پوچھا کہ مجھ کو کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں اگر وطن پہنچ کر کسی نے کوئی علمی سوال کیا تو کیا جواب دوں گا، اُستاد نے کہا کہ جب تم سے کوئی سوال کیا جایا کرے تو یہ کہہ دیا کرو کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اس طرح تمہارا پردہ فاش نہ ہوگا لوگ سمجھیں گے کہ بڑا محقق ہے کیونکہ اکثر مسائل ایسے ہی ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے مگر اس طالب علم کو گھر کی عقل نہ تھی، اس لئے اس نے اُس جواب کو ایسا عام کیا کہ ایک شخص نے یہ پوچھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے یہاں بھی وہی جواب دیا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس پر لوگ ہنس پڑے اور سمجھ گئے کہ اس کو خاک علم نہیں محض اپنی جہالت چھپانے کو اس نے یہ سبق یاد کیا ہے یہ تقریر اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں حضور کو دو باتیں پہنچانے کا امر فرمایا ہے اور شریعت وعقل دونوں کی تعلیم دیتی ہے کہ ہر قول کے لئے کوئی غایت ہونا چاہئے اور ہر فعل کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے پس افعال کی بھی ایک غایت ہے پس ہم کو اپنے اعمال میں غور کرنا چاہئے کہ کوئی کام غایت سے خالی نہ ہو، اقوال میں بھی غور کرنا چاہئے کہ کوئی بات بدون غایت کے نہ ہو عارف فرماتے ہیں ۔

www.besturdubooks.net

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو　　　　که کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

(ضروری کاموں میں مشغول ہو، اسرار و انکشافات زمانہ کے پیچھے نہ پڑو اس معمہ کو کسی شخص نے حل کیا نہ حل کر سکے)

اس میں اسی کی تعلیم ہے کہ چونکہ اسرار کا انکشاف متوقع نہیں اس لئے اسرار کے درپے نہ ہونا چاہئے کہ فضول ہے بس ضروری کام میں لگنا چاہئے اسی طرح عقائد کی بھی ایک غایت ہے مثلاً مسئلہ تقدیر کی غایت خود قرآن مجید میں یہ بتلائی گئی ہے لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ یعنی تا کہ کسی چیز کے فوت ہونے سے تم رنج نہ کرو اور کسی نعمت کے حاصل ہونے پر اتراؤ نہیں بلکہ ہر حالت میں یہ سمجھ کر کہ تقدیر میں یوں ہی تھا صبر و شکر کرو اسی طرح عقیدہ اللہ واحد کی بھی ایک غایت ہے وہ رضائے الٰہی ہے رہا یہ کہ رضا الٰہی کی کیا غایت ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ان سے اس کی وجہ پوچھ لینا قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے سب ملیں گے وہاں یہ سوال کر لینا کہ حضرت آپ کے راضی ہونے کی کیا غایت تھی ہمارا فعل نہیں ہے کہ ہم اُس کی غایت بتلا دیں اور دوسرا جواب اس سوال کا یہ ہے کہ منتہی غایت کی کوئی غایت نہیں ہوتی وہ خود مقصود بالذات ہوتی ہے تیسرا جواب وہی ہے جو میں سب کو ابھی بتلا رہا تھا تو میں خود اس سے کیوں نہ کام لوں یعنی لا اعلم کہ ہم کو اس کا جواب معلوم نہیں۔

مسئلہ قدر:

یہ معمولی جواب نہیں بلکہ ایسا قیمتی جواب ہے کہ واللہ اسی کی بدولت مجھے ایک بڑے ورطۂ ہلاکت سے نجات ہوئی مجھ پر ابھی ایک حالت گزری ہے جس سے کئی مہینہ تک ایک ورطہ ظلماء میں مبتلا رہا اور وہ مصیبت ایک صوفی صاحب اسرار کی کتابیں دیکھنے سے پیش آئی اسی واسطے میں اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ صوفیہ اہل اسرار کی کتابیں ہرگز نہ دیکھیں کیونکہ اس میں خود بلا کو سر لینا ہے اور میں نے تو ایک خاص ضرورت سے اس کتاب کو دیکھا تھا کہ ان صوفی پر سے لوگوں کا اعتراضات کا رفع کرنا مقصود تھا مگر اتفاق سے بلا قصد کے ایک جگہ مسئلہ قدر کے متعلق کچھ مضمون نظر پڑ گیا بس قیامت آ گئی اور ایمان پر خطرہ ہو گیا پھر جب تک میں شبہات کے جوابوں میں غور کرتا رہا پریشانی بڑھتی رہی آخر کار نجات جو ہوئی تو اسی بات سے ہوئی کہ ہم کیا جانیں ہمارا علم ہی کیا ہے ہم جانتے ہی کیا ہیں پھر ہم اس مسئلہ میں غور ہی کیوں کریں۔

www.besturdubooks.net

واللہ اس وقت قدر ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر کی کہ مسئلہ قدر میں غور نہ کرو خدا ناس کرے اُن ظالموں کا جو اس ارشاد کی قدر نہیں کرتے اور اسلام پر شبہ کرتے ہیں کہ مسئلہ قدر پر جو اشکالات پڑتے ہیں اُن کا جواب اسلام میں ہے ہی نہیں اس لیے غور کرنے اور گفتگو کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے ارے احمق سارے جوابوں کے بعد بھی تسلی اسی سے ہوگی کہ یوں کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے رہے اشکالات تو لاؤ تم اشکالات پیش کرو ہم سب کا جواب ایسا دیں گے کہ تم لاجواب اور ساکت ہو جاؤ گے مگر تسلی نہ ہوگی تسلی اور شفا اسی سے ہوگی کہ اس میں غور و تفکر ترک کر دو اس وقت قدر ہوگی، وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کی کہ واقعی ہمارا علم کچھ نہیں اور ہم کچھ نہیں جانتے، غرض ہر چیز کی ایک غایت ہے اعمال کی بھی اور عقائد کی بھی اب تم کم از کم تین دن تک یہ مراقبہ کرو اپنے اعمال و اقوال میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ صبح سے شام تک زیادہ کام اور زیادہ باتیں فضول ہی ہوتی ہیں پھر معلوم ہوگا کہ ساری عمر برباد ہی ہوئی پھر دیوار میں سر مارو اور اپنی حالت پر روؤ، مگر میں نے جو دیوار میں سر مارنے کو کہا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ مطلوب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقتضاء اس ضیاع عمر پر تاسف کا فی نفسہٖ یہ ہے ورنہ حق تعالیٰ تو عاشق نواز ہیں وہ اپنے عاشقوں کا سر نہیں پھوڑواتے۔

اطاعت شیخ:

اس پر ایک شیخ کی حکایت یاد آگئی کہ ان سے ان کے کسی مرید نے شکایت کی مجھے ترقی نہیں ہوتی، شیخ نے اول تو اس کی تدابیر بتلائیں جب ان تدابیر سے بھی نفع نہ ہوا اور بار اس نے شکایت کی تو شیخ کو غصہ آگیا اور کہا میں کیا کروں تیری قسمت میں ہی نہیں جا کر دیوار میں سر مار لے، مرید طالب صادق تھا اس نے سچ مچ دیوار میں جا کر سر پھوڑ لیا مرید کو تو فوراً بسط ہو گیا اور راستہ کھل گیا، اطاعت شیخ کی وجہ سے مگر شیخ پر معاً عتاب ہوا الہام ہوا او نامعقول ہمارے طالبوں کا سر پھوڑوانا ہے تجھ کو شرم نہیں آتی .... یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ سے طریق تربیت میں غلطی بھی ہو جائے جس پر خواہ اس کو محبوبانہ عتاب بھی ہو جائے لیکن پھر بھی مرید کو اس پر عمل کرنے سے نفع ہی ہوگا کیونکہ نفع دینے والے تو حق تعالیٰ ہیں جب وہ طالب کی طلب صادق کو دیکھتے ہیں اور اس کو اپنے ولی کی اطاعت میں پختہ دیکھتے ہیں تو اس کے حال پر کرم فرما دیتے ہیں، چاہے شیخ سے غلطی ہی ہوئی ہو اس راستہ میں اطاعت و انقیاد بڑی چیز ہے، اطاعت شیخ کے ساتھ کسی کو محروم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور خود رائی کے ساتھ کسی کو کامیاب ہوتا ہوا نہیں دیکھا مولانا فرماتے ہیں ۔

www.besturdubooks.net

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(فہم وخاطر تیز کرنا یہ حق پہنچنے کی راہ نہیں ہے فضل خداوندی سوائے شکستہ لوگوں کے اور کسی کو قبول نہیں کرتا" اور فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دردے ست دوا آنجا رود،　　　ہر کجا پستی ست آب آں جا رود

(جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہاں دوا کی ضرورت ہوتی ہے جہاں پستی ہوتی ہے وہاں پانی پہنچتا ہے)

اور اگر کسی کو کسی شیخ سے نفع ہی نہ ہوتا ہو تو اُس کو دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنے کی اجازت ہے مگر یہ لازم ہے کہ پہلے شیخ کی شان میں گستاخی نہ کرے کیونکہ مربی اول وہی ہے اور مربی کے ساتھ بے ادبی و گستاخی سخت چیز ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

بے ادب راا ندریں رہ بارنیست　　　جائے او بردارشد در دارنیست

(بے ادب کے لئے دربارالٰہی میں باریابی نہیں ہے اس کی دار (سولی) پر دار (گھر) نہیں ہے۔

تو حق تعالیٰ اپنے عشاق کا سر نہیں چھوڑواتے وہ اس حالت میں بھی آپ کی تسلی کرتے ہیں کہ عمر گزشتہ برباد گئی تو اس کا غم نہ کرو آئندہ کی فکر کرو اسی کو سنبھال لو حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر تو زمین وآسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے مغفرت چاہے تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہیں کروں گا پس عمر گزشتہ کے ضائع ہوجانے کا بھی علاج موجود ہے۔ لاعلاج کوئی مرض نہیں وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو مگر توبہ کا طریقہ بھی کسی شیخ ہی سے پوچھو اور جو کچھ وہ بتلائے پھر اُس میں اپنی رائے نہ لگاؤ۔ آج کل یہ خودرائی کا مرض بہت پھیل رہا ہے اسی واسطے لوگوں کو راستہ نہیں ملتا، ہمارے خواجہ صاحب نے ایک شخص کو امراض کا یہ علاج تجویز کیا کہ ہر نماز کے بعد نمازیوں سے یوں کہا کرو کہ میرے اندر فلاں فلاں امراض ہیں دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھے ان سے شفا دیں تو وہ طالب صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت یہ علاج تو کچھ ٹھیک نہیں کیونکہ اب تک تو میں خفیہ طور سے گناہ کرتا تھا لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ میرے اندر بدنگاہی اور بدکاری کا مرض ہے۔ اب یہ امراض ظاہر ہوجائیں گے پھر تو گناہوں پر اور بھی جرأت بڑھ جائے گی بس اس کا جواب وہی ہے جو مولانا نے فرمایا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(فہم وخاطر تیز کرنا یہ حق پہنچنے کی راہ نہیں ہے بلکہ شکستگی کی ضرورت ہے۔ بجز شکستہ لوگوں کے فضل خداوندی کسی کو قبول نہیں کرتا۔)

www.besturdubooks.net

ارے جب تم کو اتنا اجتہاد حاصل ہے کہ طبیب کی تجویزوں کو صحیح غلط بتا سکتے ہو تو تم سے کس نے کہا ہے کہ اس راستہ کو کسی سے پوچھو بس خود ہی طے کرلو مگر خود کیونکر طے کرلیں اتنا یہ بھی جانتے ہیں کہ خود طے نہیں کر سکتے افسوس نہ خود طے کرسکیں نہ جاننے والے کا اتباع کریں پھر کام کیونکر چلے۔

دخلِ ترغیب وترہیب:

ہرچہ گیرد علتی علت شود ہرچہ گیرد کاملے تو ملت شود

(علتی جو اختیار کرتا ہے علت ہوتی ہے کامل اگر کفر بھی اختیار کرے تو ملت ہوگی)

ہائے ہم نے انا الغفور الرحیم کو لیا تو اسے بھی علت بنا دیا اس کی وہ تفسیر کی جس سے حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہونے لگی حالانکہ اُس میں تو حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر تھا اور کامل کی حالت اس کا عکس ہے کہ اس کے پاس جا کر علت بھی حکمت ہو جاتی ہے۔ہم نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے ایک دفعہ کسی نے شریف مکہ اور حکام کی شکایت حاجی صاحب کی مجلس میں کی جو صورۃً غیبت تھی مگر حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ ہاں بھائی آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے اس کے بعد مسئلہ توحید اور وحدۃ الوجود اور مسائل سلوک کی تحقیقات شروع ہو گئیں جس سے وہ غیبت علم وحکمت بن گئی آج کل گودڑ کا کاغذ بنتا ہے مگر ہم نے حاجی صاحب کے یہاں گودڑ کی کتاب بنتے ہوئے دیکھا ہے کہ کیسی ہی لغو اور فضول بات کسی نے کہی مگر حضرت نے اس پر ایک علم عظیم متفرع کر دیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت اپنے وقت کے امام تھے اور اکثر محققانِ سلف سے بڑھے ہوئے تھے۔

گستاخی اور دلیری:

میں یہ کہہ رہا تھا کہ علتی لوگوں نے غفور رحیم کو بھی علت بنالیا اور اس کو ترقی گناہ کا سبب بنا دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مغفرت ورحمت کو یاد کر کے گناہوں پر دلیر ہو گئے اور جہاں کسی نے روکا یا نصیحت کی تو صاف کہہ دیا کہ میاں تم کو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ غفور الرحیم ہے وہ ہم کو اس حال میں بھی بخش دیں گے،سبحان اللہ! خوب سمجھے اے مانا کہ حق تعالیٰ غفور الرحیم ہیں مگر بدرجہ اطلاق کس کے لئے جو گناہوں سے توبہ اور معذرت کرے اور اپنی حرکتوں پر نادم وپشیمان ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے التجا اور گریہ وزاری کرے چنانچہ نص ہے ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بے شک

www.besturdubooks.net

آپ کا پروردگار جن لوگوں نے نادانی سے گناہ کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار اس کے بعد (ان لوگوں پر) بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے) نہ اس کے لئے جو برابر گناہوں میں ترقی کر رہا ہو اور ایک دن بھی اپنی حرکتوں پر نادم نہ ہوا اور دن بدن سرکشی پر پہلے سے زیادہ کمربستہ ہو کہ یہ تو پورا مقابلہ اور گستاخی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے۔ كَلَّا بَلْ (سکتہ) رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا جو کچھ انہوں نے کیا) مولانا اس گستاخی کی نسبت فرماتے ہیں ؂

از خدا جوئیم توفیق ادب	بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود راداشت بد	بلکہ آتش درہمہ آفاق زد
از ادب پُرنور گشت است ایں فلک	از اَدب معصوم و پاک آمد ملک
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق	باشد او درلجہ حیرت غریق

اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں، بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے، بے ادب صرف اپنا ہی برا نہیں کرتا بلکہ تمام اطراف میں آگ لگا دیتا ہے، ادب کا پر نور ہونا کہ ان میں سورج، چاند اور تمام ستارے نورانی موجود ہیں فرشتوں کا معصوم اور پاک ہونا ادب ہی کی وجہ سے ہے، جو شخص راہ سلوک میں گستاخی کرتا ہے حیرت کے گڑھے میں غریق رہتا ہے۔

تم نے غفور رحیم کو یاد کر کے ایسا سبق لیا جس سے تمام عالم میں آگ لگا دی یہ تو تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو مغفرت ورحمت کے بھروسے گستاخیوں پر دلیر ہوتے ہیں آگے مولانا طریقہ بتلاتے ہیں اس کی مکافات کا کیونکہ دین میں ہر مرض کی دوا ہے اس گستاخی کی بھی دوا ہے وہ کیا ہے ؂

ہرچہ برتو آید از ظلمات و غم	آں زبیباکی و گستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن	غم بامر خالق آمد کارکن

جو کچھ ظلمات وغم ومصائب تجھ کو پیش آتے ہیں وہ بھی گستاخی اور بے باکی سے وارد ہوتے ہیں۔ اگر تم کو غم پیش آئے تو فوراً استغفار کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے غم کارکن ہو کر آیا ہے۔

اسکا علاج بھی وہی غفور رحیم ہے جس کو تم نے علت بنایا تھا اب اس کو حکمت بناؤ اور گناہوں سے رکنے کا ذریعہ بناؤ، اس گستاخی سے توبہ استغفار کرو اس حالت کے متعلق ارشاد ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کہ میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں غفور الرحیم ہوں یعنی اگر وہ اپنے گناہوں اور گستاخیوں سے ترساں ولرزاں ہو کر مجھ سے معافی چاہیں گے تو میں سب جرم وگناہ معاف کر دوں گا۔

www.besturdubooks.net

عنایت کی انتہا:

صرف معافی ہی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد رحمت وعنایت بھی ہوگی کیونکہ میں غفور ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہوں چنانچہ بعض بندوں پر تو ایسا انعام ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے محشر میں حق تعالیٰ ایک بندے کو بلائیں گے اور پوچھیں گے بتلاؤ تم نے فلاں گناہ کیوں کیا تھا اور یہ خطا کیوں کی تھی وہ بندہ ڈرے گا کہ اب میں جہنم میں گیا کیونکہ حق تعالیٰ اس کے سامنے اوّل صغائر کو پیش فرمائیں گے وہ ڈرے گا کہ کبائر کا تو ابھی نام بھی نہیں آیا اگر کبائر کا ذکر آیا تو بس جہنم سے ورے میرا ٹھکانا نہیں وہ اسی شش وپنج میں ہوگا کہ حق تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ہم نے اس کو بخشا اور ہر گناہ کے عوض اس کو نیکیاں دے دو اب یہ شخص خود اپنے گناہوں کو گننا شروع کرے گا کہ اے پروردگار میں نے اور بھی بہت سے گناہ کئے ہیں جن کا یہاں تذکرہ بھی نہیں آیا مجھے ان کے عوض بھی نیکیاں ملنا چاہئیں چنانچہ اب گناہ گن گن کر اُن کے برابر اس کو حسنات ملیں گے مگر یہ تو خبر نہیں یہ کون شخص ہوگا اس لئے ناز نہ کرنا کہ ہم بھی اسی طرح چھوٹ جائیں گے۔

پیش یوسف نازش و خوبی مکن　　　جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　　چوں نہ داری گرد بد خوئی مگرد

یوسف یعنی کامل کے سامنے ناز وخوبی یعنی دعویٰ اظہار کمال مت کرو بجز آہ و نیاز یعقوبی کے مت کرو ناز کرنے کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بد خوبی کے پاس مت جاؤ۔

بے جا ناز سے ایک دیہاتی جل کر خاک سیاہ ہو چکا ہے اس نے ایک کابلی کو دیکھا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بڑے پیار و محبت سے بیٹا بیٹا کہہ کر دانہ کھلا رہا ہے اور گھوڑا کبھی ادھر منہ مارتا ہے کبھی اُدھر اور وہ کابلی کہہ رہا ہے کہ بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس ہماری بیوی ہم کو ذرا نہیں چاہتی وہ تو بڑی بے پروائی سے میرے سامنے کھانا رکھ کر چل دیتی ہے مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی اچھا ہے تو اب ہم بھی گھر جا کر گھوڑا بنیں گے چنانچہ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ ہم تو آج گھوڑا بنیں گے اُس نے کہا میری طرف سے چاہے تم گدھے بن جاؤ۔ غرض آپ گھوڑا بنے اگاڑی پچھاڑی باندھی گئی اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھی اور توبڑے میں کھانا بھروایا اور بیوی سے کہا تم ہمارے پاس بیٹھو جب ہم اِدھر اُدھر منہ ماریں تو تم کہنا بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس نے سب احکام کی تعمیل کی رات کا وقت تھا اور چراغ پیچھے رکھا ہوا تھا یہ گھوڑے صاحب جو اُچھلے کودے چراغ گر پڑا اور جھاڑو میں آگ

www.besturdubooks.net

لگ گئی اور رفتہ رفتہ اس کے کپڑوں میں لگی اور اس نے زیادہ کودنا شروع کیا مگر اگاڑی پچھاڑی بندھی ہونے سے یہ خود کچھ نہ کرسکا اور بیوی نے بھی نہ کھولا کیونکہ بے وقوف کی بیوی بھی بے وقوف تھی وہ دوڑی ہوئی دروازہ پر گئی اور محلہ والوں کو پکارا ارے دوڑو میرا گھوڑا جل گیا محلہ والوں کو اس کی حالت غربت وافلاس کی معلوم تھی سب جانتے تھے کہ اس کے یہاں گھوڑا کہاں اس لئے کسی نے بھی اس کی بات پر التفات نہ کیا سمجھے کہ مسخرا پن ہے اس عرصہ میں وہ گھوڑا جل کر مرنڈا ہوگیا تو بے جا ناز کا یہ انجام ہے۔ پس ناز نہ کرو بلکہ گناہوں سے توبہ کرو تائبین پر اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

رحمت کی صورت:

اس رحمت کی یہ حالت ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمت کے 100 حصے کرکے ایک حصہ تو دنیا میں رکھا جس کا اثر یہ ہے کہ کافروں گناہگاروں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور اُسی کا یہ اثر ہے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ماں بچوں پر اور جانور اپنی اولاد پر جان دیتے ہیں اور حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس ایک حصہ کو ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر پورے 100 حصوں سے مومنین پر رحمت فرمائیں گے نیز حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ آیا ہے کہ اس نے ننانوے خون کئے تھے اس کے بعد اُس کو تنبہ ہوا اور توبہ کی فکر ہوئی وہ ایک عالم کے پاس گیا اور استفتاء کیا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟ وہ زاہد خشک تھا ننانوے خون کا نام سنتے ہی بگڑ گیا اور کہا کہ تیرے لئے توبہ نہیں ہے، سائل کو اس کے جواب پر غصہ آگیا اور تلوار سے اس کا بھی فیصلہ کیا کہ 100 میں کسر کیوں رکھی ننانوے کا پھیرا اچھا نہیں، لاؤ پورے سو ہی کردوں اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے پاس گیا اور اُس سے جا کر کہا کہ میں نے 100 خون کئے ہیں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں میرے لئے توبہ ہے یا نہیں؟ اس عالم نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تمہاری توبہ قبول ہوسکتی ہے مگر ایک شرط ہے کہ تم اپنی بستی سے فلاں بستی کی طرف ہجرت کرجاؤ شاید اس کی بستی کے لوگ اچھے نہ ہوں گے اس لئے عالم نے صحبت اشرار کے ترک اور صحبت اخیار کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا تاکہ توبہ قائم رہ سکے ورنہ بدوں کی صحبت میں رہ کر توبہ پھر ٹوٹ جاتی چونکہ یہ شخص طالب بن چکا تھا اس لئے اس شرط کو منظور کرلیا اور اپنی بستی سے دوسری بستی کی طرف ہجرت کرکے چلا تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ موت کا فرشتہ سامنے آگیا۔

www.besturdubooks.net

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(افسوس چشم زدن ہی میں صحبت یار ختم ہوگئی، ہم گل کی سیر بھی کرتے نہ پائے تھے سبز موسم بہار ختم ہوگیا)

جب موت سر پر آگئی تو چلنے کی ہمت کہاں بے چارہ لیٹ گیا اور نزع کی حالت شروع ہوگئی مگر اس نے اُس وقت بھی اپنا کام نہ چھوڑا نزع کی حالت میں بھی صلحاء کی بستی کی طرف گھسٹتا رہا اور اپنے سینہ کو اُدھر بڑھا دیا اب رحمت حق کو جوش آیا زمین کو حکم ہوا کہ اس شخص کی بستی دور ہو جائے اور صلحاء کی بستی قریب ہو جائے چنانچہ زمین کی طنابیں کھنچ گئیں اور صلحاء کی بستی ایک ہاتھ قریب اور اشرار کی بستی ایک ہاتھ دور ہوگئی۔ جب اس کی روح پرواز ہوگئی تو ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور باہم جھگڑنے لگے ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ توبہ کر کے اللہ کے راستہ میں نکل چکا ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ہے) ملائکہ عذاب نے کہا کہ اس کی توبہ کی تکمیل کے لئے صلحاء کی بستی میں پہنچنا شرط تھا اور شرط نہیں پائی گئی اس لئے یہ جہنمی ہے اور اس کی روح کو ہم لیں گے، یہاں سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل اجتہادیہ میں ان کے درمیان بھی اختلاف ونزاع ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجذوبین بھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ مجذوبین کی شان مثل ملائکہ کے ہے بہرحال حق تعالیٰ نے اس اختلاف کا یوں فیصلہ کیا کہ ایک فرشتہ کو بھیجا کہ ان دونوں جماعتوں سے کہہ دو کہ دونوں بستیوں کی مسافت کی پیمائش کریں اگر یہ صلحاء کی بستی سے قریب ہو تو جنتی ہے اور ملائکہ رحمت اس کو لے جائیں اور اگر اشرار کی بستی سے قریب ہے تو جہنمی ہے اور ملائکہ عذاب اس کو لے جائیں وہ اس کے مستحق ہیں زمین کی پیمائش کی گئی تو یہ شخص بقدر سینہ بڑھا دینے کے صلحاء کی بستی سے قریب تھا کیونکہ اس کا سامان تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا تھا بس ملائکہ رحمت اس کو لے گئے۔ سچ ہے

رحمتِ حق بہانہ می جوید　　　رحمت حق بہانہ می جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے، رحمت حق قیمت طلب نہیں کرتی)

اے مسلمانو! حق تعالیٰ کی رحمت سے تو یہ امید ہے کہ جنت[1] میں تو انشاء اللہ پہنچ ہی جاؤ گے مگر پھر بھی اعمال سے بیفکری نہ کرو۔)

www.besturdubooks.net

اثر خوف ورجا

واقعی حق تعالیٰ ذراسی بات پر رحمت فرمادیتے ہیں اور ذراسی بات پر رحمت تو ہوتی ہے مگر عذاب کبھی ذراسی بات پر نہیں ہوتا بلکہ عذاب جب ہوتا ہے بہت ہی بڑی بات پر ہوتا ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سبقت رحمتی علی غضبی (اتحاف السادۃ المتقین ۸:۵۵۶، الدر المنثور: ۹۶.) ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص اس کو ذراسی بات سمجھے اور واقع میں وہ ذراسی بات نہ ہو بلکہ سنگین ہو اس لئے ہم کو تو رحمت ہی کی زیادہ امید کرنی چاہئے مگر یادرکھو کہ امید ورجاء وہی ہے جو عمل کر کے کی جائے اور جو بدون عمل کے ہو رجاء نہیں بلکہ محض تمنا اور غرور ہے اس کے بعد ارشاد ہے وان عذابی ھو العذاب الالیم کہ یہ خبر بھی دیدیجئے کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے یہ تکمیل ترغیب کے لئے بڑھایا گیا ہے کیونکہ ترغیب کی تکمیل ترہیب سے ہوتی ہے جیسا کہ ترہیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے بدون ایک دوسرے کے ہر ایک ناقص ہے کیونکہ رجاء احتمال نفع ہے اور احتمال کا مفہوم خود مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو اسی طرح خوف احتمال ضرر ہے اور اسی طرح یہ بھی مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو پس کسی کا تحقق بدون دوسرے کے نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ترغیب وترہیب دوش بدوش چلتے ہیں پس خوف ورجاء ہی سے مل کر ایمان کامل ہوتا ہے اس لئے مومن کو خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا ملانا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حشر میں یہ ندا ہو کہ جنت میں ایک ہی آدمی جائے گا لرجوت انی اکون ھو تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جہنم میں ایک ہی جائے گا لخفت انی اکون ھو تو میں ڈروں گا کہ شاید وہ ایک میں ہی نہ ہوں گویا رجاء وخوف دونوں کامل درجہ کے تھے، بس یہی حاصل ہے آیت کا کہ بندوں کو رغبت ورہبت دونوں جمع کرنا چاہئیں یہ تو مقصود تھا جو ختم ہوگیا۔

مغفرت ورحمت حق

اب ایک بات زائد از مقصود اور رہ گئی جو تفسیر کے متعلق ہے بلکہ وہ ایک طلبہ علم کے لئے ایک طلبۃ العمل کے لئے یعنی ذاکرین کے لئے کیونکہ یہ لوگ عمل کے طالب ہیں جو بات طلبۃ العمل کے لئے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس آیت کے بعد دو قصے مذکور ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس میں ان کے لئے

---

[1] سامعین وعظ کے لئے تو یہ بشارت سب سے پہلے ہے کیونکہ اول مخاطب وہی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی بات کو غلط نہیں کرتے لو اقسم احد منھم علی اللہ لابرہ فطوبی لنا ثم بشری لنا اللھم فصدق لنا ظنا بولیک و حقق رجاء نابہر کۃ مجدد شرع نبیک علیہ افضل الصلوٰۃ وابھی السلام الیٰ یوم القیام (۱۲ظ)

بڑھاپے کی حالت میں بشارت ولد مذکور ہے دوسرا قصہ قوم لوط کا ہے جس میں ان پر نزول عذاب کا ذکر ہے تو ان قصوں کو اس آیت سے کیا ربط ہے میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ کی تائید ہے۔ پہلے جزو سے پہلے قصہ کو تعلق ہے اور دوسرے جزو سے دوسرے قصہ کو جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب اعمال صالحہ پر ہماری رحمت اور اعمال سیئہ پر ہمارا عذاب دنیا میں بھی آجاتا ہے جو کہ دارالجزا نہیں بلکہ دارالعمل ہے تو آخرت میں تو ان کا ظہور کیوں نہ ہوگا جو کہ دارالجزا ہے اگر حق تعالیٰ آخرت میں کسی کو عذاب نہ فرماتے تو دنیا میں بدرجہ اولیٰ کسی پر بھی عذاب نہ آتا کیونکہ یہ دارالجزا نہیں جب یہاں بھی بعض دفعہ بوجہ اعمال سیئہ کے عذاب آتا ہے تو سمجھ لو کہ آخرت میں تو اس کا ظہور ضرور ہی ہوگا پس رحمت کی وسعت و سبقت کو سن کر عذاب سے بے فکر ہرگز نہ ہونا اور عذاب کی شدت سن کر رحمت سے بھی مایوس نہ ہونا کیونکہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی بعض دفعہ ایسی حالت میں رحمت فرماتے ہیں جب کہ اسباب ظاہرہ سے اس کی اُمید کچھ نہیں رہتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت اُمید اولاد سے بعید ہوگئی تھی اسی طرح قوم لوط کی ظاہری حالت عیش و عشرت نے ان کو احتمال عذاب سے بے فکر کر دیا تھا (سبحان اللہ کیا خوب ربط ہے فللّٰہ درہ ۱۲ ظ)

دوسرا نکتہ طلبۃ العلم کے لئے یہ ہے کہ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ میں حق تعالیٰ نے طرز عنوان کو بدل دیا ہے کہ انی انا المعذب العظیم نہیں فرمایا یعنی صفت تعذیب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ میں مغفرت و رحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، میرے نزدیک اس میں سبقت رحمتي علٰى غضبي (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آگئی) کا مضمون مخفی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں مخفی ہے جیسا عنقریب اُس کی تقریر آتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ باطن بھی ہیں ان کے کلام میں صفت باطن کی بھی رعایت ہے جیسا کہ پہلی آیت میں اسی صفت رحمت پر دلالت کرنے میں ظاہر کی رعایت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید سے اہل ظاہر و باطن سب کو حظ آتا ہے گو اہل باطن کو زیادہ حظ آتا ہے اسی کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد　　　برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

(اس شعر کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں لفظ معنی بکسر ما قبل الیاء ہے اہل فارس کا یہی طرز ہے کہ وہ اسم منقوص کو بکسر ما قبل الیاء پڑھتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کو

www.besturdubooks.net

بھی مُوسیٰ اور عیسیٰ کہتے ہیں اسی طرح لیلیٰ کو لیلی پڑھتے ہیں جیسا کہ اس شعر میں ہے

گفت مشق نام لیلی می کنم! خاطر خود را تسلی می کنم

(کہا کہ اپنی محبوبہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں)

اس میں لیلیٰ بکسر لام ہے۔ بقرینہ تسلی کے اگر لیلا پڑھا جائے تو تسلی کو تسلا پڑھنا پڑے گا)

غرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت ورحمت کا بیان تو اس طرح فرمایا کہ میرے بندوں سے کہہ دو کہ میں بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں اور عذاب کی نسبت یوں نہیں فرمایا کہ میں بہت عذاب کرنے والا ہوں بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ میرا عذاب بہت سخت ہے، میری سزا بہت دردناک ہے اس میں تعذیب کو اپنی صفت کے صیغہ کے طور پر نہیں فرمایا تو اس میں سبقت رحمتی علیٰ غضبی پر دلالت ہے کہ رحمت چونکہ سابق ہے اس لئے صفت کے رنگ میں مذکور ہوئی اور غضب صفت کے رنگ میں مذکور نہیں ہوا یہ نکتہ تو میرے ذہن میں اس آیت کے الفاظ پر غور کر کے اوّل ہی وہلہ میں آ گیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا وہ بہت عجیب ہے۔

فرق فعل اور صفت:

وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے لئے ایک تو افعال ہیں اور ایک صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ صفات کا قرب بہ نسبت افعال کے ذات سے زیادہ ہے کیونکہ صفات لاعین لاغیر ہیں اور افعال اتفاقاً غیر ذات ہیں اس لئے افعال کو بہ نسبت صفت کے ذات سے بعد ہے اور اسماء الٰہیہ میں بعض اسماء تو صفات پر دال ہیں اور بعض اسماء افعال پر دال ہیں پھر آج میں نے بہت غور کیا تو اسماء الٰہیہ میں کوئی نام ایسا نہیں پایا جو مرتبہ صفت میں غضب پر دال ہو بہت سے بہت آپ قہار و جبار کو پیش کریں گے تو جبار کے معنی تو غضب کے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی جو صفت جبار ہے وہ جبر کسر کے معنی میں سے ہے جس کا حاصل ہے تلافی کرنا شکستگی کو جوڑنا تو اس کی دلالت تو خود رحمت ہی پر ہے اور قہار میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ اسم فعلی ہو جو فعل پر دال ہو اسم وصفی نہ ہو جیسے محیی و ممیت و خالق و رازق ہے تو اس صورت میں تو شبہ ہی نہیں ہو سکتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم صفت ہو مگر لغت عربی میں قہر کے معنی غصہ وغضب کے ثابت نہیں بلکہ غلبہ کے معنی ہیں پس یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غضب حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ سے صدور غضب نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے لیکن درجہ فعل میں ہوتا ہے نہ کہ درجہ صفت میں اور رحمت کا ثبوت درجہ صفت میں ہوتا ہے جو کہ قدیم ہے اور اسی قدوم کے سبب صفت وموصوف کے تعلق میں ارادہ کو دخل نہیں کیونکہ لازم ذات و لزوم میں

www.besturdubooks.net

تحلل جعل نہیں ہوا کرتا گو رحمت کا تعلق عباد سے تو بالارادہ ہی ہوگا مگر ذات کی طرف اُس کا انتساب بلا ارادہ ہے اور غضب کا انتساب بھی ذات حق کی طرف بالا رادہ ہے اور یہ ایک دوسری توجیہ ہے سبقت رحمتی علیٰ غضبی کی کہ رحمت کو غضب پر سبقت بہ ایں معنی ہے کہ وہ صفت ہے اور یہ فعل ہے اور صفت سابق ہوتی ہے فعل پر یہی وجہ ہے کہ رحمت تو بلا سبب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ مقتضی ذات کا ہے اور غضب بلا سبب نہیں ہوتا اور ایک توجیہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی کی وہ ہے جو میں نے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے کہ جس شخص میں مقتضیات رحمت و غضب دونوں مجتمع ہوں اُس پر رحمت ہوتی ہے اور ایک صورت سبق کی یہ ہے کہ اعمال حسنہ میں تضاعف ہوتا ہے کہ ایک حسنہ کو دس حسنات کی برابر کردیا جاتا ہے اور بعض کے لئے ایک حسنہ کو سات سو حسنہ تک اور بعض حسنات کو الی ما لا تیناھی بمعنی لا تقف عند حد بڑھایا جاتا ہے چنانچہ صوم کے بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے ثواب کا تضاعف مالا نہایت بمعنی لا تقف عند حد تک ہوتا ہے اور اعمال سیہ میں تضاعف نہیں ہوتا بلکہ ہر گناہ ایک ہی گناہ شمار ہوتا ہے یہ توجیہ بھی لطیف ہے (مگر آج کی توجیہ الطف واشرف ہے ۱۲ ظ) اور اس سے معلوم ہوا کہ رجاء و خوف میں رجاء اصل ہے کیونکہ اس کا تعلق رحمت سے ہے جو صفت حق ہے اور خوف اصل نہیں اس کا تعلق غضب سے ہے جو صفت نہیں بلکہ فعل ہے اور ظاہر ہے کہ صفت بمقابلہ فعل کے اصل ہے اس لئے لازم ہے کہ ان دونوں کی فروع میں بھی جو شے فرع صفت کی ہے وہ اصل ہو اور جو غضب کی فرع ہے وہ اصل نہ ہو پس رجاء و خوف کی ایسی مثال ہے جیسے غذا و دوا کہ غذا اصل ہے اور دواء عارض پس رجا غذا ہے اور خوف دعا ہے۔

خوف کی حد:

دوسری وجہ اصالت و ترجیح رجاء کی یہ ہے کہ طریق جنت کا مدار عمل پر ہے اور رجاء سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط موجب ازدیاد عمل ہے اور خوف سے انقباض ہوتا ہے اور انقباض موجب تقلیل عمل ہے گو اصل متعلق خوف کا اعمال سیہ ہیں جس کا مقتضی یہ تھا کہ خوف سے صرف اعمال سیہ کی تقلیل ہوا کرتی مگر تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غلبہ خوف سے جبکہ وہ مفرط ہو جاوے اعمال صالحہ میں بھی تقلیل کا اندیشہ ہو جاتا ہے بلکہ تقلیل کا وقوع ہو جاتا ہے تو جو چیز تقلیل عمل کی طرف مفضی ہو سکے وہ اصل نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجاء[1] کے لئے کوئی حد بیان نہیں فرمائی اور خوف کے لئے

---

[1] یہ اشکال نہ کیا جائے کہ حضور نے شوق کے لئے تو حد بیان فرمائی ہو اسئلک شوقا الی لقاء ک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ جواب یہ ہے کہ شوق و رجا ایک چیز نہیں دونوں کی حقیقت جدا ہے جیسا کہ علم تصوف سے ظاہر ہے ۱۲ ظ)

www.besturdubooks.net

حد بیان فرمائی ہے جو ابھی آتی ہے اور یہی کافی دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعقل الناس ورئیس الحکماء والعقلاء ہونے کی کیونکہ آپ نے جو خوف کی حد بیان فرمائی ہے وہ کسی عاقل کے کلام میں نہیں مل سکتی (الا ان یکون نبیا مثلہ) آپ فرماتے ہیں و اسئلک من خشیتک ما تحول بہ بینی و بین معاصیک (لم اجد الحدیث فی "موسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف") کہ اے اللہ! میں آپ سے اتنا خوف مانگتا ہوں جس سے گناہوں میں آڑ ہو جائے یہ حد آپ نے اس لئے بیان کی ہے کہ غلبہ خوف سے تعطل کا اندیشہ ہے ہم نے تجربہ کیا ہے کہ زیادہ خوف سے مایوسی ہو جاتی ہے کانپور میں ایک وکیل میرے ہم نام تھے انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تھا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ خاتمہ بالخیر ہونے سے مایوس ہو چلے اور اس کا نام سن کر تھراتے اور کانپتے تھے ایک دن وہ میرے پاس کتاب لے کر آئے اور حالت یہ تھی کہ کتاب کو کھولتے ہوئے ان کا ہاتھ کانپتا تھا آخر میں نے تسلی کی جب کچھ ان کے ہوش و حواس درست ہوئے اور مجھ سے میری اس تقریر کے ضبط کرنے کی درخواست کی چنانچہ وہ ضبط اور شائع ہو چکی اس کا نام خاتمہ بالخیر ہے اسی طرح ایک انسپکٹر پولیس پر خوف غالب ہو گیا تھا اور وہ اس غلبہ سے اپنی مغفرت سے مایوس تھا آخر کہنے لگا کہ میں دوزخ میں ضرور جاؤں ہی گا پھر ظلم و رشوت میں بھی کیوں کمی کروں مگر نہ معلوم حق تعالیٰ کو اس کا کون سا فعل پسند آ گیا ہو گا کہ آخر میں توبہ نصیب ہوئی اور خاتمہ اچھا ہو گیا۔

افراط خوف کا اثر:

تو حضرت بعض دفعہ غلبہ خوف سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انسان سمجھ لیتا ہے کہ میری بخشش تو ہو نہیں سکتی یقیناً میں جہنم میں جاؤں گا پھر گناہوں میں کمی کیوں کروں۔ جیسے ایک دیہاتی نے کہا تھا پڑھن تو مرن نہ پڑھن تو مرن پھر دانتا کر کر کیوں کرن یعنی پڑھ کر بھی ایک دن مریں گے اور بے پڑھے بھی مریں گے پھر کس لئے پڑھنے میں محنت کریں غرض چونکہ خوف کا افراط مضر تھا اس لئے اس کو محدود کیا گیا اور رجاء کے لئے کوئی حد نہیں کیونکہ یہاں یہ اندیشہ تو ہے ہی نہیں کہ غلبہ رجا سے پیغمبر ہو جائے گا جیسے ایک دیہاتی نے میاں جی سے کہا تھا کہ میرے لونڈے کو ڈھیر نہ پڑھائیو کہیں لوٹ پوٹ پگمبر (پیغمبر) ہو جائے تو یہاں یہ اندیشہ نہیں اس لئے بزرگوں نے خوف کا نام سوط رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ کوڑا اصل مقصود نہیں ہوتا بلکہ ضرورت کے وقت بقدر ضرورت استعمال کیا جاتا ہے اسی لئے خوف مانع عن المعاصی قبل الموت تک مطلوب ہے جب تک کہ عمل ہو سکے اور موت کے وقت انقطاع عمل ہے وہ خوف مطلوب نہیں بلکہ اُس وقت غلبہ رجا مطلوب ہے چنانچہ حدیث میں ہے لا یموتن احدکم الا و ھو یحسن الظن

www.besturdubooks.net

باللّٰہ تعالٰی (او کمال قال) (سنن ابن ماجة: ۲۱٦۷، مسند احمد ۳:۲۹۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۲٦۰۵.)شاید اس جگہ کسی کو شبہ ہو کہ بعض دفعہ غلبہ رجا سے دلیری و بے باکی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے لئے بھی ایک حد ہوئی کہ رجا اس حد تک مطلوب ہے جس سے دلیری و بے باکی پیدا نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے دلیری و بے باکی پیدا ہوتی ہے وہ رجاء نہیں ہے کیونکہ میں اوپر وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کے ذرا قبل کہہ چکا ہوں کہ رجا بدون عمل کے نہیں ہوتی بلکہ وہ تمنا وغرور ہے پس رجاء کے لئے حد ثابت نہ ہوئی۔

اب سنئے شیوخ میں اس مسئلہ کی بابت اختلاف ہوا ہے کہ غلبہ رجاء انفع ہے یا غلبہ خوف بعض نے اول کو انفع کہا بعض نے ثانی کو اور ہر ایک نے اس پر دلائل قائم کئے ہیں الحمدللہ مجھے اس میں فیصلہ منکشف ہو گیا ہے وہ یہ کہ جن لوگوں میں اعمال صالحہ کا غلبہ ہو کہ وہ زیادہ تر اعمال صالحہ میں مشغول ہیں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں گو کبھی کبھی ابتلا ہو جاتا ہے ان پر غلبہ رجا انفع ہے اور جن میں اعمال سیئہ کا غلبہ ہے کہ زیادہ تر اعمال سیئہ میں مبتلا ہیں اور اعمال صالحہ قلیل ہیں اُن کے لئے غلبہ خوف انفع ہے جب تک کہ اعمال صالحہ کا غلبہ ہو پس جب تک اعمال صالحہ کا غلبہ نہ ہو اس وقت تک غلبہ خوف ہی میں اس کو رکھا جائے گا چاہے کچھ دنوں کے لئے خوف رجا پر بھی غالب ہو جائے اور اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ میرے اندر رجا نہیں اس کی پرواہ نہ کی جائے گی جیسے بعض دفعہ طبیب دوا کو غذا پر غالب کرتا ہے اور استسقاء حمل میں تو غذا بالکل بند کر دی جاتی ہے اس کے بعد پھر رجا کو غالب کیا جائے گا میں یہ بات شیوخ کو بتلا رہا ہوں جو مربی ہیں کہ وہ اپنے مربوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کریں۔ اور یہ یاد رکھو کہ غلبہ رجا کی حالت میں خوف بھی رہتا ہے مگر غلبہ خوف کو نہیں ہوتا یعنی وہ درجہ نہیں ہوتا جس کو عام لوگ خوف سمجھتے ہیں۔

خوف کی حقیقت:

یہ میں نے اس واسطے کہا ہے کہ بعض لوگوں کو غلبہ رجا کی حالت میں یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ ہم میں خوف نہیں ہے اور وہ غلبہ خوف کے نہ ہونے سے یہ سمجھتے ہیں کہ سرے سے خوف ہی نہیں ایسے لوگوں کے جواب میں میرا طریقہ یہ ہے کہ اوّل اُن سے سوال کرتا ہوں کہ تمہارے نزدیک خوف کے کیا معنی ہیں میں شروع ہی میں حقیقت کو ان پر واضح نہیں کرتا کیونکہ اس کی قدر نہیں ہوتی شیوخ اس کو بھی سُن لیں کہ تعلیم کا طریقہ یہ ہے اس سے مخاطب کو قوت مطالعہ حاصل ہوتی ہے پھر وہ حقیقت کو خود ہی سمجھ لیتا ہے تمہاری تقلید پر نہیں رہتا تو میں اول ان سے ہی پوچھتا ہوں

www.besturdubooks.net

کہ خوف کی حقیقت کیا ہے اب وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا دل وعظ کو سن کر نہیں تھراتا آنسو نہیں نکلتے اس پر میں یہ کہتا ہوں کہ کیا یہ امور اختیاری ہیں جواب آتا ہے کہ نہیں اختیاری تو نہیں پھر میں لکھتا ہوں کہ خوف مامور بہ ہے اور غیر اختیاری شئے مامور بہ نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ جس کو تم خوف سمجھتے ہو وہ خوف ہی نہیں اب وہ سوال کرتے ہیں کہ پھر خوف مامور بہ کی حقیقت کیا ہے اب میں ان کے سامنے حقیقت کو واضح کرتا ہوں جبکہ وہ یہ تسلیم کر چکے کہ جس شے کو ہم نے خوف سمجھا تھا وہ خوف نہیں ہے اور ہم نے اس کو خوف سمجھنے میں غلطی کی، اس کے بعد میں بتلاتا ہوں کہ خوف کی حقیقت ہے احتمالِ عذاب کہ انسان کو اپنے متعلق یہ احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اسی کا بندہ کو مکلف کیا گیا ہے اس کا نام خوف عقلی ہے اور اس کے مقابل رجا کی حقیقت ہے احتمال نجات میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جس کو اپنے متعلق نجات کا احتمال نہ ہو پس ایسا کوئی مسلمان نہیں جو خوف ورجاء کے درجہ مامور بہ سے خالی ہو بلکہ سب اصحاب خوف ورجا ہیں اور یہی درجہ خوف ورجاء کا جزو ایمان ہے اور یہ درحقیقت عقائد میں سے ہے گو ایک معنی کو عقائد بھی اعمال ہیں یعنی اعمال قلب تو یہ عقیدہ ہر مسلمان کا ہے کہ جس کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہو اس میں دونوں احتمال ہیں عذاب کا بھی اور نجات کا بھی۔ گو احتمال کے درجات مختلف ہیں کسی میں احتمال نجات غالب اور احتمال عذاب موہوم ہے کسی میں برعکس اور کسی میں دونوں احتمال برابر ہیں باقی نفس احتمال میں سب شریک ہیں تفاوت صرف درجات احتمال کا ہے یہ میں نے اس لئے کہا کہ کہیں تم خود کو اور حضرت غوث اعظم کو برابر نہ سمجھنے لگو کہ ان کے متعلق بھی دونوں احتمال ہیں اور ہمارے متعلق بھی کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ احتمال تو واقعی دونوں میں دونوں باتوں کا ہے مگر درجات احتمال متفاوت ہیں۔

کان پور میں اس پر ایک قصہ ہو چکا وہاں ایک واعظ صاحب نے وعظ میں بلا ضرورت کہہ دیا کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا یقینی نہیں بلکہ اُن میں احتمال جہنمی ہونے کا بھی ہے بس اس جملہ سے سارے شہر میں آگ لگ گئی ایک شخص مولوی صاحب کو لے کر مجھ سے استفتاء کرنے کو آیا میں بڑا پریشان ہوا کہ اس کی حقیقت لوگوں کو کس طرح سمجھاؤں جس سے فتنہ بھی فرو ہو جائے اور حقیقت بھی واضح ہو جائے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فوراً میری تائید کی کہ طریقہ تعلیم دل میں ڈال دیا میں نے اُس شخص سے کہا کہ کہئے آپ کیا فرماتے ہیں کہنے لگے ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ حضرت غوث اعظم یقینی جنتی ہیں میں نے کہا بالکل ٹھیک کہتے ہو یہی اعتقاد چاہئے اگر وہ بھی جنتی نہ ہوں

www.besturdubooks.net

گے تو پھر ہم جیسوں کا کہاں ٹھکانا رہا میرا یہ جواب سُن کر مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ اس نے عوام کی موافقت اس غلط عقیدہ میں کیونکر لی مگر عقل سے کام لیا کہ درمیان میں بولے نہیں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اس شخص سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہا وہ بھی یقیناً جنتی ہیں پھر میں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جنتی ہیں میں نے کہا جزاک اللہ، اب یہ بتلاؤ کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا اُن کے متعلق بہت سے اولیاء کی شہادت ہے وہ بڑے ولی صاحب کرامات تھے، میں نے کہا ٹھیک کہتے ہو اچھا اب یہ بتلاؤ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء میں کچھ فرق مراتب ہے یا نہیں؟ کہنے لگا ہاں صاحب زمین و آسمان کا فرق ہے میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں شہادتوں میں بھی ہے۔ بولا ہاں میں نے کہا کیا ایسا فرق ان دونوں شہادتوں کے اثر میں بھی ہے بولا ہاں، میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں کے یقیناً جنتی ہونے میں بھی ہے، کہنے لگے ہاں ضرور ہے میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا یہ بھی اس یقین کے معتقد نہیں جس کی آپ نفی کرتے ہیں ورنہ یہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت غوث اعظم کے جنتی ہونے میں فرق نہ کرتے۔

جنسِ ایمان:

بات یہ ہے کہ عوام ظن کو بھی یقین ہی سے تعبیر کرتے ہیں وہ تعبیر میں ظن و یقین کے اندر فرق نہیں کرتے غرض عوام بھی بجز اُن حضرات کے جن کا قطعی جنتی ہونا نص سے معلوم ہے کسی ولی کو قطعی اور یقینی جنتی نہیں سمجھتے لیکن ان کے عرف میں یقین کا لفظ کبھی ظن کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ عالم کو اپنے اہل زمانہ سے واقف ہونا چاہئے اور جو شخص اپنے زمانے والوں سے واقف نہیں وہ جاہل ہے۔ بہر حال خوف و رجاء سے کوئی خالی نہیں ہر شخص کو یہ احتمال بھی ہے کہ مجھے نجات ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ عذاب ہو، نفس احتمال میں سب برابر ہیں البتہ درجات احتمال مختلف ہیں اور یہی مطلب ہے امام صاحب کے قول ایمانی کا یمان جبرئیل ولا اقول مثل ایمان جبرئیل یعنی نفس تصدیق میں سب مشترک ہیں، امام صاحب نے درجات تصدیق میں مساوات کا دعویٰ کیا وہ تو اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے کاف بڑھا رہے ہیں کہ ایمانی کا یمان جبرئیل اور مثل کی خود نفی فرما رہے ہیں مگر لوگ اس کاف پر نظر نہیں کرتے۔ بلا وجہ اُن کے مقلدین

www.besturdubooks.net

سے لام وکاف کرنے لگے، یہ ایک محاورہ ہے بمعنی جدال جو غالباً لکدوکوب کا مخفف ہے۔ مگر ایک جاہل نے اس کو بہت بے موقع استعمال کیا ہے۔ اللہ بچائے ایسی جہالت سے وہ بے موقع استعمال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں ایک تو قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وارد ہے۔ اور دوسری آیت میں قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ہے۔ علماء میں یہ سوال ہوا ہے کہ دوسری آیت میں لک کیوں بڑھایا گیا اس کی وجہ اہل بلاغت نے یہ بیان کی ہے کہ جواب سوال کے مثل ہونا چاہئے، اگر سوال میں شدت ہو تو جواب بھی تشدید کے ساتھ دیا جائے گا اور سوال میں خفت ہو تو جواب میں بھی خفت کا لحاظ کیا جائے گا۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض خفیف تھا کہ ابتدائی تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے بھی اس کا جواب تخفیف کے ساتھ دیا اور دوسرے اعتراض میں شدت تھی کیونکہ بعد ممانعت کے ساتھ اس لئے خضر علیہ السلام نے بھی جواب میں اسی کے مناسب قوت وشدت اختیار کی اور لک بڑھا دیا مگر ایک جاہل نے یہ نکتہ بیان کیا کہ دوبارہ لک اسی طرح بڑھایا گیا کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت ان دونوں میں لام وکاف ہونے لگا۔ نعوذ باللہ کہیں انبیاء میں بھی لام کاف ہوا کرتا ہے ہرگز نہیں پس یہ نکتہ محض جاہلانہ ہے جو گستاخی پر مبنی ہے۔ غرض امام صاحب نے تو کایمان جبرئیل میں کاف بڑھا کر بتلا دیا کہ وہ مساوات کے قائل نہیں اسی لئے ولا اقول مثل ایمان جبرئیل بھی فرما رہے ہیں پس میں کایمان جبرئیل اور مثل ایمان جبرئیل کے فرق کو درجہ اشتراک ودرجہ مساوات سے تعبیر کرتا ہوں یعنی امام صاحب ایک درجہ میں اشتراک کے قائل ہیں اور وہ درجہ جنسیت ہے اور مساوات کی صراحتاً نفی فرما رہے ہیں حاصل یہ ہوا کہ جنس ایمان میں سب شریک ہیں اور نوع ہر اک کے ایمان کی مختلف ہے یا یوں کہو کہ نوع میں اشتراک ہے مگر صنف ہر اک کی جدا ہے اب امام صاحب کے اس قول کی ایسی مثال ہوگی جیسے یوں کہا جائے کہ ہم بھی ویسے ہی بشر ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے تو کیا یہ قول مطلقاً غلط ہے ہرگز نہیں کیونکہ نص میں خود اس کی تصدیق موجود ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لیکن اگر اس سے محض نفسِ بشریت میں اشتراک مراد لیا جائے جب تو کلام صحیح ہے اور من کل الوجوہ مساوات کا دعویٰ کیا جائے تو کفر ہے (پس معترضین کو کیا حق ہے کہ وہ امام صاحب جیسے اورع واتقی کے کلام کو غلط محمل پر محمول کریں جب کہ اس کا صحیح محمل موجود ہے ۱۲ ظ) یہ گفتگو درمیاں میں استطراداً آ گئی تھی۔

www.besturdubooks.net

شرط ایمان:

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو درجہ خوف ورجاء کا شرط ایمان ہے وہ سب کو حاصل ہے اور جو درجہ کمال ایمان کی شرط ہے وہ مختلف ہے اس میں غوث اعظم اور تم مختلف ہو اور پہلے درجہ میں سب مشترک ہیں مگر لوگوں کو دھوکہ اس واسطے ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں درجوں میں فرق نہیں کرتے بلکہ جو درجہ خوف کا کاملین میں ہے اسی کو شرط ایمان سمجھتے ہیں اور ان کی حکایات وواقعات دیکھ کر اپنی حالت کا ان کی حالت سے موازنہ کرتے ہیں جب اپنے اندر ویسا خوف وہ نہیں پاتے جیسا کاملین میں تھا تو اب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں خوف ہی نہیں ہے اور خوف شرط ایمان ہے اب ان کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ہم میں ایمان ہی نہیں سو میں نے بتلا دیا کہ جو خوف شرط ایمان ہے وہ بمعنی احتمال عقاب ہے اور یہ ہر مسلمان کو حاصل ہے پس تم مطمئن رہو اور اپنے نفس کو کافر نہ کہو کیونکہ نفس کوئی دوسری چیز نہیں وہ تمہیں تو ہو تمہاری ہی ایک قوت کا نام نفس ناطقہ ہے اسی کا نام بعض کے نزدیک روح ہے اور وہ وہی ہے جس کو تم میں اور ہم سے تعبیر کرتے ہو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نفس ہم سے جدا کوئی چیز ہے یہ غلط ہے اس کے متعلق ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک صوفی نے نفس کو چھپکلی کی شکل میں دیکھا تھا پھر اس کو مار دیا یہ قصہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا اور صحیح بھی ہو تو اس نے نفس کی شہوت وحرص کو چھپکلی کی شکل میں دیکھا ہوگا اور اسی کو مارا بھی ہوگا ورنہ نفس کو مارنے کے بعد وہ خود بھی زندہ نہ رہتا، نیز جہلاء صوفیہ نے کہا ہے کہ نفس قبل از مجاہدہ کافر حربی ہے اس درجہ میں اس کا نام امارہ ہے اور بعد مجاہدہ کے کافر ذمی ہے اس درجہ میں اس کا نام لوامہ ہے اور جب مجاہدہ سے مستغنی ہو جائے اس وقت مسلمان ہوتا ہے اس کا نام مطمئنہ ہے یہ نام تو تینوں صحیح ہیں امارہ، لوامہ، مطمئنہ، محققین نے بھی نفس کی یہی تین قسمیں بیان کی ہیں مگر ان قسموں کو ان کے معانی کے ساتھ موصوف کرنا غلط ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا نفس تو مسلمان ہے امارہ بھی مسلمان ہے اور لوامہ بھی مسلمان اور مطمئنہ ہو جائے تو پھر ان جاہلوں کے نزدیک بھی مسلمان ہوگا خلاصہ یہ ہوا کہ ایک خوف تو بمعنی احتمال عقلی عذاب ہے تو یہ شرط ایمان ہے اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت آیات وعید اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے کفر نہ ہوگا ہاں گناہ ہوگا اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات واشغال سے آیات وعید اور عظمت وجلال حق کو ہر دم مستحضر اور پیش نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور یہ سب درجات مکتسب ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور ان سے آگے ایک اور درجہ ہے جو اختیار سے باہر ہے وہ یہ کہ آثار خوف اس قدر غالب ہو

www.besturdubooks.net

جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہے تو ان کا کم کرنا اور بھلانا اس کے اختیار و قدرت سے باہر ہو یہ محض وہی ہے جو درجات سابقہ مکتسبہ کے حاصل کرنے کے بعد محض عطائے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے اور ایسے ہی اس کے مقابلہ میں رجا کے بھی درجات ہیں ایک درجہ شرط ایمان ہے بمعنی احتمال نجات اور ایک درجہ فرض ہے ایک مستحب ہے اور ایک درجہ رجاء میں بھی ایسا ہے جو اختیار سے خارج ہے مکتسب نہیں بلکہ محض وہب سے بعض کو عطا ہوتا ہے اور گو رجاء و خوف کے ان اخیر درجات پر مقرب بننا موقوف نہیں مگر اکثر عطا ہوتا ہے، مقربین ہی کو اور اس میں بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں کسی میں غلبہ خوف کا ہے اور کسی میں غلبہ رجاء کا ہے کوئی زیادہ تر گریہ وزاری میں رہتا ہے کوئی زیادہ تر ہنسی خوشی میں رہتا ہے یہ سب الوان حضرت حق کے عطا کئے ہوئے ہیں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان ست ۔۔۔ بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان ست

(پھول سے کیا فرمادیا کہ خنداں ہے بلبل سے کیا فرمادیا کہ نالاں ہے)

جو رنگ جس کو عطا ہو گیا ہے وہ اس کے اختیار میں مجبور ہیں۔

غالب علی الاحوال:

بعض اہل مقام ایسے بھی ہیں جو غالب علی الاحوال ہوتے ہیں کہ جس حالت پر چاہیں غلبہ حاصل کرلیں اور جس وقت جو حالت چاہیں اپنے اوپر وارد کرلیں ان کو ابوالوقت کہتے ہیں اور ایسے حضرات جو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ اپنی اصلی حالت کے خلاف دوسری حالت اپنے اوپر وارد کر لیتے ہیں تو اس کا منشا کبھی تو اپنی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس وقت اصلی حالت کا غلبہ کسی ضروری کام میں مخل ہے اس لئے وہ دوسری حالت کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں اور اس کی نظیر دنیوی معاملات میں بھی موجود ہے مثلاً ایک شخص کا بیٹا مر گیا جس سے طبیعت پر حزن و ملال کا غلبہ ہے مگر اتفاق سے اُسی دن اس کو مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت میں جانا پڑ گیا تو گو اس کی اصلی حالت رنج و ملال کی ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ جواب دہی نہ کرسکے مگر اس وقت یہ شخص قصداً اپنے اوپر عقل کو غالب کرتا ہے اور رنج و ملال کو مغلوب کر کے جواب دیتا ہے اسی طرح عارف بھی کبھی اپنی کی ضرورت کے وقت حالت اصلیہ کے خلاف دوسری حالت کو غالب کر لیتا ہے اور کبھی مرید کی مصلحت سے ایسا کرتا ہے کہ شیخ پر تو خوف کی تجلی غالب ہے مگر مرید کے لئے تجلی رجاء مفید ہے اس وقت شیخ اس مرید کی مصلحت سے اپنے اوپر تجلی رجاء کو غالب کر لیتا ہے۔ تاکہ اس کی طرف منتقل ہو اور دوسرے مرید کے لئے تجلی شوق مفید ہے اس کی مصلحت

www.besturdubooks.net

سے تجلی شوق کو اپنے اوپر غالب کرتا ہے وعلیٰ ہذا جس شخص کے لئے جس حالت کی تجلی نافع ہے شیخ اس کے سامنے اسی حالت کی تجلی اپنے اوپر وارد کرتا ہے یہ بے چارہ عجب کشمکش میں رہتا ہے جیسے کسی کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک اپنی طرف کھینچے مگر وہاں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کو دو گھروں میں رکھ دیا جائے مگر یہاں تو ایک ہی گھر ہے اور اسی میں یہ سب انقلابات ہوتے رہتے ہیں جن پر گزرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ قلب کے اندر کتنا بڑا محکمہ ہے کہیں پھول پھلواری ہے کہیں خار ہے کہیں خزاں ہے کہیں بہار ہے اسی کو اہل حال ظاہر کرتے ہیں ۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ   تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

اے برادر عقل یک دم باخود آر   دم بدم در تو خزان ست و بہار

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو۔ اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو کہ خود بخود تمہارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے)

اور بعض کی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اندر اندر کیا ہو رہا ہے وہ حیران و پریشان منہ تکتے رہ جاتے ہیں اُن کی حالت اس طرح ظاہر کرتے ہیں ۔

گہ چنیں جاید وگہ ضد ایں   جز کہ حیرانی نہ باشد کار دیں

(کبھی کوئی امر ایک طرح معلوم ہوتا ہے اور کبھی دوسری طرح ہوین کے کام میں حیرت کے سوا کچھ نہیں)

ہیبت کا چرکہ:

بعض دفعہ قدرت غیب سے ایسا ہوتا ہے کہ عارف پر ایک حال غالب ہے مگر اس کی مصلحت دوسرے حال کے غلبہ میں تھی تو اس وقت غیب سے مدد کی جاتی ہے کیونکہ یہ شخص مراد ہے اور مُرادکی اصلاح حق تعالیٰ کی طرف سے بلا اس کے قصد کے ہوتی ہے تو ایسی حالت میں بدون اس کے قصد کے دوسری حالت غالب کردی جاتی ہے اور اس وقت یہ ایسے محبوب کریم پر جان فدا کرنا چاہتا ہے مثلاً عارف پر اُنس کا غلبہ تھا (کاملین کے رجاء کو اُنس کہتے ہیں) اور اُنس کے بڑھنے سے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں حدود سے باہر نہ ہو جائے تو دفعتاً کسی وقت ہیبت کا چرکہ لگا دیا جاتا ہے جس کے اول وُرود کے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ جگر پھٹ جائے گا اس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بالکل معطل ہو جاؤں گا نہ بیوی کا رہوں گا نہ کھانے پینے کا نہ کسی کام کا مگر

درد از یارست و درماں نیز ہم   دل فدائے او شد و جان نیز ہم

www.besturdubooks.net

(درد محبوب کی طرف سے ہے اور اس کا علاج ان ہی جانب سے اس پر دل بھی قربان ہے اور جان بھی)

پھر وہ سب کچھ کرتا ہے اور یہی غلبہ ہیبت کا چرکہ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نزولِ وحی کے وقت اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا اور آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا انی اخاف علٰی نفسی واقعی حیرت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم باللہ واتقی للہ ہو کر جن کے سامنے سب سے زیادہ مناظر ہیبت وجلال کے پیش نظر تھے آپ ہنستے بولتے اور مزاح کس طرح کرتے تھے مگر میں نے ابھی عرض کیا کہ عین غلبہ حال میں حق تعالیٰ کی امداد ساتھ ساتھ ہوتی ہے چنانچہ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سب حالات نہایت غلبہ کے ساتھ وارد تھے پھر بھی آپ معطل نہیں ہوئے بلکہ قدرت علی النکاح بھی آپ میں سب سے زیادہ تھی اور اس بات کو وہی عارف[1] سمجھ سکتا ہے جس پر اس کی نظیریں وارد ہوتی ہیں اس وقت وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر بھی ایک حال ہیبت کا ایسا غالب ہو چکا ہے جس سے مجھے ہرگز اُمید نہ تھی کہ مجھ سے ان افعال کا صدور ہو سکے گا مگر پھر بھی سب افعال کا صدور ہوتا ہے اس وقت عارف کو توحید کا انکشاف تام ہوتا ہے کہ ایک ذات میرے اُوپر ہے جو باوجود میرے ضعف کے پھر بھی مجھ سے سب کام لے رہے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ کاملین بہت چین میں ہیں ان کو کوئی فکر نہیں ارے تم کو کیا خبر ہے کہ ان پر کیسے آرے چل رہے ہیں ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　　حالِ شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(اے وہ شخص تیرے پاؤں میں ابھی کانٹا بھی نہیں چبھا تجھے ان شیروں کی کیا خبر جن کے سروں پر بلا کی تلواریں چل رہی ہیں)

حضرت ان کے اندر ایک بڑا گدام ہے جس میں کبھی نار کا غلبہ ہے کبھی آب کا، کبھی بھاپ کی ضرورت ہے کبھی اسٹیم بند کرنے کی ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کو حالات کے تواتر سے پریشانی زیادہ نہیں ہوتی بلکہ پریشانی میں بھی لذت آتی ہے مگر تمہارے خیال کے موافق وہ بے فکر نہیں ہیں بس اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ بیان:

خلاصہ بیان یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے خوف ورجاء کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے جس کے یہ درجات ہیں جو اجمالاً مذکور ہوئے اور جب عمل کرو گے تو ان کا انکشاف زیادہ

[1] افسوس بعض اہل ظاہر نے بدون سمجھے ہوئے حضور کے قول انی اخاف علٰی نفسی کو جو آپ نے ابتدائے نزول وحی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا بہت بعید محامل پر محمول کیا ہے جو بالکل غلط ہے، چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ۱۲ (ظفر)

www.besturdubooks.net

ہوگا پس حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم کو مطلع فرماتے ہیں کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی سخت ہے اور جب اس کا انکشاف ہوگا اُس وقت ہر ایک کو اپنے درجہ کے موافق اس سے حظ حاصل ہوگا منتہی کو بھی اور مبتدی کو بھی کم از کم یہ بات تو سب کو حاصل ہو جائے گی کہ گناہوں سے رکاوٹ ہوگی، اب ہم کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اصل مضمون تو سہل ہی ہے گو آخیر میں کچھ دقیق ہو گیا مگر یہ دقت وغموض مقدمات ومبادی میں ہے اصل مقصود نہایت سہل وآسان ہے اور چونکہ اس بیان میں غلبہ رجاء کا بیان زیادہ ہے اس لئے میں اس کا نام جمال الجلیل رکھتا ہوں گو جلال الجمیل بھی نام ہوسکتا تھا مگر غلبہ رجا کے مناسب پہلا نام ہے اس لئے وہی اولیٰ ہے اب دُعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو توفیق عمل عطا فرمائیں۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین و آخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

www.besturdubooks.net

حیوٰۃ طیبہ

سے موسوم یہ وعظ

رجب 1329ھ یوم جمعہ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا۔
جو حضرت والا نے بیٹھ کر ارشاد فرمایا، سامعین کی تعداد تقریباً ایک سو تھی،
مولوی عبداللہ صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اَلنحل آیت نمبر 97)

ترجمہ آیت شریف کا یہ ہے کہ جو شخص عمل نیک کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو پس بے شک ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرما دیں گے اور بے شک ہم اُن کو اُن کا اجر بدلہ میں دیں گے، بسبب ان کے اچھے اعمال کے۔

طالب ومطلوب:

اس آیت شریف میں حق تعالیٰ نے اپنے مطیع بندوں کے لئے اطاعت پر دو بڑی دولت کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور نیز اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے اوّل ایک مضمون بطور مقدمہ سمجھنا چاہئے اُس کے بعد آیت کریمہ کا مضمون بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا .... دنیا میں جس قدر عقلاء ہیں کہ جن کے افعال کی غایۃ ہوتی ہے ان میں ہر ایک شخص ایک شئے کا طالب ہے کوئی مال کا طالب کوئی جاہ کا، کوئی صحت کا، کسی کو درویشی مطلوب ہے کوئی علم کا دیوانہ ہے، کسی کو تجارت میں لطف آرہا ہے، کوئی اولاد کی دُھن میں ہے، کوئی مکانات کی

www.besturdubooks.net

تعمیر کا شوق رکھتا ہے، کسی کو باغ لگانے کی حرص ہے، غرض کوئی ایسا نہیں جو طلب سے خالی ہو، بعضے ان میں ہی اللہ کے بھی طالب ہیں۔

ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اشیائے متعددہ مختلفہ کے طالب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے اور نظر کو عمیق کر کے دیکھا جائے تو فی الواقع ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شئے ہے صرف اختلاف اس کے تعیین طرف میں ہے کسی نے سمجھا کہ وہ شئے تجارت سے حاصل ہوگی وہ تجارت میں مشغول ہو گیا کسی نے خیال کیا کہ علم سے اُس کی تحصیل ہوگی وہ علم کا طالب بن گیا، کسی نے اولاد میں اس مطلوب کو گمان کیا وہ اولاد کا شیفتہ ہو گیا آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا مقصود جدا ہے اور تم کہتے ہو کہ سب کا ایک ہی مقصد ہے اختلاف طرق میں ہے اس لئے اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے۔

ایک شخص کے پاس دس سائل آئے، ایک نے روٹی طلب کی، دوسرے نے چاول پختہ مانگے، تیسرے نے پیشہ مانگا، چوتھے نے روپیہ، پانچویں نے غلہ، چھٹے نے آٹا، ساتویں نے کوڑیاں، آٹھویں نے چنے بھنے ہوئے، نویں نے کچے چاول، دسویں نے حلوا، پس اس مثال میں بظاہر مطلوب ہر ایک کا جدا ہے لیکن درحقیقت مقصود واحد ہے، طرق مختلف ہیں مقصود پیٹ بھرنا ہے کسی نے سمجھا کہ پکانے کا کون قصہ کرے اس نے پکی ہوئی روٹی مانگی، کسی نے خیال کیا کہ کچی جنس ملے گی تو اپنی مرضی کے موافق پکا کر کھائیں گے کسی نے یوں ہوس کی کہ روپیہ پیسہ ملے گا تو جنس بھی اپنی خواہش کے موافق خرید کر پکائیں گے۔

لذت وراحت:

اس مثال سے آپ کو مختلفات کا جمع کرنا آسان ہو گیا ہوگا اسی طرح ان لوگوں کے مطلوب کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقصود کیا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو شئے واحد مقصود ہے اور وہ لذت وراحت ہے طرق کا اختلاف ہے کسی نے سمجھا کہ روپے کے حاصل ہونے میں مزہ ہے وہ اس کا طالب ہو گیا کسی نے سمجھا کہ جاہ میں مزہ کسی نے اولاد میں لطف دیکھا، کسی نے تجارت میں کسی کی سمجھ میں آیا کہ دنیا کے مزے تو سب فانی ہیں مزہ اصلی تو آخرت میں ہے الی غیر ذلک من الطرق مگر حاصل سب کا ایک ہے کہ قلب کو چین ہو، راحت ہو، مسرت ہو، انبساط ہو۔

دوسری مثال اور لیجئے کہ تاجر مختلف اشیاء کی تجارت کرتے ہیں کوئی بساطی ہے، کوئی بزاز ہے،

www.besturdubooks.net

کوئی بقال ہے اور کوئی لکھنؤ میں تجارت کرتا ہے کوئی کلکتے میں، کوئی بمبئی میں تو یہ سب ایک شئے کے طالب ہیں وہ شئے کیا ہے نفع مگر اس کے طرق مختلف ہیں کسی نے سمجھا کہ بزازی کی دکان میں نفع ہے کسی نے خیال کیا کہ بساط خانہ میں بہت نفع ہے اُس نے اسی کو اختیار کرلیا کسی نے سمجھا کہ لکھنؤ میں چکن اچھی ہوتی ہے وہ وہاں جا پہنچا کسی نے یہ خیال کیا کہ کلکتے میں نفع ملے گا، اگر کوئی کہے کہ وہی نفع تم کو ہم یہاں دیتے ہیں وہ ہرگز کلکتہ نہ جائے گا کیونکہ مقصود اس کو حاصل ہوگیا غرض یہ امر بالکل اب واضح ہوگیا ہوگا کہ لوگ بظاہر اشیاء مختلفہ کے طالب ہیں مگر حقیقتاً مطلوب ایک ہے۔

درجات لذت وراحت:

اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس مطلوب یعنی لذت وراحت کے حاصل کرنے میں رائیں مختلف ہیں، کسی کی رائے تجارت کی ہے کسی کی زراعت کی ہے اور گاہے آپس میں ایک دوسرے کو خاطی بتاتے ہیں چنانچہ جو تجارت کرتا ہے وہ احیاناً زراعت کرنے والے کو خطا پر بتاتا ہے اور زراعت کرنے والا تاجر کو خاطی بنا رہا ہے اور ان ہی طالبین میں بچے بھی ہیں وہ بھی اسی مطلوب یعنی لذت وراحت کے حاصل کرنے میں مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں، لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں، لڑکے کوئی گیند کھیلتا ہے، کوئی کنکوا اڑاتا ہے کوئی ریتے کا مکان بناتا ہے ان کے مکان کو ہم بیہودہ شغل سمجھتے ہیں اور ہم جو قرض لے لے کر مکان بناتے ہیں اُس کو بے ہودہ نہیں سمجھتے، وجہ یہ ہے کہ اپنے مکانوں کو پائے دار سمجھتے ہیں اور معتد بہ راحت کا آلہ، پس معلوم ہوا کہ اس مقصود کے باوجود اس کے کہ وہ واحد ہے درجات مختلف ہیں ایک معتبر اور قابل شمار اور دوسرے غیر معتبر اور ناقابل شمار اور مجموعہ تقریر سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقصود کے طرق میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اس مقصود یعنی لذت وراحت کے افراد بعض قابل شمار ہیں اور بعض نہیں ہیں اب یہاں دو امر تنقیح طلب ہیں کہ مقصود یعنی لذت وراحت کا کون فرد حقیقتاً معتبر ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا طریقہ تحصیل کا کیا ہے پس اس کا فیصلہ ایسا شخص کرسکتا ہے کہ جو حقائق اشیاء اور آثار اشیاء سے من کل الوجوہ واقف ہو اور نیز وہ خود غرض نہ ہو کیونکہ کسی کا علم اگر ناقص ہوگا یا کوئی خود غرض ہوگا تو وہ ہرگز ان دو امروں کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتا تو اب دیکھنا چاہئے کہ جس میں یہ دو صفتیں علیٰ وجہ الکمال موجود ہوں وہ کون ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوق میں یہ دونوں صفتیں ناقص ہیں جو عالم نظر آتا ہے اس سے زیادہ اور عالم موجود ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (اور ہر علم والے پر سب سے بڑھ کر علم والا ہے) اور استغنا اور

www.besturdubooks.net

بے غرضی کی صفت میں بھی مخلوق ناقص ہے جس کو دیکھئے وہ خود غرض ہے اگر کہا جاوے کہ بعض ہمدردانِ قوم ایسے ہیں کہ دوسروں کو بلا غرض نفع پہنچاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعضے ثواب کے طالب ہیں اور بعضوں کی ایسی طبیعت ہوتی ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچا کر اُن کے دل کو ٹھنڈک اور راحت پہنچتی ہے یہ راحت رقت طبیعت بھی ایک غرض ہے اسی طرح ماں باپ اور جملہ اقرباء جو کچھ کرتے ہیں سب اپنی شفائے قلب کے واسطے کرتے ہیں اگر کوئی کہے کہ بعضے لوگ ایسے طور سے دیتے ہیں کہ نہ دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لینے والا کون ہے اور نہ لینے والے کو دینے والے کا حال معلوم ہوتا ہے اس میں کون سی غرض ہے جواب یہ ہے کہ یا تو اس کو ثواب مطلوب ہوگا اور اگر ثواب مطلوب نہ ہو تو نفس عطا سے اس کے دل کو حظ ہوگا یہ بھی ایک غرض مطلوب ہے بالجملہ مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو علم اور استغناء کی صفت علیٰ وجہ الکمال سے موصوف ہو ایسی ذات پاک تو حق تعالیٰ کی ہی ہے علم کی تو ان کے وہ شان ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ ہیں اور بے نیازی ایسی ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ۔

من نکردم خلق تا سُودے کنم بلکہ تا بر بندگان جُودے کنم

(میں نے مخلوق اس لئے پیدا نہیں کی کہ کوئی نفع حاصل کروں بلکہ اس لئے پیدا کی تا کہ اپنے بندوں پر عنایت کروں)

اور اللہ تعالیٰ کو اپنا نفع مقصود ہو نہیں سکتا اس لئے کہ نفع جو ہم کو مقصود ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اندر ایک نقصان تھا اس نفع کے حاصل ہونے سے اس کی تکمیل ہوگئی اور حق تعالیٰ کی ذات خود کامل اکمل ہے اگر حق تعالیٰ کو بھی اپنا نفع مقصود ہو تو نعوذ باللہ ذات باری میں نقصان اور استکمال بالغیر لازم آتا ہے بہر حال نہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کا علم ہے اور نہ کوئی ایسا بے غرض ہے لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا فیصلہ حق تعالیٰ سے ہی کرانا چاہئے۔

چنانچہ کلام اللہ کی ان آیات میں ان دونوں امروں کا فیصلہ فرما دیا کہ بطور حاصل ارشاد ہے کہ اے بندو تم جو اپنے مقصود یعنی راحت کو مختلف چیزوں میں ڈھونڈتے ہو کوئی مال میں راحت ولذت کا طالب ہے، کوئی بیوی بچوں میں اپنے مطلوب کو تلاش کرتا ہے، کوئی جاہ میں، کوئی مکانات میں مشغول ہے، ہم تم کو راحت حقیقی کے تحصیل کا طریقہ بتلاتے ہیں وہ یہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو یعنی عقیدہ اُس کا درست ہو ہم اس کو مزہ دار زندگی عطا فرما دیں گے اور ہم ان کو جزا دیں گے بسبب احسن

www.besturdubooks.net

اُن اعمال کے جو کیا کرتے تھے اس ترجمہ سے دونوں امر تنقیح طلب جو اُوپر مذکور ہوئے معلوم ہو گئے یعنی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مقصود معتبر کیا ہے اور اس کا طریق تحصیل کیا ہے، مقصود دو چیزیں ہیں حیات طیبہ اور اجر اور اس کا طریق بھی دو چیزوں کا حاصل کرنا ہے، عمل صالح اور عقائد صحیحہ۔

اجرِ اخروی:

اور حیات طیبہ اور اجر کا حاصل ایک ہی ہے یعنی لذت اور مسرت کیونکہ حیات طیبہ جس کو فرمایا ہے اس کی تکمیل اجر اُخروی سے ہو گی اس لئے کہ جس حیات کے بعد اجر نہ ہو وہ حیات طیبہ نہیں اس لئے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ آرام و راحت دنیا ہی میں ہے اور بعد اس حیات دینوی کے پھر تکالیف کا سامنا ہے تو وہ حیات بھی مزہ دار نہ ہو گی مثلاً کوئی شخص نہایت ہوادار اور شاندار اور پُر لطف کمرے میں ہے اور کھانے پینے کی اشیاء سب موجود ہیں اور آرام کے سب سامان مہیا ہیں لیکن اس پر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہے اور اس کو معلوم ہے کہ فلاں دن میرے لئے پھانسی کا حکم ہو گا تو اس کو یہ زندگی اور ظاہری تمتع وبالِ جان ہو گا اور ہر شئے اس کو خار نظر آئے گی اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ یہاں خواہ کتنا ہی آرام ہو، جب یہ معلوم ہو کہ فانی ہے تو کیا لُطف ہے اور دنیا تو خواہ ملے یا نہ ملے ہر صورت میں پریشان کرنیوالی ہے ۔

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرة و ان اقبلت کانت کثیر اھمومھا

اگر نہ ملے تو نہ ملنے کا افسوس اور حسرت رہتی ہے اور اگر ملے تو طرح طرح کے افکار اور ہموم ہوتے ہیں ایک شخص سے کسی نے پوچھا تمہارے یہاں خیریت ہے وہ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے خیریت ہو گی تمہارے یہاں، ہمارے یہاں تو بفضلہ اللہ تعالیٰ کچے بچے جھوٹے بڑے موجود ہیں، آج فلاں بیمار ہے کل اس کو بخار ہے کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے جس کے یہاں کوئی نہ ہو اس کے یہاں خیریت ہوتی ہے، غرض دنیا میں پریشانی ہی پریشانی ہے اگر حس صحیح ہو تو واقعی سخت مصیبت کی جگہ ہے کسی طرح چین نہیں ایک مقصود اگر حاصل ہوتا ہے تو دوسرے کی فکر ہوتی ہے مثلاً شادی بھی ہو گئی مال و دولت سب کچھ ہے اولاد نہیں ہے تو اولاد کا ہر وقت فکر ہے کہ اولاد ہو یہی دُھن ہے یہی فکر ہے شب و روز اسی میں گزرتا ہے کبھی خیال ہوتا ہے کہ یہ سب جائیداد وقف کر دوں کبھی خیال ہوتا ہے کہ کسی کو متبنیٰ بناؤں اللہ اللہ کر کے اولاد ہو گئی اب شب و روز اِسی دُھن میں ہیں کہ کسی طرح اس کی جلدی پرورش ہو جائے تو اس کی

www.besturdubooks.net

ختنہ دھوم دھام سے ہوں اور اس کی شادی ہو، اللہ اللہ کر کے اولاد سیانی ہوگئی اور شادی بھی ہوگئی اب رات دن یہی فکر ہے کہ اولاد کے اولاد نہیں ہے، اسی غم میں گھلتے ہیں غرض ساری عمر عزیز اسی میں صرف ہو جاتی ہے اور کوئی وقت اللہ کی طرف مشغول ہونے کا میسر نہیں ہوتا ۔

وما قضیٰ احدھنا لبانته   لا ینتھی ارب الاالٰی ارب

(کسی کی جملہ آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہوئیں ایک آرزو پوری ہوگئی تو دوسری تمنا سامنے آگئی)

بہ خلاف اس شخص کے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو وہ پھر بہ نسبت اس شخص کے راحت میں ہے اسکا تو یہ حال ہے ۔

لنگلے زیر لنگلے بالا   نے غم دُزد نے غم کالا

(ایک چادر اوپر ایک جھبند نیچے، نہ ڈاکو کا غم اور نہ چور کا ڈر)

لطف دائم:

ایک رئیس تھے ان کے ایک بچہ تھا اتفاقاً وہ بیمار ہوگیا، تمام جائیداد و سامان اُن کو تلخ معلوم ہوتا تھا یہ حالت دُنیا کی ہے یچ ہے و ان اقبلت کانت کثیرا ھمومھا (اگر آئی تو بہت سی فکریں اپنے ساتھ لائی) حاصل یہ ہے کہ اگر تمام نعمتیں میسر بھی ہوں اور آخرت میں اس کے لئے کچھ نہ ہو تو سب یچ ہے اس لئے حیات طیبہ اسی وقت ہوگی جب کہ اجر بھی ہو اسی واسطے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ الخ کے ساتھ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ فرمایا حاصل دونوں کا حیات کاملہ ہوئی خلاصہ یہ ہوا کہ گویا حق تعالیٰ بطور حاصل ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے دنیا میں بھٹکنے والو تم میں سے ہر ایک کا جو مقصود معتد بہ حیات طیبہ کاملہ ہے اور اُس کے طرق میں جو تم غلطیاں کر رہے ہو تو اس کے طریق کو بھی متعین کرتے ہیں وہ اطاعت اللہ و رسول کی ہے گویا تمام آیۃ کا حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا نتیجہ و ثمرہ لطف دائم ہے، یہ ایک دعویٰ ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اگر ہم اس کا صدق مشاہدہ بھی نہ کرتے تو بھی ہم کو بلا تامل تصدیق کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ ایسی ذات کا فیصلہ ہے کہ جس کا علم کامل ہے اور بے غرض اور مستغنی بالذات ہے چہ جائیکہ اس کا صدق ہم کو كَالشَّمْسُ فِي نصف النهار (جس طرح دوپہر کے وقت سورج) نظر بھی آرہا ہے اور مشاہدہ روز بروز اس کو پختہ کرتا جاتا ہے جیسا کہ ہم اس کو آئندہ چل کر واضح کر دیں گے۔

اس وقت فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (ہم اسے حیات طیبہ عطا کریں گے) کی تفسیر کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں اختلاف ہوا ہے کہ حیات طیبہ سے کیا مراد ہے، دنیا کی

www.besturdubooks.net

حیات یا برزخ کی، کیونکہ عالم تین ہیں عالم آخرت، عالم دنیا، عالم برزخ اور آخرت کو گو مشاہدہ نہیں کیا مگر اہل ملت میں بلکہ حکماء وفلاسفر قدماء میں بھی اس کے منکرین کم ہیں حتیٰ کہ سوائے اہل اسلام کے اور لوگ بھی اس کے قائل ہیں اس لئے کوئی نمونہ دنیا میں بتلانے کی ضرورت نہیں ہے بخلاف برزخ کے کہ اس کے منکرین بہت ہیں حتیٰ کہ اہل اسلام میں معتزلہ نے اُس کا انکار کیا ہے اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے قبر میں دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں اُن کا معاملہ مختلف ہوتا ہے اگر بندہ مومن ہوتا ہے اس کے پاس نہایت اچھی صورت میں آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں وہ پسندیدہ جواب دیتا ہے پھر اس کے لئے قبر کشادہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کو ایک وسعت نظر آتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے نَم کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ (سو جا دلہن کی نیند کے مانند) اور اگر وہ کافر ہوتا ہے اس کے پاس نہایت ہولناک صورت میں آتے ہیں اور جو سوال اُس سے کیا جاتا ہے وہ جواب میں لَا اَدْرِیْ یعنی میں نہیں جانتا کہتا ہے اُس کے لئے قبر تنگ ہو جاتی ہے، کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں اور گرزوں سے اس کو مارتے ہیں اور سانپ اور بچھو اس کو ڈستے ہیں..........غرض انواع انواع کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے معتزلہ اور ہمارے نو تعلیم یافتہ ان احادیث کا بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں نہ اس میں فرشتہ ہے نہ گرز ہے نہ وسعت ہے نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو بھیڑیا کھا لے یا دو شیر کھالیویں تو وہاں کس طرح یہ سوال و جواب ہوں گے اور کیسے وہاں وسعت ہوگی اور وہاں سانپ بچھو کہاں ہیں ہم تو صریحاً دیکھتے ہیں کہ بھیڑیئے اور شیر کے پیٹ میں نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں نہ گرز ہے بات یہ ہے ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(اسلام کا دعویٰ کرنے والے بہتر (72) فرقوں میں سے ہر ایک نے اپنی لڑائی کے لئے عذر تراش رکھا ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے افسانہ اختیار کیا)

وجہ یہ کہ خود علم نہیں اور علماء کی اتباع سے عار آتی ہے حالانکہ سلامتی کی بات یہ ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کا دامن پکڑنا چاہئے..........کاش اگر ہم پوچھ لیتے تو پتہ لگ جاتا۔

قبر کی حقیقت:

ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے حالانکہ قبر سے مراد احادیث

www.besturdubooks.net

میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اُس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال جواب وعذاب ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیے وشیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے اور دفن کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں............اوّل تو یہ کہ روح کو بعد مرنے کے اس جسدِ خاکی سے ایک تعلق رہتا ہے جیسا کہ مثلاً آپ یہاں موجود ہیں اور آپ کا گھر مثلاً جلال آباد ہے تو آپ کو گھر سے تعلق ہے تو اگر مردہ کو جلا دیا جاوے گا اور قبر میں دفن نہ کیا جاوے گا تو روح کو چین نہ ہوگی اور اس کو اس جسد عنصری کے جلنے کا حزن ہوگا جیسے کسی کے گھر میں آگ لگا دی جاوے اس کو رنج ہوتا ہے یا جیسے مثلاً کسی شخص کا کچھ اسباب ایک جگہ رکھا ہے اور کچھ دوسری جگہ اس کی طبیعت پریشان رہتی ہے اسی طرح اگر اس جسم کے اعضاء منتشر ہوتے ہیں تو روح کو ایک پریشانی ہوتی ہے ایک حکمت یہ ہے کہ دفن کرنے میں ابقائے نفع باطنی ہے یعنی اگر کسی صاحب کمال کی وفات ہو جائے اور ان کو دفن کر دیا جائے تو بعد وفات باطنی نفع ان سے زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ جلا دیا جائے یا اجزاء اس کے کسی وجہ سے منتشر ہو جاویں اور ایک حکمت دفن کرنے میں یہ بھی ہے کہ عنصر غالب خاک ہے تو مقتضاء عقل کا بھی یہی ہے کہ اس کے ہی جنس میں ملا دیا جاوے۔

اسی بناء پر ایک بزرگ کہتے تھے کہ ہندو جو جلاتے ہیں اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہے وہ یہ کہ آدمیوں سے پہلے زمین پر جن تھے ان کی شریعت میں عجب نہیں کہ جلانے کا حکم ہو اس لئے کہ ان میں عنصر غالب نار ہے تو جلانے سے نار نار میں مل جائے گی، ہندوؤں نے اس مسئلہ میں ان کی تقلید کی اور یہ نہ سمجھے کہ ان میں تو جزو غالب نار تھا اس لئے جلانے کا حکم ہوا اور ہم میں جزو غالب خاک ہے اس لئے ہم کو دفن کا حکم ہوا حاصل یہ کہ قبر کے متعلق جس قدر شبہات ہیں وہ سب اس پر مبنی ہیں کہ قبر کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی استنباط کی وجہ سے چونکہ اس کا بکثرت انکار کیا جاتا ہے۔

حقیقت برزخ:

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی حکمت سے اُس کا ایک نمونہ دنیا میں پیدا فرمایا ہے وہ کیا ہے خواب یعنی سونا......سوتے ہوئے دیکھتا ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے دریا میں ڈوب گیا ہے کسی نے لٹھ مارا ہے اور اس کو الم محسوس ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ نرم نرم بستر پر لیٹا ہوا ہے اگر گرمی ہے تو

www.besturdubooks.net

پنکھے چل رہے ہیں، خس کی ٹٹیاں لگ رہی ہیں، یا دیکھتا ہے کہ وہ مسند پر سریر آرائے سلطنت ہو رہا ہے اور باندیاں اور غلام صف بہ صف دست بستہ کھڑے ہیں اور طرح طرح کے آرام و راحت کے سامان ہیں حالانکہ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ کوئی پرسان حال ہے بیمار ہیں سخت درد میں مبتلا ہیں یہ سونے والے اگر ان حکایات کو بیان کرتے ہیں تو ان سے کوئی دلیل عقلی کا اِن واقعات پر مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ اگر کوئی دلیل عقلی پوچھے بھی تو اس کو احمق بنایا جاتا ہے اور اس کو وہ سونے والا کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کبھی سوئے نہیں، اللہ کرے تم سوؤ تو تم کو یہ سب باتیں واضح ہو جائیں گی، پس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ جب مرو گے معلوم ہو جائے گا بقول شخصے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ماشوی بدانی

(کسی نے پوچھا کہ عاشقی کیا چیز ہے میں نے کہا جب مجھ جیسا ہو جائے گا معلوم ہو جائے گا)

غرضیکہ خواب برزخ کا پورا نمونہ ہے کہ جیسے ہم سونے والے کو دیکھتے ہیں کہ وہ آرام سے لیٹا ہے حالانکہ وہ سخت تکلیف کا مشاہدہ کر رہا ہے یا یہ کہ وہ تکلیف میں ہے اور خواب میں مزے لوٹ رہا ہے، اسی طرح مردے کا حال ہے کہ اگر قبر کو کھود کر دیکھا جاوے تو جس طرح دفن کر آئے تھے اسی طرح ہے لیکن وہاں کے واقعات اس پر سب گزر رہے ہیں لیکن اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ برزخ کے واقعات خواب جیسے ہیں، جس طرح خواب کی کوئی اصل نہیں اسی طرح فی الواقع یہ بھی کوئی شئے نہیں، مردے کو یہ واقعات محض متخیل ہوتے ہیں اس لئے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ خواب نمونہ ہے یعنی خواب مشابہ برزخ کے ہے مماثل نہیں کہا۔

عالم برزخ کے واقعات حقیقت رکھتے ہیں، تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہو جاتی ہے اس لئے اس جسم کو تو ثواب عذاب تکلیف آرام کچھ نہیں ہوتا ہاں اس جسم سے روح کو تعلق قدیم کی وجہ سے ایک تعلق خاص ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کو اپنے گھر سے یا کپڑے سے کہ وہ گھر اور کپڑا اس سے مفارق ہے لیکن اس سے تعلق ہے اور اسی تعلق کی بناء پر اگر مردے کے جسم کو کوئی مارے تو روح کو ایک قسم کی کوفت ہوتی ہے پس اس جسم عنصری کے ساتھ اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہتا مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب و ثواب کا مورد جسم ہی ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ برزخی ثواب و عقاب اور تمام برزخی واقعات اور سوال و جواب کے لئے روح کو ایک اور جسم عطا ہوتا ہے کہ اُس کو جسم مثالی کہتے ہیں اور یہ تکلیف و راحت سب اس کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس عالم ظاہر کے ایک اور عالم ہے کہ صوفیہ کو اس کا انکشاف ہوا ہے اور نیز اشارات کتاب و

www.besturdubooks.net

سنت سے بھی اس کا وجود معلوم ہوتا ہے اس عالم میں تمام اشیاء اور تمام اعمال و افعال کی صورتیں ہیں خواب میں جو کچھ آدمی دیکھتا ہے وہ بھی اُسی عالم کی صورتیں دیکھتا ہے۔
مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ میں کلکتے گیا ہوں اور وہاں کوٹھیاں بنگلے اور بازاروں کی سیر کر رہا ہوں تو یہ سب صورتیں چونکہ عالم مثال میں موجود ہیں، اس لئے وہ خواب میں نظر آتی ہیں، میں نے ایک رسالہ مسمّٰی الفتوح فی احکام الروح لکھا ہے اس میں روح کے متعلق مفصل بحث لکھی ہے اُس کے دیکھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ سب شبہات جاتے رہیں گے۔

حقیقت حیٰوۃ طیبہ:

بہرحال اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ ایک عالم اور ہے جس کا نام برزخ ہے، کل تین عالم ہوئے، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت، اس میں اختلاف ہے کہ حیات طیبہ سے مراد کون سی حیات ہے، حیات برزخیہ یا حیات دنیویہ، میں کہتا ہوں کہ دونوں مُراد ہوں اور لَنَجْزِيَنَّهُمْ کو آخرت کے ساتھ خاص کیا جاوے، اس تقریر پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جو شخص عمل صالح کرے اور عقائد بھی اس کے صحیح ہوں اس کو ہم دنیا میں اور بعد مرنے کے برزخ میں مزہ دار زندگی عطا فرمادیں گے اور آخرت میں بعد قیامت کے اُن کے نیک اعمال کی وجہ سے اجر کی جزا دیں گے اور ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حیات دنیویہ ہو اور برزخ اور آخرت لَنَجْزِيَنَّهُمْ (ہم انہیں بدلہ دیں گے) میں داخل ہو کیونکہ برزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی جزا ہوگا خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا وعدہ ہے اوّل حیات طیبہ دوسرے اجر کی کہ جو مکمل ہے، حیات طیبہ کا۔
ان میں سے ایک شئے یعنی حیات طیبہ کو تو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں بلکہ مشاہدہ کرا سکتے ہیں دلیل تو یہ ہے کہ قاعدہ عقلی ہے کہ تجربے سے جب ایک شخص کا صدق ثابت ہو جائے تو اس کو ہر امر میں صادق مانا جائے گا۔ ہر امر پر دلیل کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے گا جب کہ حق تعالیٰ کے اخبار کا صدہا ہزارہا جگہ صدق ہم نے مشاہدہ کر لیا تو یہ خبر بھی بلا تامل صادق ہے مشاہدہ یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں مطیع اور غیر مطیع دیکھ لیجئے کہ ان میں سے راحت اور آرام میں کون ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مطیعین طالبینِ دنیا ہر وقت پریشانی میں ہیں کسی وقت ان کو چین نہیں بخلاف مطیعین کے کہ وہ جس حالت میں ہیں راحت میں ہیں، شاید ہر شخص کہے کہ میں مطیع ہوں اس لئے کہ نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں

www.besturdubooks.net

بہت خوبصورت ہے کیونکہ اُس کے رخسار ایسے ہیں، سر ایسا ہے، آنکھیں ایسی ہیں، ایک شخص دور سے دیکھنے آوے، دیکھا تو میاں نکٹے ہیں تو اُن کا سارا حُسن و جمال اس ناک نہ ہونے سے کالعدم ہے اور عقلاء اس کو ہرگز حسین نہ سمجھیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ دو چار باتیں اسلام کی لے کر سمجھتے ہیں کہ ہم دین دار ہیں تو ایسے دین داروں کی نسبت یہ وعدہ نہیں ہے اگر کوئی پورا دین دار ہو ایمان اور عمل اُس کا کامل ہو تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اس کو مزہ دار زندگی عطا ہوتی ہے بلکہ کامل الاطاعت کے پاس تک پریشانی نہیں آتی۔

اطاعت کاملہ:

اطاعت کاملہ میں ایک جزو اور بھی قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اطاعت کاملہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ بس ظاہر دُرست کرلیں یعنی صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ ومعاملات کی پابندی کرلیں بس کامل فرماں بردار ہوگئے خواہ اخلاق کسی درجے میں ہوں تو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا شخص بھی کامل دین دار نہیں ہے کامل دین دار وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن دونوں آراستہ ہوں، واللہ ہم میں جو دین دار کہلاتے ہیں ان میں سے بہت لوگوں کی حالت یہ ہے اَلسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وقلوبهم قلوبُ الذّئابُ (ان کی زبانیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں اور ان کے دل بھیڑیوں کے دل ہیں) وہ نماز کے بھی جماعت سے پابند ہیں، روزے کا بھی اہتمام ہے، داڑھی بھی بڑھائی ہے نیچا کرتہ ہے غرض تمام وضع شرعی سے آراستہ ہیں لیکن اخلاق کے اعتبار سے صفر ہے، قلب میں کبر، عجب حسد غضب وغیرہ کی بلائیں موجود ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ متکبر ہیں لیکن اپنے کو متواضع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تواضع کی حقیقت ہی سے واقف نہیں جیسے ایک شخص کریما پڑھتے تھے اس میں تواضع کا بیان آیا استاد نے پوچھا کہ تواضع جانتے ہو کیا شئے ہے کہنے لگے کہ تواضع یہی ہے کہ کوئی اپنے گھر آئے اس کو حقہ پان دیدیا اس کو کھانا کھلا دیا اس کی آؤ بھگت کرلی آج کل بڑے بڑے سمجھدار تواضع کی حقیقت اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں اور جو اور زیادہ سمجھدار ہیں وہ جانتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آئے۔

حقیقت تواضع:

صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے نہ ایسے شخص کو حقیقتاً متواضع کہتے ہیں، ایسے شخص کو متواضع کہنے کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی نقال کسی تحصیل دار کی نقل کرے اس کو کوئی بے وقوف تحصیلدار سمجھنے لگے تواضع حقیقت میں ایک صفت کا نام ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم

www.besturdubooks.net

سمجھے، یہ صفت دنیا میں بہت مفقود ہے ایسے تو بہت نکلیں گے جو تقریراً تحریراً اپنی مذمت کرتے ہیں۔
بعضے کہتے ہیں میں بڑا نالائق ہوں بڑا ناکارہ ہوں بعضے اپنے کو حقیر فقیر عاصی پُرمعاصی لکھتے ہیں لیکن جب وہ یہ کلمات فرمادیں اس وقت اگر کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالائق ہیں پھر دیکھئے ان کی کیا حالت ہوتی ہے سُن کر تلملا ہی تو جائیں گے، وضع داری سے چاہے چپ ہو رہیں مگر دل میں تو یہ آئے گا کہ اس کو کھا جائیں ہاں اگر دل میں ذرا بھی برا نہ مانے اور کچھ تغیر نہ ہو تو واقعی متواضع ہیں، یہ بڑا عمدہ امتحان ہے، مگر ایسے کہاں ہیں آج کل تو ظاہری نیازمندی، خشوع وخضوع سب کچھ ہے لیکن دل میں کچھ نہیں بس یہ حالت ہے ۔

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل   وز دروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید   وز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے کافر کی قبر بڑی شاندار اور عظیم الشان ہے اور قبر کے اندر اللہ عزوجل کا عذاب نازل ہو رہا ہے، اسی طرح تو ہے کہ اپنی ظاہری ریاکاری سے تو ایسا بنتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی غلطیاں نکالتا ہے اگر تیرے دل کی اندرونی حالت دیکھی جائے تو یزید جیسے بدنام کو بھی شرم آنے لگے اور نفرت کرنے لگے)

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے لوگ کامل دین دار نہیں ہیں اس لئے کہ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے دین دار ہونے کا مطالبہ فرمایا ہے، ویسے نہیں بنے۔

حقیقت انسانیت:

اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسا چاہا ہے اور میں دو لفظوں میں خلاصہ بتاتا ہوں اور میں کیا خود اللہ تبارک وتعالیٰ بتاتے ہیں اگر تفصیلاً بیان کیا جاوے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسا چاہا ہے تو دفتر کے دفتر ختم ہو جاویں پھر بھی بیان ناتمام ہی رہے اس لئے گُر کی بات عرض کرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بہترین نمونہ ہے)

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں ایسے بن جاؤ اور ایسے ہو کر آؤ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں گویا حق تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک نمونہ بھیج دیا ہے اور گویا فرما

www.besturdubooks.net

دیا کہ ہم تفصیلاً کہاں تک بیان کریں کہ یہ صفت پیدا کرو وہ صفت چھوڑ دو ہم ایک نمونہ بھیج دیتے ہیں ایسے بن جاؤ اپنے اخلاق عادات کھانا پینا، سونا، بیٹھنا اٹھنا، چلنا پھرنا، وضع طرز انداز چال ڈھال ایسا ہو جیسا ہمارے محبوب کا ہے۔ پس اب آپ غور کر لیجئے کہ اگر ایک صفت کی بھی کمی ہوئی تو ہم نمونہ کے موافق نہ ہوئے اس کی ایسی مثال ہے کہ درزی سے ہم کو ایک اچکن سلوانا منظور ہے ہم نے نمونہ کے واسطے ایک اچکن بھیج دیا کہ ایسا سی لاؤ اب بتلانے کی ضرورت نہیں کہ آستین اس قدر ہوں، سلائی اس طرح کی ہو اس قدر نیچا ہو وہ سی کر لایا دیکھا تو اس کے مطابق ہے لیکن ایک آستین بڑھی ہوئی ہے تو اس درزی سے کہا جاوے گا کہ ظالم تیرے پاس ہم نے نمونہ بھیج دیا تھا پھر بھی تو نے اس کے موافق نہ سیا اور اس اچکن کو ہرگز نمونہ کے موافق نہ کہا جاوے گا وہ اچکن درزی کے منہ پر ماریں گے اور اس کو سزا دیں گے تو صاحبو! جب ہم حاکم حقیقی کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور ہماری نماز ایسی نہ ہوگی جیسی کہ حضور کی تھی، وضع لباس طرز انداز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا تو کچھ عجب نہیں کہ نکال دیئے جائیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ۔

ایک حکایت بطور تمثیل کے یاد آئی کہ بادشاہ عالمگیر صاحب تخت و تاج ہوئے تو تمام اہل فن و اہل حرفہ و صنعت کو موافق دستور شاہی انعام دیا گیا، بہروپیے بھی آئے لیکن عالم گیر ایک مولوی آدمی تھے اس لئے ان کو دینا ناجائز سمجھا لیکن صراحتاً ان کو ٹالنا اور صاف جواب دینا مناسب نہ سمجھا یہ چاہا کہ کسی حیلہ لطیف سے ان کو ٹال دیا جائے کہا کہ جب ایسی شکل میں آؤ کہ نہ پہچانیں تو انعام دیں گے وہ مختلف شکلوں میں آئے مگر عالمگیر نے پہچان لیا، جب دکن کی مہم پیش آئی اور عالمگیر نے دکن کا سفر کیا تو سفر میں عالمگیر کا طریق یہ تھا کہ راستہ میں جس صاحب کمال کو سنتے تھے اس سے جا کر ملتے تھے دکن کے سفر میں بھی حسب عادت اہل کمال سے ملتے جاتے تھے ایک مقام پر سنا کہ یہاں ایک درویش بڑے باکمال ہیں اوّل وزیر کو ملنے کے لئے بھیجا وزیر نے ہر طرح ان کو جانچا وہ ہر بات میں پورے اترے آ کر عالمگیر سے بہت تعریف کی اور کہا کہ ان کو تکلیف دینا بے ادبی ہے، آپ خود تشریف لے جا کر اُن سے ملئے، عالمگیر خود گئے اور مل کر بہت خوش ہوئے، عالمگیر کو بعض مسائل تصوف میں کچھ شبہات تھے وہ پیش کیے سب شبہات کے شافی جواب پائے بالکل اطمینان ہو گیا اور نہایت متاثر ہوئے اور ایک توڑہ اشرفیوں کا پیش کیا، درویش نے ایک لات ماری اور کہا کہ مجھ کو بھی اپنی طرح دُنیا دار سمجھتا ہے، عالمگیر اور زیادہ متاثر ہوئے اور اس

www.besturdubooks.net

توڑے کو اُٹھالیا اور وہاں سے چلے راہ میں وزیر سے دیر تک اس درویش کا ذکر مذکور رہا جب لشکر میں پہنچے تو سامنے دیکھا کہ وہ بزرگ تشریف لا رہے ہیں اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور انعام مانگا عالمگیر حیرت میں ہوگئے اور غور کر کے پہچانا اور اس کو کچھ انعام دیا اور یہ پوچھا کہ میں نے اب تسلیم کرلیا کہ تو بڑا ہوشیار اور اپنے فن کا کامل ہے مگر یہ بتلا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس وقت میں نے تجھ کو اس سے کہیں زیادہ دیا تھا اس کو تو نے رد کر دیا اور یہ روپیہ اس سے بہت کم ہے یہ خوشی سے لے لیا اس نے کہا کہ جو نقل میں نے کی تھی وہ لینا اُس کے خلاف تھا اس لئے نہیں لیا تو صاحبو ہم لوگ تو اس نقال سے بھی گئے گزرے ہوئے، ہم سے تو نقل بھی دین کی نہیں ہوتی۔

حاصل یہ کہ دین دار کامل تو وہ ہے کہ ظاہراً بھی دین دار ہو اور باطناً بھی کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ظاہری، باطنی، ظاہری تو روزہ نماز، حج زکوٰۃ وغیرہا اور باطنی اُنس، رضا، شوق صبر، قناعت وغیرہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں بداخلاقیاں، غضب، حسد، تکبر، بے صبری، حرص ہیں، یہی دو چیزیں ہیں کہ جو مشائخ کے یہاں ملتی ہیں، اساتذہ کے یہاں تو ظاہر درست ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں یہ اخلاق دُرست ہوتے ہیں اور اسی کا نام بزرگی ہے آج کل تو درویشی اور بزرگی کشف و کرامت کو جانتے ہیں۔

مجھ کو ایک شیخ صاحب کے ارشاد پر تعجب ہوا کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ میاں تم ذکر و شغل کرتے ہو کچھ نظر بھی آتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا تو ہنس کر فرمایا خیر بھائی ثواب جمع کئے جاؤ، آہ افسوس ہے کہ ان شیخ نے ثواب کی کچھ بھی قدر نہ کی میں تو اسی دن سے ان کی مشیخت سے بھی بے اعتقاد ہو گیا جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کو چھوڑ کر کشف کو ڈھونڈھے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزارت چھوڑ کر گھاس کھودنے لگے، اس لئے کہ کشف کا حاصل بعض غیر معمولہ غیر مقصودہ اشیاء کا معلوم ہو جانا ہے، سو یہ کوئی کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ ظاہر اور باطن موافق شریعت کے ہو۔

پس ایسے شخص کے لئے میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ اس کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور کسی قسم کی پریشانی اس کو نہ ہوگی اگر کوئی کہے کہ ہم تو بچشم خود دیکھتے ہیں اور سنتے آئے ہیں کہ اکثر اولیاء اللہ اور بزرگان دین تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں پھر مزہ دار زندگی کہاں ہوئی، میں کہتا ہوں کہ یہ بے شک مسلم ہے کہ ان حضرات کو بلا اور مصائب کا سامنا رہتا ہے بلکہ اوروں سے زیادہ لیکن ان کو ان مصائب میں بھی مزہ آتا ہے اور جس کا نام پریشانی ہے وہ نہیں ہوتی اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور محبوب اس سے مدتوں سے نہ ملا ہو اور وہ اس کی یاد میں گھلتا ہو، ایک روز اچانک

www.besturdubooks.net

محبوب آپہنچا اور آکر لپٹ گیا اور اس کو خوب دبایا اور اس قدر دبایا کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں، لیکن اگر وہ سچا عاشق ہے تو واللہ اس کو اس قدر مسرت ہوگی کہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر اس کو سمجھے گا اور کہے گا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس کے واسطے تمام عمر کھودی اور مال و دولت آبرو اس پر نثار کر دیئے اگر محبوب کہے بھی کہ اگر تکلیف ہو تو چھوڑ دوں تو وہ کہے گا کہ اللہ نہ کرے وہ دن آئے کہ تم مجھ کو چھوڑ دو بلکہ یوں کہے گا ۔

اسیرت نہ خواہد رہائی زبند　　　شکارت نجوید خلاص از کمند

(تیرا قیدی کبھی قید سے رہائی نہ چاہے گا، تیرا شکار کبھی پھندے سے باہر نکلنا پسند نہ کرے گا)

اور اگر وہ کہے کہ میں اس رقیب کو جو پاس کھڑا ہے دبا لوں اور تم کو راحت دوں تو کہے گا ۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، تیری خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سر سلامت رہے)

اور کہے گا ۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے　　　سر بوقت ذبح اپنا اُس کے زیرِ پائے ہے

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھی کرتے　　　مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

دیکھئے لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مصیبت موت ہے اور عشاق کے نزدیک وہی موت عجیب دولت ہے۔ کہتے ہیں ۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　　راحتِ جان طلبم وز پے جاناں بروم

(کس قدر خوشی کا دن ہوگا جس دن اس ویران گھر کو چھوڑ جاؤں گا، میری جان کو آرام ملے گا اور میں اپنے محبوب کے ساتھ پھروں گا)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　　تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

(میں نے یہ نذر مانی ہے کہ جس دن دنیا کے غم و فکر سے نجات مل گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار تک خوشی خوشی اور غزلیں پڑھتا جاؤں گا)

اور یہ تمنائیں تو ان حضرات کی موت آنے سے پہلے ہوتی ہیں لیکن عین موت کے وقت بھی یہی ہوتا ہے ایک بزرگ وفات کے وقت کہتے ہیں ۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(آج وہ وقت آگیا ہے کہ میں دنیا سے ہر قسم کے بوجھ سے ہلکا ہو گیا ہوں اور جسم کو چھوڑ کر صرف روح رہ گیا ہوں)

www.besturdubooks.net

ابن فارضؒ کا جب انتقال کا وقت آیا تو آٹھوں جنتیں ان کے لئے مکشوف ہوئیں دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا ۔

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَ کُمْ مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

(یعنی) اگر میرا مرتبہ عشق میں آپ کے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنا وقت ہی ضائع کیا یعنی میرا مقصود تو آپ کی ذات پاک ہے، اگر آپ نہ ہوئے تو جنت کو لے کر کیا کروں گا، اس کے بعد اُن پر تجلی حق ہوئی اور اسی میں رحلت فرمائی ۔ سبحان اللہ ۔

رضا اور فنا:

اب فرمایئے کہ جب موت سے بھی یہ حضرات پریشان و ہراساں نہیں ہوتے تو فقر و فاقہ میں افلاس و تنگی میں تو کیا تکلیف و پریشانی ہے حضرت بہلولؒ سے کسی بزرگ نے پوچھا کہ کس حال میں ہو فرمایا کہ ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ جو کچھ عالم میں ہورہا ہے، سب اس کی مرضی کے موافق ہورہا ہے وہ کیسا کچھ مزے میں ہوگا، اُن بزرگ نے کہا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی مخلوق کے لئے ایسا کب ہوسکتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہے یہ شان تو حق تعالیٰ ہی کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ:

جس شخص نے اپنے ارادے کو ارادۂ اللہ میں فنا کردیا ہو تو جو امر ارادۂ الٰہیہ کے موافق ہوگا وہ اس کے ارادہ کے بھی موافق ہوگا ۔

حاصل یہ کہ ہم اپنے نفس کو اپنی رائے کو حق تعالیٰ کی رضا میں فنا کر چکے ہیں جس حالت میں ہیں خوش ہیں ۔

بات یہ ہے کہ پریشانی کی دو وجوہات ہوا کرتی ہیں اول تو جس سے معاملہ ہو اس سے محبت نہ ہو جب پریشانی ہوتی ہے اور اگر محبت ہو تو پریشانی کسی طرح نہیں ہوسکتی، مثلاً محبوب اگر یوں کہے کہ مجھ سے دو گھنٹے دھوپ میں کھڑے ہو کر باتیں کرو اگر وہ کہے کہ نہیں تو دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے اور اگر سچا ہے تو اس کی یہ حالت ہوگی ۔

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا بے تو جنت دوزخ ست اے دل ربا

(میرا محبوب جو حضرت یوسف علیہ السلام کے جیسے چہرے والا چاند کی طرح ہے جس جگہ

www.besturdubooks.net

موجود ہو وہ جنت ہے خواہ وہ اندھا کنواں ہو، اے میرے محبوب اگر تو میرے ساتھ ہو تو میرے لئے دوزخ بھی جنت ہے اور اگر تو میرے پاس نہ ہو تو میرے لئے جنت بھی دوزخ کی طرح ہے۔)

یہ قضایا شرطیہ ہیں یعنی اگر آپ کی معیت ہے تو دوزخ بھی جنت ہے اور اگر معیت نہیں ہے تو جنت بھی دوزخ ہے اور قضایا شرطیہ کے صدق میں مقدم کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے تلازم کافی ہے اس لئے دوزخ میں تو معیت باری تعالیٰ کی ہو ہی نہیں سکتی اور جنت جو مطلوب ہے محبّ کو وہ بھی لذاتہ مطلوب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مقام رضائے محبوب ہے اور دوزخ سے جو پناہ مانگی جاتی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مقام محبوب کی نارضامندی کا ہے اگر فرضاً جنت مقام غضب ہو تو محبّ اس کے بعد کو چاہے گا اور بالفرض اگر دوزخ مقام رضا ہو تو محبّ کو وہی مطلوب ہوگا ملائکۃ النار، نار میں ہیں لیکن خوش ہیں کیونکہ ایک شئے خوش کن یعنی رضائے حق ان کے ساتھ ہے اگر ان سے کہا جاوے کہ جنت میں رہو لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے وہاں راضی نہ ہوں گے وہ ہرگز اس پر راضی نہ ہوں گے۔

دوسری وجہ پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ خلاف امید کوئی امر پیش آوے کہ سوچا کچھ اور ہو گیا کچھ مثلاً طاعون آیا ہم چاہتے ہیں کہ تندرست رہیں نہ رہے چاہتے تھے کہ تجارت میں نفع ہو، نہ ہوا، چاہتے تھے کہ اولاد ہو نہ ہوئی تو اس وقت پریشانی ہوگی اور جو شخص اپنی رائے کو فنا کر چکا ہو اور اپنے ارادے کو رضائے مولیٰ میں مٹا چکا ہو اس کو پریشانی کی یہ وجہ بھی نہ ستائے گی، حضرت بہلولؒ سے کسی نے کہا کہ اناج بہت گراں ہو گیا ہے فرمایا کہ کچھ پرواہ نہیں ہمارے ذمہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ذمہ ہے کہ ہم کو حسب وعدہ رزق دیں۔

ایک بزرگ نے اپنی توبہ اور رجوع الی اللہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک سال قحط بہت تھا مخلوق بہت پریشان تھی اُسی حالت میں ایک غلام کو دیکھا کہ بے فکری سے گاتا ہوا خوش بہ خوش جا رہا ہے اس سے کسی نے پوچھا کہ مخلوق تو پریشان ہو رہی ہے اور تو اس طرح بے فکر ہے اس نے کہا کہ میں بے فکر کیوں نہ ہوں .... میرے مالک کے یہاں دو گاؤں ہیں، اُس وقت نفس کو ایک تازیانہ لگا اور یہ بات ذہن میں آئی کہ اے نفس جس کے مالک کے پاس دو گاؤں ہیں وہ تو بے فکر ہے اور تیرے مالک کے قبضے میں آسمان و زمین عرش کرسی ہے تو پریشان ہے اسی وقت سے توجہ الی اللہ کی توفیق ہوئی، افسوس کہ اس وقت معاملہ بالعکس ہو گیا ہے۔

www.besturdubooks.net

دنیا اور ترقی:

دنیا کمانے اور شب و روز اسی دھن میں رہنے کو ترقی اور اولو العزمی سمجھتے ہیں اور بے فکری اور توکل کو پستی کہتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ اپنے کو خیر خواہ اور بہی خواہ قوم کہتے ہیں۔

جو شخص رات دن ہوائے نفسانی میں مبتلا ہو اور سوائے دنیا کمانے کے کوئی مشغلہ نہ ہو اس سے دوسرے کی خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے۔ حقیقی خیر خواہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں **لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ** (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو شب و روز ان کی فکر میں گھلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی فکر میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے آپ اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے ان حضرات کا مشرب یہ ہے ۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(درویشی کا طریقہ صرف یہی نہیں کہ تسبیح ہاتھ میں لے لی اور فقیروں جیسی گدڑی لے لی بلکہ طریقت مخلوق کی خدمت کے سوا کچھ نہیں)

شاہ اسحاق صاحب کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھ دیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کر دے گا وہ شخص حضرت کا سخت مخالف تھا، حضرت نے رقعہ لکھ دیا اس نے جا کر اس شخص کو دیا اس نے رقعہ کی بتی بنا کر دی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہو اس کی بتی بنا کر فلاں جگہ رکھ لو، اس شخص نے اسی طرح آ کر یہ مقولہ شاہ صاحب کی خدمت میں نقل کیا، شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر اس فعل سے تیرا کام چلتا تو مجھے اس سے بھی دریغ نہ ہوتا یہ جواب اس کو پہنچا وہ شخص یہ بات سن کر تڑپ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت میں آ کر اس نے معذرت کی اور اس کو ہدایت ہوگئی۔ دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے ایک کلمہ میں ہوگئی، اب بتلایئے کہ ایسی نفع رسانی آج کس میں ہے آج ترقی کا دم بھرنے والے اس کو پست ہمتی کہتے ہیں، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو، انہوں نے فرمایا کہ یہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے ضیف ہیں اور ضیافت بروئے حدیث تین دن ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے، چنانچہ فرمایا ہے **وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** تو تین ہزار برس تک تو دعوت ہے ہی اس کے بعد پوچھنا۔

www.besturdubooks.net

میرا مطلب ان حکایات سے یہ نہیں ہے کہ روپیہ نہ کماؤ اور جاگیر گھر لٹا دو مقصود یہ ہے کہ اس میں کھپ مت جاؤ بلکہ ضرورت پر نظر رکھو اور ایسے خصائل حاصل کرو جیسی کہ بزرگوں میں تھیں اور مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں کرتا بلکہ بعض بزرگ روپیہ بہت رکھتے تھے مگر وہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدمت خلق کے لئے جیسے خزانچی اور تحصیل دار ہوتا ہے یہ حضرات بھی اسی طرح سے روپیہ رکھتے ہیں اور بلا اذن اس میں سے خرچ نہیں کرتے، جیسے سلیمان علیہ السلام کو سلطنت دی گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی، حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی ملی لیکن حالت کیا تھی کہ جب مصر میں قحط پڑا تو حضرت یوسف علیہ السلام پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔

اور اگر اہل اللہ میں کوئی خوش خوراک خوش لباس پایا جاوے تو وہ بھی باذن الٰہی ہے مثلاً ایک شخص ہے اس کو یہ ثابت ہوا کہ خلق کی ہدایت میرے متعلق ہے اور مواعظ سے تقریر سے تدریس سے لوگوں کو ہدایت کرنا اس کا مشغلہ ہے سو اگر وہ گھی دودھ اغذیہ مقویہ کا استعمال چھوڑ دے تو دماغ میں خشکی آوے گی اور کچھ کام اس سے نہ ہو سکے گا اور اگر دماغ کی حفاظت کرے گا تو سب کام ہو سکیں گے۔

یہ نفس بطور مزدور کے ہے اور یہ دماغ سرکاری مشین ہے اگر اس کو مزدوری ملتی رہے اور مرمت ہوتی رہے تو کام دیتا رہے گا پس وہ خدمت نفس کی اس اعتبار سے نہیں کہ وہ ہمارا ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ سرکاری خدمت سے تعلق رکھتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے ۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک ہے کہ تیرے کوچہ تک پہنچے ہیں، اپنے ہاتھوں کو ہزار بار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان لنفسک علیک حقا ولزوجک علیک حقاً (مسند احمد ۶:۲۶۸، مستدرک حاکم ۴:۶۰، اتحاف السادۃ المتقین ۴:۱۵۲) اور فرماتے ہیں المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف (تاریخ بغداد

www.besturdubooks.net

للخطيب ۱۲ : ۲۲۴، حلية الأولياء ۱۰ : ۲۹۶) اور بعضوں کے کچھ نفع خلق کا متعلق نہیں ہوتا ان کو اپنے ہی نفس کے اصلاح کی فکر ہوتی ہے ان کا مذاق یہ ہوتا ہے ۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نشد

(اے احمد تو عاشق ہے تجھے ولی اور بزرگ بننے سے کیا کام، دیوانہ بن جا سلسلہ ہو یا نہ ہو)

اور ایک کہتے ہیں ۔

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند   آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

(اے خسرو تجھے مخلوق کہتی ہے کہ تو بت پرستی کرتا ہے ہاں ہاں تم یہی سمجھو کہ وہ بت پرستی کرتا ہے لیکن اس مخلوق اور دنیا سے کوئی تعلق نہیں)

تو یہ کسی قسم کی بدنامی سے نہیں ڈرتے ایک وہ ہیں جو شبہ سے بھی بچتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو ازواج مطہرات سے ہیں تشریف لائیں جب واپس تشریف لے گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہنچانے کے لئے لب مسجد تک تشریف لائے تھے کہ سامنے سے دو شخص آئے حضور نے فرمایا ذرا ٹھہرو اور پھر فرمایا اِنَّھَا صَفِیَّۃُ یعنی یہ صفیہ ہیں اور یہ بات اُن کو بھاری ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ توبہ توبہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہم کچھ گمان کر سکتے تھے، فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے رگ و ریشے میں بجائے خون کے دوڑتا ہے مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں شیطان کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔

غرض اولیاء اللہ مختلف رنگ کے ہوئے ہیں سرکاری گلدستہ ہے اس میں گلاب بھی ہے چنبیلی بھی ہے، بیلا بھی ہے اور خار بھی ہے، حاصل یہ ہے کہ جس شخص کا یہ مذاق ہو انصاف کیجئے اور سوچئے کہ اس کو کیا کلفت ہوگی ہرگز نہیں وہ ہر وقت راحت میں ہے پریشانی اس کے پاس نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ہم نے انبیاء کی حکایتیں سُنی ہیں کہ ان کو غم ہوئے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام سخت مصائب میں مبتلا رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایذا پہنچائی، جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو رنج و غم تو ہوا لیکن پریشانی نہیں ہوئی، غم اور شئے ہے پریشانی اور چیز ہے اور غم ہونا کمال کے منافی نہیں ہے بلکہ عین کمال ہے بعض بزرگوں کا حال آیا کہ ان کے بیٹے کا انتقال ہوا اور وہ ہنس رہے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام ایک مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں مغموم رہے، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم محزون تھے۔ ظاہر ہے کہ کمال وہ ہے

www.besturdubooks.net

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو مغموم نہیں ہوئے اُنہوں نے تو صرف حق تعالیٰ کا حق ادا کیا اور جن کو غم ہوا انہوں نے اولاد کا بھی حق ادا کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا، کاملین کو جو غم دیا جاتا ہے اس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ صبر کی فضیلت حاصل کریں اس لئے کہ صبر بدون غم کے نہیں ہوتا اور دوسری حکمت یہ ہے کہ حزن سے تصفیہ ہوتا ہے قلب کا۔

فرق غم و پریشانی:

اگر کوئی کہے کہ جب حُزن ہوا تو حیات طیبہ کہاں ہوئی بات یہ ہے کہ عین واقعہ رنج میں دو حیثیتیں ہیں، باعتبار مصیبت ہونے کے تو وہ الم رساں ہے اور باعتبار من المحبوب ہونے کے وہ مرضی ہے اور ان حضرات کے ہر واقعہ کا من اللہ ہونا ہر وقت پیش نظر رہتا ہے اس لئے خواہ کسی طرح کی مصیبت پیش آوے وہ اس حیثیت سے پسندیدہ ہے اور ان کے اطمینان قلب میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہاں تکلیف پہنچنا امر آخر ہے۔

اس کی حقیقت جو بفضلہٖ تعالیٰ آج ہی سمجھ میں آئی ایک مثال کے ضمن میں یہ ہے کہ طیب ہونے کے دو درجے ہیں، اوّل مزے دار ہونا اور نافع ہونا، دوسرے صرف نافع ہونا مثلاً کہتے ہیں کہ یہ غذا طیب ہے تو معنی یہ ہیں کہ مزہ دار بھی ہے اور نافع بھی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ دوا طیب ہے تو اس کا طیب ہونا یہ ہے کہ شفا ہو جاوے، امراض زائل ہونا یہ ہے کہ شفا ہو جاوے، امراض زائل ہو جاویں، پس حُزن مثل دوا کے ہے دَوا کا کڑوا ہونا گو طبع کے خلاف ہے لیکن گوارا ہے کڑوی دوا بھی خوشی سے پی لی جاتی ہے اور تلخی اس کی برداشت کی جاتی ہے اور یہ بھی حصول لذت کے لئے ہے اس لئے کہ دوا سے صحت ہوگی اور صحت لذیذ ہے تو دوا بھی اس قاعدہ سے لذیذ ہوگی اور اس کی تلخی میں بھی ایک گونا مسرت ہوگی، بشرطیکہ اس کا نافع ہونا پیش نظر ہو، بحمد اللہ اس تقریر سے سب شبہات رفع ہو گئے، خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کو خواہ مصیبت ہو رنج ہو فقر و فاقہ ہو یہ ہر وقت خوش ہیں اور اصل میں خوش کرنے والی ان کو محبت ہے چونکہ ان کو حق جل وعلا شانہ سے محبت ہے اس لئے لقاء حق کے انتظار میں ان کو سب سہل ہے دنیا میں دیکھ لیجئے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو کہ فلاں وقت وہ ہم سے ملے گا تو اس وقت کے انتظار میں سب بلائیں اس کو سہل ہو جائیں گی۔ یہ انتظار کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے یا اس وقت ہم سے خوش ہیں اس کی خوشی ایسی ہوتی ہے کہ سب مصائب سہل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب محبت کی برکت ہے۔

www.besturdubooks.net

فضائل محبت:

اللہ کی قسم یہی وہ شئے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام امت میں ممتاز ہوئے اور یہی وہ دولت ہے جس کے سبب سے سلف رحمہم اللہ کے آج تذکرے لکھے جاتے ہیں اور اصل سبب ترقی کی یہی شی ہے آج کل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یوں ترقی کی اور اس امر میں اُن کا اپنے نزدیک اقتدا کرتے ہیں اور اصل روح اور سبب ترقی سے مس تک نہیں اور نہ ترقی کی حقیقت سے واقف ہیں دنیا سمیٹنے کو اور جاہ مذموم کے تحصیل کا نام ترقی رکھا ہے، صحابہؓ نے جو فتوحات کیں وہ سب للدین تھیں دنیا ان کے پاس تک نہ تھی سو ایسی ترقی کو کون منع کرتا ہے۔

باقی صحابہ اور نیز دیگر سلف صالحین میں بھی مختلف رنگ کے لوگ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گھر تک نہیں بنایا، حضرت سلیمان علیہ السلام صاحب سلطنت ہوئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مال جمع کرنے کو بالکل حرام فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو شخصوں کے درمیان کبھی فیصلہ مت کرنا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا اس لئے کہ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں یعنی تعلقات کی برداشت نہ ہوگی، یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا ہی جگر تھا کہ مدینہ طیبہ میں چٹائی پر بیٹھے ہیں اور روم و شام، دمشق و فارس کا انتظام کر رہے ہیں، غرض انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اولیاء اللہ میں بھی ہر ایک کا جدا رنگ ہے اور ان کے لئے وہی رنگ مناسب ہے بعضے روپیہ پیسے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ میاں کون جھگڑے میں پڑے ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے، زکوٰۃ عشر قربانی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حقوق ہیں یہ بڑا قصہ ہے ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم ادہم کہ سلطنت چھوڑ دی۔

اور جیسے حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب قدس سرہٗ کہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں گزرتی تھی، ایک روز کا قصہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں ان کے پیر و مرشد تشریف لائے، حضرت مکان پر تشریف نہ رکھتے تھے بی بی تھیں اُنہوں نے تعظیم و تکریم سے پیر کو ٹھہرایا لیکن حسب عادت حضرت شاہ صاحب کے یہاں اُس روز بھی کچھ کھانے پینے کو نہ تھا، بی بی نے پڑوس میں

www.besturdubooks.net

سے آٹا ادھار مانگنے کے لئے خادمہ کو بھیجا، پڑوسیوں نے اُدھار بھی نہ دیا کہ ان کو ادھار دے کر کہاں سے لیں گے، پیر صاحب خادمہ کو برابر آتا جاتا دیکھ کر فراست سے سمجھ گئے پوچھا کہ کس فکر میں ہو بی بی نے سمجھا کہ ان سے کیا چھپانا واقعی یہ حضرات اللہ کے نائب ہوتے ہیں ان سے اپنا کوئی حال چھپانا نہ چاہئے، بی بی نے صاف کہہ دیا کہ حضرت آج ہمارے یہاں کچھ نہیں ہے، پیر صاحب نے ایک روپیہ عطا فرمایا آج کل کے پیر تو مریدوں کا ہی کھاتے ہیں کچھ خیال نہیں کرتے کہ ان کے یہاں کہاں سے آیا ہے اور کس طرح بے چارے لائے ہیں۔

القصہ پیر صاحب نے فرمایا کہ اس ایک روپیہ کا اناج لاؤ اور ہمارے پاس لانا، چنانچہ غلہ حضرت پیر و مرشد کے پاس لایا گیا حضرت نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں دبا دیا اور یہ فرمایا کہ اس تعویذ کو مت نکالنا پیر صاحب تو رخصت ہوئے اب روزمرہ اس میں سے غلہ نکالا جاتا تھا اور پکایا جاتا تھا اور وہ کم نہ ہوتا تھا، کئی روز ہو گئے کہ صبح و شام کھانا آنے لگا، یہ دیکھ کر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے فرمایا کہ ہائیں کیا بات ہے کئی روز ہوئے فقر و فاقہ نہیں ہے، بی بی نے فرمایا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے تھے، اس کی برکت ہے فرمایا کہ ہمارا فاقہ اختیاری ہے اضطراری نہیں اب یہ مقام بڑی کشاکشی کا تھا کہ پیر کا تعویذ اگر رکھا جائے تو اپنے مذاق کے خلاف اور اگر نہ رکھیں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی، مگر سبحان اللہ ان حضرات کو حق تعالیٰ ایسا نور باطن عطا فرماتے ہیں کہ ان کا فہم نہایت صحیح اور عقل ان کی کامل ہو جاتی ہے، فرمایا کہ اس تعویذ کا حق دار تو میرا سر ہے مٹکا نہیں ہے، لاؤ وہ تعویذ میں اپنے سر میں رکھوں گا تعویذ منگا کر سر میں رکھ لیا اور اناج فقراء کو تقسیم کر دیا، شام کو پھر فقر و فاقہ ہوا شکر حق تعالیٰ کا ادا کیا اور بعضوں کو جانتے ہیں کہ اگر ان کو نہ ملے گا تو پریشان ہوں گے اور یہ جانتے ہیں کہ ان سے برداشت حقوق کی ہو گی ان کو خوب دیتے ہیں غرض اولیاء اللہ کے مختلف طبقات ہیں مگر جس حال میں ہیں خوش ہیں ۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش ۔۔۔ کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

(تجھے نیچے کا تلچھٹ ملے یا صاف شراب، تجھے اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی اعتراض کرے، کیونکہ ہمارے ساقی نے جو ہم کو دیا ہے اس کی مہربانی ہے)

اور کہتے ہیں ۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مُزد مکن ۔۔۔ کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

www.besturdubooks.net

(تو محتاجوں کی طرح مزدور شرط پر عبادت مت کرو کیونکہ ہمارے آقا خود ہی اپنے بندوں کی پرورش کے طریقے سے خوب واقف ہے)

قبض کی حالت میں فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش | بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال | مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

(اے باغ کے مالی اگر تو چند روز کے لئے پھول کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے تو جدائی کے کانٹوں کے ظلم پر تجھ کو صبر بلبل اختیار کرنا چاہئے۔ اے دل محبوب کی زلف کی قید میں پھنس کر پریشان ہو کر مت چیخ، عقل مند پرندہ جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر برداشت سے کام لینا چاہئے۔)

اور اس سے زیادہ فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب | کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

(جدائی اور ملاقات کا خیال چھوڑ دے اور صرف محبوب کی رضامندی کو تلاش کر کیونکہ اس سے سوائے اس کی ذات کے کوئی دوسری چیز طلب کرنا افسوس ناک ہے)

اب میں پوچھتا ہوں جس کا یہ حال ہو اس کو کیا پریشانی ہوگی وہ تو ہر وقت مسرور ہے ہر وقت خوش ہے حیات طیبہ یہ ہے اور اُس کے ماسوا پریشانی ہے اور بے حاصلی ہے لیکن ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ کامیابی اپنی قوت اور محنت سے حاصل نہیں ہوتی جب تک بخشش کرنے والا خود ہی بخشش نہ کرے)

مگر ہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مرتبہ کس کو حاصل ہو سکتا ہے ہم لوگ تو دنیادار ہیں سینکڑوں طرح کے اشغال ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں سو یہ خیال شیطانی ہے اور منشاء اس کا یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام کاروبار دنیا کے چھوڑ کر حجرے میں بیٹھ کر تسبیح ہلاؤ ہرگز نہیں ہر شخص کے لئے جداگانہ طریق ہے اگر اس مقام پر ہر ایک کی تفصیل بیان کی جاوے تو ایک وقتِ طویل درکار ہے اور پھر بھی کافی نہیں اس لئے کہ یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میرے لئے کون سا طریق نافع ہے اس لئے میں تم کو ایک مختصری بات بتلاتا ہوں اور جھگڑے کی بات بالکل نہیں بتاتا وہ یہ کہ مرشدِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بے فکر ہو جاؤ اور لم و کیف کو چھوڑ دو اپنے کو اُس کے سپرد کر دو اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو جو وہ طریقہ بتائے اُس پر عمل کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگے ۔

www.besturdubooks.net

بُود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد   دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(یعنی ایک چیونٹی کو ہوس ہوئی کہ خانہ کعبہ میں پہنچے لیکن اپنے ضعف و عجز کو دیکھ کر مایوس تھی اس نے دیکھا کہ ایک کبوتر کبوتران حرم محترم سے بیٹھا ہے وہ چیونٹی اس کے پاؤں کو لپٹ گئی اس نے ایک پرواز کی اور بیت اللہ شریف میں جا پہنچا چیونٹی نے جو آنکھ کھولی دیکھا تو خانہ کعبہ سامنے ہے)

تو صاحبو! اسی طرح ہم اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اہل اللہ کا دامن اگر پکڑ لیں گے تو ان شاء اللہ محروم نہ رہیں گے، اسی واسطے تو فرمایا ہے، كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ بس اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اب دعا کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ توفیق عطا فرماویں۔ آمین یارب العالمین۔

(تمت بالخیر)

www.besturdubooks.net

سلسلہ اشرف المواعظ
کا پہلا وعظ

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق آیت نمبر 18) ''وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔'' اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے امر پر متنبہ فرمایا ہے جس کا عقیدہ تو سب کو ہے۔

زبان کے گناہ:

لیکن بوجہ غفلت کے خیال نہیں ہوتا، انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سب حرف بحرف لکھا جاتا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں ایک نیکیوں کا لکھنے والا، دوسرا بدی کا، خواہ قولی ہوں یا فعلی فرشتے برابر لکھ لیتے ہیں، غرض یہ ایسا امر ہے جس کو تمام عوام وخواص جانتے ہیں باوجود اس کے اکثر زبان کو انہیں باتوں میں صرف کیا جاتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں اور اعضا سے اس قدر گناہ نہیں سرزد ہوتے جتنے یہ زبان کرتی ہے وجہ یہ ہے کہ اور سب گناہوں میں کچھ وقت و مشقت بھی ہوتی ہے کچھ مقدمات و اسباب بھی ہوتے ہیں بخلاف زبان کے گناہ کے اس میں کچھ مشقت وخرچ نہیں۔

اور گناہوں کی صورت نمایاں ہوتی ہے مثلاً بدکاری کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے چلتا پھرتا، بات کرتا معلوم ہوگا، اسی طرح شراب وغیرہ کے آثار معلوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن زبان کا کوئی اثر معتد بہ نہیں معلوم ہوتا چونکہ یہ امر بہت بڑی غفلت کا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمادیا دو قسم کی باتیں ہیں جن میں زبان استعمال کی جاتی ہے ایک وہ جن کے واسطے پیدا کی گئی ہے دوسری وہ باتیں ہیں جن سے زبان کو بچنا چاہئے، حق سبحانہ تعالیٰ نے طاعت وعبادت کے واسطے زبان کو پیدا کیا ہے جیسے چمچہ فیرینی دودھ کے واسطے بنایا گیا ہے بجائے اس کے کوئی اس سے غلاظت اٹھانے لگے لیکن اگر کوئی شخص چمچہ کو اس طرح استعمال کرے تو ہم اس کو بڑا احمق سمجھیں، حالانکہ زبان کے چمچہ سے ہم ہر وقت غیبت و جھوٹ جمع کر رہے ہیں فرق اسی قدر ہے کہ چمچہ ایک لوٹے پانی سے پاک وصاف ہو سکتا ہے لیکن وہ غلاظت جو ہم نے زبان کے چمچہ سے جمع کی ہے سات سمندروں کے پانی سے بھی نہیں دُھل سکتی۔

توبہ آسان نہیں:

کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ توبہ جب چاہیں گے کر لیں گے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، اللہ

www.besturdubooks.net

بڑا غفور رحیم ہے توبہ بہت ہی دشوار ہے، حدیث شریف میں ہے التوبۃ ندم یعنی توبہ گناہوں کے بعد دل کی سوزش و دُکھن کا نام ہے اور یہ سوزش بے قراری پیدا کرنا انسان کے قابو میں نہیں چونکہ ہم لوگوں کو توبہ کی حقیقت ہی نہیں معلوم ہے اس وجہ سے سہل سمجھ لیا ہے۔

جھوٹ کی عادت:

اکثر باتیں جو زبان سے نکلتی ہیں بری ہیں، صبح سے شام تک اس میں بڑا مشغلہ ہے، ایک بڑی مہلک چیز جھوٹ ہے بعض جھوٹ بولنے پر اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھتے ہیں لیکن جب انہیں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا حاکم جھوٹ سے بہت ناخوش ہوتا ہے اور یہ امر اس سے چھپا نہیں رہے گا تو اس کی رضا مندی کے واسطے چار پیسے کا نقصان کرتے ہیں اور باز رہتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی رضامندی کا اتنا بھی خیال نہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی محبت ہمارے دل میں سچی نہیں ہے، جب دیکھا کہ دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو دین کا کام کرلیا، جہاں چار پیسے کا نقصان ہوا فوراً چھوڑ بیٹھے کیا یہ دینداری ہے حالانکہ اصلی ضرورت کا شریعت نے خود لحاظ فرمایا ہے اور بعض موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دیدی ہے۔ مثلاً دو شخصوں میں رنجش ہے ان کی صلح کرانے کی غرض سے اگر کوئی جھوٹی باتیں کرے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ ایک سے کہدے کہ وہ تمہارے ملنے کے بہت مشتاق ہیں، ہر وقت آپ کی تعریف کرتے رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے سے کہے کہ جب سے آپ سے مفارقت ہوئی ہے ان کو نہایت ہی بے چینی ہے اسی طرح بی بی کی رضامندی کے لئے شارع نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے، سچی اشتہا میں طبیب کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور کاذب میں منع کرتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبیب کے منع کرنے سے خوش ہوں اور طبیب مطلق نے جہاں ممانعت فرمائی ہے اس سے ناراضی ہو جب ماں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہارے نفع کی چیز ضرورت کے وقت تم کو نہ دے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ماں سے بدرجہا زیادہ شفیق ہیں تمہارے نفع کی چیزوں سے تم کو کیوں روکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعوں پر شریعت نے اجازت فرمائی ہے مگر ضرورت وہی ہے جس کو شریعت نے ضرورت سمجھا اس میں تمہارے خیال کا اعتبار نہیں ہے جہاں ممانعت فرمائی ہے وہ موقع نفع کا نہیں ہے، اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھنا عین حماقت ہے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء سے پوچھنے کی عادت جاتی رہی، ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔

جھوٹ کی اقسام:

انسان جب کثرت سے جھوٹ بولتا ہے تو ایک روز اللہ کے یہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام درج کرلیا جاتا ہے، جیسے اقوال میں جھوٹ ہوتا ہے اسی طرح افعال میں بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی

www.besturdubooks.net

شخص لوگوں کے دکھلانے کو خیرات کرے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ فعلاً جھوٹا ہے جھوٹ میں جس قدر خداع وفریب زیادہ ہوگا اس کا گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو بلکہ اصلاح ہو یہ جائز ہے دوسری وہ کہ دوسروں کو ضرر پہنچے یہ حرام ہے، تیسری وہ جس میں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے، اس کو بھی چھوڑنا چاہئے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

غیبت کی کدورت:

علاوہ جھوٹ کے ایک زبان کا گناہ غیبت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی توہین ہو، خواہ وہ برائی اس کی ذات کے متعلق ہو یا اس کی کسی چیز کا عیب ہو، مکان یا گھوڑے یا کپڑے کی مذمت بھی غیبت میں داخل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہم کو ذرا بھی احتیاط نہیں، کوئی وقت ایسا نہیں جسمیں دو چار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا نہ سنتے ہوں، ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو، اور ایک اس کے پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اس کے اوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ خیال کرے کہ میں تو کل کو لٹکتا ہوں گا اس کی کیا فکر کروں، دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجمعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی بھی فکر ہو جاتی مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بے گناہ سمجھ لیا ہے، غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہے تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں تو اپنے دل میں وہ برا مانے، لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اوپر سے کسی پر پیشاب کردے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹوں گا تو یہ برا مانیں گے اور پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح سے کوئی اپنے آپ اوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا، پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے، پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو اس سے دل ناپاک ونجس ہو جاتا ہے۔

گناہ کی لذت:

گناہوں میں مزہ پانا دل کی بیماری کی علامت ہے جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ مٹھائی موت کا پیام لاتی ہے، ابتدا میں اگر اصلاح کی کوشش کی جائے تو سہل ہے ورنہ پھر تو مثل بخار کے مریض کے ہے جس کو بد پرہیزیوں سے دق ہو گئی ہو اور پھر بھی اس نے کچھ پرواہ نہ کی، آخر کو درجہ رابع میں پہنچ کر لاعلاج ہو گئے، اسی طرح جو لوگ گناہ پر برابر اصرار کرتے ہیں اور مالک کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے دلوں پر مہر ہو جاتی ہے جس کے سبب سے

www.besturdubooks.net

پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اگرچہ گناہ فی الوقت مزیدار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مزہ فوری و فانی ہے اور اس کی سزا دائمی و باقی ہے دنیا کے مزے بالکل خواب و خیال ہیں انسان کو چاہئے کہ ان کے واسطے اپنی آخرت کی دولت و عزت کو نہ برباد کرے، جیسے کسی کی حکایت ہے، ایک شخص کی عادت تھی کہ سوتے میں ہمیشہ پیشاب نکل جاتا تھا، اس کی بی بی نے کہا یہ کیا حماقت ہے اس نے کہا خواب میں شیطان آتا ہے اور کہتا ہے چلو سیر کو چلیں لیکن پہلے پیشاب کرا و، میں سمجھتا ہوں پاخانہ ہے پیشاب کو بیٹھ جاتا ہوں اور پیشاب نکل جاتا ہے اس کی بی بی نے کہا آج شیطان سے کچھ روپیوں کی فرمائش کرنا اس نے کہا اچھا اگلے روز جب خواب میں پھر شیطان سے ملاقات ہوئی تو کہا یار تم روز بستر پر پیشاب تو کرا دیتے ہو لیکن ہماری کچھ مدد نہیں کرتے، شیطان نے کہا کس چیز کی ضرورت ہے، غربی کی شکایت کی، اس نے کہا آپ اگر پہلے سے ذکر کرتے تو اس کا ضرور خیال کیا جاتا۔

شیطان نے اس کو ساتھ لے کر ایک بادشاہ کے یہاں جا کر نقب لگایا اور بہت سے توڑے روپیوں کے اس کی کمر پر لاد دیئے، یہاں تک کہ پاخانہ خطا ہو گیا صبح کو جب آنکھ کھلی تو روپیہ ایک بھی نہ پایا لیکن بستر آلودہ تھا، اسکی بی بی نے کہا یہ کیا ہوا سب قصہ بیان کیا، بی بی نے کہا ایسے روپیوں سے باز آئی آئندہ معاف رکھو پیشاب ہی کر لیا کرو، یہی حال دنیا کی لذتوں اور مزوں کا ہے۔

حال دنیا رہبر سیدم من از فرزانہ	گفت یا خوابی ست یا بادی ست افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست	گفت یا غولے ست یا دیوے ست یا دیوانہ

میں نے ایک عارف سے دنیا کا حال پوچھا اس نے کہا یا خواب ہے یا ہوا ہے یا افسانہ ہے میں نے پھر اس سے پوچھا جس نے اس دنیا میں دل لگا لیا اس نے کہا یا غول ہے یا دیو ہے یا دیوانہ ہے)

عرصہ تک گناہ کرنے سے دل میں یہی ہو جاتی ہے اور پھر گناہ کی برائی محسوس نہیں ہوتی، ابتدا میں جب کوئی رشوت لیتا ہے تو دل میں بہت رنج ہوتا ہے اور شرماتا ہے کہ یہ مجھ کو بڑا لالچی سمجھے گا جب دو چار مرتبہ لیتا ہے تو پھر شرم و حیا نہیں رہتی یہاں تک کہ پھر خود منہ سے مانگ کر لیتا ہے جس روز کچھ نہیں آتا بہت رنج و صدمہ ہوتا ہے اور جس روز کچھ مل گیا عید ہو گئی۔

اصرار سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، ایک شرابی سے توبہ کے واسطے کہا گیا تو اس نے کہا مجھے اللہ کی رحمت پر اُمید ہے اور آخر وقت شراب پی کر مر گیا۔ (تمت)

www.besturdubooks.net

اَجْرُ الصِّیَام
مِنْ
غَیرِ اِنصِرَام

(حصہ دوم)

☆ 17 رمضان المبارک 43ھ بروز یک شنبہ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا۔
☆ جو حضرت والا نے کرسی پر بیٹھ کر تقریباً تین گھنٹے ارشاد فرمایا۔
☆ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔ ☆ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اِسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم.

اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ. وقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعفٍ قال اللّٰہ تعالٰی الا الصوم فانه لی وانا اجزی به یدع شهوته وطعامه من اجلی الحدیث متفق علیه (مشکوٰۃ ص۱۷۳ج۱) (مسند أحمد: ۲۳۳۲، مشکواۃ المصابیح: ۱۹۵۹، کنز العمال: ۲۳۵۹۰، تفسیر ابن کثیر ۱:۲۶۸.)

ایک اہم سوال:

اس وقت مجھ کو ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے وہ سوال عرصہ ہوا میرے ذہن میں آیا تھا، جس کے جواب میں تامل کی ضرورت ہوئی پھر حدیث میں اس کا جواب معلوم ہوا اور اس کے بعد بطور احتمال کے ایک آیت میں بھی اشارہ معلوم ہوا مگر آیت کی دلالت اس جواب پر زیادہ نہیں ہے، آیت کو تو میں نے محض برکت کے لئے پڑھا ہے، البتہ حدیث کی دلالت اس پر زیادہ ہے، اول میں سوال کو بیان کرتا ہوں جس کا جواب اس حدیث میں جس کو میں نے اس وقت آیت کے ساتھ تلاوت کیا ہے مظنون ہے اور ظن کا لفظ میں احتیاطاً کہتا ہوں ورنہ حدیث میں اس سوال کا جواب قریب صراحت ویقین کے ہے مگر چونکہ یہ مضمون اس حدیث سے مستنبط کرنا کسی سے میں

www.besturdubooks.net

نے[1] نقول نہیں دیکھا اس لئے میں احتیاطاً اس کو ظن سے تعبیر کرتا ہوں وہ سوال یہ ہے کہ جس طرح بعض اعمال کا ثواب مضاعف ہوتا اور بعض کا مدت دراز تک بڑھتا رہتا ہے تو کیا کوئی عمل ایسا بھی ہے جس کا اجر غیر محدود ہو کر اس کے تضاعف کی کوئی حد ہی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ سوال کا دل میں پیدا ہونا کچھ مذموم نہیں نہ یہ ابتداء ہے۔ اس لئے کہ بعض دفعہ تو سوال خود بخود ذہن میں آ جاتا ہے یہ تو اختیار ہی سے باہر ہے اور بعض دفعہ اختیار کے ساتھ پیدا ہوتا ہے یہ بھی مذموم نہیں سوال تو جو چاہو وارد کر لو جبکہ اس کا منشا اچھا ہو (مثلاً طلب زیادت علم وغیرہ ۱۲) اور اس سوال کا منشا اچھا ہی ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی طلب اور نعمت الٰہیہ کی رجاء ہے اور ظاہر ہے کہ جس سوال کا منشا طلب اجر و رضا نعمت الٰہیہ ہو وہ مذموم نہیں ہو سکتا، بہر حال یہ سوال ایک بار میرے ذہن میں پیدا ہوا اس کے بعد جواب کی تلاش ہوئی تو ایک حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک عمل ایسا بھی ہے جس کا اجر ہمیشہ بڑھتا رہے گا اس کے تضاعف اجر کی کوئی حد ہی نہیں اور وہ عمل صوم ہے اور ہر چند کہ یہ سوال و جواب میرے ذہن میں بہت زمانہ کا آیا ہوا ہے مگر وہ وقت اس جواب کے ذکر کا محل نہ تھا، اس لئے اب تک اس کا بیان نہ ہو سکا، کئی دفعہ خیال بھی آیا مگر موقع مناسب نہ ہونے کی وجہ سے ٹلتا رہتا اب چونکہ یہ وقت اس سوال و جواب کے ذکر کا محل ہے کیونکہ اس زمانہ ہی کو صوم کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت ہے اس لئے اب بیان کرتا ہوں۔

خلودِ جنت و نار:

پس اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دوام و استمرار اجر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو جملہ اعمال میں مشترک ہے دوسرے وہ جو بعض اعمال میں مشترک ہے اور بعض میں نہیں، تیسرے وہ جو بالکل مشترک نہیں بلکہ محض صوم کے ساتھ مختص ہے اور اب تک کسی اور عمل کے لئے اس کا ثبوت معلوم نہیں ہوا، استمرار کی قسم اول تو خلود ہے جو سب اعمال کے لئے ثابت ہے کیونکہ ہر عمل کا ثواب جنت میں ملے گا اور جنت و مافیہا کے لئے خلود منصوص ہے قرآن مجید میں جنت اور جنتیوں کے متعلق کالذین فیھا ابدا وارد ہے جس سے صاف واضح ہے کہ نہ جنت کو کبھی فنا ہوگا نہ اہل جنت کبھی اُس سے نکلیں گے مگر اس کے متعلق ایک آیت سے طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس آیت سے اس عقیدہ میں کوئی تردد یا تزلزل و تذبذب لازم

---

[1] پھر بعد میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت دیکھا گیا تو ملا علی قاری نے بھی اس حدیث کی وہی شرح کی ہے جو حضرت حکیم الامت نے ذوقاً بیان فرمائی ہے۔ فللّٰہ درہ من حکیم و سباقی بیان ذلک فی موضعہ ۱۲ ظ)

www.besturdubooks.net

آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ شاید بعض ضعیف الفہم طبائع کو اس سے خلجان ہو جائے ، اس لئے میں اس اشکال کو بطور جملہ معترضہ کے یہاں پر رفع کر دینا چاہتا ہوں جو ان شاء اللہ مفید ہوگا وہ یہ کہ سورۂ ہود کی ایک آیت ہے:

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ط اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ط عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ

(ترجمہ) پھر ان میں تو بعضے شقی ہوں گے اور بعضے سعید ہوں گے بس جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ وپکار پڑی رہے گی ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے آپ کا رب جو چاہے اس کو پورے طور پر کرسکتا ہے اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں پس وہ لوگ جنت میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہے تو اور بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

اس میں اہل جنت واہل جہنم دونوں کے لئے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے ساتھ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جنت ونار میں خلود مطلق نہ ہوگا بلکہ مقید ببقاء سموات وارض ہوگا اور اگر اس میں کچھ تاویل بھی کرلی جائے تو آگے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں دوام سے استثناء ہے یہ بھی خلود کو مقید بالمشیت کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلود لازم نہیں بلکہ مشیت پر ہے کہ جب چاہیں باہر نکال دیں۔

لطیفہ قلب:

اب سنئے کہ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (جب تک آسمان وزمین قائم ہیں) کی تو دو توجیہیں ہیں، ایک علماء ظاہر کے قول پر ایک صوفیہ کے قول پر یہ مطلب نہیں کہ جواب ثانی میں کچھ اصول تصوف کو دخل ہے بلکہ چونکہ وہ توجیہ علماء صوفیہ سے منقول تھی اس لئے میں نے علماء صوفیہ کی طرف اس کو منسوب کردیا علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ سموات وارض سے اس آیت

www.besturdubooks.net

میں یہ آسمان وزمین مراد نہیں بلکہ جنت ودوزخ کے آسمان وزمین مراد ہیں کیونکہ عالم آخرت میں بھی آسمان وزمین موجود ہیں، مولانا فرماتے ہیں۔

غیب رابرے و آبے دیگر است ۔۔۔ آسمانے آفتابے دیگر ست

(عالم آخرت میں بادل اور پانی دوسرے ہیں آسمان اور سورج دوسرے ہیں)

حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جان ۔۔۔ کارفرمائے آسمانِ جہاں

در رہ روح پست و بالا ہاست ۔۔۔ کوہ ہائے بلند و صحراہا ست

(ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کارفرما ہیں، روح باطن کے راستہ میں پست وبالا، (نشیب وفراز) کوہ وصحرا موجود ہیں۔)

گو ان اشعار میں جنت ودوزخ کا بیان نہیں بلکہ لطیفہ قلب کی وسعت کا ذکر ہے کہ اس میں بھی عالم محسوس کا نمونہ موجود ہے مگر میں نے مناسبت کی وجہ سے ان کو پڑھ دیا ہے کیونکہ اس کو عالم آخرت سے بہت مناسبت ہے بہرحال اب وہ اشکال مرتفع ہو گیا کیونکہ جب جنت ودوزخ کے لئے خلود ثابت ہے تو ان کے سماوات وارض کے لئے بھی خلود ہوگا فنا نہ ہوگا، پس اب سعداء واشقیاء کے خلود فی الجنۃ والنار کو مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے ساتھ محدود کرنے سے اشکال تحدید کا نہیں ہوسکتا رہا یہ شبہ کہ سموات والارض کا لفظ تو عربی لفظ ہے، عربی لفظ سے وہی معنی مراد ہوسکتے ہیں جو لغۃً اس سے مفہوم ہوسکیں اور ان الفاظ سے لغۃً عالم ناسوت کے آسمان و زمین مفہوم ہوتے ہیں نہ کہ جنت ودوزخ کے پھر یہ تاویل کیونکر صحیح ہوگی جواب یہ ہے کہ سماء وارض کا اطلاق لغۃً ان پر ہوسکتا ہے گو اہل لغت نے اس کو نہ لکھا ہو کیونکہ لفظ عام ہے فالسماء ما یظلک والارض ما یقلک (اور عموم کی دلیل یہ ہے کہ سماء وارض کو اہل لغت نے اس آسمان اور زمین کا علم نہیں قرار دیا ورنہ پھر چاہئے کہ آسمان دوم وسوم تا ہفتم کو اور اسی طرح طبقات ستہ ارض کو سماء وارض نہ کہہ سکیں کیونکہ اول اول تو لوگوں کو ایک ہی آسمان اور ایک ہی زمین کا علم ہوا تھا تو سماء وارض اُنہی کے علم ہو گئے بقیہ سموات وارضین کا علم تو بعد میں ہوا پھر ان پر یہ لفظ کیونکر صادق آیا بس جس طرح ان پر صادق آنا لغۃً صحیح ہے اسی طرح اگر اور کوئی فرد سماء یا ارض کا محقق ہو جائے اس پر بھی ان لفظوں کا اطلاق لغۃً صحیح ہوگا ۱۲ظ) دوسرے اسی میں اختلاف ہے کہ واضع لغت کون ہے راجح یہ ہے کہ حق تعالیٰ واضع لغت ہیں اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب اسماء کی تعلیم فرمادی تھی۔

www.besturdubooks.net

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ (اور تمام اسماء کی حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی) تو حق تعالیٰ نے سماء وارض کو بمعنی عام ہی وضع فرمایا ہے جس میں جنت و نار کے سماء وارض بھی داخل ہیں گو اہل لغت کو ان افراد کا علم نہ ہو چنانچہ جنت کے متعلق ارض کا اطلاق تو خود قرآن مجید میں موجود ہے فرماتے ہیں وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ. اور بقیہ اطلاقات کی تصحیح کے لئے یہ نظیر کافی ہے رہا یہ کہ اس تقیید سے فائدہ کیا ہوا کہ اول مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید لگائی پھر اس پر شبہ وارد ہوا پھر جواب کی ضرورت ہوئی تو بات یہ ہے کہ اس قید کا فائدہ محاورات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ آج کل علوم درسیہ پہلے پڑھتے ہیں پھر قرآن مجید کے الفاظ کو اصطلاحات درسیہ پر محمول کرنا چاہتے ہیں اس لئے اشکالات میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کا محاورات پر ہے (اس وقت اُن درسی اصطلاحات کا کہیں وجود بھی نہ تھا ۱۲)

فنا اور بقاء:

اب محاورات میں غور کر کے دیکھئے کہ اگر ہم کسی شخص کو اپنا مکان رہنے کے لئے دیں اور وہ یہ کہے کہ جناب! یہ مکان مجھے کتنی مدت کے واسطے دیا گیا ہے اور یہ میرے پاس کب تک رہے گا اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ مکان رہے گا اس وقت تک تمہارے پاس رہے گا بتلایئے کیا محاورات میں اس سے زیادہ کوئی عنوان دوام و بقاء سکونت کو ظاہر کر سکتا ہے ہرگز نہیں گو اس جگہ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس مکان کو فی نفسہ دوام و بقاء ہے یا نہیں مگر سائل کو جو یہ تردد ہوا تھا کہ شاید ایسا بھی ہو کہ یہ مکان رہے اور ہم اس میں نہ رہیں یہ شبہ اس جواب سے بالکل رفع ہو گیا اور اس عنوان سے زیادہ کوئی صورت تسلی کی نہیں اسی طرح یہاں بتلایا گیا ہے کہ جب تک جنت و دوزخ موجود ہیں (کیونکہ وجود عمارت کا سقف وارض ہی سے ہوتا ہے تو سموات وارض جنت و نار کا وجود خود ان وجود ہے ۱۲) اس وقت تک اہل جنت جنت میں اور اہل نار نار میں رہیں گے یہ نہیں ہو سکتا کہ جنت کے ہوتے ہوئے جنتی اس سے نکال دیئے جائیں یا دوزخ کے ہوتے ہوئے دوزخ والے (یعنی کفار ۱۲) اس میں نہ رہیں اس عنوان سے اہل دار کا لزوم دار کے ساتھ بتلا دیا گیا جو اس کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتا تھا۔

رہا یہ کہ لزوم دائم و مستمر ہے یا محدود اس سے دوسرے مقام پر تعرض کیا گیا ہے اور جہاں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے ساتھ اَبَدًا کی بھی تصریح ہے یہ توجیہ تو علماء سے منقول ہے اور بعض صوفیہ نے یہ کہا ہے کہ سموات وارض سے مراد سموات وارض ملکوت نہیں بلکہ یہی عالم ناسوت کے سموات وارض

www.besturdubooks.net

مراد ہیں مگر بحالت موجودہ نہیں بلکہ بعد تبدیل کے کیونکہ جس طرح قیامت میں اموات زندہ ہوں گے اور مردے قبروں سے اٹھیں گے اسی طرح آسمان وزمین بھی دوبارہ پیدا ہوں گے۔ ارشاد ہے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے) اور ظاہر ہے کہ مردے جو زندہ ہوں گے وہ بعینہ وہی ہوں گے جو مرنے سے پہلے تھے اسی طرح آسمان و زمین بھی بعد حشر ونشر کے بعینہ یہی ہوں گے اور زمین کو جو نص میں غیر الارض کہا گیا ہے اس سے مغائیرت بعض صفات میں مراد ہے مثلاً اس وقت خیال واشجار اور پستی و بلندی نہ ہوگی بلکہ ساری زمین ہموار ہوگی اور مغایرت وصف سے تغایر ذات لازم نہیں آتا دیکھو اگر کوئی کالا آدمی گورا ہو جائے تو یہ نہ کہیں گے کہ یہ دوسرا آدمی ہو گیا وہ نہیں رہا ۱۲) اور شیخ اکبر کا کشف ہے کہ یہ سموات، وارض ناسوت بعد حشر ونشر کے پھر فنا نہ ہوں گے جیسے اہل سمٰوات وارض یعنی جن وانس بھی بعد حشر ونشر کے فنا نہ ہوں گے پس خلود کو مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے ساتھ نص میں مقید کرنا عدم خلود اہل جنت وغیرہ کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ حالت مذکورہ کے بعد یہ سموات وارض بھی دائم ومستمر ہوں گے اور نص میں ان کی اسی حالت کے ساتھ خلود اہل جنت ونار کو مقید کیا گیا ہے، فاندفع الاشکال، اور شیخ اکبر کا یہ کشف کسی نص کے بھی خلاف نہیں اور کوئی نص اس کی مصادم بھی نہیں اس لئے اس کے مان لینے کا مضائقہ نہیں مگر میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر کشف اپنی ذات سے ظنی ہے اس پر جزم نہ کیا جائے کیونکہ اس میں امر غیر مجزوم فی نفسہ کے ساتھ جزم ہوگا جو کہ شرعاً جائز نہیں۔

ظن کے معنی:

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی) اور ارشاد ہے وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں) اس آیت پر بھی بعض اشکالات علمیہ واقع ہوتے ہیں میں ان کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں اور ان کا منشا بھی وہی اتباع اصطلاحات درسیہ ہے حاصل اشکال کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن مفید حق نہیں ہے حالانکہ ظن مسائل شرعیہ میں مفید بلکہ حجت ہے جیسے خبر واحد وقیاس ان معترضین نے ظن کے معنی یہاں وہ مراد لئے ہیں جو ملا حسن میں انہوں نے پڑھے تھے یعنی کسی تھم کی جانب راجح پھر استاد پر اشکال کیا کہ

www.besturdubooks.net

یہ ظن تو مفید ہے وہ غریب بھی اصطلاحات درسیہ کا متبع تھا، اس لئے بغلیں جھانکنے لگا حالانکہ یہاں منشاء اشکال ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کا نزول محاورات میں ہوا ہے اصطلاحات درسیہ میں نہیں ہوا پس قرآن مجید کو محاورات سے سمجھنا چاہئے اور محاورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن کے معنی صرف وہ نہیں ہیں جو ملا حسن وغیرہ میں مذکور ہیں اور گو میں اہل عربیت کے کلام پر زیادہ نظر نہیں رکھتا مگر قرآن مجید ہی کے چند مقامات کو دیکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ محاورات میں ظن کے معنی عام ہیں محض حکم کی جانب راجح کے ساتھ مختص نہیں چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جس کے قلوب میں خشوع ہے جو کہ خیال رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں) یہاں ظن سے مراد یقین ہے کیونکہ لقاء رب کا یقین جازم واجب ہے اور ایک جگہ حق تعالیٰ نے قیامت کے متعلق کفار کا مقولہ نقل فرمایا ہے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (ایک خیال سا تو ہم کو بھی اس کا ہوتا ہے مگر ہم کو اس کا یقین نہیں) یہاں بھی ظن سے مراد معنی اصطلاحی نہیں ہیں کیونکہ کفار کو وقوع معاد کا ظن غالب وراجح بھی نہ تھا وہ تو بالکل ہی منکر و مکذب تھے چنانچہ خود قرآن مجید ہی میں ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا (بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور انجام اس کا یہ ہوگا کہ ہم نے ایسے شخص کے لئے جو قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں، دوزخ تیار کر رکھی ہے) اور ارشاد ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ (بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس میں آخر کوئی نتیجہ نہیں ملا) پس یہاں ظن سے مراد جانب مرجوح یعنی وہم ہے کہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ہم کو قیامت کا کچھ یوں ہی وہم سا ہوتا ہے بلکہ غور کیا جاوے تو یہاں تصدیق کا کوئی درجہ نہیں یعنی جانب مرجوح بھی مراد نہیں کیونکہ ان کو تو قیامت کا احتمال بھی نہ تھا بلکہ محض تصور ہی مراد نہیں جس میں کوئی حکم ہی نہیں، ان سب موارد کو دیکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ محاورہ میں ظن کے معنی خیال ہیں خواہ وہ خیال صحیح ہو یا باطل قوی ہو یا ضعیف اس کو پیش نظر رکھ کر تمام آیات کو دیکھئے سب حل ہو جاویں گی اور کوئی اشکال نہ رہے گا، چنانچہ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا میں بھی ظن سے مراد مجرد خیال بلا دلیل ہے کہ اسے ثبوت حق میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور ظن اصطلاحی جو کہ مفید ہے وہ خیال مع الدلیل ہے کہ اس کا مفید ہونا اس آیت کے معارض نہیں۔

www.besturdubooks.net

اسباب اشکال:

میں پھر کہتا ہوں کہ قرآن مجید کو اصطلاحات درسیہ پر نہ دیکھئے بلکہ محاورات پر دیکھئے انشاء اللہ پھر کبھی اشکال واقع نہیں ہوگا اور محاورات معلوم ہوتے ہیں علم ادب حاصل کرنے سے اس لئے علم ادب میں توجہ وسعی کی ضرورت ہے اور افسوس سے کہتا ہوں کہ میں خود اس علم سے عاری ہوں مجھے نہ تقریر کی مشق ہے نہ تحریر کی اور میری نظر بھی کتب اہل عربیت پر زیادہ نہیں۔ مگر الحمدللہ! مجھے صحبت ایسے حضرات کی نصیب ہوگئی تھی جن سے چند باتیں ایسی معلوم ہوگئیں جن کے بعد مجھے حفظ قاموس کی ضرورت نہیں رہی مگر جن کو ایسی صحبت حاصل نہ ہوئی ہو وہ ادب میں ضرور کوشش کریں عربی لکھنے کی بھی مشق کریں اور ادب کی کتابیں بھی پڑھیں اور اس میں صرف یہ نیت رکھیں کہ اس کے ذریعے سے ہم قرآن وحدیث کو حل کریں گے (**كما قال عمر رضى الله عنه عليكم بديوانكم شعرا لجاهلية لا تضلوا فان فيه تفسير كتابكم ومعانى كلامكم** (1 ہجری ۱۲ ظ) یہ نیت نہ کیجئے کہ اگر ادب اور تحریر عربی میں خامی رہی تو لوگوں میں سبکی ہوگی کیونکہ اس نیت سے پڑھنا تو ریاء ہے اور اس کے متعلق وہ حدیث یاد کر لیجئے:

> **ورجل تعلم العلم و علمه و قرا القران فاتى به فعرفه نعمه فعرفها قال فما عملت فيها قال تعلمت العلم وعلمته و قرات فيک القران قال كذبت و لكنک تعلمت العلم ليقال انک عالم وقرات القران ليقال هو قارئٌ فقد قيل ثم امربه فيسحبُ على وجه حتى القى فى النار** (رواہ مسلم ۱۲) زاخرجه الإمام الهمام مسلم بن الحجاج القشيرى رحمة الله عليه.)

سو ریاء میں یہ تو آخرت کا ضرر ہے اور دنیا کا یہ ضرر ہے کہ جن لوگوں نے اس نیت سے ادب سیکھا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے مشہورین فی الادب کو حدیث وقرآن کا ویسا ذوق حاصل نہیں ہوتا جیسا بعض غیر مشاہیر فی الادب کو حاصل تھا تو جس غرض کے لئے میں علم ادب کی ترغیب دے رہا ہوں وہ بدون خلوص نیت کے حاصل نہیں ہوسکتی، سو اس نیت سے ادب حاصل کرو پھر قرآن کو دیکھو اور محاورات کے ساتھ اس کے سمجھنے کی کوشش کرو تو معلوم ہوگا کہ واقعی قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ **لا تنقضى عجائبه** نیز پھر کوئی اشکال بھی واقع نہ ہوگا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ

www.besturdubooks.net

علیہ فرماتے تھے کہ قرآن وحدیث پر اشکال جب ہوگا، باہر کے مقدمات ملانے کی وجہ سے اور سیاق وسباق میں غور نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، ورنہ اگر باہر سے زائد مقدمات نہ ملائے جائیں اور آیت قرآنی میں خود غور کیا جائے اور وہیں سے سیاق سباق کو ملا کر دیکھا جائے تو اشکال کا جواب بھی خود وہیں موجود ہوگا، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے) اس میں شبہ ہوتا ہے کہ ہم تو کفار کو مسلمانوں پر مسلط وغالب ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پھر اس آیت کے کیا معنی اس شبہ کا منشا یہی ہے کہ اوپر سے غور نہیں کیا گیا، اس سے پہلے ارشاد ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا معلوم ہوا کہ یہ حکم فیصلہ قیامت کے متعلق ہے عام نہیں ہے اور یہ شبہ ہوا غور نہ کرنے سے اور غور نہ کرنے کا سبب یہ ہوا کہ یوم القیٰمۃ پر وقف کیا جاتا ہے جس سے وہ مستانف کلام سمجھا گیا کاش یہاں طا نہ لکھی ہوتی تو یہ شبہ نہ پڑتا اسی طرح لَا رَيْبَ فِيْهِ میں جو شبہ واقع ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تو بہت کفار نے شبہات کئے ہیں اس کا جواب مولانا کی طرف سے مشہور ہے کہ حق تعالیٰ نے لَا رَيْبَ فِيْهِ ہی تو فرمایا ہے لَا رَيْبَ فِيْهِمْ تو نہیں فرمایا تو کفار بے شک شبہ کرتے تھے مگر اس کا منشا خود ان کے اندر تھا یعنی حسد وعناد وجہل وغیرہ قرآن میں منشاء ریب کچھ نہیں ہے اس کی توضیح میں نے اس طرح کی ہے کہ جیسے یرقان والا ہر چیز کو زرد دیکھتا ہے مگر باوجود اس کے یہ کہنا صحیح ہے لا صفرۃ فیہ (اس میں زرد رنگ نہیں) کیونکہ منشاء صفرت کا رائی میں ہے اسی طرح یہاں سمجھو، علی ھذا لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون میں شبہ واقع ہوتا ہے مولانا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے لا خوف لھم وبھم تو نہیں فرمایا بلکہ خوف علیھم فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے ان پر کوئی واقعہ اندیشہ ناک واقع نہ ہوگا گو وہ خود اپنی سعادت مندی سے ڈراتے رہیں تو اس کی نفی نہیں کی جاتی اسی طرح امیر شاہ خاں صاحب نے امیر الروایات میں مولانا کی ایک حکایت لکھوائی ہے کہ کسی نے مولانا صاحب سے آ کر عرض کیا کہ ایک پادری کہتا تھا کہ مسلمان خواہ مخواہ انجیل وتورات کو محرف ومبدل کہتے تھے حالانکہ قرآن مجید سے خود اس کی نفی ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور انجیل وتورات کا کلام اللہ ہونا مسلمان کو مسلم ہے، پھر وہ ان میں تبدیل کے قائل کیونکر ہو سکتے ہیں امیر شاہ خان صاحب نے یہ اشکال تو لکھوایا ہے مگر جواب کچھ

www.besturdubooks.net

نہیں لکھوایا کہ مولانا نے اس کا کیا جواب دیا، نیز وہ آیت بھی اس جگہ منقول نہ تھی جس میں عدم تبدیل فی کلام اللہ کا دعویٰ ہے اس لئے یہاں پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہوئی، چنانچہ غور کرنے سے آیت بھی مل گئی جو پارۂ لو اننا میں ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں) اور جواب اشکال کا یہ ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے اوپر سے قرآن مجید کی حقانیت کا بیان فرمایا ہے چنانچہ اس سے اوپر کی آیت یہ ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الآیۃ)

(تو کیا اللہ کے سوا اور کسی فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس اتاری ہے جس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب خوب صاف ہیں جن لوگوں کی ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے)

آیت اولیٰ میں اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ میں کتاب سے مراد یقیناً قرآن مجید ہے (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین اولین پر اسی کا نزول ہوا ہے اور اسی کے متعلق جا بجا یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو اس کے منزل بالحق ہونے کا خوب علم ہے وہی دعویٰ یہاں بھی ہے ۱۲) پس یہ اس کا قرینہ ہے کہ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں) سے بھی قرآن مجید ہی مراد ہے اور مثل اوصاف سابقہ کے یہ عدم تبدیل بھی اسی کی صفت ہے اب کچھ اشکال نہیں اس کا ایک جواب ہماری جماعت کے بعض اکابر سے دوسری طرح منقول ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور کتاب اللہ میں ہو سکتی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن مجید تو کلام اللہ ہے اور دوسری کتابیں کلام اللہ نہیں بلکہ محض کتاب اللہ ہیں یہ جواب میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے میں اس کو یہاں بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا ممکن ہے کہ اصل مجیب کی دلیل کے تمام مقدمات ملا کر یہ جواب صحیح ہو جائے اور راوی نے سب

www.besturdubooks.net

مقدمات نقل نہ کئے ہوں مگر چونکہ ہم کو یہ جواب ناتمام ہی پہنچا ہے اس لئے ہمیں اس سے تسلی نہیں ہوئی، غرض یہاں بھی اشکال کا منشا یہی ہوا کہ سیاق سباق میں غور نہیں کیا گیا صرف لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کو دیکھ کر عموم سمجھ لیا گیا (اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لیس من البر الصیام فی السفر (سنن أبي داؤد كتاب الصيام باب: ۴۳، سنن النسائي ۴: ۱۷۶، سنن ابن ماجة: ۱۶۶۴ و سنن الترمذي: ۷۱۰، كنز العمال: ۲۳۸۴۳.) کو عام سمجھ لے حالانکہ قرائن سے اس حکم کا سفر مشقت کے ساتھ مخصوص ہونا ظاہر ہے ۱۲) اگر اس سے اوپر کی آیت کو دیکھ لیا جاتا تو اشکال نہ واقع ہوتا اور معلوم ہوتا کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ قرآن مجید کے ساتھ خاص ہے (و من ادعی العموم فعلیہ البیان ۱۲) اسی طرح اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں) میں اشکال اسی واسطے ہوا کہ ہم نے قرآن مجید سے باہر کا ایک مقدمہ اس کے ساتھ ملایا کہ ظن کے معنی جانب راجح کے ہیں اور اگر ہم صرف قرآن مجید کے لفظ محاورہ کے موافق دیکھتے تو کچھ بھی اشکال نہ تھا، یاد رکھو اگر بلا ضرورت قرآن مجید کے ساتھ خارجی مقدمات نہ ملائے جائیں تو اشکال ہرگز واقع نہیں ہوتا باقی میرا یہ مطلب نہیں کہ بضرورت بھی انضمام مقدمات نہ کیا جائے کیونکہ جو مقدمات بضرورت ملائے جاتے ہیں وہ خارجی مقدمات نہیں ہوتے بلکہ وہ تو امور داخلیہ ہیں مثلاً اقتضاء النص و عبارۃ النص و دلالۃ النص و اشارۃ النص وغیرہ خارجی امور نہیں ہیں بلکہ مدلولات کلام ہیں بس تصحیح کلام یا توجیہ و استدلال کے لئے جس مقدمہ کا ملانا ضروری ہو وہ تو لازم ہے ہاں بے ضرورت مقدمات نہ ملائے جائیں ایسے ہی مقدمات کی نسبت ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کلامیکہ محتاج یعنی باشد لایعنی ست ان کی مراد یعنی سے وہی یعنی ہے کہ جس سے کلام کو بتکلف بنانا پڑے وہ لایعنی اور فضول ہے باقی جو یعنی بضرورت ہو وہ لایعنی نہیں خوب سمجھ لو۔

علوم ظنیہ کا جزم:

بہرحال یہ گفتگو تو اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں) کے متعلق اور اس کی مناسبت سے دیگر آیات کے متعلق درمیان میں استطرادا آ گئی تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ امور ظنیہ کے ساتھ جزم و قطع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اول تو یہ شرعاً ممنوع ہے، دوسرے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ سوء خاتمہ کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ علوم ظنیہ کے ایسے معتقد ہوتے ہیں کہ ان پر کامل جزم کر لیتے ہیں پھر مرتے وقت بعض ایسے امور کا غلط ہونا مکشوف ہو جاتا ہے اس وقت شیطان مقایسہ سے دوسرے عقائد پر شبہ ڈالتا ہے کہ دیکھو اس کو

www.besturdubooks.net

قطعی سمجھتے تھے اور غلط نکلا شاید تمہارے اور عقائد بھی ایسے ہی ہوں جیسے یہ علوم تھے بس اب اس شخص کو توحید و رسالت وغیرہ سب میں شبہ ہو جاتا ہے پھر یہ بے ایمان جاتا ہے اس لئے علوم ظنیہ کا جزم ہرگز نہ کرنا چاہئے ہر چیز کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے اس مرض میں صوفیا اور علماء بہت مبتلا ہیں، علماء اپنے بہت سے علمی نکات کے جو محض اقناعی ہوتے ہیں ایسے معتقد ہوتے ہیں کہ گویا قطعی سمجھے ہوئے ہیں اور صوفیہ اپنی بہت سی کشفیات والہامیات پر جزم کئے ہوئے ہیں خصوص ان کے مریدین تو شیخ کے خواب و کشف کو وحی ہی سمجھتے ہیں یاد رکھو یہ غلو فی الدین ہے اس لئے گو شیخ اکبر کا یہ کشف کسی نص سے مصادم نہیں مگر مؤید بالنص بھی نہیں ہے اس لئے اس پر یقین نہ کیا جائے پس بعد حشر و نشر کے اس آسمان و زمین کے خلود پر اعتقاد جازم نہ کیا جائے۔

ارضاء رسول:

ایک جواب مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (جب تک آسمان و زمین قائم ہیں) کے اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے کلام اللہ میں ہمارے جذبات کا بہت لحاظ فرمایا ہے چنانچہ اس بناء پر حق تعالیٰ نے لفظ ارض کو سارے قرآن مجید میں بصیغۂ مفرد بیان فرمایا ہے حالانکہ نص سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض بھی مثل سمٰوات کے متعدد ہیں مگر قرآن مجید میں سمٰوات تو بصیغہ جمع ہیں اور ارض ہر جگہ بصیغۂ مفرد ہے اس کا یہی جواب دیا گیا ہے جو بہت لطیف ہے کہ حق تعالیٰ نے سموات و ارض کا ذکر اثبات توحید کے لئے مقام استدلال میں فرمایا ہے اور اہل عرب کو سموات کا تعدد تو معلوم تھا زمین کا تعدد معلوم نہ تھا اگر ارض کو بصیغہ جمع لایا جاتا تو آپس میں شور و شغب شروع ہو جاتا اور مقدمات ہی میں خلط مبحث ہو جاتا اور ہدایت میں تاخیر ہوتی یا کمی رہتی اسی لئے حق تعالیٰ نے مخاطبین کے مذاق کی رعایت فرما کر تمام قرآن مجید میں ارض بصیغہ مفرد ہی بیان کیا۔ سبحان اللہ! کتنی بڑی عنایت ہے حق تعالیٰ کی کہ وہ زائد باتوں میں ہدایت کو مؤخر کرنا نہیں چاہتے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھئے کہ یہاں بھی حق تعالیٰ نے ہمارے مذاق کے موافق دوام و استمرار کو بیان فرمایا ہے یعنی سموات و ارض سے یہی آسمان و زمین بحالت موجودہ مراد ہیں پھر بھی اشکال کچھ نہیں کیونکہ گو یہ زمین و آسمان فنا ہونے والے ہیں مگر اذہان عامہ میں اُن کا فنا متحضر نہیں ہے چونکہ اس کی ابتداء کسی نے دیکھی نہیں اور قرن گزر گئے کہ اس پر ابھی تک فنا بھی طاری نہیں ہوا، اس لئے اذہان عامہ میں اس کا فنا ہونا متحضر نہیں ہوتا گو اعتقاد دوام بھی نہ ہو پس اس صورت میں خلودِ اہل جنت و نار کی بقاء سموات و ارض کے ساتھ تحدید کرنا اس اثر کے اعتبار سے جو اذہان عامہ پر ہے دوام و استمرار ہی کو مستلزم و مفید ہوگا کیونکہ عوام کے مذاق میں بیان دوام کی یہی صورت

www.besturdubooks.net

ہے، (اسی لئے شیطان کے بارہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہے) کہ تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔اس سے یہ مراد نہیں کہ قیامت کے بعد لعنت نہ رہے گی بلکہ دوام مراد ہے اور محاورات میں دوام کو یوں ہی تعبیر کیا کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ بخدا میں قیامت تک یہ کام نہ کروں گا اسی طرح الٰی یَوْمِ الدِّيْنِ (قیامت کے دن تک) اس نص میں بیان دوام و استمرار کے لئے ہے اور ایسے ہی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (جب تک آسمان وزمین قائم ہیں) عام بول چال اور عام محاورہ کے اعتبار سے دوام ہی کو مفید ہے گو اہل معقول کے نزدیک مفید نہ ہو ۱۲)

اور قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ کسی شے کے متحضر نہ ہونے کا وہی اثر ہوتا ہے جو اس کی نفی کا اثر ہوتا ہے اس لئے ایسے شخص کے ساتھ اسی طرح کلام کیا جاتا ہے جیسا کہ منکر یا متردد کے ساتھ کیا جاتا ہے چنانچہ واقعہ احد میں جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے پاؤں اکھڑ گئے جس کا سبب یہ ہوا کہ شیطان لعین نے اثناء جنگ میں پکار دیا تھا الا ان محمد اقد قتل کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس آواز کو سن کر بعض صحابہ حواس باختہ ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے مگر یہ ہزیمت بزدلی کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبعی قاعدہ یہی ہے کہ فوج ہمیشہ افسر کے ساتھ لڑتی ہے اور افسر کی موت کی خبر سے بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام کی جانبازی کے لئے یہ امر بھی محرک تھا کہ ہر شخص جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانبازی اور جاں نثاری کو دیکھ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت کی وجہ سے کفار جو کچھ ایذائیں ہمیں دے رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہیں اور اپنے عزیزوں کو محض اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہیں جس بے دریغی کے ساتھ ہم قتل کرتے ہیں یہ بھی آپ کے پیش نظر ہے ان باتوں پر نظر کر کے حضرات صحابہ کا دل جو حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے بہت کچھ ابھرتا تھا اور ہر شخص زبان حال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خطاب کرتا ہوا معرکہ میں بڑھتا تھا ۔

بجرم عشق تو ام می کشند وغوغائیست   تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھ کو قتل کر رہے ہیں اور شور وغل برپا ہے تو بھی چھت پر آ کر دیکھ لے کہ بہت اچھا تماشا ہے)

ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ٹھنڈا کرنے اور آپ کو خوش کرنے کے لئے جوانمردی کے جوہر دکھاتا تھا اور آپ کو راضی کرنے کی نیت مذموم نہ تھی ہار رضاء رسول ارضاء حق ہی ہے چنانچہ ارشاد مَنْ يُّطِعِ

www.besturdubooks.net

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) اطاعت رسول کا اطاعت الٰہیہ ہونا تو منصوص ہے اسی کے حکم میں ارضاء بھی ہے۔

خوش اعتقادی:

یہ محرک آپ کی خبر موت کے بعد کہاں باقی رہ سکتا تھا اس لئے بعض کے قدم اکھڑ گئے یہ تو واقعہ تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تو ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں اگر آپ کا وصل ہو جائے یا آپ شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں دین سے پھر جاؤ گے) یہاں حق تعالیٰ نے ان شرطیہ کے ساتھ ان مات او قتل (اگر وفات پا گئے یا قتل کئے گئے) فرمایا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ ان شرطیہ مقام شک میں[1] لایا جاتا ہے تو کیا صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہونے میں شک تھا کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معتقد خلود تھے کہ آپ کو موت آنے ہی کی نہیں ایسا گمان صحابہ کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ بات یہ تھی کہ غایت محبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت زندہ نہ ہونا ان کے ذہن میں نہ آتا تھا اور آپ کو جو ایک خاص امتیاز تمام مخلوق سے کمالات نبوت وغیرہ کی وجہ سے حاصل تھا اس کا اثر عام طبائع پر حالاً یہ تھا کہ موت تو عوام کو آیا کرتی ہے نبی کو کیا موت آتی گو اس کا اعتقاد نہ ہو مگر تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ان کو کچھ مستبعد سی معلوم ہوتی تھی جیسے ایک بیوہ عورت نے مجھ سے اپنا حال بیان کیا جس کو اپنے خاوند کے انتقال کا بہت زیادہ صدمہ تھا کہ ایسا صدمہ عموماً نہیں ہوا کرتا تو اس نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے میاں مولوی تھے اور میرا خیال یہ تھا کہ مولوی مرا نہیں کرتے تو میں ان سے بیاہ کر کے بڑی خوش تھی کہ بس ساری عمر سہاگن ہی رہوں گی، ایسے ہی صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا تصور ہی نہ آتا تھا اس لئے ان کے ساتھ اسی طرح کلام کیا گیا، جس طرح متردد اور صاحب شک کے ساتھ کہا جاتا ہے مگر یہ حالت اکثر صحابہ کی تھی سب کی یہ حالت نہ تھی۔ چنانچہ ایک بڑھیا صحابیہ کا قصہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس جگہ موت وقتل سے غالباً موت طبعی علی اجل معلوم مراد نہیں بلکہ موت وقتل مسموع ہے جو سبب انقلاب و انہزام کا ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ موت وقتل مسموع متیقن نہ تھا بلکہ مشکوک ہی تھا، پس حاصل کلام کا یہ ہوا کہ کیا تم آپ کی موت وقتل مشکوک سے بھی ایسے حواس باختہ ہو گئے ہو ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ) مگر اس صورت میں ان کی جگہ لو مناسب تھا جب ان استقبال کے لئے ہے تو موت وقتل آئندہ مراد ہونا راجح ہے ۱۲ منہ)

www.besturdubooks.net

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کام کو آئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے وقت آنا تو وہ کہتی ہے کہ یا رسول اللہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو پھر کس کے پاس جاؤں اس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فان لم تجدینی فائتی ابابکر (الصحیح للبخاری ۵:۵، الصحیح لمسلم، فضائل الصحابة: ۱۰، سنن الترمذی: ۳۶۷۶.) کہ اگر تو مجھے نہ پائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جانا، اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اشارہ ہے (بلکہ قریب بصراحت ہے) دیکھئے اس بڑھیا کو یہ احتمال ہوا کہ شاید میرے دوبارہ آنے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہ رہیں اور اجلہ صحابہ کو گو موت نبوی مستبعد نا معلوم ہوتی ہو مگر انکا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کار منصبی پورا کرنے سے پہلے تشریف نہیں لے جا سکتے، تکمیل دین سے پہلے آپ کا وصال نہیں ہو سکتا اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے انکار کیا اور تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ خبردار میں کسی کے منہ سے یہ لفظ نہ سننے پاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہو سکتا بلکہ آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تک دنیا سے نہیں جا سکتے جب تک کہ اسلام تمام عالم میں نہ پھیل جائے اور دین کی ہر پہلو سے تکمیل نہ ہو جائے اور منافقین کا قلع قمع نہ ہو جائے، مطلب اُن کا یہ تھا کہ ابھی فروعاً دین کی تکمیل نہیں ہوئی چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب بھی نہ ہوئی تھی گو اصولاً تکمیل ہو چکی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ تکمیل فروع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں سے ہو گی اس لئے وہ وصال نبوی کا انکار کر رہے تھے اور کفار و منافقین کو دھمکا رہے تھے کہ من قال ان محمد امات ضربت عنقه (جس شخص نے یہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا گئے تو میں اس کی گردن الگ کر دوں گا۔)

موت کی اہمیت:

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ جس کام کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کر رہا ہوں حق تعالیٰ کو وہی کام مجھ سے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لینا ہے، چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں خصوصاً حضرات شیخین کے زمانہ میں اسلام کی فروعی تکمیل بھی کمال کے درجہ پر ہو گئی، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما کو دینا منظور تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل تکمیل فروع بلا لیا۔ واقعی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت

www.besturdubooks.net

تک زندہ رہتے تو علماء امت سے جو کام حق تعالیٰ نے لیا ہے وہ کام ان سے کیونکر لیا جاتا، قتال مرتدین واصلاح اہل عرب کا فخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہاں نصیب ہوتا سب کام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھ سے ہوتا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے امام ابوحنیفہ اور شافعی کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہوتی بس ہر مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے معلوم ہو جایا کرتا، ان حضرات کو یہ فضائل وکمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہی کے بدولت حاصل ہوئے اسی کو متنبی کہتا ہے ۔

ولا فضل فیها للسماحة والندی و فضل الفتی لو لا لقاء شعوب

الشعوب الموت ترجمہ شعر کا یہ ہے دنیا میں سخاوت وشجاعت اور فضائل کی قدر محض موت کی وجہ سے ہے اگر موت نہ ہوتی تو ان چیزوں کی قدر نہ ہوتی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ ہر زمانہ میں جو کسی شخص کے اخلاق فاضلہ کی قدر ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکابر سابقین مر چکے ہیں اگر وہ نہ مرے ہوتے اور اس وقت فرض کرلو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے اور اُن کی صفت لوگوں کے پیش نظر ہوتی تو باقی تمام سلاطین اہل عدل کا عدل اُن کے سامنے گرد ہوتا۔ اس وقت اگر پہلے زمانہ کے اسخیاء اور بہادر زندہ ہوتے تو اس زمانہ کے بہادروں کو کون پوچھتا، ان کی شجاعت نیست ونابود ہو جاتی، پس موت ہی کی وجہ سے ہر شخص کے اخلاق کی قدر ہے کیونکہ پہلے نمونے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں تو موجودین ہی کی قدر ہوتی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مطلب تو شعر کا یہی ہے گو متنبی بھی نہ سمجھا ہو اور فرمایا کہ یہ کچھ بعید نہیں بعض دفعہ دوسرا شخص مصنف کی عبارت کا مطلب ایسا سمجھ لیتا ہے کہ خود مصنف کے ذہن میں بھی نہیں ہوتا فرمایا کہ یہ واقعہ مجھے خود پیش آیا ہے کہ میں نے ایک غزل لکھی تھی اور اپنے احباب کو سُنا رہا تھا ایک صاحب کو ایک شعر پر بہت ہی حظ آیا اور اُس کو بار بار پڑھوایا میں نے پوچھا کہ تم کو اس شعر میں اتنا مزہ کیوں آیا تم اس کا کیا مطلب سمجھے، اب جو اس نے مطلب بیان کیا تو وہ ایسا تھا کہ خود ہمارا ذہن بھی وہاں تک نہ گیا تھا اور اس مطلب کو سُن کر اب ہمیں بھی اس شعر میں بہت حظ آنے لگا، بہر حال اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو دوسروں کے کمالات کچھ بھی ظاہر نہ ہوتے، اس لئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات نعمت عظمٰی ہے آپ کی وفات بھی اُمت کے لئے نعمت ہے:۔

فما احسنه طاب حیا ومیتا صلی اللّٰہ علیه وعلیٰ آله واصحابه وسلم ۱۲"

www.besturdubooks.net

واقعی سچ ہے کبرنی موت الکبراء کہ بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی حکایت سنی ہے کہ یہ حضرات جب دہلی میں پڑھتے تھے تو آپس میں مزاحاً ایک صاحب دوسرے سے کہتے کہ میاں کیا بات ہے کہ ہم ان بڈھوں سے کس بات میں کم ہیں بلکہ ہمارا علم تو تازہ ہے اور ان بڈھوں کا علم پرانا ہوگیا، پھر ہم ذہین بھی ان سے زیادہ ہیں، مگر پھر بھی جوان کی قدر ہے ہماری نہیں، ان کے سامنے ہم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں یہ کیا بات ہے، دوسرے صاحب کہتے کہ میاں ذرا ان بڈھوں کو کھسکنے دو، پس پھر تو ہم ہوں گے اور تم ہو گے (قلت و قد کان کما تفرسا رضی اللہ عنہما ۱۲) بہرحال حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں غایت محبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہونا آتا نہ تھا......... اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کے ساتھ اسی مذاق کی رعایت سے کلام فرمایا۔

آگ کا سمندر:

اسی طرح چونکہ عام طبائع میں سموات وارض کا فنا مستحضر نہیں ہے اس لئے ان کے بقاء کا اثر مثل خلود و دوام ہی کے ہے پس ان کی بقاء سے کسی شئے کی تحدید کرنا گویا اثر عام کے لحاظ سے اُس شئے کا خلود و دوام ثابت کرنا ہے اور شیخ کے قول سے تو معلوم ہوا کہ بحالت موجودہ اس زمین و آسمان کو دوام نہیں لیکن حشر اجسام کے بعد ان کو بھی دوام ہوگا تو اُن کے ساتھ جس شئے کے بقاء کو محدود کیا جائے، اب تو اس کے دوام وخلود میں کچھ شبہ ہی نہیں مگر میں پھر کہتا ہوں کہ یہ کشف ظنی ہے اس کو درجہ ظن ہی تک رکھنا چاہئے، اب میں شیخ اکبر کے اس کشف کا ایک تتمہ بھی بیان کرتا ہوں یہاں سوال یہ ہے کہ قیامت میں آسمان و زمین کے پیدا ہونے کے بعد آسمان اسی طرح ستاروں اور شمس و قمر وغیرہ سے مزین ہو جائے گا یا نہیں، نیز یہ کہ زمین و آسمان کے درمیان میں کوئی مخلوق ہوگی یا نہیں سو حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے کسی سے پوچھ کر مخلوق کو نہیں بنایا تھا وہ اپنے افعال کی حکمت و حقیقت خود ہی جانتے ہیں ایک مجذوب سے کسی نے کہا تھا یہ کام کب ہوگا وہ بڑے خفا ہوئے اور کہا کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے مشورہ کر کے کام کرتے ہیں، خبردار جو پھر کبھی ایسا سوال کیا واقعی اس نے سچ کہا بعضے مجذوب صاحب سیاست بھی ہوتے ہیں جو غلطی پر ٹوک دیتے ہیں اسی طرح اس سوال کا جواب بھی ہمارے ذمہ نہیں لیکن شیخ نے اپنے کشف سے اس کا بھی جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ بعد فیصلہ قیامت کے اس زمین و آسمان کے درمیان میں کوئی نئی مخلوق آباد نہ ہوگی بلکہ یہ تمام سموات وارضین آگ

www.besturdubooks.net

سے بھر جائیں گے، سمندروں کا پانی خشک ہوکر وہاں بھی آگ ہی آگ بھر جائے گی، شیخ کے نزدیک وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (جب دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا) کا یہی مطلب ہے کہ سمندر آگ سے بھر جائیں گے چنانچہ جہنم جو کہ ارض سفلی کے نیچے ہے وہاں سے بڑھتے بڑھتے تمام زمینوں کو گھیر لے گی پھر زمین سے آسمان تک بھی آگ ہی آگ ہوگی حتیٰ کہ سموات کے اندر بھی آگ ہی آگ ہوگی جو کہ مقعر سماء سابعہ تک پہنچ جائے گی اور وہاں سے اُس کی حرارت چھن چھن کر لطیف ہوکر جنت میں پہنچے گی، وہاں اس لطیف حرارت کا یہ اثر ہوگا کہ جنت میں جو نہ سردی ہوگی نہ گرمی وہ اسی نار کا اثر ہوگا ورنہ شیخ کا یہ خیال ہے کہ جنت میں بہت سردی ہوتی اور اسی حرارت کے اثر سے جنت کے میوے پکیں گے اور نار کا رچھن کر لطیف ہو جانا ایسا ہے جیسے خس کی ٹٹی میں چھن کر گرم ہوا ٹھنڈی ہو جاتی ہے یہ شیخ کا کشف ہے، واقعی وہ بڑے صاحب کشف ہیں مگر پھر کہتا ہوں کہ اس پر جزم نہ کیا جائے، بہرحال مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید کے تو متعدد جواب دیئے گئے ہیں مگر اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ کی تاویل میں لوگ بہت چکرا گئے ہیں بعض نے تو کمال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء زیادت کے لئے ہے نقص و اخراج کے لئے نہیں مطلب یہ ہوا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بقاء سموات وارض تک رہیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو اور بھی زیادہ رکھے کیونکہ بقاء سموات وارض تو محدود ہے اور خلود جنت غیر محدود ہے اور ثانی کا اول سے زائد ہونا ظاہر ہے مگر نا معلوم یہ زیادت علی المستثنیٰ منہ استثناء کی کونسی قسم ہے اور میرے نزدیک صحیح جواب اور لطیف وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب نے بیان فرمایا ہے جس کو میں اصطلاحی الفاظ میں بیان کرتا ہوں ورنہ شاہ صاحب نے تو ایسے سلیس عنوان سے بیان کیا ہے کہ عامی دیکھنے والا یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس جگہ شاہ صاحب نے اتنا بڑا مضمون حل کیا ہے۔

خلود اور مشیت:

حاصل اس کا یہ ہے کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ (مگر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب چاہے) میں ما مصدریہ ہے ای الا وقت مشیئۃ کما فی قولہ اتیتک خفوق النجم ای وقت خفوقہ پس معنی یہ ہوئے کہ یخلدون فیھا الا ان یشاء ربک عدم خلودھم فینقطع خلودھم رہی یہ بات کہ اس قید کی ضرورت ہی کیا تھی اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ خلود واجب اور خلود ممکن میں فرق ظاہر کر دیا گیا تا کہ کوئی خلود کی خبر سُن کر بقاء دائم میں شریک ہوکر مساوات مع الواجب کا دعویٰ نہ کرنے لگے کہ گو ہم جنہم میں جائیں گے سہی مگر یہ فخر تو ہمارے لئے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب کے خلود و

www.besturdubooks.net

دوام کے ساتھ متصف ہو جائیں گے تو بتلا دیا گیا کہ مساوات کا دعویٰ کیا لئے پھرتے ہو تمہارے خلود میں اور واجب کے خلود میں زمین آسمان کا فرق ہوگا واجب کا خلود کسی کی مشیت کے تابع نہیں اور تمہارا خلود ہماری مشیت کے تحت میں ہے جب چاہیں سب کو کان پکڑ کر نکال سکتے اور سب کو فنا کر سکتے ہیں گو ایسا نہ کریں مگر ایسا نہ کرنے کی صورت میں بھی تم کو وہ خلود اس طرح نصیب ہوگا کہ ہر دم ہماری طرف سے افاضہ وجود ہوگا ورنہ تم کیا وجود اپنے باپ کے گھر سے لائے تھے ۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست　　　تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

(ہم گھر سے کوئی چیز نہیں لائے ہاتو نے ہی سب چیزیں عطا کی ہیں اور میری چیز آپ ہی کی عطا ہے۔)

تو حاصل یہ ہوا کہ خلود تو ہوگا لیکن اگر ہم چاہیں تو خلود نہ رہے سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی ہے اور آپ کو حیرت ہوگی اگر آپ شاہ صاحب کے الفاظ دیکھیں کہ انہوں نے اصطلاحی الفاظ کو چھوڑ کر سلیس لفظوں کو کس طرح اس دقیق مضمون کو بیان فرمایا ہے اور یہ واقعی بڑا کمال ہے مگر افسوس طلبہ کی طبائع آج کل بڑی بھدی ہیں کہ جو شخص سلیس عبارت میں حقائق غامضہ کو حل کردے طلبہ اُس کی قدر نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ان کی استعداد کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی باتیں تو سب سمجھ لیتے ہیں اور جو شخص ثقل عبارت میں تقریر کرتا ہو اُس کی قدر کرتے ہیں کہ یہ بڑے فاضل ہیں ان کے علوم کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آتے، پتھر پڑیں اس مذاق پر کیا یہ کچھ کمال کی بات ہے بلکہ یہ تو اس کی دلیل ہے کہ یہ شخص ہنوز الفاظ اصطلاحیہ کے چکر میں حقیقت پر قابو یافتہ نہیں ہوا ورنہ اپنی سلیس زبان میں حقیقت کو واضح کرنے پر ضرور قادر ہوتا۔

علوم انبیاء:

انبیاء علیہم السلام کی شان یہی تھی کہ وہ سلیس و سہل عنوان میں ایسے غامض اور دقیق علوم کو بیان فرماتے تھے جن کی فلاسفہ و حکماء کو ہوا بھی نہیں لگی وہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیتے تھے ہاں انبیاء علیہم السلام اصطلاحات کو نہیں برتتے بلکہ عام محاورات ہی میں سب کچھ بیان کر دیتے ہیں ان کے پاس محض الفاظ نہ تھے بلکہ حقائق و معانی تھے اور فلاسفہ کے پاس محض الفاظ ہی تھے وہ اصطلاحی الفاظ کے چکر سے نکل کر کچھ بھی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی فلسفی سے نہیں جھجکے سب کے دانت کھٹے کر دیئے، صاحبو! فلسفہ میں رکھا کیا ہے جو انبیاء کے علوم سے اس کا موازنہ کیا جائے خدا جزائے خیر دے متکلمین کو کہ انہوں نے انبیاء کے علوم کو اصطلاحی الفاظ کا جامہ پہنا کر بھی حکماء کے سامنے ظاہر کر دیا اور احادیث و قرآن کے دلائل کو انہی کے

www.besturdubooks.net

اصطلاحات کے موافق صغریٰ کبریٰ اور قیاس کی ترکیب سے بیان کر کے فلاسفہ کے دلائل کا جواب اُنہی کے طرز پر اس طرح دیا ہے کہ فلسفہ کے بخئے ادھیڑ دیئے اور بات بات پر ایسے اعتراضات کئے ہیں کہ دنیا کو معلوم ہوگیا کہ فلسفہ کا کوئی مسئلہ بھی مکمل اور طے شدہ نہیں ہے اسی لئے ایک طالب علم نے خوب کہا کہ فلسفہ و معقول کا پڑھنا ایسا ہے جیسے جنگلی سور کا شکار کہ دُشوار تو بہت ہے بندوق تلوار اور بہت سے آدمیوں کی ضرورت ہے سب مل کر بمشکل شکار کرتے ہیں مگر حاصل کچھ نہیں نہ کھانے کے کام کا نہ پینے کے ایسے ہی فلسفہ و معقول کا حاصل کرنا سامان تو بہت کچھ چاہتا ہے اصطلاحات کو معلوم کرو مطالعہ میں مغز زنی کرو استاد کے سامنے بھی دقت سے مقدمات سمجھ میں آتے ہیں گھنٹوں بحث و مباحثہ کرنا پڑتا ہے مگر جب بدقت تمام سب مرحلے طے ہوگئے تو حاصل کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ اس پر فلاں شخص نے یہ اعتراض کیا ہے فلاں نے یہ کہا ہے، کوئی بات بھی اعتراض و قیل سے سالم نہیں اور دینیات کا علم ایسا ہے جیسے کبوتر کا شکار کہ نہ زیادہ مسافت طے کرنا پڑتی ہے بستی ہی میں بہت مل جاتے ہیں پھر بندوق و تلوار اور بہت سے آدمیوں کی ضرورت نہیں ایک آدمی مٹی کے غلہ ہی سے دو تین کا شکار سکتا ہے سہل الحصول تو اتنا اور مفید ایسا کہ ایک دو کبوتر سے ہانڈی تیار ہوتی اور نفیس غذا ملتی ہے ایسے ہی مسائل شرعیہ کا سمجھنا آسان بھی اور پھر مفید ایسا کہ اسی وقت سے عمل شروع کر دو اور عمل کے بعد اللہ کی رضا حاصل کرلو جس سے بڑا کوئی فائدہ بھی نہیں واقعی خوب ہی مثال دی پس شاہ عبدالقادر صاحب میں ایک جھلک فیض نبوت کی معلوم ہوتی ہے کہ وہ غامض سے غامض علم کو نہایت سہل لفظوں میں بیان فرما جاتے ہیں اور دوسرا جواب میرے ذہن میں آیا ہے کہ ماشاء ربک میں ما بمعنی من ہے اور محققین نے لکھا ہے کہ لفظ ما اصل لغت میں ذوالعقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لئے عام ہے اردو کی ماں بھی تو عام ہے (کہ انسان کی ماں بھی ماں ہے اور جانور کی ماں بھی ماں ہے ۱۲) ہاں من ذوی العقول کے لئے خاص ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ ما غیر ذوی العقول کے لئے خاص ہے صحیح نہیں پس الا ماشاء ربک (مگر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو منظور ہو) کے معنی ہیں الا من شاء ربک ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ ما بمعنی من ہے۔

سعید اور شقی:

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ متکلمین نے عقائد میں یہ مسئلہ طے کر دیا ہے السعید قد یشقی والشقی قد یسعد شرح عقائد میں اس کی تصریح ہے اور اس میں شقی و سعید ہے وہ مراد نہیں

www.besturdubooks.net

جو علم الٰہی میں شقی یا سعید ہو بلکہ ظاہری سعید و شقی مراد ہے جس کو خاص حالات سے شریعت کافر و مومن کہتی ہے تو ایسا شقی یعنی کافر کبھی علم الٰہی میں سعید یعنی مومن ہوتا ہے اور اسی طرح کبھی سعید علم الٰہی میں شقی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص ظاہر میں کافر معلوم ہوتا ہے ہمارے نزدیک تو وہ خالدین فی النار سے ہے لیکن ممکن ہے کہ مرتے ہوئے اس کو اسلام نصیب ہو جائے اور علم الٰہی میں وہ سعید ہو جیسے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے نانوتہ میں ایک بنیا مرا مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں پھر رہا ہے پوچھا لالہ جی تم یہاں کہاں کہا مولوی جی میں نے مرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا وہ قبول ہو گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بخش دیا تو دیکھئے ساری عمر تو لالہ جی سود بٹا کھایا اور سود ہی میں جنت بھی لے مرا، ایسی نظیریں اور بھی نامعلوم کتنی ہوں گی اب آیت کا حل یوں ہوگا فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا (پھر ان میں سے بعضے شقی ہوں گے) (و کفروا فی الظاہر ۱۲)

فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ النار ۱۲)

حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر میں سعداء ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا کہ بعضے سعید علم الٰہی میں شقی ہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے وہ جنت میں نہ رہیں گے، اور جو لوگ ظاہر میں اشقیاء ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے مگر جس کو اللہ چاہے کیونکہ بعضے شقی علم الٰہی میں سعید ہیں ان کا خاتمہ اسلام پر ہونے والا ہے وہ جہنم میں نہ رہیں گے، اب اشکال کچھ نہیں رہا مگر میں یہ پھر کہوں گا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا جواب بہت عجیب اور نہایت زوردار ہے اور میں نے جو ما کو بمعنی من لیا ہے یہ کچھ تاویل بعید نہیں بلکہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (۷) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا اور قسم ہے اس آسمان اور اس ذات کی جس نے اسکو بنایا) وغیرہ میں خود مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں ما بمعنی من ہے دوسرے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی ہی آیت کی تفسیر میں ما کا بمعنی من کے ہونا منقول ہے پارہ ولوانّنا (کے دوسرے رکوع کے اخیر میں) یہ آیت ہے وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (اور جو انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں وہ کہیں

www.besturdubooks.net

گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور ہم اپنی اس یقین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے متعین فرمائی تھی (یعنی قیامت) اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے) یہاں بھی کفار کے لئے خلود کو ثابت کر کے اِلَّا مَا شَآءَ سے استثناء کیا گیا ہے پس یہاں بھی بعینہ وہی اشکال ہے جو خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ (اور اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں مگر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب چاہے) پر ہے جب وہاں ما بمعنی من صحیح ہوسکتا ہے تو یہاں صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں پس میرا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے مؤید ہے اور مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ اپنے قول کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہو گیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمدللہ وہیں ذہن گیا جہاں مقبولان الٰہی کا ذہن گیا تھا۔

ادراکِ مذاق:

اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے جو نعمت صحت مذاق وسلامت فہم کی علامت ہے اور یہیں سے ایک سوال کا جواب حاصل ہو گیا اس سوال کا محل یہ ہے کہ صوفیہ نے لکھا ہے یحرم النظر فی کتبنا کہ ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے ای لغیر الاھل اور واقعی نااہل کے لئے حرام ہونا ہی چاہئے کیونکہ مذاق مختلف ہیں ناقص کو کامل کے مذاق کا ادراک نہیں ہوسکتا اور قاعدہ یہ ہے کہ ذوقی امور ذوق ہی سے مدرک ہوتے ہیں محض الفاظ سے مدرک نہیں ہوسکتے جیسے تم کسی کا بلی سے آم کی تعریف کرو کہ نہایت خوشگوار وشیریں ہوتا ہے تو وہ اس کو انگور سے تشبیہ دے گا آپ کہیں گے نہیں وہ کہے گا شاید سیب جیسا شیریں ہوگا آپ کہیں گے نہیں وہ پھر اور کسی چیز سے تشبیہ دے گا آپ اس کی بھی نفی کریں گے اور ممکن ہی ہے کہ اسے آپ کی اس بار بار کی نہیں نہیں پر غصہ بھی آ جائے، جیسے ایک ترکی کو ایسے ہی نفی پر مغنی پر غصہ آ گیا تھا جس کی مولانا نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک مغنی نے یہ غزل گائی۔

گلی یا سوسنی یا سرویا ماہی نمیدانم ۔۔۔ ازیں آشفتۂ بیدل چہ میخواہی نمیدانم

(میں نہیں جانتا کہ تو پھول ہے، یا سوسن ہے یا سرو ہے یا مچھلی اس بے دل و پریشان سے کیا پوچھتے ہو میں کچھ نہیں جانتا)

www.besturdubooks.net

(ایک شخص نے پوچھا کہ عاشقی کسے کہتے ہیں میں نے کہا کہ جب تو ہماری طرح ہوگا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ عاشقی کیا ہے)

اس غزل میں اسی طرح چند اشعار میں نمیدانم نمیدانم بار بار آیا ہے وہ ترکی ایک دو شعر تک تو خاموش رہا جب دیر تک نمیدانم نمیدانم سنتے سنتے تھک گیا تو اس نے مغنی کے ایک دھول رسید کی کہ جس کو تو نہیں جانتا اُسے چھوڑ اور جو جانتا ہے وہ کہہ واقعی بعضے بدمذاق ایسے بھی ہیں کہ ان کو اس نمیدانم سے حظ نہیں آتا حالانکہ نہایت نازک مضمون ہے غرض لفظوں سے آپ کالی کو آم کا مزہ ہرگز ہرگز نہیں بتلا سکتے بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک آم لا کر اس کو کھلا دو بس اب وہ سب الفاظ کی شرح خود کرے گا اور سمجھ جائے گا کہ آم کی شیرنی اور لطافت اور خوشگواری کس قسم کی ہے اسی طرح ذوق امور کا ادراک ذوق ہی سے ہوتا ہے محض مطالعہ سے نہیں ۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ماشوی بدانی

اور ۔

در دنیا بدحال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

تو نااہل کو چونکہ یہ ذوق حاصل نہیں اس لئے اُس کو کتب صوفیہ کا مطالعہ حرام ہے اور اہل کو جائز ہے اور اسی واسطے وہ لکھی بھی گئی ہیں کہ جو لوگ اہل ہیں وہ ان کا مطالعہ کریں تو یہ محل سوال تھا اب اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ جو خود صاحب ذوق اور صاحب حال ہوگا اُس کو مطالعہ کتب کی کیا ضرورت ہوگی جواب یہ ہے کہ اس کو یہ یہ ضرورت ہے کہ اپنے اذواق اور احوال کو سلف کے احوال واذواق سے منطبق کر کے دیکھ لے کہ ان کے مشابہ ہیں یا مخالف، احوال وغیرہ وہی محمود ہیں جو احوال اکابر کے مشابہ ہوں ورنہ خطرہ رہتا ہے کہ یہ حالت کہیں نفسانی یا شیطانی نہ ہو اسی طرح اپنا کوئی علم سلف کے علم سے متوافق ہو جاوے تو یہ علامت ہے اس کی صحت کی یہاں تک گفتگو تھی متعلق خلود کے۔

الصالحاتِ باقیات:

اب میں اس کے مقسم کی تقسیم کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی ایک قسم تو استمرار کی یہ خلود ہے جو جملہ اعمال میں مشترک ہے کیونکہ جنت واہل جنت کے لئے خلود منصوص ہے درمیان میں جنت واہل جنت کے خلود پر جو اشکال ایک آیت سے وارد ہوتا تھا اس کے رفع کرنے میں گفتگو طویل ہوگئی دوسری قسم استمرار کی وہ ہے جو بعض اعمال میں ہے اور بعض میں نہیں ہے مثلاً باقیات صالحات

www.besturdubooks.net

کے متعلق احادیث میں خاص طور پر یہ امر مذکور ہے کہ ان کا اجر بعد موت کے منقطع نہیں ہوتا باقی اعمال کا اجر موت سے منقطع ہو جاتا ہے ان دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ استمرار اول تو محض زبان کے اعتبار سے ہے کہ اجر فنا نہ ہوگا باقی تضاعف اجزاء اجر وہاں نہیں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ وحج کا اجر بڑھتا رہے اور باقیات صالحات کے اجر میں خلود کے ساتھ تضاعف بھی ہے کہ جب تک صدقہ جاریہ سے انتفاع ہوتا رہے گا صاحب عمل کا اجر بڑھتا رہے گا مگر یہ بھی باوجود تضاعف کے محدود ہے یعنی بقاء انتفاع تک تضاعفِ اجر ہوگا باقی بعد قیامت کے یا بعد انہدام عمارت موقوفہ کے تضاعف اجر منصوص نہیں کیونکہ علت تو انتفاع بہ ہے اور بعد انہدام کے انتفاع کا انعدام ہو جائے گا اب استمرار اجر کی یہ دو قسمیں معلوم کرنے کے بعد طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی عمل ایسا بھی ہے جس کا اجر زماناً بھی مستمر ہو اور تضاعفاً بھی مستمر ہو یعنی نہ زمانا کبھی اس کو انقطاع ہو اور نہ اس کا تضاعف کبھی منقطع ہو دخول جنت کے بعد بھی اجر بڑھتا رہے یہ تیسری قسم ہے استمرار کی، اس سوال کا جواب گو منصوص تو نہیں ہے مگر ایک حدیث سے جس کو میں نے تلاوت کیا ہے اس طرح مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی جری اس کو کالمنصوص کہہ سکتا ہے مگر میں احتیاط کرتا ہوں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر حسنہ کا ثواب بڑھتا ہے دس سے سات سو تک، دس تو ادنیٰ درجہ ہے یہ تو سب کو ملے گا حسنہ کا ثواب اس سے کم تو ہوتا ہی نہیں چاہے خلوص کم ہو یا زیادہ باقی سات سو ملنا سب کو ضروری نہیں خاص لوگوں کو یہ اجر ملے گا مگر سات سو تک حد اکثری ہے کلی نہیں بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ اجر بڑھتا ہے یہ بات میرے ذہن میں نصوص سے خود بھی آئی تھی کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ اس میں تو سات سو کا عدد مذکور ہے اس کے بعد فرماتے ہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کیے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ سے سات بالیں اگیں اور ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس میں اضافہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ بعض کے لئے سات سو سے بھی زیادہ اجر ہوتا ہے تو میں اس سے خود ہی سمجھا تھا کہ سات سو پر انحصار وانتہا نہیں مگر جب علماء سے بھی اس کی تصریح ملی تو بڑی مسرت ہوئی پھر ایک حدیث سے اس کی اور تائید ہوگئی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب بندہ ایک

www.besturdubooks.net

چھوارہ اللہ کے واسطے دیتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنے یمین (داہنے ہاتھ) میں لیتے ہیں و کلتا یدیه یمین پھر اس کو پرورش کرتے اور بڑھاتے ہیں جیسے تم اپنے بچھیرے کو مل دل کر بڑھاتے ہو شاید کوئی یہ کہے کہ بچھیرا تو حیوان ہے اس لئے ملنے دلنے سے بڑھ جاتا ہے میں کہتا ہوں تو کیا آپ اس چھوارے کو بے جان سمجھتے ہیں ارے کیا اللہ کے ہاتھ میں جا کر بھی وہ بے جان ہی رہے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے تو مردہ زندہ ہو جائے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُم سے زمین میں حیات کا مادہ پیدا ہو جائے کہ جہاں قدم پڑھتا وہیں گھاس اُگ آتا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک چھوارہ جاندار نہ ہو مردہ ہی ہے آپ کیسے افسردہ بلکہ کیسے مُردہ طبیعت ہیں خیر یہ تو عاشقانہ نکتے ہیں اور اصل جواب یہ ہے کہ اہل کشف کا اجماع ہے کہ ہر چیز ذی حس وذی شعور ہے اور یہ قول نصوص سے بھی موید ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (اے آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا) کیا یہ خطاب آپ کے نزدیک غیر ذی شعور کو ہو رہا ہے ہرگز نہیں خطاب اُسی کو ہوتا ہے جو مخاطب بننے کے قابل تو ہو ورنہ خطاب لغو ہوگا، اصل بھی ہے اور اصل سے عدول کسی دلیل سے ہوتا ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں، نیز فرماتے ہیں كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ. (اور ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے) ظاہر ہے کہ علم بدون شعور کے نہیں ہو سکتا اور یہاں جمادات کے لئے علم کو ثابت کیا گیا ہے نیز فرماتے ہیں وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اور پتھروں میں سے بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں) تو خوف بدون حیات وشعور کے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اسی لئے مولانا دل کھول کر فرماتے ہیں ۔

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

کہ یہ جمادات ہمارے ہی سامنے مردہ ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ سب زندہ ہیں یعنی اپنے خالق کو سب پہچانتے ہیں اور اُس کے احکام کو سب بجالاتے ہیں۔

حیات اور احساس:

اس پر بعض احمقوں نے یہ اشکال کیا ہے پھر درخت وغیرہ کاٹتے اور جلاتے ہوئے چلاتے کیوں نہیں اگر ان میں حیات وحس ہے تو تکلیف کا احساس بھی ہونا چاہئے گو اس کے جواب میں الزاماً ہم کہہ سکتے ہیں کہ درخت کاٹتے ہوئے جو سرسر اور چرچر ہوتا ہے یہی اُن کا چلانا ہے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ حیات کے ساتھ احساس الم ضروری نہیں دیکھو مریض کو کلورو

www.besturdubooks.net

فام سنگھا کر ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں اور مریض کو کچھ بھی احساس الم نہیں ہوتا تو کیا کلوروفام سے انسان میں حیات نہیں رہتی یقیناً رہتی ہے پھر وہ چلاتا کیوں نہیں ہے اور بعد آپریشن کے کیوں چلاتا ہے کیا اب اُس میں جان آ گئی ہے ہرگز نہیں تو پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ جمادات میں بھی حیات ہو مگر کاٹنے چیرنے میں احساس الم نہ ہوتا ہو بس ان میں اتنی حیات ہے کہ وہ اپنے خالق کو جانتے پہچانتے ہیں یہ جواب تو تحقیقی ہے اور وہ نکتے تھے جو پہلے بیان کئے گئے تھے اور نکات سے جواب دینا میرے مزاج کے خلاف ہے گو بعض دفعہ مخاطب ان سے بھی چپ ہو جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ ریل میں ایک ہندو نے مجھ سے کہا کہ صاحب مسلمانوں میں اور تو سب باتیں اچھی ہیں مگر جانوروں پر ظلم بہت کرتے ہیں میں نے کہا کیا ظلم کرتے ہیں کہنے لگا یہی کہ ان کا گوشت کھاتے ہیں میں نے کہا پھر یوں تو تم بھی ظلم کرتے ہو کہ روٹی کھاتے اور درختوں کو کاٹتے ہو کہنے لگا اجی ان میں جان کہاں ہے میں نے کہا اگر ان میں جان نہ ہوتی تو ان کے کھانے سے تمہارے اندر جان کیونکر بڑھتی اور قوت حیات کیونکر پیدا ہوتی ہے بے جان چیز کے کھانے سے جان نہیں بڑھ سکتی۔ بس وہ چپ ہو گیا۔

وجود صانع حقیقی:

اسی طرح ہمارے ماموں منشی شوکت علی صاحب کا ایک لطیفہ ہے آپ نے ایک ہندو سے پوچھا کہ لالہ جی یہ تو بتلاؤ گائے ہندو یا مسلمان اگر ہندو ہے تو مسلمانوں کے گھر کا چارہ کیوں کھاتی ہے اور اگر مسلمان ہے تو جب تمہارا دیوتا ہی مسلمان ہے تو تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے، ہندو بالکل لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا منشی جی تم تو ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا مگر ایک ملحد کو تحقیقی جواب بڑا زبردست انہوں نے دیا تھا، ماموں صاحب ایک سرکاری اسکول کے مدرس تھے ایک سال ممتحن ایک ملحد شخص آیا جو ہستی صانع کا منکر تھا، اس نے آ کر لڑکوں کا امتحان لیا اور منجملہ اور سوالوں کے ایک سوال یہ بھی کیا کہ ہستی صانع کی کیا دلیل ہے لڑکے بے چارے اس سوال کا جواب کیا دیتے، ماموں صاحب نے کہا یہ مسائل لڑکوں کو پڑھائے نہیں گئے اور نہ یہ مضامین اُن کی سمجھ میں آ سکتے ہیں، یہ سوال آپکو مجھ سے کرنا چاہئے میں اس کا جواب دوں گا اس نے جھلا کر کہا اچھا آپ ہی بتلائیے، ماموں صاحب نے کہا اچھا آپ بتلائیے .... کہ اگر خدا نہیں ہے تو آپ کو کس نے پیدا کیا، کہنے لگا کہ ماں باپ نے پیدا کیا ہے فرمایا اور ان کو کس نے پیدا کیا کہا ان کے ماں باپ نے اور فرمایا ان کو کس نے پیدا کیا ان کے ماں باپ نے فرمایا کہیں یہ سلسلہ ختم بھی ہو گا یا

www.besturdubooks.net

نہیں اگر ختم نہیں ہوگا تو تسلسل مستحیل لازم آئے گا اور اگر ختم ہوگا تو سب سے جو پہلے ماں باپ تھے ان کو کس نے پیدا کیا بس جس نے ان کو وجود دیا تھا اسی کو ہم خدا کہتے ہیں یہ دلیل ہے وجود صانع کی، یہ دلیل سن کر وہ ملحد کہنے لگا کہ یہ منطقی دلیلیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ہم تو موٹی بات یہ جانتے ہیں کہ ہماری ایک آنکھ بگڑ گئی ہے (یہ ملحد کسی مرض کی وجہ سے یک چشم ہوگیا تھا ۱۲) اگر خدا کوئی چیز ہے تو اس سے کہو کہ ہماری آنکھ درست کر دے بس پھر ہم وجود صانع کے قائل ہوں گے، ماموں صاحب نے کہا بہت اچھا میں عرض کرتا ہوں یہ کہہ کر آنکھیں بند کر کے آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کچھ ہونٹ ہلائے پھر اُس طرف کان لگائے گویا کچھ آواز سُن رہے ہیں (غرض عملاً اس ملحد کو اچھی طرح لیا) پھر آنکھ کھول کر فرمایا کہ صاحب میں نے عرض کیا تھا حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ہے کہ ہم نے تو اس کی دونوں آنکھیں صحیح وسالم بنائی تھیں اُس نے ناشکری کی اور ہماری ہستی کا انکار کرنے لگا اور ماں باپ کو اپنا خالق کہنے لگا اس کی سزا میں ہم نے ایک آنکھ پھوڑ دی اس سے کہو کہ انہی ماں باپ سے اس آنکھ کو بنوالے جنہوں نے تجھے سارے کو بنایا ہے، واقعی بڑا لا جواب جواب دیا جس کو سُن کر وہ ملحد چپ ہی تو ہو گیا۔ سبحان اللہ! کیسی آسان دلیل سے اُس کے دعوے کو توڑا ہے اس کے بعد وہ ملحد اور تو کچھ نہیں کر سکا بس وہ ممتحن تھا معائنہ لکھنا اُس کے قبضے میں تھا کمبخت نے معائنہ بہت خراب لکھا بڑے ماموں صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی اس کمبخت نے آپ کی شان میں بھی گستاخی کی اور میرے بھائی کو بھی تکلیف دی اب صبر نہیں ہوتا بہت جلد اس نالائق سے انتقام لیجئے، چنانچہ دوسرے تیسرے دن ہی اچانک اس کے گردہ میں درد شروع ہوا اور مر گیا تو میں نکتوں پر اکتفا کرنا پسند نہیں کرتا، گو مخاطب اس سے خاموش ہی ہو جائے اس لئے میں نے الزامی جواب کے ساتھ تحقیقی بھی بیان کر دیا اب چھوارہ کے بڑھنے پر اشکال نہ رہا ہوگا، تو حدیث میں ہے کہ وہ چھوارہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑھتا رہتا ہے حتی یکون اعظم من احد یہاں تک کہ جبل احد سے بھی بڑا ہو جاتا ہے یہ تو حدیث کا مضمون ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سات سو تک تحدید نہیں کیونکہ احد میں تو تمرہ کی جسامت کے برابر لاکھوں کروڑوں حصے ہوں گے اور اگر مماثلت فی الوزن ہو تو اور بھی بہت زیادہ حصے ہوں گے غرض سبعمائۃ تحدید کے لئے نہیں حاصل یہ ہوا کہ سب حسنات کا تضاعف سات سو یا اس سے زیادہ تک ہوتا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں قال اللہ تعالٰی الا الصوم (اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزہ کے) حضور نے یہاں تو قال اللہ فرمایا شروع میں قال اللہ نہیں فرمایا۔

www.besturdubooks.net

محبت کے تقاضے:

علماء نے اس میں بھی نکتہ لکھا ہے سبحان اللہ ان باتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو شریعت اور صاحب شریعت سے نہایت ہی محبت ہے گو ان کو کوئی عاشق نہ کہے اور وہ خود بھی اس کا دعوے نہ کریں مگر ان کے عاشق ہونے میں شک کیا ہے جبھی تو وہ شارع کی ہر ہر اَدا کو دیکھتے ہیں اور کسی لفظ سے بھی آنکھیں بند کر کے نہیں چلتے کیونکہ عاشق ہی محبوب کی ہر ہر اَدا کو غور سے دیکھا کرتا ہے وہ سَر سے پیر تک ہر ہر عضو کو الگ الگ تکتا ہے حتیٰ کہ محبوب کا ٹوٹا ناخن بھی اس کی نظر میں عزیز ہوتا ہے گو وہ محبوب متفق علیہ حسین بھی نہ ہو دوسروں کو دکھانے کے قابل بھی نہ ہو کیونکہ اس محبت کمبخت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے کبھی کسی کا ایسے شخص پر دل آجاتا ہے جو دوسروں کی نظروں میں حسین نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت لیلی را خلیفہ کان توئی	کز تو مجنون شد پریشان و غوی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی	گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا	ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

(لیلیٰ سے خلیفہ نے پوچھا وہ تو ہی ہے جس سے مجنوں پریشان اور عقل گم کردہ ہو گیا، دوسری حسینوں سے تو کسی بات میں زیادہ تو ہے نہیں اس (لیلیٰ) نے جواب دیا کہ جب تو مجنوں نہیں ہے تو خاموش رہ، اگر تجھ کو مجنوں کی آنکھ میسر ہوتی تو اس وقت دونوں عالم تیرے نزدیک بے قدر معلوم ہوتے۔)

محبت محبوب کے عیوب کو بھی محاسن کر دیتی ہے مگر اتنا فرق ضرور رہتا ہے کہ جس کا محبوب فقط اسی کی نظر میں حسین ہو اس کو کسی سے یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ تم ایک بار اُسے دیکھ لو پھر مجھے ملامت کرنا بلکہ دکھلاتے ہوئے ڈرے گا کہ شاید اس کو پسند نہ آویں گو میرے نزدیک محبوب ہے جیسا ہنستا ہوا بچہ تو سب کو پیارا معلوم ہوتا ہے مگر بعض طبائع ایسی بھی ہیں جن کو روتا ہوا اچھا لگتا ہے حالانکہ رونے میں صورت بگڑ جاتی ہے ایسے ہی بعض لوگوں کو بگڑی ہوئی صورت ہی محبوب ہوتی ہے تو جب محبت عیوب کو بھی چھپا دیتی بلکہ محاسن کر دیتی ہے تو جو محاسن متفق علیہ محاسن ہوں وہ تو کیوں محبوب نہ ہوں گے اور ایسے محبوب کی نسبت تو دل کھول کر یہ بھی کہہ دے گا کہ بسم اللہ جس کو ہمت ہو وہ پہلے میرے محبوب کو دیکھ لے پھر مجھے جو کچھ چاہے کہے، زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال دکھانے کی زنانِ مصر کو اس لئے ہمت ہوئی کہ وہ جانتی تھیں کہ دیکھ کر سب کی

www.besturdubooks.net

سب مجھ سے زیادہ فریفتہ ہو جائیں گی اسی لئے ملامت اور طعن سُن کر انہوں نے قولاً کچھ جواب نہیں دیا بلکہ عملاً جواب دیا کہ سب کی دعوت کردی اور کھانے سے پہلے ترنج وغیرہ پھل پھلواری سامنے رکھ دی کہ پہلے اس سے شغل کرو اور ہر ایک کے ہاتھ میں چاقو بھی دیدیاؤ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ پھر کہا اے یوسف ذرا سامنے آجاؤ، حضرت یوسف علیہ السلام یہ سمجھے کہ شاید مجھے مہمانوں کی خدمت کے لئے باہر بلاتی ہے اور وہ سیدہ ہے میں مملوک ہوں مجھے اس کی اطاعت و خدمت ضروری ہے اس لئے وہ سادہ دلی سے باہر آئے انہیں نامحرموں کو اپنا جلوہ دکھانا منظور نہ تھا یہ میں نے اس لئے کہا تاکہ طلبہ کو حدیث لعن اللّٰه الناظر والمنظور اليه (لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھا جائے) سے شبہ نہ ہو۔

اور اس کی مناسبت سے میں ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اصول میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ شرائع من قبلنا حجة اذا قصها اللّٰه تعالٰى عليها بلا نكير اور عام طور پر علماء وطلبہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ انکار ساتھ ساتھ ہونا چاہئے ورنہ وہ قصہ حجت ہوگا مگر میرے نزدیک اس میں تعمیم ہے وہ یہ کہ خواہ نکیر اسی جگہ ہو یا دوسری جگہ ہو پس اب واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے عدم حجاب بین السید والغلام پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ گو اس جگہ اس پر نکیر نہیں مگر دوسرے مقام پر اس سے ممانعت موجود ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے فرمادیں کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں) الی آخر الایات تو حضرت یوسف علیہ السلام کے فعل کو منسوخ یا مؤول کہیں گے اور میری اس تعمیم کے بعد اب حیرت ہوگی کہ ابن تیمیہ نے واقعہ یوسفیہ تحکیم قد قمیص سے جو کہ محض قرینہ ظنیہ ہے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ قرائن ظنیہ سے عقوبت جاری کرنا جائز ہے۔ راندیر میں مولوی غلام محمد صاحب ایک عالم تھے وہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کے بہت معتقد تھے، معتقد تو ہم بھی ہیں مگر بڑے معتقد نہیں ہیں انہوں نے مجھ کو ابن تیمیہ کی ایک کتاب دکھائی جس میں انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا تھا کیونکہ شاہد زلیخا نے برأت یوسفی کا طریقہ قرینہ سے بتلایا تھا وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (ان کا کرتہ (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور یہ جھوٹے اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے) اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ پر کسی کو مجرم قرار دینا جائز ہے اور یہاں اللہ تبارک

www.besturdubooks.net

وتعالیٰ نے اس امر پر کوئی انکار نہیں فرمایا اس کا جواب میری تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ گو اس جگہ انکار نہیں مگر[1] دوسری جگہ انکار موجود ہے۔

چنانچہ ارشاد وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کرو) اور ارشاد ہے فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (پس اگر چار گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں) اس میں صدق و کذب مدعی کا مدار محض شہادت شرعیہ پر رکھا گیا ہے لہذا نص میں نکیر موجود ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا اسی لئے ہمارے علماء سب اس پر متفق ہیں کہ قرائن سے عقوبت کرنا صحیح نہیں ہاں متاخرین نے تعزیر متہم کو جائز کہا ہے مگر یہ مسئلہ ظالموں کو بتلانے کا نہیں ہے (پھر اس میں بھی اول حبس کا حکم ہے جرمانہ اور ضرب نہیں ہے، اس کے بعد جب ثبوت ہو جائے تو سزا دینے کا حکم ہے كذا احفظ و الله اعلم۱۲ ظ) اور تحکیم قد قمیص کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر مدعی علیہ کسی ایسے ظنی فیصلہ پر راضی ہو جاوے تو اس نے اپنا حق خود چھوڑ دیا یہ گفتگو حضرت یوسف علیہ السلام کے خروج پر چل پڑی تھی وہ زلیخا کے بلانے سے باہر کیوں آ گئے سو اس کی وجہ معقول میں نے بتلا دی جب وہ باہر تشریف لائے تو زنانِ مصر صورت دیکھتے ہی ایسی خواس باختہ ہوئیں کہ بجائے پھل وغیرہ کے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ زلیخا نے کہا فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ (وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا کہتی تھیں) بس دیکھ لو یہی ہیں وہ جن کے عشق پر تم نے مجھے ملامت کی تھی اب تمہیں کیا ہو گیا کہ ہاتھ کاٹنے کا بھی احساس نہ ہوا میں تو ایسی بدحواس کبھی نہ ہوئی تھی غرض جس کا حسین محاسن متفق علیہا کا جامع ہو وہ اپنے محبوب کو حضرت زلیخا کی طرح سب کے سامنے پیش کرنے کی ہمت کرے گا اور کہے گا جس کا ترجمہ کسی فارسی شاعر نے خوب ہی کہا ہے ۔

این ست کہ خوں خوردہ ودل بردہ بسے را ۔۔۔ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(یہی ہے جس نے خونِ جگر پیا اور بہت سے لوگوں کا دل لے گیا ایسے محبوب کو دیکھنے کی تاب کسی میں ہے تو بسم اللہ)

---

[1] علاوہ ازیں یہ کہ یہاں جو قرینہ شاہد زلیخا نے بتلایا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس واقعہ خاص میں جس کے اندر یہ قرینہ اور علامت موجود ہو وہ یقیناً کاذب یا صادق اس لئے ہے کہ میرا ایمان منجانب اللہ بطور اعجاز کے ہے نہ یہ کہ یہ قرینہ ہر جگہ مفید علم ہو سکتا ہے ۱۲ ظ)

www.besturdubooks.net

اسی طرح حضرات علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ لفظ کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ہر ہر لفظ کا انہوں نے نکتہ بتلایا ہے کسی لفظ سے آنکھیں بند کر کے نہیں چلتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُن کا محبوب نہایت حسین ہے اس کے لفظ میں حشو و زوائد کا کام نہیں اس کی تو یہ حالت ہے ۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　　کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

(از سرتا پا جدھر بھی نگاہ ڈالتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ ہے)

وحدت الوجود کا مطلب:

تو علماء نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہاں وسط کلام میں قال اللّٰہ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایک قاعدہ بیان فرما رہے تھے کہ ہر عمل کا ثواب دس سے سات سو تک ہے جب آپ یہاں پہنچے تو معاً وحی نازل ہوئی کہ اس میں استثناء کیجئے یہ حکم عام نہیں ہے اس لئے آپ نے الا الصوم (سوائے روزہ کے) کے ساتھ قال اللّٰہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ استثناء حدیث قدسی ہے اور باقی جز و حدیث نبوی ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قال اللّٰہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کی تصریح اس لئے فرمائی کہ اس کے آگے جو لفظ فانہ لی (پس وہ میرے لئے ہے) وہ بدوں تصریح قال اللہ کے بن نہ سکتا تھا اگر یہاں آپ قال اللہ نہ فرماتے تو مخاطب کی توحید خدشہ میں پڑ جاتی اور بعض لوگ یہ سمجھتے کہ روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کیونکہ متکلم تو ظاہر میں آپ ہی تھے اور وحدت الوجود والے تو ناچ اُٹھتے ان کی تو عید آ جاتی کیونکہ یہ تو ہر جگہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں ایسی جگہ سے بھی کام نکال لیتے ہیں جہاں سے نکلنے کی اُمید بھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں اے وہ لوگو جنہوں نے (اپنے آپ سے) زیادتی کی ہے) سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ دیکھئے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو یا عبادی کہہ کر خطاب فرمایئے اس سے وحدت الوجود ثابت ہو گیا کہ بس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ واحد ہیں اسی لئے اللہ کے بندے آپ کے بھی بندے ہو گئے اس کا ایک جواب تو ظاہر ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے قل یا محمد عنی یا عبادی الذین اسرفوا الخ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں

www.besturdubooks.net

مقدر بھی نہ ہو اور خطاب یا عبادی حضور ہی کی طرف سے مانا جائے تو عباد کے معنی جس طرح عابدین کے ہیں اسی طرح خدام کے بھی تو ہیں دیکھو فقہارات دن کتابوں میں لکھتے لکھاتے ہیں من اشتری عبدا او باع عبدہ تو کیا یہاں بھی عبد کے معنی عابد کے ہیں ہرگز نہیں اور گو حدیث میں عبدی او امتی کہنے کی ممانعت ہے مگر اُس کا مطلب یہ ہے کہ موقع ابہام میں نہ کہنا چاہیئے اور چونکہ بیع وشراء کے موقع میں ابہام عابدیت نہیں ہوتا اس لئے وہاں عبد کا اطلاق صحیح ہے غرض یا عبادی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہو تو اس کے معنی یا خدامی کے ہوں گے کیونکہ آخر آپ کی اُمت آپ کی خادم اور تابعدار تو ہے ہی یا عابدی کے معنی نہ ہوں گے و اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال اور ایک دلیل ذلیل ہم نے ایسی سُنی ہے کہ ویسی دلیل کبھی نہیں سُنی گئی وہ یہ کہ ایک صاحب نے قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے وحدۃ الوجود پر استدلال کیا ہے مگر ایک واقعہ حدیثیہ ملا کر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (حرمت خمر سے پہلے) ایک دفعہ شراب پی کر نماز میں یہ سورت پڑھی تو نشہ میں بجائے لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو) کے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ پڑھ گئے غرض ہر جگہ سے لا حذف کر گئے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (اے ایمان والو نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو) تو ایک صوفی صاحب نے کہا کہ حضرت علی نے نشہ میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ قصداً کیا تھا، مسئلہ وحدۃ الوجود ظاہر کرنے کیلئے لا کو حذف کر دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا معبود واحد ہی ہے کیونکہ دونوں کا وجود واحد ہی ہے اور تھوڑی سی شراب اس لئے پی لی تھی تاکہ شریعت میں گڑ بڑ نہ ہو مولوی لوگ اعتراض نہ کریں وہ یہی سمجھیں کہ نشہ میں غلطی ہو گئی تو ان کو بھی سمجھنے دیا جائے

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(مدعی کے سامنے اسرار عشق و مستی مت بیان کرو اسے اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ وہ رنج خود پرستی میں مرجائے)

نعوذ باللہ من ہذا الخرافات، دراصل وحدۃ الوجود کا مطلب لوگوں نے سمجھا ہی نہیں بعض ناواقفوں نے اس کو وحدۃ کے معنی منطقی پر محمول کیا ہے حالانکہ اس میں صوفیہ نے محاورہ کا اتباع کیا ہے محاورہ میں یکتا اور بینظیر اس کو کہتے ہیں جس کا ہمسر کوئی نہ ہو کہتے ہیں فلاں واحد

www.besturdubooks.net

فی الحسن و احدٌ فی العلم وغیرہ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے اور دوسرے وجودات اس کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جا سکے گا گو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون نصوص کے ذرا خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے سب فانی ہیں) اس کی ایک تفسیر تو مشہور ہے یعنی ھالک فی الاستقبال اور ایک تفسیر اس کی وہی ہے جو صوفیہ نے کی ہے یعنی ھالک فی الحال اور یہ تفسیر صاحب شرح عقائد نے بھی لکھی ہے شرح عقائد میں جس کا جی چاہے دیکھ لے مجھے چونکہ صوفیہ محققین سے محبت ہے اس لئے میں انکی تائید کی تلاش میں رہتا ہوں اور متجسس ہر جگہ سے اپنا مطلب نکال لیتا ہوں اس لئے میں نے اہل ظاہر ہی کی کتابوں سے تائید نکال لی اب علماء ظاہر جو صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ شارح عقائد پر بھی فتویٰ لگائیں مگر اس کو سب پڑھتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتا اور صوفیہ پر اعتراض کیا جاتا ہے جہلاء صوفیہ کی تو ہم بھی حمایت نہیں کرتے مگر محققین جس معنی میں وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس پر کیا حق اعتراض کا ہے پس خوب سمجھ لو کہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شئے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو اغیار کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تحصیلدار چپڑاسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وائسرائے کے سامنے بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر قرأت اُس نے بھی پڑھی ہو مگر ماہر فن کے سامنے اس کو کوئی قاری کہے تو شرم سے گڑ جائے گا ہاں کوئی بے حیا ہو تو اور بات ہے۔ جیسے لکھنؤ میں ایک بچے نے ایک عرب کے لب ولہجہ کی نقل اتاری تھی بعضے بچے نقال بہت ہوتے ہیں تو عوام یہ سمجھے کہ یہ بھی عرب صاحب کے برابر پڑھنے لگا ہے کیونکہ عوام کو فن کی کیا خبر وہ تو لب ولہجہ ہی کی قرأت سمجھتے ہیں تو بعض جاہل اس لڑکے کو عرب صاحب کے پاس لے گئے اور یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ قرأت میں آپ کے برابر ہو گیا ہے مگر اوبایوں کہا کہ حضرت اس لڑکے نے جناب کی کچھ تقلید کی ہے تبرکاً اس کا کچھ قرآن سُن لیا جائے انہوں نے سُن لیا

www.besturdubooks.net

اور سُن کر خاموش ہو رہے نہ کچھ مدح کی نہ مذمت کی لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس نے کیسا پڑھا فرمایا ایسا پڑھا جیسے ہم نے ایک آمد نامہ تصنیف کیا تھا جس کے چند جملے یہ ہیں الخیار ککڑی العنکبوت مکڑی الحطب لکڑی تو جیسی یہ ہماری اردو ہے ایسی ہی اس بچے کی قرأت قرآن ہے غرض محاورات میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشئی اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں ہی کہا جاتا ہے کہ بس قاری تو فلانا ہے سخی تو وہ ہے حسین تو یہ ہے اور ناقص سے بالکلیہ اس کی نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ بھی کچھ نہیں یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کسی درجہ میں قابلِ ذکر نہیں شیخ سعدی نے اس مطلب کو خوب ہی ادا فرمایا ہے

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید ۔۔۔ خجل شد چو دریائے پہنا بدید

کہ جائیکہ دریاست من کیستم ۔۔۔ گر او ہست حقا کہ من نیستم

(چیت کے مہینے میں بادل سے پانی کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا جب اس نے گہرے دریا کو دیکھا تو شرمندہ ہوا کہ جس جگہ دریا موجود ہے میں کون ہوں اگر وہ یقیناً میں ہے تو کچھ بھی نہیں ہوں)

پھر فرماتے ہیں ۔

ہمہ ہر چہ ہستند ازاں کمترند ۔۔۔ کہ با ہستیش نام ہستی برند

(جو بھی ہیں اس کے سامنے کمتر ہیں اس کی ہستی کی موجودگی میں ان کی کوئی ہستی نہیں)

محبت حق کا غلبہ:

باقی یہ مطلب نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا فی نفسہ کسی درجہ میں بھی کوئی موجود نہیں کیونکہ حق تعالیٰ خالق ہیں اور خلق کے معنی اعطاء وجود ہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ موجود کریں اور تم موجود نہ ہو یہ تو محالات سے ہے اس کی تو وہی مثال ہوگی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عورت کہتی ہے کہ تو کتنی ہی طلاق دے میں تو لیتی نہیں سو جیسے اس عورت کو سب لوگ بے وقوف کہتے ہیں کیونکہ طلاق دینے کے بعد کسی کے لینے کی ضرورت نہیں وہ تو خود بخود واقع ہو جاتی ہے اسی طرح وہ لوگ بھی بے وقوف ہیں جو حق تعالیٰ کو خالق مان کر پھر مخلوق کو موجود نہیں مانتے مخلوق کا وجود ضرور ہے مگر وجود ضعیف اور اعتباری اور برائے نام ہے پس خوب سمجھ لو کہ محققین ممکنات سے مطلقاً نفی وجود نہیں کرتے بلکہ وجود حقیقی کامل کے سامنے ان کے وجود کو کالعدم اور لاشئی سمجھتے ہیں

www.besturdubooks.net

اسی لئے اُن کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے کیونکہ اول تو اتحاد طرفین کے وجود کو مستلزم ہے اور غیر حق کا وجود ہے کہاں جو وہ وجودِ حق سے متحد ہو، دوسرے اتحاد بین الاثنین محال عقلی ہے اور محال عقلی کا اعتقاد جناب باری میں کفر ہے اور اگر کسی کے کلام میں اتحاد وارد ہے تو معقول کی اصطلاح پر نہیں اس کا استحالہ تو ابھی مذکور ہوا بلکہ عوام کے محاورہ پر تو ان حضرات نے اصطلاح عوام واصطلاح فلسفہ کو خلط کر دیا ہے کہیں وہ لیلی کہیں وہ اب کوئی ان کی باتوں کو کیا سمجھے خاک پتھر، کیونکہ عوام کے محاورہ میں اتحاد وجود کے لئے طرفین کی عینیت لازم نہیں بلکہ دو منفصل چیزوں کو بھی متحد کہہ دیتے ہیں مثلاً کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم اور تم تو متحد ہیں اس میں عینیت طرفین اور جس اتحاد وجود کو محققین نے کفر کہا ہے اس میں عینیت طرفین ملحوظ ہے اور یہ خاص اہل فلسفہ کی اصطلاح ہے اسی لئے صوفیہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے صحبت محقق کی ضرورت ہے۔ بہر حال جب ان کے نزدیک اتحاد وجودین کفر ہے تو اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز میں خدا ہی کتنا فرق ہے وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے اور یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں نعوذ باللہ منہ اور یہ جو بعض صوفیہ سے ہمہ اوست صادر ہوا ہے یہ غلبہ حال ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالک پر محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے ادراک سے بجز ذاتِ حق کے ہر شئے نکل جاتی ہے جیسا کہ عاشقانِ مجاز کو بھی یہ حال پیش آتا ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے اس کی عجیب مثال لکھی ہے۔

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ ... بتابد یکے کر مکے چوں چراغ

کیے گفتش اے کرمکِ شب فروز ... چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

(باغ میں گھومتے ہوئے دیکھا کہ ایک جگنو چراغ کی مانند چمک رہا تھا، ایک شخص نے کہا کہ اے رات میں چمکنے والے جگنو تو دن میں سامنے کیوں نہیں آتا)

کسی نے جگنو سے جس کو ہمارے یہاں پٹ بیجنا کہتے ہیں کہا کہ میاں تم دن میں کہاں رہتے ہو۔

نہ بینی کہ آں کرمکِ خاکزاد ... جواب از سر روشنائی چہ داد

(اس مٹی میں رہنے والے جگنو نے اپنی چمک دمک کے بارے میں کیا خوب جواب دیا ہے)

کیا جواب دیا۔

کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ... ولے پیش خورشید پیدا نیم!

www.besturdubooks.net

(میں تو شب و روز صحرا ہی میں رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے میری روشنی نظر نہیں آتی) اس نے کہا کہ میں تو جنگل میں رہتا ہوں مگر آفتاب کے سامنے ظاہر نہیں ہو سکتا، اسی طرح جن لوگوں کی نظر آفتاب وجود حقیقی پر ہوتی ہے اس وقت جگنو یعنی اشیاء عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر سے آفتاب وجود حقیقی غائب ہے وہ البتہ اشیاء عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں (اور جو محقق ہیں جو کہ مغلوب الحال نہیں ہیں ان کی نظر آفتاب وجود حقیقی پر ہونے کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے) ان کی ایسی مثال ہے جیسے بعض لوگ تیز نظر ہوتے ہیں کہ دن میں ستارے دیکھ لیتے ہیں (ایسے ہی یہ باطن کے تیز نظر ہیں ۱۲)

غیر محدود اجر:

یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ایک جزو ہی کے ساتھ قال اللہ تعالٰی اللہ تعالٰی نے فرمایا کیوں فرمایا اس کا جواب بعض علماء نے دیا تھا کہ آپ نے اس لئے فرمایا تا کہ آگے فانه لی (پس وہ میرے لئے ہے) صحیح ہو جائے اس پر میں نے کہا تھا کہ اگر یہاں قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا) نہ ہوتا تو وحدۃ الوجود والوں کو ایک سند مل جاتی پھر مسئلہ وحدۃ الوجود کی تحقیق درمیان میں آ گئی تا کہ کسی کو اس مسئلہ کی حقیقت نہ معلوم ہو تو وہ خلجان میں نہ پڑے غرض اللہ تعالٰی فرماتے ہیں الا الصوم یعنی روزہ اس سے مستثنٰی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الی سبعمائة ضعف سے یہی عدد مقصود نہیں کیونکہ اس سے زیادہ بھی تضاعف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدد کا ذکر لغو بھی نہیں تو اب یہ سوال رہا کہ جب سات سو (700) تک حصر نہیں پھر آپ نے اس کا ذکر کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عدد محض اجر کی محدودیت و محصوریت بیان کرنے کے لئے ذکر فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ تمام اعمال کا اجر محدود ہے اور چونکہ اکثر تضاعف اجر سات سو تک ہی ہوتا ہے اس سے زیادہ خاص خاص لوگوں کے لئے ہوتا ہے اس لئے بیان حد کے لئے حد اکثری کو اختیار فرمانا مناسب ہوا ۱۲) پس جب محدودیت سے صوم کو مستثنٰی فرمایا تو یہ استثناء فرمانا یہ بتلا رہا ہے کہ صوم کا اجر غیر محدود ہے کیونکہ استثناء یہ چاہتا ہے کہ مستثنٰی کا حکم مستثنٰی منہ کا غیر ہو اور یہاں مستثنٰی منہ کا حکم محدود ہونا ہے تو مستثنٰی غیر محدود ہونا چاہئے پھر یہ عدم محدودیت استمرار کی قسم اول تو اس لئے ہو نہیں سکتی کہ اس استمرار کا مبنٰی بقاء انتفاع الناس بعد الموت ہے اور ظاہر ہے کہ ہمارے صیام سے

www.besturdubooks.net

بعد موت کے کون منقطع ہوتا ہے اب یقیناً معلوم ہوا کہ یہاں استمرار کی تیسری ہی قسم مراد ہے یعنی تضاعف اجر دواماً جو بعد دخول جنت کے بھی بڑھتا رہے گا یقیناً میں نے جوش میں کہہ دیا ہے ورنہ یہ مسئلہ ثبوتاً تو ظنی ہے ہی (کیونکہ خبر واحد سے ثابت ہے ۱۲) دلالۃً بھی ظنی ہے کیونکہ ممکن ہے کسی کو کوئی اور احتمال معلوم ہو جائے گو ہمارے نزدیک وہ احتمال بعید ہی ہوگا مگر اس کے بعد بھی ہم یہ کہیں گے کہ حدیث میں ہے انا عند ظن عبدی بی (مسند احمد ۲: ۳۱۵، الترغیب والترھیب ۲: ۲۹۳، اتحاف السادۃ المتقین ۵: ۵.) (میں اپنے بندہ کے گمان کے زیادہ قریب ہوں) اور ہم کو استثناء الا الصوم سے ظن غالب یہی ہے کہ صوم کا اجر تضاعفاً غیر متناہی ہے تو ہم کو اس گمان کی برکت سے ان شاء اللہ غیر متناہی ثواب ملے گا اور احتمال نکالنے والے کو نہ ملے گا اب رہی یہ بات کہ یہ لا متناہی کیسی ہے اس کو عقل سلیم سے دریافت کرنا چاہئے اور عقل سے استفتاء کرنے میں کوئی شرعی محذور نہیں کیونکہ نبی آخر الزمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا بھی تو ہم کو عقل ہی سے معلوم ہوا ہے جب اصول عقائد عقل سے مدرک ہو سکتے ہیں تو کسی جزئی کے مدرک بالعقل ہونے میں کیا اشکال ہے تو عقل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لا تناہی بالفعل سوائے صفات واجب کے حادثات وممکنات میں محال ہے برھان تطبیق وغیرہ سے لاتناہی بالفعل کا بطلان ہو چکا ہے اور یہ مسئلہ نص میں بھی مذکور ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ....وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ.... أَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (اور ہر چیز ان کے یہاں اندازہ سے ہے اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں شمار کر دیا تھا اور جو ان کے سامنے ہے سب کا احاطہ کیا گیا اور ہر چیز کی تعداد شمار کی گئی) ان نصوص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اشیاء محدود بالفعل ہیں غیر متناہی بالفعل کوئی نہیں ہے باقی صفات واجب میں جو لا تناہی بالفعل جائز رکھی گئی ہے اس کی وجہ بعض فلاسفر نے تو یہ لکھی ہے کہ وہاں برہان تطبیق جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ برہان تطبیق کے لئے ترتیب کی ضرورت ہے۔ اور صفات وعلوم واجب ترتیب نہیں ہے مگر یہ نہایت بھدا جواب ہے کیونکہ وہاں ترتیب بلا واسطہ نہ ہو مگر بواسطہ عدد کے تو ترتیب ہو سکتی ہے دوسری وجہ بعض فلاسفہ ہی نے یہ بیان کی ہے کہ صفات واجب کے احکام تک عقول متوسطہ نہیں پہنچ سکتے اس لئے وہاں دلائل کا اجراء نہیں ہو سکتا ہے یہ ہے صحیح جواب واقعی ذات یا صفات واجب ادراک میں کیونکر آئے ذات ہی عجیب ہے متناہی تو ایسی کہ ذاتاً واحد ہے جس میں تعدد کا احتمال ہی نہیں اور غیر متناہی ایسی کہ صفاتاً و

www.besturdubooks.net

علواً وافعالاً وشیوناً بالفعل غیر متناہی ہے اس کی کچھ انتہا ہی نہیں اس لئے فلاسفہ نے یہ خوب کہا کہ ذات وصفات واجب اور اک عقول متوسط سے فوق ہے واقعی ان لوگوں نے بڑا ادب کیا بس صحیح جواب یہی ہے اور فلاسفہ نے اہل اللہ کا بھی ادب کیا ہے کہ مراتب عقل میں وہ قوۃ قدسیہ کے بھی قائل ہوئے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے جب کمالات انبیاء اور ان کے علوم کی کنہ میں غور کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اپنے عذر کو ختم کیا یہ اصحاب قوۃ قدسیہ ہیں ان کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں اس لئے ہم اُن کے کمالات کی کنہ بتلانے سے عاجز ہیں نیز فلاسفہ انبیاء پر انکار و تکذیب کی جرأت نہیں کر سکے لیکن اتباع نہ کرنے کا نامعقول عذر یہ نکالا کہ نبوت کی ضرورت غیر مہذبین کے لئے ہے اور ہم نے اپنے نفوس کو خود مہذب کر لیا ہے ہم کو انبیاء کی حاجت نہیں، بہرحال واجب کے سوا ہر چیز کے لئے لاتناہی بالفعل محال ہے تو یہاں تضاعف اجر صوم میں لاتناہی بمعنی لاتقف عندحد مراد ہے اور اس میں کچھ استحالہ نہیں کیونکہ اس صورت میں لاتناہی کا تحقق خارج میں نہ ہوگا بلکہ جس قدر موجود ہوتا جائے گا متناہی ہوگا البتہ کسی حد پر انقطاع نہ ہوگا اور یہ محال نہیں پس ابدیت کو ازلیت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ ازلیت میں تحقق غیر متناہی بالفعل لازم آتا ہے بخلاف ابدیت کے یہاں سے ایک آریہ پر اعتراض کا جواب بھی معلوم ہو گیا، اس نے ایک مسلمان سے کہا تھا کہ تم جو ازلیت ارواح پر اعتراض کرتے ہو تو جنت و دوزخ کی ابدیت پر بھی تو وہی اعتراض لازم آتا ہے تم ان دونوں کو ابدی مانتے ہو ہم مادہ اور ارواح کو ازلی مانتے ہیں لاتناہی دونوں میں مشترک ہے اس مسلمان نے یہ اعتراض میرے پاس لکھ کر بھیجا میں نے اس کا یہی جواب دیا تھا کہ ابدی پر ازلی کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ ازلیت میں غیر متناہی بالفعل کا تحقق ہوگا اور ابدیت میں یہ نہ ہوگا مگر افسوس سائل نے اس صحیح جواب کی تو قدر نہ کی بلکہ ایک دوسرے شخص کا جواب شائع کیا وہ یہ کہ قرآن مجید میں جنت و دوزخ کے خلود کے لئے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ کی قید بھی ہے جس سے خلود کو مقید کیا گیا ہے لہذا ابدیت لازم نہیں آتی گویا اس شخص نے ابدیت کے استحالہ کو تسلیم کر لیا اور جنت و دوزخ کی ابدیت سے انکار کر دیا آج کل اکثر جواب ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں اعتراض کو تسلیم کر لیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے گھر کو گرا کر دوسرے کا گھر بنایا جاتا ہے۔ اب بتلائیے ایسے فسادِ مذاق کے زمانہ میں کسی کا جواب دینے کو کیا جی چاہے جب لوگوں کو صحیح جواب کی قدر ہی نہیں گو بے جی چاہے بھی دیا ہی جاتا ہے غرض روزہ کا ثواب تضاعف میں غیر متناہی بمعنی لاتقف عندحد ہے اور یہی ہمارے لئے کافی ہے ہم غیر متناہی بالفعل کو کہاں رکھیں گے پس یہ فضیلت صوم کی ایسی ہوئی کہ شاید

www.besturdubooks.net

کوئی عبادت بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی حتیٰ کہ ایمان بھی جو کہ شرط صحت صوم ہے اس فضیلت جزئی میں اس کا شریک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اُس کے اجر میں بھی تضاعف غیر محدود و منصوص نہیں۔

حرکت فی الزمان:

مگر اس سے صوم کا ایمان سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صوم کی یہ فضیلت بھی ایمان ہی کی وجہ سے ہے بغیر ایمان کے صوم لاشے محض ہے وہ اصل ہے یہ فرع ہے اور بیٹا باپ سے بڑا نہیں ہو سکتا ہاں اگر وہ ٹھہر جائے اور یہ بڑھتا رہے تو ممکن ہے مگر جتنا بیٹا بڑھے گا باپ بھی تو آخر بڑھے ہی گا ورنہ ایسا ہوگا جیسے ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا تمہارا بھائی کہا اب تو میرے بھائی ایک سال بڑے ہیں اور ایک سال کے بعد دونوں برابر ہو جائیں گے پھر میں بڑا ہو جاؤں گا گویا یہ تو بڑھتا رہے گا اور بھائی ٹھہرا رہے گا حالانکہ حرکت فی الزمان غیر اختیاری ہے اس لئے اس میں کسی کا ٹھہرا رہنا ممکن نہیں کیونکہ حرکت فی الزمان ہماری حرکت سے نہیں ہے بلکہ زمانہ کی حرکت سے ہے اور یہاں سے ایک اشکال کا میں جواب دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے ختم آجال کے بارہ میں فرمایا ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ کہ جب ان کا وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہو سکیں گے نہ آگے ہو سکیں گے اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں تاخر کی نفی تو مفید اور بجا ہے کیونکہ وقت موت سے مؤخر ہو جانے میں تو مجرم کا نفع ہے کہ ایک دو دن اور موت سے بچا رہا لیکن تقدم میں اس کا کیا نفع ہے، اس میں تو اور بھی جلدی مر جائے گا اس لئے نفی استقدام کی یہاں کیا ضرورت تھی اس کا جواب حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب دیا فرمایا کہ استقدام اگر واقع ہوتا تو وہ بھی نافع ہوتا کیونکہ جس شخص کی موت مثلاً جمعہ کو مقدر ہے تو جس طرح وہ شنبہ میں داخل ہو گیا جو استیخار ہے موت سے بچ سکتا ہے کیونکہ شنبہ میں اس کی موت مقدر نہیں اسی طرح اگر وہ حرکت قہقری زمانہ میں کر کے جمعہ سے فرار کر کے جمعرات میں پہنچ جاتا تب بھی وہ موت سے بچ جاتا کیونکہ جمعرات میں اس کی موت مقدر نہیں لیکن چونکہ زمانی کے لئے حرکت فی الزمان بالاختیار باوجود محال عقلی نہ ہونے کے عادۃً ممکن نہیں اس لئے دونوں کی نفی فرمادی، پس استقدام کی نافعیت کی نفی کی بھی ضرورت ہوئی، یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ترک بالقصد:

میں یہ کہہ رہا تھا کہ صوم کے لئے تضاعف اجر غیر متناہی کی وجہ سے ایک فضیلت حاصل ہے کہ

www.besturdubooks.net

شاید کسی عمل کو بھی حاصل نہ ہو اور ہمارے خیال میں تو یہ فضیلت اب تک کسی اور عمل کے لئے ثابت نہیں ہوئی اب اس فضیلت کو سن کر ہر شخص کا جی چاہے گا کہ روزہ کو شوق سے رکھے اور کم از کم جو رہ گئے ہیں ان کو تو اچھی طرح ادا حقوق کے ساتھ رکھے پس حقوق صوم کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ گو صوم کے لئے تضاعف اجر غیر محدود ظاہراً مطلق ہے اس میں کوئی شرط نہیں لیکن قواعد شرعیہ سے تنزیہ کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ بدون تنزیہ کے وہ صوم مقبول ہی نہیں پھر فضیلت کیسی اور اگر بالفرض مطلق بھی مانا جاوے تب ہم یوں کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے تضاعف کی کوئی خاص ہیئت تو بتلائی نہیں کہ روزانہ کتنا اجر بڑھا کرے گا تو ممکن ہے اگر تم حقوق میں کوتاہی کرو تو حق تعالیٰ بھی تضاعف اس طرح کرتے رہیں کہ لا تقف عند حدکو محفوظ رکھتے ہوئے روزانہ ایک دانہ کے برابر دیا کریں جس سے ہزار برس میں جا کر مقدار معتد بہ حاصل ہو تب بھی تنزیہ کی ضرورت ہوتا کہ یہ مقدار معتد بہ جلد حاصل ہوتی رہی، آگے ارشاد ہے فانه لی یہ وجہ ہے اس فضیلت خاص کی یعنی اس میں روزہ کے اس درجہ ثواب ہونے کا منشا بتلایا گیا ہے کہ روزہ کا ثواب غیر متناہی اس لئے ہے کہ وہ خاص میرے لئے ہے اس توجیہ کی تقریر یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کی ذات باعتبار صفات وکمالات غیر محدود ہے تو جو چیز خاص ان کی ہوگی وہ بھی غیر محدود ہوگی رہی یہ بات کہ حق تعالیٰ نے خاص روزہ ہی کو اپنا کیوں فرمایا عبادات تو ساری حق تعالیٰ ہی کی ہیں نماز، زکوٰۃ، حج سب انہی کے لئے ہے غیر کے لئے کونسی عبادت ہے تو علماء محققین نے فرمایا ہے اور یہ بات میرے ذہن میں خود بھی آئی تھی کہ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ روزہ میں ریاء نہیں ہوسکتا کیونکہ صوم کی حقیقت عدمی ہے یہ چند تروک سے مرکب ہے ترک اکل وترک شرب و ترک جماع اور ترک کی کوئی صورت نہیں جس سے کسی کو اس کا علم ہو سکے، لیکن یہاں اس کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ ترک پر جو ثواب ہوتا ہے وہ مطلق نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ ترک بالقصد ہو ورنہ پھر وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کا مصداق کوئی بھی نہ ہوگا ہر شخص ہر وقت میں صدہا معاصی کو ترک کئے ہوئے ہے بلکہ خاص کسی گناہ کرنے کے وقت بھی وہ ہزاروں معاصی کو چھوڑے ہوئے ہے اب ترک بلاقصد پر بھی ثواب ہو تو ہر شخص کے حسنات ہی غالب ہوں گے سیئات کسی کے غالب نہ ہوں گے، حالانکہ یہ بات منصوص ہے کہ بعض مسلمان ایسے بھی ہوں گے جن کے سیئات حسنات پر غالب ہوں گے پس ثابت ہوا کہ ترک بالقصد پر ثواب ہوتا ہے جسے فقہ میں کف کہتے ہیں جو عدمی اضافی ہے نہ ترک مطلق پر جو کہ عدمی محض ہے۔ پس روزہ میں بھی ترک بالقصد ہی سے ثواب ہوگا اگر اتفاقی طور پر ترک طعام وشراب وجماع دن بھر ہو جائے تو ثواب نہ ہوگا بلکہ روزہ ہی نہ ہوگا۔

www.besturdubooks.net

شان حمدیت و استغناء:

اس پر شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ پھر تو چاہئے کہ جب تک ارادۂ کف عن الطعام ہو اسی وقت تک ثواب ہے اور جس ساعت میں یہ قصد ذہن میں حاضر نہ ہو تو ثواب نہ ملے، اس سے تو ثواب دنیا ہی میں منقطع ہو گیا اور تم تو آگے تک لے جا رہے تھے جواب یہ ہے کہ رحمت حق نے یہ قانون کر دیا ہے کہ ایک دفعہ کا قصد کافی ہے بس رات کو ایک دفعہ روزہ کی نیت کر لیتا دن بھر کے لئے کافی ہے ہر وقت استحضار قصد کی ضرورت نہیں یہیں سے ایک شبہ کا جواب بھی ہو گیا وہ یہ کہ بعض علماء نے اعتراض کیا ہے کہ صوفیہ کو جو ذکر جاری ہو جاتا ہے اس سے ثواب نہیں ملنا چاہئے کیونکہ جاری ہونے کے بعد ذکر بدون قصد کے ہوتا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایک بار کا قصد کافی ہے وہ اول سے ہی دوام ذکر کا قصد کرتے ہیں بعد میں بلا قصد ہوتا رہتا ہے اور یہ مولانا صوفیوں پر کیا اعتراض کرتے ہیں وہ اس حدیث میں کیا کہیں گے کہ جو شخص مسجد میں آتا ہے اس کو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے کیا یہاں بھی وہ یہ کہیں گے کہ ہر قدم پر قصد کرے تو ثواب ہو گا ورنہ نہیں اگر ہر قدم پر قصد ہو گا تو میاں کے سو ٹھوکریں لگیں گی اور یقیناً گھٹنوں ہی میں پہنچیں گے، اسی طرح جو شخص تلاوت قرآن مجید کرتا اور حدیث پڑھتا اور وعظ کہتا ہے وہ ہر کلمہ پر قصد جدید کرے تو بولنا محال ہو جائے گا، بات یہ ہے کہ افعال اختیاریہ ہیں حدوث کے وقت ارادہ ضروری ہے اور اسی پر فعل کا اختیاری ہونا موقوف ہے باقی بقاء میں ارادہ کی ضرورت نہیں بقاء تو افعال اختیاریہ و غیر اختیاریہ دونوں کا بلا قصد ہی ہوتا ہے چنانچہ ستار بجانے والا جو ستار بجاتا ہے وہ ہر نقرہ پر قصد کرے تو بلید ہو جاوے اور ہر گز نہ بجا سکے، شمس بازغہ والے نے بھی اس مثال کو لیا ہے غرض ہر آن میں قصد کی ضرورت نہیں بس ایک دفعہ نیت صوم کافی ہے رہا یہ شبہ کہ روزہ عدمی کہاں ہوا، اس میں تو نیت بھی ضروری ہے اور نیت شئے وجودی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نیت جزءِ صوم نہیں بلکہ شرط ہے ورنہ صبح صادق سے پہلے نیت صحیح نہ ہوتی کیونکہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے تو اگر نیت صبح صادق سے پہلے ہوئی تو صوم سے خارج ہوئی اور جز داخل ہوتا ہے البتہ شرط خارج ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ نیت شرط ہے جز نہیں پس شبہ جاتا رہا پھر قطع نظر اس سے خود بھی امر مخفی ہے تو یہ وجودی بھی مشابہ عدمی کے ہوا بہر حال صوم حق تعالیٰ کے لئے اس لئے ہے کہ اس کا عدمیات سے ترکب ہے جن میں ریاء نہیں ہو سکتا اگر کوئی یہ کہے کہ کیا انا صائم کہنے سے بھی ریاء نہ ہو گا تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس سے بھی ریاء نہ ہو گا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ

www.besturdubooks.net

وسلم اس کی اجازت نہ دیتے مگر حدیث میں موجود ہے فان سابه احد فلیقل انی صائم (مسند احمد ۶: ۲۴۴.) یعنی روزہ میں گالم گلوچ نہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی اسے برا بھلا کہے تو اس سے کہہ دے کہ آج میرا روزہ ہے اس لئے میں کچھ نہیں کہتا جب حدیث میں اظہار صوم کی اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ انا صائم . انا صائم کہنے سے بھی ریا نہ ہوگا ورنہ اجازت ریاء لازم آئے گی اور یہ ناممکن ہے یہ تو جواب نقلی ہے اور عقلی جواب یہ ہے کہ اتنا کہنے سے کہ میرا روزہ ہے ریاء کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ دعویٰ انی صائم کی صحت کے علم کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں ہے کہ اس نے غسل خانہ میں جا کر پانی پی لیا ہو اور باہر آکر انا صائم کہہ دیا ہو اس لئے انا صائم کہنے سے بھی ریاء نہ ہوگا ہاں اگر بقصد ریاء کہے گا تو قصد ریاء کا گناہ ہوگا کیونکہ جس طرح ریاء گناہ ہے اس کا قصد بھی گناہ ہے مگر حقیقت ریاء کا یہاں وجود نہیں دوسرے الله لی کی ایک یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ روزہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ تشبہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کھانے پینے وغیرہ سے منزہ ہیں روزہ میں بندہ کچھ دیر کے لئے اس شان کا مظہر بن جاتا ہے اور یہی وہ بات ہے جو مجھے ایک دفعہ زمانہ طالب علمی میں خواب میں بتلائی گئی تھی یہ بھی حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ خواب میں علوم القاء فرماویں (ورنہ بہت سوں کے خواب تو اضغاث احلام وجہالات سے پُر ہوتے ہیں ۱۲) خواب میں مجھ سے کسی بزرگ نے سوال فرمایا کہ بتلاؤ اس جملہ کے کیا معنی ہیں کہ "روزہ اللہ کا نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی" یہ جملہ میں نے اس خواب سے پہلے سنا ہی نہ تھا، اس لئے اس کو خیال نہیں کہا جاسکتا، میں نے جواب دیا یہ جواب بھی خواب میں ہی القاء ہوا کہ نماز میں تشبہ بالرسول ہے کیونکہ وہ اول سے اخیر تک شان عبدیت کو ظاہر کرتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرتاپا جامع شان عبدیت ہیں یہ معنی ہیں نماز کو حضور سے خصوصیت ہونے کے اور روزہ میں تشبہ بالحق ہے کیونکہ حق تعالیٰ اکل وشرب وغیرہ سے منزہ ہیں پس روزہ میں ایک شان صمدیت واستغنا ہے یہ معنی ہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے خصوصیت ہونے کے۔

شانِ عبدیت:

اور واقعی نماز میں شان عبدیت اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ اشرف الاعضاء یعنی وجہ کو اخس الاشیاء یعنی زمین پر رکھا جاتا ہے، چہرہ کا اشرف الاعضاء ہونا تو ظاہر ہے کہ اعضاء رئیسہ دماغ وسمع بصر سب اسی میں ہیں اسی لئے حدیث میں منہ پر مارنے سے ممانعت آئی ہے اور زمین کا اخس وارذل ہونا اس سے ظاہر ہے کہ سب اس پر ہگتے موتتے ہیں اور جو چاہے تصرف کرتے ہیں اس پر چہرہ کو رکھنا غایت

www.besturdubooks.net

عبودیت ہے صاحبو! شکر کیجئے کہ ہم لوگوں کو اس کی عادت بچپن ہی سے ہے اس لئے منکر نہیں معلوم ہوتی اور جو بڑی عمر میں شروع کرتے ہیں چونکہ وہ اوروں کو بھی یہی افعال کرتے دیکھتے ہیں اس لئے ان کو گرانی نہیں ہوتی ورنہ واقعی حرکات صلوٰۃ میں جس درجہ ذلت و عبودیت ہے متکبرین اس پر دفعۃً قادر نہیں ہو سکتے متکبرین کو تو جھکنا بھی دشوار ہے بعض اہل عرب کی یہ حالت تھی کہ اگر ان کی کوئی چیز گر جاتی تو اس کے اٹھانے کے لئے بھی جھکنا گوارا نہیں کرتے تھے بس سیدھے کھڑے کھڑے اُٹھا لیتے یا کسی غریب کے منتظر رہتے کوئی غریب سامنے سے آ گیا تو اس سے اُٹھواتے تھے پس جن لوگوں نے سب سے اوّل نماز پڑھی ہوگی ان کے قلب پر اس کا کیسا کچھ اثر ہوا ہوگا مگر آپ اس کی تمنا نہ کیجئے کہ کاش ہم کو بھی یہ دولت اولیت کی حاصل ہوئی ہوتی کیونکہ کیا معلوم تکبر اتباع کی مہلت بھی دیتا یا نہیں آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاں حضرات صحابہ تھے وہاں بہت سے ایسے متکبر بھی تھے جن کو عمر بھر اسلام کی توفیق نہیں ہوئی اتباع رسول سے عار آئی اور اب بھی بعض متکبرین ایسے ہیں جو اخیر عمر تک نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوئے ایک مولوی صاحب دہلوی جو کہ ایک زمانہ میں لوگوں کو مار مار کر نماز پڑھاتے تھے انہوں نے ایک پیر زادہ کو نماز پڑھوائی، ظالم پیر زادہ ہو کر بھی بے نمازی تھا اور بڑھاپے تک اُسے توفیق نہ ہوئی آخر مجبور کر کے اس کو نماز کے لئے کھڑا کیا اور کہا کہ نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی واسطے اللہ کے تو اس نے یہ بھی کہا کہ نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی واسطے اللہ کے اور اتنا اور اضافہ کیا کہ ظلم اس مولوی صاحب کا اللہ اکبر اُس نے نیت میں بھی یہ کہا کہ ظلم اس مولوی کا مگر چونکہ اس نے اس کے بعد اللہ اکبر بھی کہہ لیا تھا اس لئے مولوی صاحب بے چارے کچھ نہ کر سکے غرض بعض متکبرین کو نماز کی توفیق ہی نہیں ہوتی اس لئے اس کی تمنا نہ کرو ہم کو بھی یہ دولتِ اولیت عطا ہوئی تا کہ سجدہ کا عجیب و غریب اثر ہمارے اوپر طاری ہوتا نہ صاحب! کیا خبر ہے کہ تکبر ہم کو مانع نہ ہوتا۔

تشبہ بالملائکہ:

اب یہاں سے ایک بات بتلاتا ہوں کہ عوام جو نیت میں یہ کہتے ہیں کہ چار رکعت سنت رسول اللہ کی یہ جائز ہے کہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کو تو منع ہی کرنا چاہئے مگر فی نفسہ جائز ہے کیونکہ سنت کے معنی طریقہ کے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ طریقہ بتلایا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس میں کچھ خرابی نہیں مگر جب عوام میں اس پر بحث ہونے لگی اور وہ علماء سے پوچھنے لگے کہ ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں تو معلوم ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے اور اُن کے ذہن میں کوئی دوسرے

www.besturdubooks.net

معنی میں بھی آنے لگے ہیں لہذا اب منع ہی کرنا چاہئے میں یہ کہہ رہا تھا کہ نماز میں شان عبدیت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبہ ہے اور روزہ میں شان صمدیت ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے تشبہ ہے اور تشبہ بالحق تو بڑی چیز ہے محققین کا تو یہاں تک قول ہے کہ کمال طاعت یہ ہے کہ انسان تشبہ بالملائکہ حاصل کرے کیونکہ انسان ہو کر ملائکہ سے تشبہ حاصل کرنا واقعی بڑا کمال ہے مگر اس کا مطلب جیسا کہ صوفیہ نے سمجھا ہے علماء قشر نے ویسا نہیں سمجھا اس کا اندازہ ان کے اقوال سے ہوسکتا ہے علماء ظاہر نے تو اتنا ہی سمجھا کہ نماز روزہ میں تشبہ بالملائکہ یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لئے کھانے پینے وغیرہ سے رُک جاتا ہے اور حرکات انسانیہ نہیں کرسکتا مگر علماء باطن نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز میں ایسی حالت سے مشغول ہونا چاہئے کہ نہ بہت پیٹ بھرا ہو نہ بھوک پیاس کا غلبہ ہو کیونکہ یہ شخص ملائکہ کے مشابہ اسی صورت میں ہوگا کیونکہ اگر بہت پیٹ بھرا ہوگا تو اس میں بہیمیت غالب ہوگی جمائیاں آئیں گی طبیعت میں سستی کا غلبہ ہوگا اور ملائکہ اس سے منزہ ہیں اور اگر بھوک پیاس کا غلبہ ہوگا جب بھی ملکیت سے دُور ہوگا کیونکہ ملائکہ بھوک پیاس کی تشویش سے بھی منزہ ہیں پس نماز میں ایسی حالت سے مشغول ہو کہ طبیعت نہ تو بھوک سے مشوش اور کھانے پینے کی طرف منتظر ومشتاق ہو اور نہ اس کے بوجھ سے کسلمند ہو اس وقت یہ شخص ملائکہ کے مشابہ ہو کر نماز پڑھے گا بھلا تشبہ بالملائکہ کے یہ معنی کسی عالم ظاہر نے بھی سمجھے ہیں ہرگز نہیں وہ تو صرف شبع کو منافی تشبہ سمجھتے ہیں جوع کو عین تشبہ سمجھتے ہیں اور صوفیہ دونوں کو سمجھتے ہیں اور یہ مضمون حدیث میں بھی آچکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا حضر العشاء (بالکسر) والعشاء (بالفتح) فابدوا بالعشاء (بالفتح) (او کما قال) (جب کھانا سامنے آئے اور نماز عشاء کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ) اور امام ابوحنیفہ نے اس کو عجیب پیرایہ سے بیان فرمایا ہے گویا اس حکم کی حکمت ظاہر فرما دی ارشاد فرماتے ہیں لان یکون اکلی کلہ صلوۃ خیر من ان یکون صلوتی کلھا اکلا یعنی اگر میرا کھانا سارا نماز ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز ساری کھانا ہو جاوے، کیونکہ حدیث میں ہے لا یزال احدکم فی الصلوۃ ما دام ینتظر الصلوۃ (الصحیح للبخاری ۱:۶۶، کنز العمال: ۱۹۰۸۲، فتح الباری لابن حجر ۲:۱۳۱) جو شخص نماز کا انتظار کرتا رہے وہ حکماً نماز ہی میں ہے تو جب ہم کھانا جلدی جلدی اس لئے کھائیں گے تا کہ نماز مل جائے تو یہ کھانا انتظار نماز کے سبب سب نماز ہو جائے گا اور اگر نماز جلدی جلدی اس لئے پڑھیں گے تا کہ فارغ ہو کر کھانا کھائیں تو یہ ساری نماز

www.besturdubooks.net

کھانا ہو جائے گی، اسی کو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے دل بہ مکہ بودن وجسم بہ ہندوستان بہ از آنکہ دل بہ ہندوستان بودن وجسم بمکہ حقیقت میں مکہ کا قیام ہر ایک کے لئے مناسب نہیں یہ عشاق کا کام ہے جن کی یہ حالت ہو ۔

عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن　　　　دل بدست دگرے دادن وحیران بودن

(عاشقی کیا ہے جواب میں کہو کہ محبوب کا بندہ بن جانا اپنا دل دوسرے کو دینا اور خود حیران رہنا)

جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے اپنے وطن کا خیال بھی دل میں نہ آئے (یعنی عقلاً باقی طبعی خیال کا مضائقہ نہیں ۱۲) غرض تقاضائے طعام کے وقت کھانا پہلے کھا لینا چاہئے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اگر تقاضا بھوک کا بھی نہ ہو مگر غذا ایسی لطیف ہو کہ نماز میں مشغول ہونے سے غذا کے مزہ بگڑنے کا اندیشہ ہو جب بھی پہلے کھانا کھا لینا چاہئے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بہت لذیذ کھانے کھاتے ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اپنی طبیعت کے مذاق سے یہ مسئلہ گھڑ لیا، نہیں بلکہ اُن کی طبیعت نے فہم پر اثر کیا اس لئے نصوص میں ان کو یہ گنجائش نظر آنے لگی اور طبیعت کا اثر فہم پر طبعًا ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو پانی کے احکام میں تشدد فرمایا ہے اور امام شافعی ومالک نے تیسیر کی ہے اُس کا منشاء یہ بھی ہے کہ امام صاحبؒ کوفہ میں رہتے تھے جہاں نہر فرات جاری تھی پانی کی کثرت تھی اس لئے انہوں نے قلتین کو ماء کثیر نہیں سمجھا اور امام شافعی مکہ میں تھے انہوں نے وہاں قلتِ ماء کا مشاہدہ کر کے اس میں توسیع کی اور قلتین کو ماء کثیر سمجھا اور اس سے کم کو قلیل سمجھا امام مالک مدینہ میں تھے انہوں نے اور زیادہ قلت کا مشاہدہ کیا تھا اس لئے انہوں نے قلتین کی قید بھی اڑا دی صرف تغیر اوصاف پر مدار نجاست رکھا اسی طرح امام محمدؒ جب تک کوفہ میں رہے طین شارع کو نجس کہتے رہے مگر بخارا جا کر جب یہ حال دیکھا کہ وہاں برسات میں راستوں پر گارا اس درجہ ہو جاتا ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہو جاتا ہے تو طین شارع کی طہارت کا فتویٰ دیدیا یہ نہیں کہ وہاں جا کر یہ مسئلہ گھڑ لیا بلکہ یہ حالت دیکھ کر طبیعت پر اثر ہوا اور طبیعت کے اثر سے فہم پر اثر ہوا اب ان کو نصوص میں وسعت مفہوم ہونے لگی غرض اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایسے وقت میں مشغول ہونا چاہئے جبکہ اطمینان میں مشابہ ملائکہ کے ہو ورنہ خشک کے ساتھ فاقہ کر کے نماز پڑھو گے تو انتڑیاں ہی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھیں گی زبان وقلب سے کچھ نہ نکلے گا (اور آنتوں کی قرأت معتبر نہیں) پس نماز ناقص ہوگی۔

www.besturdubooks.net

عبادت اور صحت:

اور آج کل تو ویسے بھی تقلیل غذا مناسب نہیں ہے کیونکہ قویٰ خود ہی کمزور ہیں، آج کل تقلیل غذا کرنا ویسا ہی ہے کہ مرتے کو مارے شاہ مدار یاد رکھو کہ عبادات میں نشاط وسرور صحت و قوت ہی سے ہوتا ہے اور تجربہ ہے کہ آج کل تقلیل غذا سے صحت برباد ہوجاتی ہے اس لئے یہ مجاہدہ اس وقت مناسب نہیں اور جو فقر وفاقہ بلا اختیار ہوتا ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ مدد فرماتے ہیں وہ مضر نہیں ہوتا لیکن بااختیار خود ایسا شاق مجاہدہ مناسب نہیں اگر کسی پر شہوت وغیرہ کا ایسا ہی غلبہ ہو تو وہ روزہ رکھے اور روزہ میں سحر وافطار کے وقت خوب کھائے تب بھی روزہ سے تقلیل شہوت ہو جاوے گی (ایک وعظ میں اس کو اچھی طرح ثابت کردیا گیا جس کا نام تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ہے) میرے ایک دوست ہیں ان پر تجرد کی وجہ سے غلبہ شہوت بہت تھا، انہوں نے اس کے لئے تقلیل غذا شروع کی اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا تھا تو اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہوت کو قابو میں لانے کی کیا تدبیر کی تھی، انہوں نے حضور کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ جیسا میں غلبہ شہوت سے بے قابو ہورہا ہوں، یہی حال ہر جوان کو پیش آتا ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جوانی میں یہ حال پیش آیا ہوگا اور آپ نے اس کی کچھ تدبیر کی ہوگی میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط خواہش کی کوئی تدبیر نہیں کی انبیاء علیہم السلام اوّل ہی سے کامل الاستعداد ہوتے ہیں وہ کسی حالت سے مغلوب نہیں ہوتے جس کی تدبیر کرنا پڑے، ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ضبط خواہش کی تدبیر بتلائی ہے وہ یہ کہ روزہ کی پابندی رکھے اس سے شہوت قابو میں آجائے گی، میں نے ان سے بھی روزہ کو کہا اور انہوں نے اپنی رائے سے جو کچھ تقلیل غذا وضمن کردیا تھا اس سے میں نے منع کردیا یہی فرق ہے محققین یا ان کے خادمین میں اور غیر محققین میں کوئی غیر محقق شیخ ہوتا وہ تو اس مجاہدہ سے خوش ہوتا مگر میں نے منع کردیا کیونکہ اس سے آخر میں ضعف ہوجاتا ہے جو ضرر لاتا ہے پھر عبادات کا بھی لطف حاصل نہیں ہوتا دوسروں کا محتاج ہوجاتا ہے صاحب عبادت میں تازگی اسی سے آتی ہے کہ صحت بنی رہے بلکہ آج کل تو ایمان کی سلامتی بھی اکثر اسی میں ہے کہ آدمی کو کھانے پینے کو ملتا رہے اور تکالیف سے بچا رہے، مولوی غوث علی صاحب پانی پتی بڑے ظریف تھے اُن کی مجلس میں کسی کو دعا دی کہ ایمان کی سلامتی اور عاقبت بخیر آپ نے فرمایا کہ اس کا

www.besturdubooks.net

مطلب بھی معلوم ہے حاضرین نے کہا صاحب آپ ہی بتلائیں فرمایا ایمان کی سلامتی یہ ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھرائی روٹی ملتی رہے اور عاقبت بخیر یہ ہے کہ کھل کر فراغت سے پاخانہ ہوجائے (کوئی بیماری یا روگ پیدا نہ ہو) واقعی عالم حالت کے موافق بالکل صحیح فرمایا تو غرض اس وقت تقلیل غذا مناسب نہیں ہاں روزہ رکھنا چاہئے اور اس میں بھی سحر و افطار کے وقت کمی نہ کرنا چاہئے مگر اتنا بھی نہ کھائے کہ منہ سے نکلنے لگے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ۔

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید

(اتنا زیادہ نہ کھاؤ کہ منہ سے باہر نکلنے لگے)

بہر حال روزہ کی یہ فضیلت ہے کہ اس میں تشبہ بحق ہے اس لئے بھی فرمایا گیا اور جب تشبہ بالملئکہ بھی ہے مگر تشبہ بحق کے ہوتے ہوئے اس کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے ۔

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(جب بادشاہ دست بوسی کی اجازت دے تو اس وقت قدم بوسی گناہ ہے)

روزہ کی فضیلت:

اس کے بعد ارشاد ہے و انا اجزی بہ کہ روزہ کی جزا میں خود دوں گا، اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ہماری عادت کے موافق معاملہ فرماتے ہیں اور دنیا میں سلاطین کا یہ قاعدہ ہے کہ معمولی انعامات تو وہ خزانچی کے ہاتھ سے دلوایا کرتے ہیں اور بڑا انعام اور خاص خلعت وہ اپنے ہاتھ سے دیا کرتے ہیں چونکہ روزہ کا ثواب غیر متناہی ہے اور عظیم الشان ہے اس لئے اس کا ثواب حق تعالیٰ خود دیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اور اعمال کا ثواب ملائکہ کے واسطہ سے ملے گا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اور اعمال کا ثواب اس کے برابر نہیں اور بعض نصوص سے جو معلوم ہوتا ہے اور علماء نے بھی اس کو ظاہر پر رکھا ہے کہ جزائے اعمال مناسب اعمال ہوگی جیسے ارشاد ہے جَزَآءً وِّفَاقًا اور ارشاد ہے جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف سے ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا) تو اس بناء پر روزہ کی جزا بھی اس کے مناسب ہوگی اور متناہی اور غیر متناہی میں توافق اور تناسب کہاں۔

جواب یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ توافق تناہی میں ہوگا صرف توافق کا حکم کیا گیا رہا یہ کہ وہ توافق کس اعتبار سے ہوگا تو اس کی تفصیل نصوص ہی سے معلوم ہوسکتی ہے تو اس

www.besturdubooks.net

حدیث سے معلوم ہو گیا کہ صوم میں یہ تو افق اسی طرح ہوگا کہ بے حساب جزا ہوگی اس کے بعد فرماتے ہیں یدع طعامه و شرابه لا جلی کہ روزہ کا یہ ثواب اس لئے ہے کہ بندہ اپنا کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے اس جملہ سے میرے اس قول کی تائید ہوگئی کہ بناء اس فضیلت صوم کی یہ ہے کہ وہ تروک سے مرکب ہے کیونکہ یہاں لفظ یدع مصرح ہے اور ودع کے معنی لغت میں ترک ہی ہیں اور جملہ یدع طعامه و شرابه اس جگہ بظاہر مقام علت میں ہے اور حاصل یہ ہے کہ میں روزہ کی جزا خود اس لئے دوں گا کہ بندہ میرے واسطے اپنے طعام وشراب کو ترک کرتا ہے اس سے ترک کا فضیلت صوم میں دخیل ہونا صاف مفہوم ہوتا ہے اور لا جلی میں بتلا دیا گیا کہ روزہ میں ترک طعام وشراب حق تعالیٰ ہی کے لئے ہوتا ہے جو شخص ریاء ترک طعام و شراب کرے گا وہ چھپ کر ضرور کھا پی لے گا پھر روزہ کہاں ہوا، اب جو شخص چھپ کر بھی کھانا پیتا نہیں وہ واقعی اللہ ہی کے لئے ترک طعام وشراب کرتا ہے۔

پس لفظ لا جلی سے میرے اُس قول کی تائید ہوگئی کہ روزہ کی فضیلت کی یہ وجہ ہے کہ اُس میں ریاء نہیں ہوسکتا یہ تو مضمون مقصود تھا جو بیان ہو چکا اور مجھے خواب سا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کبھی میں نے بیان کیا ہے مگر اچھی طرح یاد نہیں کہ کب اور کہاں بیان کیا ہے یوں ہی کچھ خواب وخیال سا ہے اس لئے میں نے احتیاطاً مولوی شبیر علی سے دریافت کیا کہ مجلس کے مسودات میں کوئی وعظ اس قسم کے مضمون کا تو موجود نہیں انہوں نے کہا نہیں تو میں نے سمجھا کہ شاید میں نے خواب دیکھا ہوگا۔

(احقر ظفر نے عرض کیا کہ حضرت یہ مضمون ایک وعظ میں اسی حدیث اور آیت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور آج کل میں اس کو درست کر رہا ہوں فرمایا تم نے ابتداء بیان ہی میں کیوں نہ کہہ دیا تا کہ میں دوبارہ اس کو بیان نہ کرتا، احقر نے عرض کیا کہ طرز بیان دونوں کا جدا ہے اور اس میں بہت سے مضامین جدید بھی آگئے ہیں فرمایا وہ وعظ کس نے ضبط کیا ہے میں نے عرض کیا مولوی اطہر علی صاحب نے فرمایا خیر دوبارہ بیان ہو گیا اچھا ہوا وہ شاید پوری طرح ضبط[1] نہ ہوسکا ہو اب یہ مضمون تیرے سامنے بیان ہو گیا تو امید ہے کہ اچھا ضبط ہوا ہوگا پھر

---

[1] پہلا وعظ بھی اچھا ضبط ہوا ہے البتہ ضابطہ کی زبان چونکہ اُردو نہیں ہے اس لئے زبانی غلطیاں بہت تھیں اور کہیں کہیں ربط بھی نہ تھا جس کو درست کر دیا گیا ۱۲)

www.besturdubooks.net

دریافت فرمایا کہ پہلے وعظ کا نام کیا ہے میں نے عرض کیا اجر الصیام من غیر انصرام فرمایا ہاں یہ نام میرے ذہن میں تھا اور میں سوچتا تھا کہ وعظ کا نام تو بدون بیان کے نہیں رکھا جاتا میں حیران تھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ وعظ کا نام تو میرے ذہن میں ہے اور مسودہ مجلس میں نہیں ہے...... مگر میں تجھ سے پوچھنا بھول گیا خیر اب اس وعظ کا نام بھی اجر الصیام من غیر انصرام ...... ہی رکھا جائے اور اس کو حصہ دوم اور پہلے کو حصہ اول قرار دیا جائے۔)

لفظ صبر کی تفسیر:

اب میں اس مضمون کی تائید اس آیت سے بیان کرتا ہوں جس کو میں نے حدیث سے پہلے تلاوت کیا تھا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (مستقل مزاج والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا) اس آیت سے مضمون مذکور کی تائید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر ہوتی ہے کہ انہوں نے ایک مقام پر صبر کے ایک فرد یعنی جوع کی تفسیر صوم کے ساتھ کی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے صابرین کو خوشخبری سنا دیجئے)

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مواقع صبر کو بیان فرمایا ہے کہ ہم تم کو ان ان واقعات سے آزمائیں گے تم ان میں صبر کرنا آگے صابرین کو بشارت دی گئی ہے، عام مفسرین نے تو خوف و جوع و نقص اموال وغیرہ کی تفسیر واقعات تکوینیہ سے کی ہے کہ خوف سے دشمن کا خطرہ مراد ہے اور جوع سے قحط اور نقص اموال وانفس وثمرات سے آفات ومصائب خسران و ہلاک وقتل و موت ومرض مراد ہیں مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض کی تفسیر احکام تشریعیہ سے کی ہے کہ خوف سے مراد خوف حق اور جوع سے مراد صوم ہے اور نقص اموال سے مراد زکوٰۃ و صدقات اور نقص انفس سے مراد امراض اور نقص ثمرات سے مراد موت اولاد ہے اور ان احکام تشریعیہ کی تعمیل کرنے والا صابر ہے پس صائم بھی صابر ہوا اور ایک آیت میں خود لفظ صبر کی تفسیر بعض مفسرین نے صوم کے ساتھ کی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (اور مدد لو صبر اور نماز سے) مفسرین نے کہا ہے ای بالصوم والصلوۃ۔ اس لئے یہاں بھی صٰبِرُوْنَ کی تفسیر صائمون سے ہو سکتی ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہاں

www.besturdubooks.net

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ فرمایا ہےاورحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر بغیر حساب بجز صوم کے کسی طاعت کانہیں مگر یہ اس پر موقوف ہے کہ بِغَیْرِ حِسَابٍ کی تفسیر بغیر حدّ لی جائے جیسا کہ ظاہر و متبادر بھی ہے اسی لئے میں نے آیت کو تائید میں بیان کیا ہے اصل مضمون کو اس پر موقوف نہیں رکھا کیونکہ آیت اس مضمون میں مصرح نہیں ہے اس میں دونوں احتمال برابر درجہ کے ہیں۔ یہ احتمال بھی کہ بِغَیْرِ حِسَابٍ سے بغیر حدّ مراد ہو اور یہ احتمال بھی کہ بِغَیْرِ حِسَابٍ سے مطلق کثرت مراد ہو اُس صورت میں اجر کا غیر متناہی ہونا ثابت نہ ہوگا، نیز آیت میں جیسے یہ احتمال ہے کہ صابرون سے صائم مراد ہو یہ بھی احتمال ہے کہ مطلق صبر مراد ہو مگر بیان کی ہوئی حدیث میں اس مضمون کے خلاف کوئی احتمال نہیں اور ہوگا بھی تو غیر ناشی عن دلیل ہوگا۔ گو فی نفسہ اس حدیث میں بھی یہ مضمون ظنی ہے مگر ظن غالب کے درجہ میں ہے اور حضور نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ امور ظنیہ پر جزم بھی نہ کیا جائے اور اگر فضل کی امید کر کے اعتقاد رکھے تو اس کو انا عندظن عبدی بی (مسند احمد ۲:۳۱۵، الترغیب والترهیب ۲:۲۹۳، اتحاف السادة المتقین ۵:۵.) کے موافق ثواب ملے گا اب دعا کیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے حقوق ادا کرنے کی ہمت ہو اور فہم سلیم نصیب ہو، آمین۔

والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

www.besturdubooks.net

ضمیمہ وعظ ہذا

از حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کہ بعد وعظ نوشتہ عطا فرمودند

تنبیہ نمبر 1: اگر کسی کو شبہ ہو کہ سبعمائۃ ضعف (سات سو گنا) سے مراد ممکن ہے کہ عدد خاص ہو تو اس سے استثناء غایت مافی الباب اس کو مستلزم ہوگا کہ صوم میں اس عدد سے زیادتی ہے، اجر کا غیر محصور ہونا اس سے لازم نہ آئے گا۔

جواب: یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا کہ تضاعف حسنات کا منتہیٰ سبعمائۃ نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مراد سبعمائۃ سے اجر محصور ہے پس اس سے استثناء ظاہر ہے کہ غیر محصور ہونے کو مستلزم ہوگا۔ (یہ جواب اثناء وعظ میں بھی مذکور ہوا ہے۔۱۲)

تنبیہ نمبر 2: شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جو بناء اس اجر کے غیر محصور ہونے کی بیان کی گئی ہے کہ صوم کی حقیقت عدمی ہے الخ اور حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے یہ صوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور بھی طاعات ایسی ہیں چنانچہ ہر معصیت کا ترک ایسا ہی ہے تو یہ فضیلت بھی عام ہونا چاہئے۔

جواب: یہ ہے کہ اور تروک پر اطلاع ہو سکتی ہے (اگر مطلع ہونا چاہیں) جیسے ترک قتل و ترک غیبت و ترک زنا وغیرہ اور صوم پر (کسی طرح) اطلاع نہیں ہو سکتی پس صوم کی مثل اُن میں اخلاص نہیں ہے۔ دوسرے وہ بناء علت نہیں ہے، جس کے عموم سے حکم کا عموم ہے، صرف حکمت ہے جس کا اطراد ضروری نہیں اصل علت صرف حق تعالیٰ کا صوم میں یہ خاصیت رکھ دینا ہے۔

تنبیہ نمبر 3: جی چاہا کرتا ہے کہ اپنے خیال کی تائید سابقین کے کلام سے بھی ہو جاوے، اس لئے شروح کو دیکھا گیا تو مرقاۃ کی عبارت سے صریح تائید مل گئی:

" الی سبعمائۃ ضعفٍ بل الی اضعاف کثیرۃ کما فی التنزیل مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وقولہ اللّٰہ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وقال اللّٰہ تعالیٰ الا الصوم فان ثوابہ لا یقادر قدرہ ولا یحصیے

www.besturdubooks.net

حصره الا الله الخ فانه صريح فی كونه غير متناهٍ ولا يصح لا تناهی بالفعل فتعين لا تناهی بمعنی لا تقف عند حد وهو المطلوب"

تنبیہ نمبر 4: اگر کسی کو شبہ ہو کہ اجر اگر غیر متناہی بمعنی لا تقف عند حد ہو تو (يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ میں) يُوَفَّى کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ توفیہ کی حقیقت اتمام ہے اور اتمام پر زیادت متصور نہیں۔

جواب: یہ ہے کہ توفیہ اور اسی طرح اتمام کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر جس عمل کا مقتضی ہے اس میں کمی نہ ہوگی اور صیام کا اجر دلیل ہے وہی اجر ہے جو غیر متناہی ہو پس اس سے کمی نہ ہوگی اور تناہی کمی ہے پس تناہی نہ ہوگی حاصل یہ کہ توفیہ میں کمی کی نفی ہے نہ کہ زیادت کی۔

تنبیہ نمبر 5: ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بِغَيْرِ حِسَابٍ حِسَابًا کے ساتھ جو کہ سورۂ نبا میں ہے کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ وہاں حِسَابٍ کے معنی ضابطہ اور قاعدہ کے ہیں یعنی جن اعمال کے اقتضاء میں جو تفاوت ہے عطاء ثواب میں اس تفاوت کا لحاظ رہے گا۔ قلت و کثرت کے اعتبار سے بھی اور تناہی و لا تناہی کے اعتبار سے بھی۔ پس بِغَيْرِ حِسَابٍ اور حِسَابًا اس طرح جمع ہو سکتا ہے۔

"تمت الضميمة والشكر لله على نعمه الجسيمة
والحمد لله الذى بنعمة وجلاله تتم الصالحات والصّلوٰة
وَالسلام علٰى افضل كائنات"

www.besturdubooks.net

اَلْمُعْرق وَالْرِحِیْق لِلْمُحْرق وَالْغَرِیق

سے موسوم یہ وعظ

سے موسوم یہ وعظ 13 رجب 43ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا

☆ جو حضرت والا نے بیٹھ کر تین گھنٹے پینتالیس منٹ ارشاد فرمایا۔

☆ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی

☆ مولانا ظفر احمد عثمانی نے اسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا (الدھر آیت نمبر ۵تا۱۸)

ترجمہ آیات:

بے شک نیک لوگ ایسے جام شراب سے شرابیں پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے جس کو وہ جہاں سے چاہیں گے

www.besturdubooks.net

پئیں گے وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ (محض) اللہ کی محبت، غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (فعلی) بدلہ چاہیں اور نہ (قولی) شکریہ چاہیں، ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں، پس اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کی پختگی (استقامت) کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا، اس حالت میں کہ وہ مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ جاڑا، اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے اور وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے خاص انداز میں بھرا ہوگا اور وہاں ان کو جام شراب پلایا جائے گا جس میں سونٹھ.........کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے جس کا نام سلسبیل ہوگا۔

تمہید:

اس وقت مجھ کو جس مضمون کا بیان کرنا ہے وہ ان آیات کا مدلول نہیں ہے مگر علم اعتبار کے طور پر ان آیات کو اس مضمون سے ایک مناسبت لطیفہ ہے اور اسی لطافت کی وجہ سے ان کو پڑھا گیا ہے، ہر چند کہ ان آیات کی دلالت قواعد شرعیہ سے اس مضمون پر کافی نہیں ہے مگر وہ مضمون دیگر نصوص صریحہ میں منصوص ہے اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس وقت میں انہی آیات کی تلاوت کرتا جن آیات کی دلالت اس مضمون پر صریح ہے مگر اس کو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کوئی نئی بات نہ معلوم ہوتی۔

افادہ جدیدہ پُر لطیف استشہاد:

جی یہ چاہا کرتا ہے کہ بیان میں افادۂ جدیدہ ہو اس لئے میں نے ان آیات کو جدید فائدہ کے لئے تلاوت کیا ہے تا کہ ان سے اس مضمون پر ایک لطیف استشہاد ہو سکے اس لطافت کی غرض سے میں نے ان آیات کو بیان کے لئے اختیار کیا، اب وہ مضمون سننا چاہئے جو کہ بہت ضروری ہے گو اس وقت کا بیان محض اس مضمون کی ضرورت کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ بعض طالبین کی استدعا کی وجہ سے ہو رہا ہے مگر بات یہ ہے کہ محض استدعاء بیان کے لئے محرک کافی نہیں بلکہ استدعاء کے بعد جب کوئی

www.besturdubooks.net

ضروری مضمون بھی ذہن میں آجاتا ہے اس وقت بیان ہوتا ہے پس مضمون کو ضرورت کو بھی بیان میں دخل ضرور ہے اور اس مضمون کا اصل خطاب اہل ذکر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس کی ضرورت سالکین کو جو اللہ کا نام لینے والے ہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے اس لئے میں نے اس کے بیان کے لئے یہ مجلس جس میں سالکین کثرت سے ہیں اختیار کی ہے۔ گو استدعا پرسوں (جمعرات کو) ہوئی تھی اور شاید مستدعی نے قرب جمعہ کی وجہ سے یہ خیال کیا ہوگا کہ بیان جمعہ میں ہوگا اور شاید اسی خیال سے استدعا بھی جمعہ کے قریب کی گئی کیونکہ وہ دن بھی ایسا ہے کہ جس میں اہل علم کی عادت بیان کرنے کی ہے مگر میں نے چند وجوہ سے کل بیان نہیں کیا ایک تو کچھ طبیعت اچھی نہ تھی اور میں نے وعدہ اسی شرط پر کیا تھا کہ اگر طبیعت میں نشاط ہوا تو بیان کردوں گا گو نشاط کا پیدا ہونا جی کے سمجھانے پر ہے جب آدمی کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو نشاط بھی پیدا ہو ہی جاتا ہے پس یہ کوئی مانع قوی نہ تھا مگر وعدہ نشاط ہی پر معلق تھا اور اصل وجہ کل نہ بیان کرنے کی یہ تھی کہ جمعہ کے دن مجمع عام ہوتا ہے اور اس مضمون کا تعلق زیادہ تر خاص جماعت سے ہے وہی مقصود بالخطاب ہیں دوسرے جمعہ میں اجتماع ایک دعوت عامہ للصلوۃ کی بنا پر ہوتا ہے لوگ نماز کی غرض سے آتے ہیں اس کے بعد اگر بیان کیا جاتا ہے تو بعض لوگوں کو شرما شرمی بیٹھنا پڑتا ہے۔ آزادی نہیں رہتی اور جمعہ کے علاوہ کسی دن بھی بیان کیا جاوے تو دعوت عامہ کی وجہ سے اجتماع نہ ہوگا بلکہ دعوت خاصہ سبب ہوگی اور یہاں دعوت خاصہ بھی نہیں ہوئی بلکہ اتفاقاً (یا خود کسی سے سن سنا کر) سب لوگ جمع ہو گئے ہیں تو اس صورت میں جو کوئی سنے گا آزادی سے سنے گا، کیونکہ وہ خاص اسی غرض کے لئے آیا ہے، بہر حال چونکہ اس مضمون کی ضرورت اہل ذکر ہی کو محسوس ہوتی ہے اس لئے یہ خاص اس وقت کے لئے مقرر کیا گیا ہے، عام وقت اور عام مجمع اختیار نہیں کیا گیا اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس کی ضرورت اہل ذکر ہی کو محسوس ہوتی ہے سب کو محسوس نہیں ہوتی ورنہ در حقیقت مضمون عام ضرورت کا ہے سب مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے مگر کیا کیا جائے۔

ذکر اللہ سے غفلت:

آج کل مسلمانوں نے عموماً ذکر اللہ کو چھوڑ رکھا ہے، ایک خاص جماعت ہی ذاکر رہ گئی ہے ورنہ کیا ذکر اللہ بھی ایسی چیز ہے جو کسی خاص جماعت سے مخصوص ہو اس کی تو ہر مسلمان کو ضرورت ہے اگر سب ذاکر ہوتے تو اس مضمون کے مخاطب بھی ہوتے مگر افسوس کہ آج کل عموماً مسلمان ذکر سے غافل ہیں، رات دن دنیا ہی کے قصہ میں لگے رہتے ہیں یہ نہیں کہ ان کو وقت نہیں ملتا، اے صاحب وقت تو اتنا ملتا ہے کہ اس کو ادھر ادھر کاٹتے پھرتے ہیں مگر یہ کہئے کہ وقت کی قدر ہی نہیں اور

www.besturdubooks.net

ذکر کی طلب ہی نہیں طلب وہ چیز ہے کہ اپنا وقت خود نکال لیتی ہے اور عام لوگوں کی میں کیا شکایت کروں ستم یہ ہے کہ سمجھدار لوگ بھی اس سے غافل ہیں اور سمجھدار لوگوں سے میری مراد اہل علم ہیں کہ ان کو بھی پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و وعظ گوئی ہی میں مزہ آتا ہے، ذکر سے جان چراتے ہیں، پرسوں میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا جو اہل علم ہی میں سے ہیں گو مشاہیر و ممتازین سے نہیں وہ لکھتے ہیں کہ ..... اوراد سے میرا جی بڑا گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا کہ روز صبح کو سورۃ یٰسین پڑھو، ظہر کے بعد ہر روز انا فتحنا پڑھو، بعد عشا کے سورۃ ملک پڑھو اور روزانہ چکی کی طرح کئی ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کرو۔ ہاں مطالعہ کتب میں بہت جی لگتا ہے مگر انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں اس وسوسہ کو دفعہ کرتا ہوں اور ہمت کر کے سب اوراد پورے کرتا ہوں یہ علم کا اثر تھا کہ وسوسہ کی غلطی پر متنبہ ہو گئے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہی کیوں آیا کبھی روٹی کھانے کے متعلق وسوسہ نہ آیا کہ یہ روز گیہوں کی روٹی کھانا کہاں کا جنم روگ لگا، کبھی بیوی کے پاس لیٹنے میں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگ گئی اور اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوق اس کے پاس روزانہ آیا کرے تو کیا اس کو کبھی یہ خیال ہوگا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگا، کمبخت روز ہی آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ وہ تو یہ بہانہ ڈھونڈے گا کہ اور تھوڑی دیر بیٹھے عاشق محبوب کے ساتھ مجالست اور محادثت میں کبھی اختصار کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے یہ چاہتا ہے کہ وصل کی رات کبھی تمام ہی نہ ہو پھر وہ اس کی روزانہ آمد و رفت سے کیونکر گھبرا سکتا ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب سوال ہوا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟)

تو آپ جواب میں عرض کرتے ہیں هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (یہ میری لاٹھی ہے میں بھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور کام بھی نکلتے ہیں) یہاں آپ نے ایجاز سے کام نہیں لیا بلکہ اطناب سے کام لیا مگر اطناب مہمل نہیں جس کو اسہاب کہا جائے بلکہ اطناب مفید جو کہ بلاغت کی ایک نوع ہے اور مفید کس کو موسیٰ علیہ السلام کو، کیونکہ اس اطناب سے ان کو اپنے شوق کا اظہار مقصود تھا کہ جب محبوب کے ساتھ بات کا موقع مل گیا تو جہاں تک دائرہ بلاغت میں رہ کر کلام میں وسعت ہو سکے اس کو وسعت دینا چاہئے۔ اس لئے آپ نے عصا کے متعلق جتنی باتیں بیان میں آسکتی تھیں سب بیان کر دیں، یہ بھی اہل طریق کا ایک معمول ہے کہ وہ سوال کا جواب مقام ادب میں بھی پورا دیتے ہیں، گو اس میں اطناب ہی ہو جائے، البتہ ایسا اطناب نہ ہو جو بیکار و فضول ہو بلکہ جواب پورا ہو اور اطناب مفید ہو۔

www.besturdubooks.net

عجیب ادب:

آج کل یہ عجیب ادب نکلا ہے کہ بزرگوں کے سامنے گفتگو اُدھوری کرتے ہیں آدمی بات زبان پر ہوتی ہے، آدمی پیٹ میں کبھی جواب پورا ہی نہیں دیتے کیونکہ پوری بات کہنا خلاف ادب ہے سبحان اللہ اور تکلیف دینا بڑا ادب ہے ارے بھائی اگر ان کے سامنے بولنا بے ادبی ہو بھی تو امر کے بعد تو بے ادبی نہ رہے گی کیونکہ مشہور مسئلہ ہے:

"الامر فوق الادب" اول تو جواب پورا دینا بے ادبی ہے ہی نہیں اور اگر فرضاً ہو بھی تب بھی امر کے وقت تو امر کا بجالانا ہی ادب ہے، یہاں محض اہل حال کی ایک غلطی معلوم ہوگئی وہ یہ کہ بعض اہل حال بیماری اور مصیبت وغیرہ میں دعا نہیں کرتے اور اس کو خلاف ادب سمجھتے اور یوں کہتے ہیں ؎

چہ حاجت است بہ پیش تو حال دل گفتن — کہ حال خستہ دلاں را تو خوب می دانی

(آپ کے سامنے حال دل کہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ آپ تو حال دل خستہ کو خوب جانتے ہیں)

کہ حق تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے پھر دعاء کی کیا حاجت ہے، سو وہ سُن لیں کہ گو بظاہر تمہاری دلیل صحیح ہے اور اس کے لحاظ سے دعا کی ضرورت نہیں مگر ایک دوسری وجہ سے ضرورت ہے وہ کیا، وہ ضرورت یہ ہے کہ محبوب کا امر ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بے ضرورت ہی ان سے مانگو اور اپنی احتیاج ظاہر کرو، گو وہ سب کچھ جانتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

از دعا نبود مراد عاشقاں — جز سخن گفتن باں شیریں دہاں

(دعا سے عاشقوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے محبوب حقیقی سے خوب دیر تک لذت کلام و مناجات حاصل ہو)

یعنی دُعا سے عاشقوں کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے ساتھ کچھ دیر باتیں ہی کر لیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی کہ وہ خود دعا کا امر فرماتے ہیں تو وہ عاشق بڑا محروم ہے جس کو محبوب اجازت دے کہ ہم سے باتیں کرو اور وہ منہ بند کر لے کہ آپ کو تو سب معلوم ہے پھر میں کیوں کہوں، یہ تو خامی عشق کی دلیل ہے اگر عاشق ہوتے تو اس موقع کو غنیمت سمجھتے کہ جب وہ بولنے کی اجازت دے رہے ہیں تو مجھ کو خوب بولنا چاہئے اسی لئے امر کے بعد وہ خوب بولتے ہیں اور اتنا بولتے ہیں کہ دوسرے اس کو بے ادب سمجھنے لگتے ہیں اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

بے ادب ترنیست زوکس در جہاں — با ادب ترنیست زوکس درنہاں

جہاں سے مراد علانیہ ہے اور نہاں سے مراد باطن ہے یعنی عاشق سے بڑھ کر ظاہر میں کوئی

www.besturdubooks.net

بے ادب نہیں ہوتا (کیونکہ وہ ایسا سر ہو کر دعا کرتا ہے جیسے کسی سے لڑ رہا ہو) اور باطن میں اس سے بڑھ کر با اَدب کوئی نہیں ہوتا کیونکہ اس کے زیادہ بولنے کا منشاء محبت ہے اور اس طریق میں محبت ہی بڑا ادب ہے (ودلیلہ قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، ان اللّٰہ یحب الملحین فی الدعا ۱۲) (فتح الباری لابن حجر ۱۱:۹۵، الدر المنثور ۵:۳۵۶ الدرر المنتثرہ:۴۶.) مگر اتنا فرق ہے کہ محبت میں عارف تو حدود کا خیال رکھتا ہے اور مجذوبین ومسلوب العقل لوگوں سے بعض کلمات حدود سے باہر بھی نکل جاتے ہیں مگر چونکہ منشا اس کا بھی محبت ہی ہے اس لئے وہ ظاہر میں بے ادب معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں ادب سے بھرے ہوئے ہیں ان پر ملامت کا حق نہیں گو تقلید بھی جائز نہیں بہر حال امر کے بعد عاشق کو سکوت جائز نہیں جب وہ بولنے کا حکم کرے تو بولنا چاہئے ، اس لئے یہ کسی کا ناقص کلام ہے ۔ چہ حاجت است بہ پیش تو حال دل گفتن الخ

محقق کا کلام یہ ہے ۔

از دعا نبود مرادِ عاشقاں جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

(دعا سے عاشقوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے محبوب حقیقی سے خوب دیر تک لذت کلام ومناجات حاصل ہو) اور

گفتگوئے عاشقاں در کار رب جوشش عشق است نے ترک ادب

(عاشق کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبت میں جوش عشق سے ہوتا ہے نہ کہ ترک ادب سے جیسا کہ ظاہران کے ظاہر کلام سے بدگمانی کرتے ہیں)

اس وقت بولنا ہی ادب ہے اور پوری بات کہنا ہی محبت کی علامت ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر ایجاز سے کام نہیں لیا بلکہ اطناب کے ساتھ جواب دیا کیونکہ وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی (اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟) کے جواب میں اتنے لمبے جواب کی ضرورت نہ تھی صرف ھِیَ عَصَایَ (یہ میری لاٹھی ہے) کہہ دینا کافی تھا بلکہ صرف ''عصا'' بھی کافی تھا ''ھی'' کا بڑھانا بھی اطناب ہے بلکہ یاءِ متکلم کی بھی ضرورت نہ تھی صرف ''عصا'' ہی کافی تھا اور خیر اس کو اگر کوئی اطناب نہ مانے تو آگے

ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی

اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ تو یقیناً اطناب ہے کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں

www.besturdubooks.net

سہارا لیا کرتا ہوں اور اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑا کرتا ہوں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اتنا اور بڑھاتے ہیں وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی کہ اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں، اس میں تفصیل کا موقع رکھ لیا کہ ایسی بات کہی جس سے پھر سلسلہ کلام کا تازہ ہو سکے کہ وہ پوچھیں ہاں صاحب وہ دوسرے کام کیا ہیں تو پھر اور باتیں بیان کروں یا بے پوچھے عرض کر سکوں کہ اس وقت جو عرض کیا تھا وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی اس وقت اس کی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں تو اس وقت اطناب کا منشاء صرف یہی تھا کہ عاشق محبوب کے ساتھ گفتگو میں اختصار نہیں کیا کرتا بلکہ یہ چاہا کرتا ہے کہ ایک منٹ کی بات ہو تو چار منٹ لگ جائیں کیونکہ اس کو محبوب کے ساتھ گفتگو کرنے میں لطف آتا ہے، جان میں جان آتی ہے تو وہ ایسے موقع میں تطویل کلام کے لئے موقع ڈھونڈا کرتا ہے۔

عارف کی دُعا:

اسی طرح عارفین دُعا ضرور کرتے ہیں جس سے مقصود محض حق تعالیٰ سے مناجات اور نیاز مندی کی چپکے چپکے باتیں کرنا ہوتا ہے عارف کو تو دعاء میں ثواب کا قصد بھی نہیں ہوتا گو اہل ظاہر کو اس سے وحشت ہوگی مگر میں سچ کہتا ہوں کہ عاشق کو محبوب سے باتیں کرتے ہوئے بجز لذت خطاب کے اور کسی طرف التفات نہیں ہوا کرتا کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو اس مقام پر تطویل کیا ہے تو اس سے ان کو ثواب کا قصد تھا، صاحب اس پر تو ان کو التفات بھی نہ ہوگا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عارفین کو ثواب سے استغنا ہوتا ہے ہرگز نہیں، ان کا تو کوئی فعل بھی طلب ثواب سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ طلب ثواب کے معنے طلب رضا ہی تو ہیں اور طلب جنت اور طلب رضا واحد ہے اور ظاہر ہے کہ عاشق کا کوئی فعل طلب رضاء محبوب سے خالی نہیں ہوتا، پس عشاق کا دعا کے وقت محض اللہ تعالیٰ سے بات چیت کا قصد کرنا یہ بھی حقیقت میں طلب ثواب ہی ہے پس یوں کہنا چاہئے کہ ان کو ثواب کا قصد ہوتا ہے مگر ادھر خیال والتفات نہیں ہوتا جب محبوب عاشق سے کوئی بات کہتا ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے عاشق کو ثواب کی طرف التفات نہیں ہو سکتا گو فی نفسہ مقصود ضرور ہے اور اتنی بات تو ہم کو بھی حاصل ہے کہ گو ہماری نماز کچھ چیز نہیں ہے مگر نماز کے وقت ہم کو بھی ثواب پر التفات نہیں ہوتا گو اگر کوئی پوچھے کہ تم نماز کیوں پڑھتے ہو تو سوال کے بعد جواب میں یہی کہیں گے کہ ثواب کے لئے پڑھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کا قصد تو ہوتا ہے ورنہ یہ جواب کیوں دیتے مگر نماز پڑھتے ہوئے اس پر التفات بہت کم ہوتا ہے پس یہی مطلب ہے میرے اس قول کا کہ عشاق کو دعا میں ثواب کا قصد بھی نہیں ہوتا اور بھلا ثواب سے عاشق کو استغنا

www.besturdubooks.net

کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ سید العاشقین صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ کھانے کے بعد یوں فرماتے تھے کہ "غیر مُودع ولا مستغنی عنه ربنا" سبحان اللہ کیا عبدیت ہے کھانا کھا چکنے کے بعد اس کو اٹھا دینا چونکہ ایک قسم کے اعراض کو موہم ہوسکتا ہے تو آپ اس کو اس طرح دُور کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا اور چونکہ اب کھانے کی گنجائش نہیں رہی اس لئے کھانے کو اُٹھاتے ہیں ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتے شام کو پھر مانگیں گے اور ہم اس سے مستغنی نہیں ہوئے ہیں جب دنیوی نعمتوں سے بھی عشاق کو استغنا نہیں ہے تو ثواب سے ان کو کیونکر استغنا ہوسکتا ہے۔

ہدیہ دینے کا اَدب:

بعض جہلا کی عادت ہے بزرگوں کے سامنے کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یوں کہا کرتے ہیں کہ ہے تو یہ حقیر ہدیہ اس قابل نہیں کہ پیش کیا جائے آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے نہ آپ کو اس کی پرواہ ہے مگر ہماری خاطر سے قبول کر لیجئے، یہ نہایت سخت کلمہ ہے نعم الٰہیہ سے کسی کو استغناء نہیں مشائخ کی بزرگی بھی اسی وقت تک ہے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں وقت کھانے کو دے رہے ہیں اور جو یہ نہ ہو تو نہ معلوم کیا حالت ہو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا قصہ بیان فرماتے تھے یہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھائی ہیں مگر تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، گو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زیادہ مشہور نہیں ہوئے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے دھیلہ کی کوڑیاں ہدیہ میں پیش کیں آپ کو اس کی غربت پر رحم آیا اور غریب ہونا تو اسی سے ظاہر تھا کہ بیچارے نے دھیلے کی کوڑیاں پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ان کو تم ہی اپنے کام میں لے آؤ، اس نے اصرار کیا کہ حضرت میرا تو جی چاہتا ہے کہ آپ ہی ان کو قبول کریں میں نے آپ ہی کی نیت سے جمع کی ہیں مگر آپ نے عذر کر دیا اور وہ بے چارہ واپس لے گیا، اس پر مبتلاء عتاب ہوگئے یا تو اس لئے کہ ایک مسلمان کی دل شکنی ہوئی تھی یا اس لئے کہ آپ کے نفس میں کوئی بات مخفی ہوگی ممکن ہے کچھ وسوسہ استغناء کا تحقیر ہدیہ کی بناء پر آ گیا ہو کہ میں یہ کوڑیاں لے کر کیا کروں بعض دفعہ نفس میں کچھ دقیقہ مخفی ہوتا ہے اور کسی عمل میں نفس کا کچھ شائبہ ہوتا ہے جس کی مبتلا کو خبر نہیں ہوتی، اسی لئے بعض دفعہ شیخ مرید کی کسی ادنیٰ بات پر تشدد کرتا ہے جس سے مرید کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شیخ بڑے متشدد ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بات مرید کی نظر میں خفیف ہوتی ہے اور شیخ کی نظر میں شدید ہوتی ہے کیونکہ اس میں نفس کا جو کید ہے وہ مرید کی نظر سے

www.besturdubooks.net

خفی ہے اور شیخ کی نظر میں جلی ہے، حدیث میں آیا ہے "الشرک اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا" کہ شرک میری امت میں چکنے پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے بھلا اوّل تو چیونٹی کی چال ہی کیا ہوتی ہے پھر وہ بھی چکنے پتھر پر اس میں تو کچھ بھی اس کا احساس نہیں ہوسکتا تو جو مرض ایسا خفی ہو دوسرے تو اس کو کالعدم سمجھیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی شرک فرما رہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متشدد تھے کہ اتنی ذرا سی بات کو شرک سے تعبیر فرماتے ہیں ہرگز نہیں پھر حق تعالیٰ کی نظر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے وہ تو اس سے بھی خفی تر کو جانتے ہیں اس لئے بعض دفعہ حق تعالیٰ کسی ایسی بات پر مواخذہ فرماتے ہیں جس کا قابل مواخذہ ہونا مبتلا کو معلوم نہیں ہوتا گو وہ کتنا ہی بڑا عارف ہو مبتلا کہ بعض دفعہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں نفس کا کچھ شائبہ تھا مگر حق تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے اس لئے مواخذہ فرماتے ہیں۔

رحمت کی ایک صورت:

یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے عارفین پر کہ ان کی بات بات پر مواخذہ فرمالیں کیونکہ جس بچہ کو استاد روز ایک بچی مار دیتا ہو یہ اس کی دلیل ہے کہ استاد کو اس پر شفقت ہے اور جس بچہ کو کبھی سزا نہ ملتی ہو اس پر خطرہ ہے کہ شاید استاد اسے اپنے مکتب سے نکالنا چاہتا ہے، اس کو آزاد چھوڑ دینا اس کی دلیل ہے کہ استاد کو اس سے محبت نہیں ہے اس لئے دنیا میں حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ مواخذہ ہوتا رہنا بھی رحمت کی دلیل ہے بلکہ آخرت میں بھی مواخذہ ہو اور کسی مسلمان کو حق تعالیٰ جہنم میں بھیج دیں تو یہ بھی ان کی رحمت ہے کیونکہ قدر نعمت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید۔ نعمت کی قدر مصیبت کے بعد معلوم ہوا کرتی ہے جو شخص جہنم کا عذاب بھگت کر جنت میں جائے گا اس کو جنت کی بہت قدر ہوگی۔

ایک حدیث کے متعلق اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون یاد آ گیا جو اسی اصل پر مبنی ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ قیامت میں جب سب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچ جائیں گے تو جنت میں کچھ جگہ خالی رہ جائے گی اور جہنم بھی نہ بھرے گی تو جنت عرض کرے گی کہ مجھ سے بھرنے کا وعدہ تھا تو مجھے بھرا جائے اور جہنم بھی کہے گی کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کچھ اور بھی ہے تو حق تعالیٰ جہنم کے لئے تو کسی نئی مخلوق کو پیدا نہ کریں گے بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دیں گے یہ متشابہات میں سے ہے ہم اس کا مطلب بیان نہیں کر سکتے تو حق تعالیٰ کے قدم رکھنے سے جہنم سمٹ کر بھر جائے گی اور کہے گی قط قط یعنی بس بس میں بھر گئی، اور جنت کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اس میں آباد کردیں گے جس سے وہ بھر جائے گی، جب یہ حدیث ہم نے پڑھی تو میں نے حضرت استاد سے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ تو ہم سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ بدون کچھ کئے بغیر

www.besturdubooks.net

مشقت کے جنت لے لیں گے، کاش ہم انہی میں سے ہوجاتے تو حضرت استاد نے فرمایا اللہ نہ کرے کہ ہم ان میں سے ہوتے میاں وہ ہم سے زیادہ خوش قسمت نہ ہوں گے ہم ہی ان سے اچھے ہوں گے، واقعی ان حضرات کے علوم بھی عجیب ہیں جن کا دوسری جگہ کہیں پتہ نہیں فرمایا ہم دنیا کے مصائب جھیل کر جب جنت میں جائیں گے تو جوش میں کہیں گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ

(اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے رنج وغم دور کردیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے جس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی نہ کسی قسم کی خستگی) انہیں بات کہاں نصیب کیونکہ جہاں حزن ہوو ہیں اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کا بھی لطف ہے انہیں کیا لطف جن کو مشقت ہی نہیں ہوئی وہ تو یہ سمجھیں گے کہ بس یوں ہی ہوتا ہوگا کہ پیدا ہوئے اور جنت میں بس گئے ان کو جنت کی قدر ویسی نہ ہوگی جیسی ہمیں ہوگی۔

راحت کا لطف:

اب سمجھ لو کہ جس شخص کو دنیا کی تکالیف کے ساتھ جہنم کا عذاب بھی بھگتنا پڑے اس کو دخول جنت کے وقت اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کا لطف اوروں سے زیادہ حاصل ہوگا کنارہ کی قدر اور لذت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو ڈوبنے کے بعد ساحل پر پہنچا ہو اس کے دل سے ساحل کی لذت پوچھو اور جو شخص ڈوبا ہی نہیں اس کو ساحل کی قدر اور لذت اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

اب میں یہاں اپنا ایک قصہ ایک شبہ کے واقع ہونے کا اور اس کے جواب کے منکشف ہونے کا بیان کرنا چاہتا ہوں اور گو یہ مضمون متن میں بیان کرنے کے قابل تھا تمہید میں بیان کرنے کا ارادہ نہ تھا مگر اسی وقت یاد آیا تو میں بیان کئے دیتا ہوں نہ معلوم پھر یاد رہے یا نہ رہے۔

ایک دفعہ مجھ کو کچھ پریشانی سی پیش آئی تھی جیسا کہ زمانہ طلب میں عموماً اہل طریق کو پیش آیا کرتی ہے جب کہ وہ مجاہدات اور اذکار واشغال کچھ مدت تک کرلیتے ہیں اور ثمرہ محسوس نہیں ہوتا تو دل میں وصول کے لئے اضطراب اور بے چینی اور عجلت کا مضمون پیدا ہوتا ہے، یہی حالت باوجود مجاہدہ نہ کرنے کے براہ ہوس مجھ کو پیش آئی اور قلب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے گو ہم اس قابل نہیں مگر الٹی سیدھی ہم کو حق تعالیٰ کی طلب بھی ہے گو عشق سعدی تا بزانوہی کی مثل سہی، شیخ سعدی نے ایک عاشق کو دیکھا تھا جو کسی محبوب کی طلب میں کوٹھے پر سے کود پڑا تھا، ٹانگ

www.besturdubooks.net

بھی ٹوٹ گئی تھی، آپ نے قصہ پوچھا کہ یہ کیوں پڑا ہے کیسے ٹانگ ٹوٹ گئی، لوگوں نے کہا کہ یہ اپنے محبوب کو دیکھ کر کوٹھے پر سے کود پڑا اس لئے چوٹ لگ گئی تو شیخ سعدیؒ بھی اسی زینہ کی ایک سیڑھی پر چڑھ کر کود پڑے اور فرمایا "عشق سعدی تا بزانو"، کہ بھائی ہمارا عشق تو اتنا ہی ہے کہ ایک گز بلندی سے کود جائیں تو ایسے ہی گو ہماری طلب کامل نہیں مگر پھر بھی بحمد اللہ کچھ تو ہے، ادھر حق تعالیٰ قادر ہیں ان کو اسباب و وسائط کی کچھ ضرورت نہیں وہ اگر چاہیں تو اچانک واصل کر سکتے ہیں، ادھر وہ علیم بھی ہیں ہماری اس بے چینی اور اضطراب کی ان کو خبر بھی ہے پھر رحیم بھی ہیں اس حالت پر ان کو رحم بھی آتا ہوگا، پھر وصول میں دیر کیوں ہے جلدی کیوں نہیں ہو جاتا واقعی سچ فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا انسان میں عجلت کا مادہ فطری ہے، غرض ان مقدمات کے بعد وصول کی تاخیر سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کس لئے ہے جب زیادہ الجھن بڑھی تو میں نے مثنوی سے فال لی اور اس فال کا یہ مطلب نہ تھا کہ میرے اعتقاد میں مولانا رومی نے آ کر ورق الٹ دیئے ہرگز نہیں بلکہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ مولانا رومی متبرک بزرگ اور محقق تھے ان کا کلام بھی متبرک اور جامع ہے حق تعالیٰ اس برکت کو اس طرح ظاہر فرما دیتے ہیں کہ اس میں سے کوئی موافق مضمون نکال دیتے چنانچہ مثنوی کھولتے ہی سرورق پر اس کا جواب موجود تھا، یہ بھی نہیں کہ سطریں گننے کی ضرورت پڑی ہو جس کا جی چاہے مثنوی مطلوبہ کھول کر دیکھ لے، یہ اشعار سرورق پر ملیں گے.......... جواب بھی ایسا نکلا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ خود بھی زندہ ہوتے تو یہی جواب دیتے واقعی عجیب جواب ہے جس میں کمال یہ ہے کہ میرے مقدمات بھی سب تسلیم کر لئے گئے پھر جواب دیا گیا فرماتے ہیں۔

چارہ مے جوید پئے من داد تو ۔۔۔ می شنودم دوش آہ سرد تو

(تمہاری طرف سے اور ہماری تلاش ہم کو تسلیم ہے اور اے عاشق ہم نے کل تیری آہ سرد بھی سُن لی)

اس میں طلب اور علم کو تسلیم کیا گیا کہ بے شک تم کو طلب بھی ہے اور درد کے لئے چارہ کی تلاش بھی ہے اور مجھ کو اس کی خبر بھی ہے میں تمہاری آہ و فریاد کو سُن رہا ہوں۔

می تو انم ہم کہ بے ایں انتظار ۔۔۔ رہ نمایم داد ہم راہ گزار

تا ازیں طوفان دوران وارہی ۔۔۔ برسر گنج و صالم پا نہی

(میں اس کی قدرت رکھتا ہوں کہ بے انتظار ہی تم کو قرب تمام عطا کروں تاکہ تم اس طوفان مجاہدات سے نجات پاؤ اور میرے قرب کے خزانہ کو پا جاؤ)

www.besturdubooks.net

اس میں قدرت کا ذکر ہے کہ یہ بھی مسلم ہے کہ ہم بدون کسی انتظار کے بھی واصل بنا سکتے ہیں اور ہم کو رحم بھی آتا ہے کہ تم کس طوفان بلا میں گرفتار ہو، جلدی وصول میں اس طوفان سے بھی نجات ہو جائے گی، ان سب مقدمات کا مقتضا تو یہی ہے کہ وصول میں دیر نہ ہوتی مگر ایک مقدمہ تمہاری نظر سے رہ گیا وہ یہ کہ جیسے ہم علیم وقادر ورحیم ہیں اسی طرح ہم حکیم بھی ہیں پس تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ طلب ورحمت وقدرت کا مقتضاء تعجیل تھی یہ نہ دیکھا کہ حکمت کا مقتضاء تاخیر ہے، آگے تاخیر کی حکمت کا بیان ہے اور واللہ عجیب حکمت ہے فرماتے ہیں ۔

لیک شیرینی و لذات مقر ہست برانداز رنج سفر

(لیکن وصل کی شیرینی اور قرب منزل کی لذت سفر کے مشقتوں کے اعتبار سے محسوس ہوتی ہے)

وہ حکمت یہ ہے کہ قرارگاہ پر پہنچنے کی شیرینی اور لذت مشقت سفر کے موافق محسوس ہوا کرتی ہے جس کو سفر میں زیادہ تعب اور مشقت ہوتی ہے اس کو منزل پر پہنچنے کے بعد اتنی ہی لذت بھی آتی ہے اور جس کو بدون تعب کے وصول ہو گیا اسے منزل پر پہنچنے کی پوری قدر نہیں ہوتی ۔

زانکہ از فرزند خویشاں برخوری کز غریبے رنج و محنت ہا بری

(جو مسافر کئی سال بعد اپنے بال بچوں میں آتا ہے اس کو گھر آ کر بہت لطف محسوس ہوتا ہے)

جو مسافر کئی سال کے بعد اپنے گھر پر آتا ہے بیوی بچوں سے مل کر اس کو زیادہ خوشی ہوتی ہے پس یہ حکمت ہے تاخیر فی الوصول میں تا کہ تم کو وصول کی پوری قدر ہو، اگر ستے ہی پہنچ جایا کرتے تو وصول کی بے قدری کرتے کیوں اس لئے کہ ۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرصِ ناں دہد

(جو شخص کسی چیز کو مفت پا جاتا ہے اس کو مفت میں دے دیتا ہے جس طرح نادان بچہ موتی کو روٹی میں دے دیتا ہے۔)

اور جس شخص کو مشقت کے بعد وصول ہوگا تو اس کی عمر بھر یہ حالت رہے گی کہ ۔

بر دلِ سالک ہزاروں غم بود گر ز باغِ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم طاری ہوتے ہیں اگر ذرہ برابر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے)

اس کو ذرا ذرا سی کوتاہی پہاڑ کے برابر گراں معلوم ہوگی اور جو آسانی سے پہنچ گیا ہے وہ اتنا پھونک پھونک کر قدم نہ رکھے گا کیونکہ عدم وصول کی بے چینی کا اندازہ ہی نہیں ہوا پس یہ جواب دیکھ

www.besturdubooks.net

کر میری تسلی ہوگئی جو بہت بڑی حکمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات میں جو اہل تصرف بھی ہوئے ہیں وہ تصرف سے کام نہیں لیتے تھے اور کسی کو ایک توجہ سے واصل نہیں بناتے تھے اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حضرات صاحب تصرف نہ تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بس یہ تو محض مُلّا ہیں نماز روزہ کر لیتے ہیں ان میں تصرف وغیرہ کچھ نہیں یہ بالکل غلط ہے بحمد اللہ ہمارے حضرات میں بڑے بڑے صاحب تصرف بھی ہوئے ہیں جن کو تصرف کی کامل قدرت حاصل تھی مگر وہ اس سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ طالبین ہی سے چکی پسواتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ یہ خود محنت کر کے واصل بنیں تاکہ وصول کی قدر ہو اور جو تصرف سے واصل ہوگا اس کو وصول کی قدر نہ ہوگی۔

بلا اذن تصرف:

دوسرے بلا اذن تصرف کرنا کمال عبدیت کے بھی خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون صاحب تصرف ہوگا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تو سارے عالم کو ایک دم سے ولی[1] بنا دیتے کسی کی مجال نہ تھی جو کفر کر سکتا۔ مگر آپ نے اس سے کام نہیں لیا۔

حضرت ابو طالب کے متعلق آپ کی خواہش بھی تھی کہ یہ ایمان لے آئیں مگر آپ نے قوت تصرف کو استعمال نہیں کیا۔ تو اللہ معاف کرے کہ ابو طالب کے نام کے ساتھ زبان سے حضرت ہی نکلتا ہے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے مگر چونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور محبت بھی ایسی کہ جاں نثار تھے اور چچا بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے محبت تھی اس لئے زبان پر ان کے نام کے ساتھ بے ساختہ حضرت نکل جاتا ہے ابو جہل کے نام کے ساتھ کبھی نہیں نکلتا کیونکہ وہ آپ کا چچا تھا اگر چہ حقیقی نہ تھا مگر اس کے ساتھ ہی موذی بھی بہت تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے بہت ایذا دی ہے اس لئے اس کے نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہیں نکلتا، ایسے ہی ابولہب کے نام کے ساتھ بھی نہیں نکلتا گو وہ حقیقی چچا ہے مگر ایذا میں ابو جہل کے مثل تھا، بعض لوگ سورۂ تبت یدا کے پڑھنے سے کراہت کرتے ہیں اور یوں

---

[1] (سوال:. هذا الكلام يرده ظاهرا قوله تعالىٰ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ فانه يكفي قدرة التصرف عنه صلى الله عليه وسلم.

جواب: ليس فيه نفي ذلك و لو كان كذا لكان حق العبادة انك لا تهدي من شئت ولكنه قال تهدي من احببت فعلم به انه صلى الله عليه وسلم لم يرد هداية احدلنهم احبها بعض والحب غير الا رادة ولو اراد ذلك و صرف فيه همة لهدى الله الناس جميعا ۱۲ (جامع) ثم المشية لم درجتان احدهما صرف القدرة فقط وثانيها صرف الهمة مع ذلك والثابت بالآية لو ثبت هو الاول فقط والمنفي في كلامه هو الثاني ۱۲ (اشرف)

www.besturdubooks.net

کہتے ہیں کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی مذمت ہے اس کے پڑھنے سے آپ کو ایذا ہوتی ہوگی اور اس کے متعلق ایک خواب بھی مشہور ہے۔ مگر جو خواب دلائل شرعیہ کے خلاف ہو وہ حجت نہیں ہوا کرتا، بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام الٰہی کے پڑھنے سے کبھی ایذا ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ یہ مانا کہ وہ آپ کا چچا تھا مگر ادھر یہ بھی تو دیکھو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ حضور کو کیسا علاقہ تھا پھر محبوب اگر اپنے کسی عزیز سے بغض رکھے تو کیا عاشق کو اس سے بغض نہ ہوگا ضرور ہوگا اور محبوب اگر اس عزیز کی مذمت کرے تو کیا عاشق کو اس سے ایذا ہوگی کبھی نہیں ہوگی بلکہ لذت آئے گی (ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی خاص صورت کی تعیین کر لینا مناسب نہیں کہ اس میں سورہ تبت اور اس کے غیر سب برابر ہیں۔ ممکن ہے کسی نے اس صورت کو قرأت کے لئے ورد بنالیا ہو، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشرطیکہ خواب کا قصہ صحیح ہو لطیف عنوان سے خواب میں متنبہ فرمایا ہو ممکن ہے کہ اس شخص میں ادب کم ہو آپ نے بطور معالجہ کے اس کیلئے یہ تجویز فرمایا ہو ۱۲ جامع) بہرحال اگر آپ تصرف سے کام لیتے تو کم از کم اپنے عزیزوں پر تو ضرور اثر ڈال دیتے مگر حضور نے ایسا نہیں کیا۔ اسی سُنت کا اتباع ہمارے حضرات کرتے ہیں وہ بھی تصرف سے کام نہیں لیتے اور اگر کبھی کسی متوسط نے ایسا کیا بھی تو اکابر نے اس کو مٹا دیا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کسی بادشاہ سے گفتگو کر رہے تھے ساتھ میں حضرت شبلی بھی تھے، اثناء گفتگو میں بادشاہ نے حضرت جنید کو کوئی سخت کلمہ کہا وہ تحمل سے کام لیتے رہے۔ مگر حضرت شبلی سے نہ رہا گیا وہاں کوئی قالین بچھا ہوا تھا، جس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی، حضرت شبلی نے اس تصویر پر توجہ کا اثر ڈالا تو وہ سچ مچ کا شیر بن گیا، حضرت جنید نے دیکھ لیا انہوں نے فوراً اس پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ پھر مٹ گیا اور تصویر کی تصویر رہ گئی، بادشاہ نے پھر کسی بات پر کوئی سخت کلمہ کہا حضرت شبلی نے پھر توجہ کی جس سے دوبارہ وہ تصویر سچ مچ شیر کی صورت بن گئی، حضرت جنید نے پھر ہاتھ رکھ کر اس کو مٹا دیا کئی بار ایسا ہوا حتیٰ کہ ایک دفعہ بادشاہ کی نظر بھی شیر پر پڑ گئی تو اس کا رنگ فق ہو گیا اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو حضرت جنیدؒ نے تسلی کی کہ آپ نہ گھبرائیں اس کی مجال نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کو کچھ بھی کہہ سکے، آپ ہمارے بادشاہ ہیں آپ کو حق ہے کہ ہمیں جو چاہیں کہیں میں کبھی آپ کے مقابلہ میں تصرف نہ کروں گا، یہ شبلی بچہ تھا اس سے تحمل نہ ہوا اس نے تصرف سے کام لے لیا مگر میں اپنے سامنے اس کے کسی تصرف کو آپ پر چلنے نہ دوں گا، بالکل بے فکر رہیں، حضرت جنیدؒ نے تو اس کو بے فکر کر دیا مگر اس کو ان حضرات کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

www.besturdubooks.net

ان کو کتنی قوت عطا کی ہے، بس اس کے بعد سنبھل سنبھل کر باتیں کرنے لگا، پھر کوئی گستاخی نہیں کی سو ہمارے اکابر تو ایسے ہوئے ہیں کہ خود تو تصرف کیا کرتے اگر کسی چھوٹے نے کیا بھی تو اس کو مٹا دیا غرض وہ تصرف اس لئے نہیں کرتے کہ اول تو اس میں سالک کو نعمت کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ قدر تو بعد مشقت ہی کے ہوتی ہے دوسرے پھر وہ ہمت توڑ دیتا ہے پس توجہ ہی کے سہارے پر چلتا ہے۔

توجہ اور تصرف:

تیسرے یہ طریقہ خلاف سنت بھی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کبھی تصرف سے کام نہ لیتے تھے (اس مقام پر پہنچ کر حضرت مولانا کو ماقبل کا ربط یاد نہ رہا تو جامع وعظ سے دریافت فرمایا تو اس نے اطلاع کی کہ یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مواخذہ بھی رحمت ہے، خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اس پر فرمایا کہ ۱۲ جامع) میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر کبھی گرفت ہو جانا بھی رحمت ہے، جیسے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ساتھ معاملہ پیش آیا، جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اسی پر یہ مضمون چل پڑا تھا کہ وصول میں تاخیر ہونا بھی رحمت ہے اس میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں اور اسی حکمت کے ضمن میں اپنے اکابر کے تصرف نہ کرنے کی وجہ بھی بتلا دی تھی اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس غریب کا ہدیہ جو دھیلہ کی کوڑیاں تھیں واپس کر دیا تو اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کہ اسی دن سے تمام فتوحات بند ہو گئیں اور فاقہ پر فاقہ گزرنے لگا اول تو انہوں نے اس کو حکمت خاص پر محمول کیا کہ شاید رفع درجات کے لئے یہ معاملہ ہو رہا ہے مگر پھر متنبہ ہوا کہ نہیں یہ تو عتاب ہے عارف کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور دیا ہے وہ اس سے سمجھ لیتا ہے کہ کون سی مصیبت رفع درجات کے لئے آئی ہے اور کون سی عتاب کی وجہ سے آئی ہے (جس کی ایک علامت یہ ہے کہ جس مصیبت کا منشاء عتاب ہوتا ہے اس سے بے چینی اور پریشانی بڑھتی ہے) غرض آثار سے وہ سمجھ گئے کہ یہ فتوحات کی بندش کسی عتاب کی وجہ سے ہے پھر سوچنے سے خیال آیا کہ فلاں دن اس غریب کی کوڑیاں واپس کر دی تھیں کہ شاید یہ بات ناپسند ہوئی ہے، بس اسی وقت گھبرا کر بلایا اور خود سوال کیا کہ بھائی وہ دھیلہ کی کوڑیاں ہمیں دے دو، آیا تو دینے سے بھی نہ لیا تھا، یا خود اس سے مانگ رہے ہیں۔

این چنیں شیخ، گدائے کو بکو عشق آمد لا اُبالی فاتقوا

www.besturdubooks.net

(ایسا شیخ کامل گدا بن کر گلی گلی پھر رہا ہے، عشق لا ابالی ہوتا ہے، اس سے ڈرتے ہو۔)
واقعی یہ عشق بھی بہت ناچ نچاتا ہے، وہ بے چارہ یہ سُن کر باغ باغ ہو گیا اور کہا مولانا واقعی مجھے آپ کے انکار سے بہت کلفت ہوئی تھی اور میں نے اب تک وہ کوڑیاں خرچ نہیں کیں دل نے گوارا ہی نہیں کیا کہ ان کو خرچ کروں اب تک ویسی ہی رکھی ہیں آپ نے کہا بس جلدی لے آؤ، اب میں اس کلفت کا تحمل نہیں کر سکتا جو تم کو ایذا دینے سے مجھے پہنچ رہی ہے چنانچہ اس نے وہ کوڑیاں دیں اور آپ نے خوش خوش لے لیں بس اُسی دن سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

عارف کی شان:

صاحبو! عارفین کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ دھیلہ کی کوڑیوں سے بھی مستغنی نہیں ہیں اور اگر کبھی ذرا بھی کسی ادنیٰ نعمت سے استغنا کا وسوسہ پیدا ہو جائے تو پھر خود مانگتے ہیں پھر ان کو دعا میں ثواب یا جنت سے استغنا کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے یہ جو مولانا نے فرمایا ہے کہ ۔

از دعا نہ بود مراد عاشقاں جز سخن گفتن بہ آں شیریں دہاں

(دعا سے عاشقان حق کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ سے اسی بہانے ہم کلامی کی لذت نصیب ہو جاتی ہے)

اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کو لذت خطاب کے سوا جنت یا ثواب کی طلب اور پرواہ نہیں ہرگز نہیں پروا تو ان کو ہر چیز کی ہے ہاں غلبہ لذت و خطاب میں بعض دفعہ ثواب وغیرہ کی طرف التفات نہیں ہوتا جیسا کہ میں نے نماز کی مثال سے اس کو واضح کر دیا تھا اور یہ مضمون دعا کا اس پر چلا تھا کہ عاشق محبوب کے روز روز آنے اور دیر تک بات چیت کرنے سے نہیں گھبرایا کرتا بلکہ وہ تو اس کا موقع ڈھونڈا کرتا ہے کہ کسی طرح اور دیر تک باتیں ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب میں اسی لئے اطناب سے کام لیا تھا کہ اس پر درمیان میں ان سالکین کی غلطی ظاہر کر دی تھی جو دعا کو ترک کر دیتے ہیں اور بتلا دیا تھا کہ گو حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور تمہارے بتلانے اور مانگنے کی ضرورت نہیں مگر محبت کا مقتضا یہ ہے کہ جب محبوب بولنے کی اجازت دے تو بات چیت کے موقع کو غنیمت سمجھے اور خوب عرض و نیاز کرے اور جو چاہے مانگے (یعنی حدود میں رہ کر ۱۲ جامع) غرض عاشق کبھی محبوب کے روز روز آنے سے نہیں گھبرایا کرتا جیسا کہ ہم روز روز دو وقت روٹی کھانے سے نہیں گھبراتے تو حیرت ہے کہ ہم لوگ روٹی سے تو مستغنی نہیں ہیں مگر ذکر سے مستغنی ہیں یہاں تک کہ بعض اہل علم بھی خط لکھتے ہیں کہ اوراد سے جی گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا جس کا

www.besturdubooks.net

تذکرہ ابھی کیا تھا افسوس ان لوگوں نے دنیا کے کاموں کو کبھی جنم روگ نہ سمجھا دیکھئے جو لوگ کسی کام پر ملازم ہیں وہ روزانہ اسی کام پر لگتے ہیں کوئی روز آٹے کی مشین چلاتا ہے کوئی روز تعمیر کے کام پر جاتا ہے آخر اس کو جنم روگ کیوں نہیں سمجھا گیا بس یوں چاہئے کہ ہر دن نیا کام کیا جائے ایک ہی کام روز روز کیوں کیا جاتا ہے اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ ان کاموں کو تو مفید اور ضروری سمجھتے ہیں اس لئے عمر بھر روزانہ کرنے سے بھی نہیں گھبراتے اور ذکر کو تو مفید اور ضروری نہیں سمجھتے اس لئے وہ جنم روگ معلوم ہوتا ہے حضرت یہ ہماری بدقسمتی ہے ورنہ ذکر ایسی چیز ہے کہ مسلمان کو تو اس سے کبھی غفلت نہ ہونا چاہئے تھی، غالباً حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کا ارشاد ہے کہ مجھے بہت زمانہ کے بعد معلوم ہوا کہ عالم میں اہلِ غفلت بھی ہیں ورنہ ابتداء سے میں یہ سمجھتا تھا کہ سب لوگ ذاکر ہیں، اللہ سے غافل کوئی نہیں، خواجہ صاحب بچپن ہی سے صاحب نسبت تھے مادر زاد ولی تھے ان پر کبھی غفلت گزری ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ سب ایسے ہی ہوتے ہوں گے بعد میں معلوم ہوا دنیا میں اہلِ غفلت بھی ہیں اس نمونہ کے ایک بزرگ اس زمانہ میں بھی ہوئے ہیں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد صاحب مادر زاد ولی تھے، ایک دفعہ کوئی گوجران کی بھینس چرالے گیا، حضرت نے تلاش کیا تو لوگوں نے اسی پر شبہ ظاہر کیا کہ حضرت فلاں شخص لے گیا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی ہماری اگر لی ہو تو دے دو اس نے قسم کھالی کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس نہیں لی کسی نے جھوٹ موٹ میرا نام لے دیا ہے۔ آپ کو یقین آگیا اور لوگوں سے کہا کہ اس نے نہیں لی وہ تو قسم کھا کر بری ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ سے کیونکر چھوٹتا، غیب سے اس پر افتاد پڑی اور نقصان پر نقصان اموات پر اموات ہونے لگیں سمجھ گیا کہ یہ حضرت کے سامنے جھوٹی قسم کھانے اور ان کو تکلیف پہنچانے کا وبال ہے آخر جھک مار کر آیا اور اقرار کیا کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس چرائی تھی میری خطا معاف کر دیجئے، فرمایا کہ تو نے قسم کھا کر کہا تھا میں نے نہیں لی، کہا میں نے جھوٹی قسم کھائی تھی، یہ سُن کر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا اللہ کسوں (یعنی اللہ کی قسم یہ پرانا محاورہ تھا) مجھے تو آج خبر ہوئی کہ مسلمان جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، پہلے بزرگوں کے محاورات سیدھے سادے ہوتے تھے، اللہ کی قسم کی جگہ اللہ کسوں کہتے تھے تو بعض مادر زاد ولی اور صاحب استغراق آج کل بھی ہوتے ہیں بہرحال ذکر ایسی ہی چیز ہے کہ ہر مسلمان کو لازم ہونا چاہئے مگر بدقسمتی سے آج کل لازم نہیں رہا اس کی بھی ایک خاص جماعت رہ گئی ہے سو اس مضمون کا تعلق ان ہی اہلِ ذکر سے ہے، اس لئے اس کی ایک خاص مجلس منعقد کی گئی ورنہ حقیقت میں یہ مضمون سب مسلمانوں کے لئے عام تھا۔

www.besturdubooks.net

رضاء الٰہی کی ضرورت:

اب اس کو سُن لیجئے وہ مضمون یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام افعال میں رضا چاہئے اور اپنی تجویز کو ان میں دخل نہ دینا چاہئے، گو یہ بات سب کو معلوم ہے اور اعتقاداً سب ذاکرین اس کو مانے ہوئے ہیں مگر حالاً کبھی اس میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الوان محبت مختلف ہیں کسی میں التہاب ہے اور کسی میں خمود ہے یعنی بعض میں طلب کا لون کیفیت عشقیہ شوقیہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے التہاب اور اضطراب یعنی سوزش وشورش اور بعض میں انس کے ساتھ ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے خمود اور برودت تو کبھی صاحب خمود اپنے کو التہاب واحتراق سے خالی دیکھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں محبت سے محروم ہوں کیونکہ وہ محبت کو لون التہاب کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے پھر عجلت کی وجہ سے اپنے لئے التہاب کو تجویز کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ کسی طرح میرے اندر بھی التہاب پیدا ہو اور جب کسی حکمت سے حق تعالیٰ اس میں یہ کیفیت پیدا نہیں کرتے تو یہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھ کر مغموم رہتا ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے اس نے یہ نہیں سمجھا کہ محبت کا ایک لون برد خمود بھی ہے پس یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں محبت سے محروم ہوں ہرگز محروم نہیں ہو محبت سے تم بھی حصہ لئے ہوئے ہو، مگر اس کا رنگ دوسرا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ محبت سے اپنے کو خالی سمجھنے والا کیا کبھی ایک دن کی نماز بھی ترک کر سکتا ہے اگر کوئی اس کو ہزاروں روپیہ دے اور یہ کہے کہ آج نماز نہ پڑھو تو کیا یہ اس کو گوارا کر سکتا ہے ہرگز نہیں کوئی مسلمان اس کو گوارا نہ کرے گا ہاں شرط یہ ہے کہ صاحب طلب ہو طالب دنیا نہ ہو ورنہ وہ تو ایک پیسہ میں بھی نماز کو بیچ دے گا، ہزاروں کا تو کیا ذکر چنانچہ آج کل بہت مسلمان دین فروشی کر رہے ہیں اور بعض اہل علم بھی اس گناہ میں مبتلا ہیں اتنا فرق ہے کہ عوام کی دین فروشی تو بصورت دنیا ہوتی ہے وہ گناہ کو گناہ کی شکل میں کرتے ہیں اور اپنے کو گنہگار بھی سمجھتے ہیں اور مولوی صاحب کی دین فروشی بصورت دین ہوتی ہے وہ گناہ کو طاعت بنا کر کرتے ہیں غلط فتوے دیں گے اور ٹھونس ٹھانس کسی کلیہ کے تحت میں داخل کر دیں گے ان سے تو وہ عوام ہی اچھے جو گناہ کر کے ڈرتے اور اپنے کو برا سمجھتے ہیں اور یہ مولوی صاحب تو طاعت بنا کر ڈرتے بھی نہیں کیونکہ اپنے نزدیک وہ گناہ کو شریعت کے موافق بنا چکے ہیں شاید اس پر کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ تم نے عوام کی دین فروشی کو علماء کی دین فروشی سے اچھا کیونکر کہہ دیا اور ان کو صاحب خشیت اور مولویوں کو خشیت سے خالی کیونکر بنا دیا، حالانکہ نص سے معلوم ہوتا ہے کہ خشیت تو علماء ہی میں ہوتی ہے جہلاء میں نہیں ہوتی۔

www.besturdubooks.net

علم اور خشیت:

چنانچہ حق تعالیٰ اس کی تصریح فرماتے ہیں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم خشیت کے لئے شرط ہے علت نہیں ہے اس کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ علم کو علت خشیت سمجھتے ہیں اس لئے اس پر یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ کوئی عالم خشیت سے خالی نہ ہو اور کسی مولوی سے گناہ کا صدور نہ ہو حالانکہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے، یہ اشکال پہلے مجھے بھی ہوتا تھا پھر خود بخود قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اس کا حصر مفہوم تو یہ ہے کہ "لا یخشی اللّٰہ من عبادہ الا العلماء" کا خلاصہ یہ ہوا کہ "لا خشیة الا بالعلم" نہ کہ "لا علم الا بالخشیة" پس یہ حصر ایسا ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ الا بطھور کہ نماز بدون وضو کے نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا جہاں وجود ہوگا وضو کے ساتھ ہوگا، بدون وضو کے نہ ہوگا، یہ تو مطلب نہیں کہ جب وضو کا وجود ہو تو اس کے ساتھ نماز کا وجود بھی لازم ہو اسی طرح یہاں پر علم شرط خشیت ہے کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے گو وہ مولوی بھی نہ ہو کیونکہ جاہل بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اسے کم از کم عذاب ہی کا علم ہے تو خشیت بدون علم کے اس کو بھی نہیں ہوتی باقی یہ ضروری نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت لازم ہو کیونکہ علم اس کی علت نہیں۔ اور علت کا وجود تو معلول کے وجود سے مستلزم ہوتا ہے مگر شرط کا وجود مشروط کے وجود کو مستلزم نہیں ہوتا ہاں انتفاء شرط انتفاء مشروط کو بے شک مستلزم ہوتا ہے سو ایسی نظیر کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کہیں خشیت کا وجود بدون علم کے ہو گیا ہو تو علم لوازم خشیت سے ہوا نہ کہ خشیت لوازم علم ہے۔

بہر حال اس آیت کی تفسیر میں بہت لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لئے میں نے متنبہ کر دیا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ علوم معقولہ سے فہم قرآن میں بہت سہولت ہو جاتی ہے چنانچہ شرط اور علت کا نام سنتے ہی طلبہ فوراً سمجھ گئے ہوں گے کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے یہ کام کی بات تھی اس لئے درمیان میں بیان کر دی گئی، غرض جو لوگ طالب دنیا ہوں ان کا تو ذکر نہیں مگر طالب حق جو صاحب خمود ہی ہو ہرگز کسی طمع کی وجہ سے نماز کو قضا نہیں کر سکتا، پس اس کا اپنے کو محبت سے خالی سمجھنا غلط ہے اگر محبت سے محروم ہوتا تو نماز سے اتنی محبت نہ ہوتی اور طالب ہو کر بھلا محروم کیونکر ہو سکتا ہے۔

طالب کی محرومی:

میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ طالب کبھی محروم نہیں ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے

www.besturdubooks.net

من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا
(مسند أحمد ۲:۴۱۳، الترغیب والترهیب ۴:۱۰۴، کنز العمال: ۱۱۶۹.)یعنی جو میری طرف
ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس سے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک ہاتھ اس کے قریب
ہوتا ہے ایک باع یعنی دونوں کھلے ہوئے ہاتھوں کی مقدار اس سے قریب ہوتا ہوں اور یہاں چونکہ
طلب موجود ہے تو قصد قرب بھی موجود ہے اور اس پر وعدہ ہے عطاء تقرب کا تو محرومی نہیں ہوسکتی
بلکہ یقیناً یہ شخص مقرب ہے گو اس کا تقرب بصورت تنزل ہی ہو اور گو اس کے زعم میں غلو اور محرومی
ہو کیونکہ عروج قرب حق کی یہ بھی ایک قسم ہے کہ تنزل کی صورت میں ہو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری معراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح مت دو)
قرب از پستی ببالا رفتن است قرب حق از قید ہستی رستن است
قرب حق بلندی اور پستی پر جانا نہیں ہے قرب حق قید ہستی سے خلاصی پانا ہے)

مولانا نے حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی (اتحاف السادۃ المتقین
۲:۱۰۵.) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس کے عموم میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو کیونکہ جس طرح قرب حق کی
ایک صورت پستی سے بلندی کی طرف جانا ہے اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے کہ بلندی سے
پستی کی طرف جائے قرب حق صورت عروج ہی میں منحصر نہیں بلکہ کبھی بصورت نزول بھی ہوتا
ہے اگر قرب ہمیشہ بصورت عروج ہی ہوا کرتا تو حق تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ نہ فرماتے بلکہ
وَاسْجُدْ وابتعد فرماتے کیونکہ سجدہ میں تو بلندی کی طرف نہیں جاتا بلکہ بندہ پستی کی طرف
جاتا ہے اگر یہ بعد ہوتا تو حق تعالیٰ اس پر وَاقْتَرِبْ کو کبھی مرتب نہ فرماتے حالانکہ نص میں صراحتاً
سجدہ کو سبب قرب فرمایا گیا ہے معلوم ہوا کہ قرب بصورت نزول بھی ہوتا ہے پس تم یہی سمجھو کہ تم
کو اسی صورت سے قرب عطا ہوا ہے، صاحب اگر تم اللہ سے دُور ہوتے تو وہ طاعات وذکر کی تم کو
کبھی توفیق نہ دیتے اور یہ طلب تمہارے اندر پیدا نہ کرتے، یہ مضمون حضرت حاجی صاحب نے
بیان فرمایا تھا واقعی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے شبہات کے حل کرنے کے امام تھے، چنانچہ
ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص حج کر کے یہ وسوسہ رکھے کہ نہ معلوم میرا حج قبول ہوا یا نہیں وہ بڑا بدگمان

www.besturdubooks.net

ہے اگر حق تعالیٰ کو قبول حج منظور نہ ہوتا تو وہ تم کو اپنے دربار تک آنے بھی دیتے دُور ہی سے دھکے دے دیتے جیسا کہ ہزاروں کو باوجود وسعت و دولت کے حاضری کی توفیق نہیں دی جب حق تعالیٰ نے تم کو اپنے گھر تک بلالیا تو اُمید قوی رکھو کہ ان شاء اللہ حج قبول ہے۔

ذکر کا نفع:

حدیث میں ہے انا عند ظن عبدی بی(مسند أحمد ۲: ۳۱۵، الترغیب والترھیب ۲: ۲۹۳، اتحاف السادۃ المتقین ۵: ۵.) (میں بندہ کے گمان کے زیادہ قریب ہوں) اس قاعدہ سے اُمید ہے کہ اگر تمہارا حج قابل قبول بھی نہ ہو تو اس گمان نیک کی برکت سے قبول ہو جاوے گا اسی طرح ایک دفعہ ذاکر نے عرض کیا کہ حضرت میں چوبیس ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کرتا ہوں مگر کچھ نفع معلوم نہیں ہوتا، فرمایا یہ کیا تھوڑا نفع ہے تم کو اس قدر ذکر کی توفیق دی سبحان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حل ہوگا، غرض جو شخص طلب میں مشغول ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں صرف طالب ہی ہوں اور اسی طلب سے کام کر رہا ہوں بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہے صاحب حق تعالیٰ ہی کی محبت سے آپ کام کرتے ہیں اگر ان کو محبت نہ ہوتی تو آپ کی کیا مجال تھی جو طلب میں مشغول ہوتے اور ذکر و طاعات بجالاتے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

آب کم جو تشنگی آور بدست　　تا بجو شد آبت از بالا وپست

(پانی مت تلاش کرو، پہلے اپنے اندر پیاس پیدا کرو، پیاس کی برکت سے پانی تمہارے اندر بہت جوش مارے گا)

یعنی پانی کی تلاش کم کرو اور اپنے اندر تشنگی پیدا کرو جہاں تشنگی ہوگی وہاں پانی خود بخود پہنچ جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح پیاسے پانی کے طالب ہیں اسی طرح پانی بھی ان کا طالب ہے ۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے لوگ اگر جہان سے پانی تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ ہر محب محبوب بھی ہوتا ہے اور ہر طالب مطلوب بھی ہوتا ہے تم تنہا اپنے ہی کو طالب نہ سمجھو بلکہ تمہارا بھی کوئی طالب ہے اور اسی کی طلب کے اثر سے تمہارے اندر طلب پیدا ہوئی ہے فرماتے ہیں ۔

ہر کہ عاشق دید لیش معشوق داں　　کیں بہ نسبت ہست ہم این وہم آں

(جس کو عاشق دیکھو سمجھو کہ یہ محبوب بھی ہے اگر مطلوب اور محبوب نہ ہوتا تو اس کو طلب ہی نہ ہوتی)

www.besturdubooks.net

پس اتنا فرق ہے کہ تمہارا عشق تو ایسا ہے کہ تم نے دنیا میں غل مچا دیا ڈھول پیٹ دیئے کہ ہائے ہم مرے ہائے ہم چلے تم نے تو ایک شور برپا کر دیا اور معشوق کا عشق تخفی ہے وہ ڈھول نہیں پیٹتے فرماتے ہیں۔

عشق معشوقاں نہاں است وستیر　　عشق عاشق بادو صد طبل و نفیر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند　　عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

(معشوقوں کا عشق پوشیدہ ہوتا ہے اور عاشقوں کا عشق ڈھول کی طرح ظاہر ہوتا ہے لیکن عاشقوں کا عشق ان کو ظاہر کرتا ہے اور معشوق کا عشق ان کو فربہ کرتا ہے)

تمہارے عشق کی شان تو یہ ہے کہ اس سے چہرہ زرد ہو گیا لبوں پر خشکی آ گئی، اضطراب اور بے چینی بڑھ گئی اور عشق محبوب کی شان عدم تغیر و عدم تاثر ہے پس فربہ کند کہنا مجاز ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں تاثر اور تغیر نہیں ہے جیسا عاشق کو کیفیت عشق سے تاثر و تغیر ہوتا ہے جیسے گریہ و آہ و زاری و زردی رنگ و رُخ وغیرہ اور چونکہ عدم تاثر و عدم تغیر کے لئے عادۂ تخلوق میں فربہی لازم ہے تو مولانا نے بطور کنایہ کے لازم بول کر ملزوم کا قصد کر لیا اور یہ کوئی جرم نہیں قرآن و حدیث میں ایسے محاورات کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں حق تعالیٰ بندہ سے فرمائیں گے مرضت فلم تعدنی واستطعمک فلم تطعمنی کہ میں بیمار ہوا تو میری عیادت کو نہ آیا میں نے کھانا مانگا تو نے دیا نہیں مومن عرض کرے گا "یا رب کیف ادعوک و کیف اطعمک و انت رب العالمین" کہ الٰہی میں آپ کی عیادت کیسے کرتا اور آپ کو کھانا کیسے کھلاتا آپ تو رب العالمین ہیں اور ان تغیرات سے منزہ ہیں ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور اس نے تجھ سے کھانا مانگا سو تو نے اس کی عیادت نہ کی نہ اُسے کھانا دیا اور اگر تو اس کو پوچھنے جاتا اور اس کی خدمت کرتا لوجدتنی عندہ تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا، بتلایئے یہ مجاز کا استعمال ہے یا نہیں ورنہ کیا حق تعالیٰ پر مرض کا حقیقی اطلاق صحیح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں (علی ہذا قرآن میں حق تعالیٰ کے رؤف و رحیم اور غضب وغیرہ کا جو استعمال ہے کیا اس کو حقیقت پر حمل کیا جا سکتا ہے کبھی نہیں علماء نے خود تصریح کی ہے کہ ان صفات کا حمل حق تعالیٰ پر غایات کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ مبادی کے اعتبار سے ۱۲) پھر صوفیہ ہی نے اگر مجاز کا استعمال کر لیا تو کیا قصور ہو گیا ان علماء خشک سے خدا بچائے کہ خواہ مخواہ صوفیہ پر دھڑا دھڑ کفر کے فتوے لگانے لگے حالانکہ اس سے بڑھ بڑھ کر نصوص میں الفاظ موجود ہیں اور رات دن یہ خود اس میں تاویلیں کرتے ہیں پھر صوفیہ کے کلام میں تاویل کر لینے اور کنایہ و مجاز پر حمل کرنے سے ان کو کیا چیز مانع ہوئی یہ ضرور ہے کہ بعض

www.besturdubooks.net

صوفیہ سے دین کا ضرر بھی ہوا ہے مگر غیر محققین سے باقی محققین سے کبھی ضرر نہیں ہوا محقق ایک جگہ اگر مجاز کا استعمال کرتا ہے تو دوسری جگہ اس کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے چنانچہ یہاں تو مولانا نے عشق الٰہی کی ایک مثال بیان کردی اور دوسری جگہ ان تمثیلات سے برأت ظاہر کی ہے فرماتے ہیں ۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من وتمثیل من

(اے وہ ذات کہ ہمارے وہم اور قیل وقال سے برتر ہے ہمارے تمثیلات پر خاک ہو اور ہمارے سروں پر یعنی جو مثال ذات ہے اس کی مثال سے ممکن ہوگا)

اس کے بعد تمثیل کا عذر بیان کرتے ہیں کہ جب یہ تمام تمثیلات ناقص ہیں تو پھر ان کو بیان کس لئے کیا جاتا ہے۔تو فرماتے ہیں ۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہردمت گوید کہ جانم مفرشت

(لیکن بندہ کو بغیر تصور صبر نہیں آتا اور تصور بغیر مثال ممکن نہیں پس ہر وقت اپنی جان کو پیش کرتا رہتا ہے)

خدا کا تصور:

یعنی بندہ کو بدون آپ کے تصور کے صبر نہیں آتا اور تصور بدون مثال کے ہو نہیں سکتا کیونکہ غائب کا تصور کسی نہ کسی صورت ہی سے ہوگا مگر وہ صورت عین حق نہ ہوگی بلکہ محض مثال ہوگی آخر نماز میں جو تم حق تعالیٰ کا تصور کرتے ہو تو کیا یہ ذات کا تصور ہے ہرگز نہیں بلکہ مثال کا تصور ہے ورنہ وہ تو وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے جو بھی مثال خدا کی ہمارے ذہن میں آتی ہے حق تعالیٰ سب سے پاک ہیں اسی لئے صوفیا یوما فیوما ترقی کی وجہ روزانہ تصور سابق سے توبہ واستغفار کرتے جاتے ہیں کیونکہ ترقی کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مثال سابق ناقص تھی اسی کو ایک آزاد صوفی نے اس عنوان سے بیان کیا ہے جو ظاہر میں بہت وحشت ناک ہے، واقعی بعضوں کا جی ہی چاہتا ہے کہ ان پر فتویٰ لگے مگر وہ محض عنوان ہی کے درجہ میں وحشت ناک ہے، مطلب وحشتناک نہیں وہ کہتے ہیں ۔

بیزارم ازاں کہنہ.خدائی کہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست

(تیرے تصور میں ہم ایسے جمود سے بےزار ہیں ہمارے تصور میں تو ہر روز ترقی ہے اور ہر روز ترقی باطنی کے سبب نئی شان کا مشاہدہ کر سکتا ہے)

ظاہر میں تو شرک معلوم ہوتا ہے کہ میرا ہر دن نیا خدا ہے اور تمہارے پرانے خدا سے میں بے

www.besturdubooks.net

زار ہوں مگر مطلب یہ ہے کہ تم کو چونکہ ترقی نہیں ہوئی اس لئے ساری عمر ایک ہی مثال سے حق تعالیٰ کا تصور کرتے رہتے ہو اور مجھ کو روزانہ ترقی ہے اس لئے مجھے ہر دن نئی مثال سے تصور ہوتا ہے غرض مجاز کا استعمال جس طرح قرآن و حدیث میں ہے یونہی صوفیہ کے کلام میں بھی ہے اس سے متوحش ہونا دلیل ناواقفیت ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اپنے کو صرف طالب ہی نہ سمجھو بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی تم سے محبت ضرور ہے اور اسی محبت کا یہ اثر ہے کہ تم کو طلب دے دی پھر اپنے کو محروم کیوں سمجھتے ہو پس میں نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد سے مولانا رومی کے اقوال سے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "من تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعاً" سے بلکہ یوں کہو کہ حق تعالیٰ سے کیونکہ یہ حدیث قدسی ہے جو حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے قرآن میں اور حدیث قدسی میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ قرآن متلو ہے اور یہ متلو نہیں ہے یہ ثابت کر دیا ہے کہ طالب کبھی محروم نہیں ہوتا تو حیرت ہے کہ یہ شخص باوجودیکہ اس میں آثار محبت موجود ہیں (یعنی طلب اور قصد ۱۲) پھر اپنے کو محبت سے خالی سمجھتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو شراب پلائی گئی ہو مگر زیادہ تیز نہ ہو تو وہ یوں سمجھے کہ سوڈا پلایا گیا ہے، جیسے رڑکی میں اس کا عکس ہوا تھا کہ وہاں ایک مولوی صاحب گئے اور رات کو ایک مسجد میں وعظ کہا اگلے دن ایک تاجر نے ان کی دعوت کی تو یہ اس کی دکان پر گئے، اس وقت وہ تاجر سوڈے کی بوتل پینے کے واسطے کھول رہا تھا، پہلے پہل سوڈے کی بوتلوں کی ڈاٹ باہر کی طرف بڑے زور سے کھلتی تھی تو اس کی تیزی سے مولوی صاحب یہ سمجھے کہ شراب پی رہا ہے آپ نے اس کو نصیحت کی کہ ہم سے محبت کرتے ہو اور شراب پیتے ہو اس نے کہا یہ شراب نہیں ہے بلکہ سوڈا ہے ان کو یقین نہ آیا کہ بھلا ایسا جوش شراب کے سوا بھی کسی چیز میں ہو سکتا ہے، اس نے پھر یقین دلایا غرض بڑی مشکل سے ان کو یقین آیا کہ واقعی سوڈا ہی ہے، اب اس تاجر نے مولوی صاحب سے بھی کہا کہ ایک بوتل آپ بھی پی لیں اوّل تو انہوں نے انکار کیا مگر اصرار کے بعد ایک بوتل پی لی تھوڑی دیر کے بعد تاجر نے یہ شرارت کی کہ بیٹھے بیٹھے جھومنے لگا، مولوی صاحب نے پوچھا کہ جھومتے کیوں ہو کہا یہ تو شراب تھی مجھے اس کا نشہ چڑھنے لگا ہے اب تھوڑی دیر میں آپ بھی اسی طرح جھومیں گے، بس یہ سُن کر مولوی صاحب کا تو رنگ فق ہو گیا اور کہنے لگے اللہ کے واسطے مجھے کسی کوٹھڑی میں بند کر دو تا کہ مجھے نشہ کی حالت میں کوئی دیکھنے نہ پائے، لوگ کیا کہیں گے کہ رات تو یہ وعظ کہہ رہے تھے اور اب شراب پینے لگے ہیں اور اللہ کے واسطے کسی سے کہنا نہیں میں تو پہلے ہی شراب سمجھ کر تمہیں بھی اس سے روکتا تھا مگر تم نے دھوکہ سے مجھے پلا دی تاجر نے کہا اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب ذرا لوگ بھی

www.besturdubooks.net

تو آپ کا تماشا دیکھیں مولوی صاحب رونے لگے اور اس کی بہت خوشامدیں کرنے لگے تب وہ ہنس پڑا اور کہا مولوی صاحب آپ تو بہت ہی بھولے نکلے کہ ساری بوتل پینے کے بعد بھی آپ کو یہ احتمال باقی رہا کہ شاید یہ شراب ہی ہو میں تو آپ سے ہنسی کر رہا تھا، آپ گھبرائیں نہیں بڑی کوشش سے ان کو اطمینان ہوا تو جیسے ان مولوی صاحب نے سوڈے کی بوتل کو شراب سمجھ لیا تھا ایسے ہی بعض سالکین شراب محبت پی کر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے سوڈا پی رکھا ہے، صاحب یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم شراب کو سوڈا سمجھتے ہو، محض اس لئے کہ اس میں تیزی کم ہے سو یاد رکھو کہ شرابیں مختلف ہیں کسی میں تیزی کم ہوتی ہے کسی میں زیادہ، اس لئے کسی میں التہاب ہے اور کسی میں نہیں جس میں التہاب نہیں ہوتا وہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھنے لگتا ہے غرض بعض دفعہ محبت ایسی لطیف کیفیت کے ساتھ ہوتی ہے جس کا خود صاحب محبت کو بھی پتہ نہیں چلتا مگر پہچاننے والا پہچان لیتا ہے سو اس حالت میں آپ کو محقق کی بات مان لینی چاہئے اسی محبت کی کمی کے تو ہم پر دو واقعے یاد آ گئے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مولانا محمد قاسم صاحب سے فرمایا کہ میں اپنے اندر حاجی صاحب کی ایسی محبت نہیں پاتا جیسے مریدوں کو شیخ سے ہوا کرتی ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کا عملی جواب دیا کہ اوّل تو اس بات کو ٹال گئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تھوڑی دیر میں فرمایا کہ مولانا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ آپ حاجی صاحب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں بس یہ سُن کر مولانا گنگوہیؒ گھبرا گئے اور فرمایا توبہ کرو توبہ کہاں میں اور کہاں حاجی صاحبؒ میں تو ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں مجھے آپ کی اس بات سے سخت تکلیف پہنچی، تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تو یہ کہتے تھے کہ مجھے حاجی صاحبؒ سے محبت نہیں پھر اتنی توبہ استغفار اور گھبراہٹ کیوں ہے مولانا نے فرمایا جزاک اللہ واقعی تمہاری اس بات سے مجھے معلوم ہو گیا کہ بہت محبت ہے تو مولانا نے زبانی جواب نہ دیا بلکہ عملی جواب دیا کیوں اس لئے کہ ؎

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است   لیک عشق بے زباں روشن تر است

(اگرچہ تفسیر زبان کی روشن ہے لیکن عشق تو بے زبان ہی زیادہ عمدہ تفسیر بیان کرتا ہے)

محبت کا پیمانہ:

بعض دفعہ زبانی جواب سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی جو بے زبان سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایک بار حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک رئیس نے گڑھی پختہ میں عرض کیا کہ حضرت حدیث میں آیا ہے کہ جب تک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

www.besturdubooks.net

وسلم سے بیوی بچوں اور ماں باپ سب سے زیادہ محبت نہ ہو اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوتا تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے ساتھ ان لوگوں سے زیادہ محبت نہیں ہے بلکہ ان سے کم ہے اس لئے اندیشہ ہوتا ہے مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے بھی اس کا عملی جواب دیا کہ اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا ان رئیس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مزہ آنے لگا تو درمیان میں مولانا نے فرمایا کہ آپ کے والد صاحب بھی بڑے اچھے آدمی تھے مجھے ان کی ایک حکایت یاد آ گئی بس یہ سُن کر وہ رئیس کہنے لگے حضرت یہ بیچ میں آپ نے کیا بات شروع کر دی، بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد کا ذکر کیسا وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کیجئے جواب تک کر رہے تھے، مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو اپنے والد کا تذکرہ ناگوار ہوا۔ کہا بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں کسی کا ذکر کیونکر گوارہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا تم تو کہتے تھے کہ مجھے حضور کے ساتھ ماں باپ سے زیادہ محبت نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں ان کے تذکرہ سے ناگواری کیوں ہوئی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے مگر وہ ایسی رگ وپے میں سرایت کی ہوئی ہے کہ پتہ نہیں چلتا، موقع پر اس کا ظہور ہوتا ہے اب تو رئیس صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا مولانا واقعی آپ نے خوب سمجھایا، دلائل سے اس طرح سمجھ میں نہ آتا جیسا آپ نے عملاً سمجھا دیا، تو حضرت واقعی بات یہی ہے کہ مسلمان کو اللہ و رسول کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے اگر باپ ماں یا بیوی بچے نعوذ باللہ اللہ اور رسول کی شان میں کچھ بے ادبی اور گستاخی کا کلمہ کہہ دیں اس وقت دیکھئے آپ کی کیا حالت ہوتی ہے کہ آپ ان کو کچا کھا جائیں گے، اور تن بدن میں آگ لگ جائے گی، اگر بیوی بچوں کی محبت زیادہ ہے تو اس وقت وہ کہاں چلی جاتی ہے موقع پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمان کو اللہ و رسول سے زیادہ کسی کی محبت نہیں جبھی تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ مگر اس کا دعویٰ نہ کرنا چاہئے کہ ہم کو اللہ و رسول کی محبت سب سے زیادہ ہے بس دل کو سمجھا لو مگر زبان سے دعویٰ نہ کرو اور نہ اتنی تواضع کرو کہ اپنے کو محبت سے خالی ہی سمجھنے لگو بس یہاں تو خاموشی ہی چاہئے خود کچھ فیصلہ نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دو اور جو کچھ وہ فیصلہ کر دے اس پر مطمئن رہو ۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را   عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

(کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں، ورنہ گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ نہیں ہو سکتے)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب کوئی تم سے پوچھے کہ تم کو اللہ سے محبت ہے یا نہیں تو سکوت کرو کچھ جواب نہ دو کیونکہ انکار تو کفر ہے اس لئے کہ اس میں تکذیب ہے حق تعالیٰ کے قول

www.besturdubooks.net

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی اور اقرار دعویٰ ہے اور دعوے پر کبھی پکڑ ہو جاتی ہے اور امتحان ہونے لگتا ہے گو تحدث بالنعمۃ کے طور پر محبت ظاہر کرنا دعویٰ نہیں مگر بعض دفعہ تحدث بالنعمۃ اور دعویٰ کی صورت ایک ہو جاتی ہے لہجہ کے ذرا سے فرق سے بات بدل جاتی ہے اور تحدث نعمت دعویٰ بن جاتا ہے اور دعویٰ اس طریق میں بہت سخت چیز ہے حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ غلبہ حال میں ان کے منہ سے یہ نکل گیا ۔

فلیس لی فی سواک حظ فکیف ماشئت فاختبرنی

(میرے لئے آپ کے سوا کسی شئے میں لذت نہیں پس آپ ہمارے دعویٰ میں جس طرح چاہیں امتحان کرسکتے ہیں)

اہل اللہ کا امتحان:

کہ مجھے آپ کے سوا کسی چیز میں حظ نہیں ہے آپ جس طرح چاہیں مجھے آزمالیجے بس فوراً امتحان شروع ہوگیا اور امتحان بھی ایسا سخت جس کی انسان کو برداشت مشکل ہے یعنی پیشاب بند ہوگیا، پیشاب بند ہونے کی ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ الامان سارے طبیب اور ڈاکٹر عاجز ہوگئے مگر کسی طرح بند نہ کھلا کیونکہ وہ تو امتحان تھا اور دعا اس لئے نہ کرتے تھے کہ محبوب روٹھے ہوئے تھے بس ان کے دعوے کی حقیقت تو ظاہر کردی پھر خود ہی رحم فرمایا اور ادھر ہی سے دعا کی اجازت ہوئی مگر اجازت بھی اس طرح نہیں ہوئی کہ ان سے کہا ہو یا بلا واسطہ ان کے پاس پیغام بھیجا ہو بلکہ اس طرح اجازت ہوئی کہ رات کے وقت ایک فرشتہ کو حق تعالیٰ نے بھیجا جس نے رات بھر حضرت سمنون کی آواز میں دعا کی ۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ اید در حدیث دیگراں

(بہتر یہی ہے کہ محبوبوں کے اسرار کسی دوسرے کی زبان سے عیاں ہوں)

سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سمنونؒ ہی دعا کررہے ہیں صبح کو مریدوں نے آ کر عرض کیا رات کو آپ دعا کررہے تھے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہا آپ کی آواز آرہی تھی آپ سمجھ گئے کہ اُدھر سے دُعا کی اجازت ہوگئی ہے مگر اب بھی خود دعا نہیں کی کیونکہ ادھر سے اجازت بواسطہ ہوئی تھی تو آپ نے بھی بواسطہ دعا کی واقعی محبوب کے انداز بھی عجیب وغریب ہوتے ہیں جن کو عشاق ہی سمجھتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

www.besturdubooks.net

خوبی ہمیں کرشمہ نازم خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(خوبی اس کرشمہ ناز وخرام کا نام نہیں ہے، بہت سی ادائیں جن کا نام نہیں لیکن ان کو عاشق کا دل سمجھتا ہے)

حضرت سمنونؒ نے اس انداز کو سمجھ لیا کہ جب ادھر سے بواسطہ اجازت دی گئی تو مجھے بھی بواسطہ دعا کرنا چاہئے ابھی بلاواسطہ دعا کی اجازت نہیں چنانچہ آپ نے بھی فرشتوں جیسے آدمیوں کو واسطہ بنایا یعنی معصوم بچوں کو بس روز مکتب میں جاتے اور بچوں سے کہتے ادعوا لعمکم الکذاب اے بچو! اپنے جھوٹے چچا کے لئے دعا کرو، چچا تو اس واسطے کہ عرب میں بڑی عمر والے کو عم ہی کہا کرتے ہیں اور کذاب اس لئے کہا کہ دعویٰ نباہ نہ سکے۔ تو صاحبو! یہاں دعوے کا کام نہیں اور زیادہ تواضع بھی اچھی نہیں کہ اپنے کو محبت سے خالی کہنے لگو بس یہاں تو خاموشی ہی مناسب ہے، واقعی محبت کا راستہ بھی عجیب ہے، حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

ارے یارو جسے کہتے ہیں الفت　　قیامت ہے قیامت ہے قیامت ہے

ایک اور عاشق نے عشق کی حقیقت کو خوب ہی بیان کیا ہے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن　　دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

(عاشقی کیا ہے کہ محبوب کا غلام بن جانا اور دل کو اس کے سپرد کر کے خود حیران رہ جانا)

بس یہاں تو یہی کرنا چاہئے کہ دل ان کو سپرد کر کے خود حیران کھڑا منہ تکا کرے زبان سے اقرار کرے نہ نفی کرے اس سے اگلا شعر بہت سخت ہے اہل ظاہر اس سے متوحش ہوں گے مگر مجمع خاص ہے اور اس سے پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ صوفیہ مجاز اور کنایہ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں، تو امید ہے کہ غلط فہمی نہ ہوگی، پھر میں اس کا مطلب بھی بیان کر دوں گا تو استبعاد رفع ہو جائے گا کہتے ہیں۔

سوی زلفش نظرے کردن و رویش دیدن　　گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

(کبھی تو محبوب کے زلف پر نظر کرنا اور حالت قبض وغم میں مبتلا ہو جانا اور کبھی اس کے چہرہ کو دیکھنا اور حالت بسط اور لذت وصال میں مسرور ہونا)

اس میں زلف سے مراد تجلیات جلالیہ ہیں اور رُخ سے مراد تجلیات جمالیہ اور کفر سے مراد فناء ہے اور اسلام سے مراد بقا ہے کیونکہ کفر میں جہل بالتصدیق ہوتا ہے اور اسلام میں علم وتصدیق ہوتی ہے اسی طرح حالتِ فناء میں کچھ خبر نہیں رہتی تو وہ مشابہ جہل کے ہے اور بقاء میں واردات وعلوم کا ادراک ہوتا ہے وہ مشابہ تصدیق اسلام کے ہے غرض یہاں بولنے چالنے کا موقع نہیں ہے حیرت ہی حیرت

www.besturdubooks.net

ہے بس گلا گھونٹ کر حجرہ بند کر کے بیٹھو اور ان کی طرف متوجہ رہو نواب شیفتہ خوب فرماتے ہیں ۔

چہ خوش ست با تو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن　　در خانہ بند کردن در شیشہ باز کردن

(کیا اچھی حالت ہوگی کہ آپ کے بزم میں تخلی اور راز و نیاز کی باتیں کرنا اور گھر کا دروازہ بند کر کے شراب محبت حقیقی کا شیشہ کھولنا اور پینا)

سلوک کا تقاضا:

پس سالکین کو چاہئے کہ ہر حالت میں راضی رہیں اور زبان کو بند رکھیں نہ اپنے کو صاحب محبت کہیں نہ خالی اور محروم کہیں میں نے بتلا دیا کہ طالب محروم نہیں ہوا کرتا دیکھو کہیں خالی کہنے پہ وہ واقعی خالی ہی نہ کر دیں اور بالفرض اگر تم کو محبت ہی نہ ہو جب بھی خاموش ہی رہو جب محبت تقسیم ہوگی تو تم کو بھی مل جائے گی کیونکہ چپکے کھڑے رہنے والے پر بھی رحم آجاتا ہے دیکھو جب مٹھائی تقسیم ہوتی ہے تو بعضے بچے اچھلتے کودتے اور چلاتے ہیں کہ ہمیں بھی دو اور بعضے بیچارے چپکے کھڑے رہتے ہیں تو ان پر بھی تقسیم کرنے والوں کو رحم آیا کرتا ہے کہ یہ بچہ بے چارہ کچھ نہیں بولتا خاموش کھڑا ہے اس کو ضرور دینا چاہئے تو اس کو خاموشی کی وجہ سے اوروں سے پہلے حصہ مل جاتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تم میں محبت نہ بھی ہو جب بھی دعویٰ یا نفی سے چلاؤ نہیں صورت سوال بن کر چپکے بیٹھے رہو ان شاء اللہ تم پر رحم کر کے ایک دن محبت عطا کر دی جائے گی، صاحبو! یہ الوان محبت ہیں کسی میں التہاب واضطراب ہے اور یہ بھی انہی کا رنگ ہے اور کسی میں جمود وخمود ہے یہ بھی انہی کا رنگ ہے میں دوبارہ مولانا کا شعر یاد دلاتا ہوں ۔

عشق معشوقاں نہاں است وستیر　　عشق عاشق باد وصد طبل ونفیر

(معشوقوں کا عشق پوشیدہ رہتا ہے اور عاشقوں کا عشق ڈھول کی طرح شور مچاتا ہے)

تو صاحب خمود کو خوش ہونا چاہئے کہ اس کو عشق محبوب کا خاص رنگ عطا ہوا ہے اور ایک حالت تردد حیرت کی ہے اس پر بھی راضی رہنا چاہئے، یہ بھی محبت کا ایک رنگ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

ر تردد ہر کہ او آشفتہ است　　حق بگوش او معما گفتہ است

(جو عاشق کچھ سوچ رہا ہے تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معمہ یعنی راز محبت کہہ دیا ہے وہ بے چارہ اسی کو سوچتا ہے)

اس کے کان میں کوئی معما کہہ دیا ہے کہ سوچتے رہو وہ بے چارہ اسی کو سوچ رہا ہے جیسے

www.besturdubooks.net

ہم لوگ آپس میں پہیلی کہا کرتے ہیں جس سے دوسرا گھنٹوں سوچتا ہے ایک اور عاشق اس مضمون کو دوسرے عنوان سے کہتے ہیں ۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است　　بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است

(پھول کے کان میں آپ نے کیا کہہ دیا ہے کہ وہ ہنس رہا ہے اور بلبل کے کان میں کیا راز کہہ دیا ہے کہ وہ ہر وقت اشکبار رہے)

تو صاحب ان کے مختلف الوان ہیں کسی کو ہنسا رکھا ہے اور کسی کو رُلا رکھا ہے، بس جس کو وہ ہنساتے ہیں وہ رونے کی ہوس نہ کرے اور جس کو وہ رلاتے ہیں وہ ہنسنے کی خواہش نہ کرے جس کو جس حال میں رکھیں راضی رہے خود کچھ تجویز نہ کرو کہ ہائے میرے اندر التہاب ہوتا اضطراب ہوتا یا صاحب التہاب یوں کہے کہ میرے اندر بردو خمود ہوتا، ان تجویزوں کو چھوڑو، میں یہ نہیں کہتا کہ تدبیر نہ کرو، تدبیر ضرور کرو، مگر تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ حالت موجودہ سے راضی نہ رہو بلکہ تدبیر کے یہ معنی ہیں کہ کسی محقق سے اپنا حال کہہ دو پھر جو وہ کہے اس کا اتباع کرو اور یہی تدبیر ہے اور جب تک حق تعالیٰ خود تم کو بصیرت نہ دے دیں اس وقت تک محقق کا اتباع کرتے رہو اس کے بعد بے فکر رہو۔

وسوسہ سے اجتناب:

طالب کو محرومی کا وسوسہ بھی نہ لانا چاہئے، ان شاء اللہ طالب ضرور واصل ہو کر رہے گا، ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی جلدی ہوتا ہے کوئی دیر سے کیونکہ آج اگر کسی پہلوان کی چار سیر خوراک ہے تو ایک بچہ یہ ہوس نہ کرنے لگے کہ میں بھی آج ہی سے چار سیر کھانے لگوں تو اس کا انجام یہ ہے کہ دو دن میں ختم ہو جائے گا، اس لئے ہر شخص کو اتنی ہی خوراک دی جاتی ہے جس کا اس کو تحمل ہے ۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ　　بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

طفل را گر ناں دہی برجائے شیر　　طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

(جانوروں پر بقدر تحمل بوجھ لادو، کمزور لوگوں کو ان کی صحت کے اندازہ سے کام سپرد کرو، بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دو گے تو بچہ کو اس روٹی سے مرا ہوا پاؤ گے۔)

بچہ کو تو یہی مناسب ہے کہ اس وقت دودھ ہی پیتا رہے پھر جب رفتہ رفتہ بڑا ہوگا اس دن وہ بھی اس پہلوان کی طرح سیروں ہضم کرلے گا، جلدی مناسب نہیں تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں خمود وجمود کی جگہ شوق و ذوق والتہاب واضطراب کا رنگ عطا ہو جائے یہ تمہاری غلط تجویز ہے تم کو کیا

www.besturdubooks.net

خبر کہ شوق وذوق کے غلبہ میں تمہارا کیا حال ہوتا۔اب تو ایمان بھی سلامت ہے، ممکن ہے کہ غلبہ شوق میں تمہارا ایمان بھی رخصت ہوجاتا ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن که خواجه خود روش بنده پروری داند

(تم بندگی بشرط مزدوری مت کرو کیونکہ خواجہ بندہ پروری خوب جانتے ہیں)

بس حق تعالیٰ خود ہی ہر ایک کی تربیت اس کے مناسب حال طریقہ سے فرماتے ہیں ہم کو سمجھنا چاہئے کہ جو صورت ہمارے لئے تجویز کی گئی ہے یہی بہتر ہے، شوق وذوق بے شک عجیب آثار ہیں لیکن بعض دفعہ خطرناک ہیں، اس لئے ہر ایک کے مناسب نہیں ہوئے، قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر قربان ہوجایئے آپ کے کہ آپ کے شوق کی دعا بھی فرمائی تو کن قیود کے ساتھ فرماتے ہیں" واسألک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة یعنی میں آپ سے شوق لقا مانگتا ہوں مگر اس طرح جس میں نہ ضراء مضر ہو، نہ گمراہ کن فتنہ ہو۔

قرآن وحدیث وتصوف:

لوگ حدیثوں سے تصوف نہیں سمجھتے حالانکہ حدیث وقرآن ہی میں تصوف ہے اور کہیں نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ شوق کے لئے دو قیدیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ ضراء مضرہ نہ ہو میرے ذوق میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس سے جسمانی تکالیف پیدا نہ ہوں، دوسرے یہ کہ فتنہ مضلہ نہ ہو اس میں آپ نے بتلا دیا کہ شوق کا ہر درجہ مطلوب نہیں بلکہ بعض درجات خطرناک بھی ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض دفعہ شوق کے غلبہ سے ایک ضرر تو جسم کا ہوتا ہے وہ یہ کہ جوش عشق سے بدن گھلنے لگتا ہے، جیسے تپ دق سے گھلتا ہے کہ حرارت اندر ہی اندر جسم کو کھالیتی ہے اور یہ دنیا کو بھی مضر ہے دین کو بھی کیونکہ ترقی مطلوب میں جسم کو بھی بڑا دخل ہے مدعیان تصوف اس کو نہیں سمجھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جسم جس قدر لاغر وضعیف ہوگا اسی قدر روح لطیف ہوگی اور ترقی روح سے ہوتی ہے یہ غلط ہے ترقی مطلوب صرف روح سے کبھی نہیں ہوسکتی ورنہ روح تو عالم بالا میں بدون جسم کے پہلے سے موجود تھی، اگر ترقی مطلوب کا مدار صرف روح پر تھا تو اس کو جسم میں مقید کرکے کیوں بھیجا گیا، بس عالم ارواح ہی میں رکھا جاتا معلوم ہوا کہ ترقی مطلوب کی بعض فرد بدن ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے کیونکہ روح مجرد سے نماز کیونکر ادا ہوتی نماز تو جسم ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، اور اگر روح کو بقول متکلمین مادی ہی مان لیا جاوے تب بھی اس سے روزہ مثلاً کیونکر ادا ہوتا کیونکہ متکلمین بھی اس

www.besturdubooks.net

کے قائل ہیں کہ روح گو مادی ہے مگر نہایت لطیف ہے جیسے ملائکہ سو جیسے فرشتوں کو بھوک پیاس نہیں لگتی، اسی طرح روح کو بھی نہیں لگتی تو روزہ کا صدور تو روح سے کبھی نہ ہو سکتا وعلیٰ ہذا۔

جسم اور اعمال کا تعلق:

بہت سے اعمال جسم پر موقوف ہیں اس لئے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اسی لئے سید العاشقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **ان لجسدک علیک حقا** (مسند أحمد ۲۶۸:۲، مستدرک حاکم ۴:۰ ۶، اتحاف السادة المتقین ۴: ۱۵۲.) (بے شک تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے) اور جو محققین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ذاکر کو دُودھ گھی خوب کھانا چاہئے اور تمام رات نہ جاگنا چاہئے مگر آج کل جہلاء صوفیا تو یہ چاہتے ہیں کہ بس جسم کو مار دو تاکہ خدا جلدی مل جاوے جی ہاں ضرور ملیں گے وہ تو فرماتے ہیں لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ تو شوق میں ایک ضرر تو یہ ہوتا ہے کہ جسم کو امراض لگ جاتے ہیں جس سے اعمال نہیں ہو سکتے اور جب اعمال نہیں ہو سکتے اور جب اعمال نہ ہوئے تو ترقی بھی نہ ہوگی، شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرض کی حالت میں زیادہ اعمال نہ بھی ہوں تو اعمال صحت کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی اعمال پر موقوف نہیں بدون اعمال کے بھی ہو سکتی ہے جواب یہ ہے کہ حدیث سے تو صرف پہلے اعمال کا ثواب ملنا معلوم ہوتا ہے اس سے ترقی قرب کہاں ثابت ہوتی ہے یہ دعویٰ آپ بدون نص کے کیسے کرتے ہیں اور کسی عمل کا ثواب مل جانا اس کو مستلزم نہیں کہ جو ترقی خود مباشرت عمل سے ہوتی وہ اب بھی ہوگی (دیکھو تین دفعہ قل ہو اللہ پڑھنے کا ثواب پورا قرآن مجید پڑھنے کے برابر ہے تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ تین دفعہ قل ہو اللہ کہنے سے ترقی بھی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی پورے قرآن مجید کی تلاوت سے ہوئی ہے یا صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک ذکر اللہ کرنے کا ثواب حج وعمرہ کے برابر ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو وہی قرب ہوگا جو حج وعمرہ کرنے والے کو ہوتا ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ۱۲) دوسرے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حالت مرض میں باوجود قلت اعمال کے ترقی بھی مثل صحت کے ہوتی ہے تو یہ بھی بدون اعمال کے نہیں بلکہ اعمال ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ حالت صحت میں اعمال ہو چکے ہیں، اسی کے ساتھ حالت مرض کو ملحق کر دیا گیا اگر ملحق بہ نہ ہوتا تو یہ الحاق کیسے ہوتا معلوم ہوا کہ اصل سبب ترقی اعمال ہی ہیں دوسرا ضرر یہ ہوتا ہے کہ حالت شوق میں بعض دفعہ انسان حق تعالیٰ سے بہت کھل

www.besturdubooks.net

جاتا ہے پھر نہ معلوم کیا کیا بکنے لگتا ہے جیسے بعض اہل دل اولال ہوئے ہیں گوان سے خود مواخذہ نہ ہو مگر اضلال تو ضرور ہوتا ہے کہ دوسرے اس کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں اور یہ بھی نقص ہے علاوہ ازیں بعض دفعہ غلبہ اولال میں حد سے نکل کر خود بھی یہ شخص گمراہ ہوجاتا ہے کیونکہ کسی وقت ایسا غلبہ حال نہیں ہوتا جس میں زبان پر قابو نہ ہو مگر زبان سے بے ساختہ کچھ نکل جاتا ہے جس میں یہ اپنے کو معذور سمجھتا ہے اور واقع میں معذور نہیں ہوتا تو مواخذہ میں گرفتار ہوجاتا اور بارگاہ قرب سے نکال دیا جاتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی طلب میں یہ دو قیدیں بڑھا دیں، سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو جملوں میں معانی کو کس طرح قید فرمایا ہے کہ دو لفظوں میں تمام مضرات سے پناہ مانگ لی، غرض غلبہ شوق میں یہ آفات ہیں اس لئے تم اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرو اور اگر تم کو غلبہ شوق نہ عطا ہوا تو سمجھ لو کہ شاید تمہارے لئے غلبہ شوق میں کوئی آفت ہوتی اس لئے خدا تعالیٰ نے تم کو برود خمود میں رکھا وہی ہر حالت کی حکمتوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند او مصلحتِ تو از تو بہتر داند

(جو تجھے امیر نہیں بناتے وہ خوب جانتے ہیں کہ تیری ہی مصلحت کے یہ خلاف ہے کہ تجھے مالدار بنا دیا جائے کیونکہ وہ تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتے ہیں)

اور اگر کسی کو شوق کا غلبہ عطا ہوا ہو تو وہ اسی میں راضی رہے وہ جمود و خمود کو طلب نہ کرے، ممکن ہے کہ اس کے واسطے یہی ضروری ہو، کیونکہ بعضے انجن تو ہوا سے چلتے ہیں اور بعضے انجن آگ سے چلتے ہیں ممکن ہے کہ اس کے انجن کے لئے حرارت ہی کی مناسبت ہو اگر یہ حرارت سے خالی ہوگیا تو کھڑا کا کھڑا رہ جائے گا جیسا کہ حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزوار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(اے محبوب راہ عشق اور طریق جذب سے ہم کو راستہ طے کرا دیجئے کیونکہ زہد خشک کا راستہ بہت طویل نظر آتا ہے)

بہر حال محبت کا ایک رنگ التہاب ہے اور ایک رنگ خمود بھی ہے بس صاحب خمود بھی اپنے کو محروم نہ سمجھے، اب میں ان دونوں نسبتوں کی مثال دیتا ہوں کہ ان میں ایک لون چشتیہ ہے (یعنی التہاب و اضطراب) اور ایک لون نقشبندیہ ہے (یعنی برود و خمود) پس اگر کوئی صاحب حرارت نہ ہو وہ گھبرائیں نہیں بلکہ یہ سمجھ لے کہ مجھے لون نقشبندیہ حاصل ہے گو وہ چشتیہ کا مرید ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتیہ ہی پیدا ہوں بلکہ کبھی چشتیہ سے نقشبندی پیدا ہوتے ہیں اور کبھی نقشبندیہ

www.besturdubooks.net

سے چشتی پیدا ہوتے ہیں جیسے مرغی کے نیچے بطخ کے انڈے رکھ دو تو بچے بطخ کے ہونگے کہ وہ تو ذرا بڑے ہوکر دریا میں تیریں گے اور ماں کھڑی منہ تکے گی وہ دریا میں تیر نہ سکے گی اور نہ بچے اس کے پاس رہ سکیں گے گو وہ کتنا ہی بلاتی رہے کیونکہ بطخ کے بچوں تو دریا ہی سے مناسبت ہوگی گو تربیت مرغی کے نیچے ہوئی ہو وہ اس کے بلانے سے خشکی پر نہیں رہ سکتے اسی طرح چشتی شیخ کے سارے مرید چشتی نہیں ہوسکتے بلکہ بعضے نقشبندی ہوں گے ان کو پانی سے مناسبت ہوگی اور بعضے چشتی ہوں گے ان کو آگ سے مناسبت ہوگی ہاں کوئی قیاس فاسد کرے تو اور بات ہے جیسے ایک احمق شخص نے کسی کو دیکھا تھا کہ وہ کڑی دکھا کر بھینس کو ڈیوڈیو کر رہا تھا اس نے پوچھا کہ تم کڑی کو کیوں دکھا رہے ہو، کہا اسے دیکھ کر بھینس کنارہ پر آجائے گی، ایک دفعہ ان حضرت کی چارپائی ندی میں بہہ گئی، تو آپ دوڑ کر گھر سے پیڑھا لائے اور اُسے چارپائی کو دکھا کر ڈیوڈیو کرنے لگے کسی نے کہا میاں یہ کیا کہا یہ چارپائی کا بچہ ہے اسے دیکھ کر وہ چلی آئے گی اسی طرح ایک شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا تھا اس کو چڑھنا ہی آتا تھا اتر نہ جانتا تھا جب اترا نہ گیا تو شور کرنے لگا کہ مجھے اتارو میں گرا لوگ حیران ہوئے کہ کس طرح اتاریں تو بوجھ بجکو کو بلایا اس نے کچھ دیر سوچ کر کہا بس تدبیر سمجھ میں آگئی اس کے پاس ایک رسا پھینکو چنانچہ پھینکا گیا پھر اس سے کہا کہ اسے کمر میں مضبوط باندھ لے اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ اسے زور سے جھٹکا مارو وہ سر اپنے گرا اور گرتے ہی مر گیا لوگوں نے بوجھ بجکو سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا کہا افسوس ہے کہ اس کا وقت ہی آگیا تھا ورنہ ہم نے تو اس طرح کنویں میں سے بہت سے آدمی نکالے ہیں سو یہ تو قیاس فاسد ہے۔

اختلاف طبائع:

ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ہر شخص کی طبیعت جدا ہے اور اس کے لئے طریقہ تربیت بھی الگ ہے سب کو ایک لاٹھی نہ ہانکنا چاہئے یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ شاید کوئی شخص چشتیہ سے مرید ہو اور صاحب حرارت نہ ہو بلکہ صاحب سکون ہو تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں نہ تو نقشبندی ہوسکتا ہوں کیونکہ چشتیہ سے مرید ہوں اور نہ چشتی ہوں کیونکہ صاحب سکون ہوں تو بس میں کورا ہی ہوں صاحب کورا تو نہیں ہے ہاں کور بے شک ہے کہ اس کے پاس دولت موجود ہے مگر اندھا ہے خواہ مخواہ اپنے کو محروم سمجھتا ہے تو یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتی ہی پیدا ہوں، نقشبندی پیدا نہ ہوں بلکہ یہاں ہر ایک سے دونوں طرح کے رنگ حاصل ہوتے ہیں یہاں اب وولد میں مناسبت ضروری نہیں جیسا کہ ابوت و نبوت ظاہریہ میں بھی مناسبت تامہ ضروری نہیں چنانچہ کالے سے گورے اور گورے

www.besturdubooks.net

سے کالے پیدا ہوتے کبھی باپ احمق ہوتا ہے اور بیٹا ذہین کبھی برعکس مگر بعضے ایسے جامد ہوتے ہیں کہ نقشبندی خاندان میں بیعت ہو کر چشتی بننا گوارا نہیں کرتے بعضے چشتی سلسلہ میں مرید ہو کر نقشبندی بننا گوارا نہیں کرتے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نقشبندی کے مرید نے قبض کی شکایت کی حضرت نے اس کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ میں تو نقشبندی ہوں میں ذکر جہر کیوں کروں، فرمایا پھر مت کرو سو یہ محض جہالت ہے صاحب نقشبندی اور چشتی میں حنفیہ شافعیہ کا سا اختلاف نہیں ہے جو حنفی یوں کہے کہ میں امام کے پیچھے فاتحہ کیوں کر پڑھوں میرے مذہب میں تو حرام ہے بلکہ ان دونوں میں ایسا اختلاف ہے جیسا اطباء اور ڈاکٹروں میں ہوتا ہے اب اگر طبیب یونانی کوئی ڈاکٹری دوا بتلائے یا ڈاکٹر کوئی یونانی دوا بتلائے تو کیا حرج ہے اسی طرح اگر کوئی نقشبندی ذکر جہر کو کسی کے لئے نافع بتلائے یا کوئی چشتی اپنے کسی مرید کو ذکر خفی بتلائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی تقیید نہ تھی ہر شخص کے لئے اس کے مناسب تجویز فرماتے تھے کسی کو بالجہر کسی کو بالسر کسی کو تلاوت قرآن کسی کو تکثیر نوافل کسی کو خدمت خلق، چنانچہ بعض کے لئے صرف اس کو نافع فرماتے تھے کہ تم اہل خانقاہ کی روٹی گوشت لا دیا کرو پس مشائخ اور طالبین کو ایسا ہونا چاہئے یہ نہیں کہ نقشبندی خاندان میں داخل ہوئے ہیں تو اب جہر کو حرام سمجھ لیں چاہے کیسی ہی ضرورت ہو یا چشتی ذکر خفی کو حرام سمجھ لیں چاہے کسی کے واسطے جہر مناسب ہو یا نہ ہو۔

مشائخ اور طالبین:

مشائخ کو محقق اور مجتہد ہونا چاہئے پس لوگوں کو مقلد بن کر رہنا چاہئے ان کو اپنی تجویز کا دخل نہ دینا چاہئے پس لوگوں کو تجویز کا خبط ہوتا ہے، چنانچہ ایک صاحب مجھے خط میں لکھتے ہیں کہ ہم کو شغل انحد کی اجازت دے دی جائے میں نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ کو اتنی بات حاصل ہے کہ خود اپنے لئے معمول تجویز کر لیں تو پھر کسی سے رجوع کی آپ کو کیا حاجت ہے، طب میں بڑا کام تو تشخیص ہی ہے اور تشخیص کے بعد علاج کرنا کیا مشکل ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس شخص میں فلاں خلط کا غلبہ ہے اور وہ سبب مرض ہے جس کے لئے مبردات و مفرحات کا استعمال مفید ہوگا تو اس کے بعد تو جس کا دل چاہے علاج کرے کیا یہ بھی کوئی طریقہ ہے علاج کا کہ تشخیص تو خود کر لیں اور علاج دوسرے سے کرائیں اس طریق میں تو یہ ہونا چاہئے کہ بس حال بیان کر کے مردہ بدست زندہ ہو جاؤ اپنی تجویز اور تشخیص کو دخل مت دو، مولانا فرماتے ہیں ۔

www.besturdubooks.net

چوں گزیدی ، پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ در طریق خضر رو

(جب مرشد کو پکڑ لیا اس کے سامنے رائے زنی مت کرو، اس کے حکم پر عمل کرو مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کی بات پر عمل کرو)

بعض نسخوں میں غلطی سے پیر ہن لکھ دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب خلعت خلافت مل جاوے تب پیر کا کہنا ماننا چاہئے، اس سے پہلے نہ مانے یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہ دو لفظ الگ الگ ہیں ؎ چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو

کہ جب کسی کو پیر بنا لو تو اب اپنے کو بالکل سپرد کر دو، انحد وغیرہ یا کوئی شغل خود تجویز نہ کرو، اس مقام پر افادہ جدیدہ کی غرض سے لفظ انحد کی تحقیق بھی بیان کر دینا مناسب ہے. بہت لوگوں کا اور پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ لفظ دو حرفوں سے مرکب ہے، ان حرف نفی سے جو ہندی لفظ ہے اور حد لفظ عربی سے جس کے معنی ترکیبی غیر محدود ہیں اور یہ خیال تھا کہ چونکہ اس شغل میں جو صورت مسموع ہو جاتی ہے وہ غیر محدود ہے اس لئے اس کو انحد کہا جاتا ہے بعضے اس کو غیبی صوت سمجھتے ہیں اور ملکوتی صوت کہتے ہیں ممکن ہے کہ کسی کے لئے صوت ملکوتی بھی منکشف ہوتی ہو مگر صوت حق تو ہرگز نہیں ہے بعض جہلا نے اس کو صوت حق سمجھا ہے یہ غلط ہے چنانچہ اس خیال کے لوگوں نے شیخ سعدیؒ کے ایک شعر کی تفسیر اسی صورت سے کی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش بفریاد قالوا بلٰے درخروش

(الست کی آواز عاشقوں کے کانوں میں ہے اور ان کا قالوا بلیٰ کہنا بھی یاد ہے یعنی ان کے کانوں میں یہ آوازیں اب تک محسوس ہو رہی ہیں۔)

یہ تفسیر بالکل صحیح نہیں ہے اور اس کو صوت حق سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ کلام الٰہی صوت و حروف سے منزہ ہے شیخ فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے عارف اور محقق ہیں فرماتے ہیں ؎

قول اور الحن نے آواز نے اور یہی علماء اہلِ سنت کا قول ہے کہ کلام الٰہی کے لئے صوت نہیں ہوئی اور شغل انحد میں صوت ہوتی ہے پس یہ صوت حق نہیں ہو سکتی، حقیقت یہ ہے در اصل یہ صوت ناسوتی ہے جو تموج ہوا سے پیدا ہوتی ہے کان بند کرنے سے اندر ہوا محبوس ہو جاتی ہے اس سے آواز پیدا ہو جاتی ہے بعض لوگوں نے اس کو صوت حوض کوثر کہا ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں اوّل تو اس حدیث کا حال معلوم نہیں (قال الجامع الثناء الواعظہ قلد

www.besturdubooks.net

صححه العزیزی فی شرح الجامع الصغیر ۱۲ منہ) اور اگر حدیث ثابت بھی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ عزیزی نے اس کی تصحیح کی ہے تو وہ تشبیہ پر محمول ہے کہ حوض کوثر کی آواز اس صوت کے مشابہ ہے یہ مطلب نہیں کہ بعینہ یہی صوت حوض ہے تو یہ حقیقت صوت میں کلام تھا، لفظ کے متعلق یہ ہے کہ یہ لفظ اصل میں اناادی ہے جو ہندی لفظ ہے بمعنی قدیم اصل میں یہ شغل جوگیوں سے لیا گیا، چونکہ یکسوئی پیدا کرنے میں بہت نافع ہے اس لئے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا تھا اور جوگیوں کا عقیدہ یہی تھا کہ یہ صوت قدیم ہے اسی لئے وہ اس کو اناادی کہتے ہیں مگر وہ لوگ مشرک ہیں ان کی بات قابل قبول نہیں اور غالباً مشائخ نے اسی واسطے اس کو اناادی سے انحد کر دیا تا کہ عقیدہ جوگیہ کا ابطال ہو جائے اور انحد کہنا غلط نہیں کیونکہ غیر محدود کی دو قسمیں ہیں، ازلی اور ابدی سو مشائخ کی مراد انحد بمعنی ابدی ہے کہ جانب مستقبل میں یہ غیر محدود ہے چنانچہ اگر عمر بھر کان بند رکھے جائیں تو یہ صوت ختم نہیں ہوتی پس یہ غیر محدود بمعنی لا تقف عند حد ہے اور ابدیت حدوث کے منافی نہیں بلکہ اس کے مناسب صرف ازلیہ ہے اور وہ ان کی مراد نہیں خوب سمجھ لو چونکہ یہ کام کی تحقیق تھی اس لئے میں نے اس پر متنبہ کر دیا ممکن ہے بعض لوگ اس غلطی میں پڑے ہوں بہر حال طالب کو خود کوئی شغل تجویز نہ کرنا چاہئے بلکہ ہر طرح اپنے کو شیخ کے سپرد کر دے اور اس کی تجویز میں چوں چراں نہ کرے کیونکہ اس طریق کا زیادہ مدار اعتماد پر ہے۔

ادب کا تقاضا:

بلکہ میں ایک اور بات پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ طالب کو شیخ کے ساتھ علمی مباحث میں بھی گفتگو نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں رد و قدح کا انکار و اقرار کی صورت ہوتی ہے جو شان طلب کے منافی ہے، ہاں طالب علم کو استاد سے خوب چوں چراں کرنا چاہئے کیونکہ استاد اشکالات علمیہ کے حل کرنے کو پہلے سے آمادہ ہو کر بیٹھتا ہے اور شیخ اس کام کے لئے تیار ہو کر نہیں بیٹھتا وہ دوسرے کام کے لئے ہے جہاں عمل کی ضرورت ہے باتوں کی ضرورت نہیں پس شیخ کے ساتھ کان ہو کر رہنا چاہئے اور استاد کے ساتھ زبان ہو کر ہمارے مولانا فرماتے تھے کہ

''ہر طالب کہ چوں و چرا نکند و ہر درویشے کہ چوں و چرا کند ہر دو را بچر اگاہ باید فرستاد''

(ہر طالب علم جو چوں و چراں و بحث مباحثہ نہ کرے اور ہر درویش جو چوں و چراں کرے تو طالب علم کو مدرسہ سے اور درویش کو خانقاہ سے نکال دینا چاہئے)

www.besturdubooks.net

پس شیخ سے استاد کا کام نہ لو اور سنار سے لوہار کا کام نہ لو اس کے سامنے لوہا مت لاؤ بلکہ سونا چاندی لاؤ تا کہ وہ خوبصورت جھمکے اور کرن پھول اور جھومر تیار کر کے تمہارے کان اور سر پر لگا دے، پس یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی کے پاس طالب بن کر نہ جائیں اور اس کو شیخ بنائیں پھر اس سے کام لیں، دوسرے صاحبو! ماں سے ماما کا کام نہ لو گو اس میں ایک میم اور ایک الف زیادہ ہو گئے مگر عزت تو گھٹ گئی کیونکہ ماں کو ماما بنانا ذلت تجویز کرنا ہے۔ لہذا شیخ سے علمی مباحث میں گفتگو نہ کرنا چاہئے مگر آج کل طالبین اس کا خیال نہیں رکھتے، ہاں گاہے گاہے ادب کے ساتھ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں یا عرصہ تک پاس رہنے سے دونوں کی طبیعت کھل گئی تب بھی حرج نہیں کیونکہ انشراح کے بعد پھر ایک ناز کی سی حالت ہو جاتی ہے اور مقام ناز کے احکام جدا ہیں، اسوقت جتنا چاہے بولو اور جو چاہے پوچھو کچھ مضائقہ نہیں اسی کو کہتے ہیں۔

اے خامہ نیاز نہ چلنے سے تو مچل　　　　یعنی مقام ناز ہے جس چال چاہے چل

مگر ایسے لوگوں کو شیخ کے ساتھ مباحث علمیہ میں گفتگو کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں ورنہ وہی مثال ہوگی جیسے ایک شخص تھا جس کی بیوی اس کی کچھ زیادہ خاطر و مدارت نہ کرتی تھی ایک دفعہ اس نے ایک ولایتی کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا تھا، گھوڑا شوخی میں اِدھر اُدھر منہ مارتا تھا اور ولایتی اس کو چمکار کر کہہ رہا تھا کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ بے وقوف سمجھا کہ شاید کھاؤ گھوڑے کی اس ہیئت کو بھی خاطر و مدارت میں کچھ دخل ہے دل میں سوچا کہ آج سے ہم بھی اسی طرح کھایا کریں گے، گھر پہنچ کر بیوی سے کہا کہ آج ہم گھوڑے بنیں گے، ہماری اگاڑی پچھاڑی باندھو اور ایک توبڑے میں کھانا بھر کر ہمارے منہ پر چڑھاؤ، ہم اِدھر اُدھر منہ ماریں گے تو تم کہنا کھاؤ بیٹا کھاؤ، اس غریب نے تمام احکام کی تعمیل کی یہ گھوڑے کی طرح بحالت رکوع کھڑے ہوئے اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھی گئی منہ پر توبڑا چڑھایا گیا اگاڑی پچھاڑی باندھی گئی اور اب اس نے ولایتی کے گھوڑے کی طرح شوخی کرنا شروع کی اور بیوی کہتی جاتی کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ اور اُچھلے کودے پیچھے کہیں چراغ رکھا تھا اس سے جھاڑو میں آگ لگ گئی، یہاں تک کہ بدن کے کپڑوں تک پہنچ گئی، اب میاں تو بندھے جوڑے کھڑے تھے وہ کیونکر آگ سے بچتے، بیوی بھی ان ہی کی طرح بے وقوف تھی، یہ حال دیکھ کر کوٹھے پر جا چڑھی اور محلّہ والوں کو پکارا ارے دوڑو میرا گھوڑا جلا، محلّہ والوں نے دل میں کہا کہ کم بخت کو کھانے کے لئے ملتا نہیں اس کے یہاں گھوڑا کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ ویسے ہی

www.besturdubooks.net

شرارت سے چیخ رہی ہے یہ کیسے خبر تھی کہ وہ شوہر کو گھوڑا کہہ رہی ہے آخر کار میاں وہیں جل کر مرغا ہو گئے یہی حال ناقص کا ہوتا ہے جب وہ اپنے کو کامل پر قیاس کرنے لگے، مولانا فرماتے ہیں ۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد   چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

زشت باشد روئے نازیبا و ناز   عیب باشد چشم نابینا و باز

پیش یوسف نازش و خوبی مکن   جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

(ناز کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تمہارا ایسا چہرہ نہیں تو ناز کے قریب بھی مت جاؤ، بدصورت کا ناز کرنا برا معلوم ہوتا ہے جس طرح نابینا کی آنکھ کا کھلا رہنا برا معلوم ہوتا ہے، یوسف جیسے حسین کے سامنے کیا ناز کرتے ہو، اس کے سامنے صرف نیاز اور آہ یعقوبی کرو)

آداب شیخ:

طالب کو شیخ کے سامنے نہایت ادب سے رہنا چاہئے اور کسی کو اس کے سامنے بولتا ہوا دیکھ کر اپنے کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایک خاص حالت انشراح پر پہنچ چکا ہے، اس کا بولنا اور بحث کرنا سب ادب میں داخل ہے اور تمہارا بولنا بے ادبی میں داخل ہوگا اور بے ادب کا اس طریق میں کچھ کام نہیں ۔

بے ادب را اندریں رہ بار نیست   جائے او بر دار شد در دار نیست

(بے ادب کے لئے اس راہ میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کا مقام دار پر ہے نہ کہ دربار میں ہے) یعنی بے ادب کی جگہ دار پر ہے (یعنی سولی پر) اور دار کے اندر (یعنی گھر میں) اس کے لئے جگہ نہیں صاحبو! بزرگوں نے جو شیوخ کے آداب لکھے ہیں وہ لغو نہیں ہیں اور ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا جی برا نہ کرو، اس کے قلب کو مکدر نہ کرو ورنہ تم کو فیض بھی گدلا ہی پہنچے گا حضرت حاجی صاحبؒ قدس اللہ فرماتے تھے کہ شیخ میزاب رحمت ہے، جس کے واسطے سے تم کو فیض پہنچتا ہے پس میزاب رحمت کو میلا مت کرو ورنہ فیض بھی گدلا ہو کر آئے گا یہ خلاصہ ہے ان آداب کا مشائخ نے اپنی پرستش نہیں کرائی بلکہ تم کو خالص و مصفا زلال رحمت پلانا چاہتے ہیں اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ اس کا دل میلا نہ کرو پس ایک حق شیخ کا یہ بھی ہے کہ طالب اپنی رائے اور تجویز کو دخل نہ دے تم یہ مت سوچو کہ میرے واسطے غلبہ شوق مناسب تھا اور اب تک حاصل نہیں ہوا۔ یا التہاب و اضطراب کی مجھے ضرورت تھی اور یہ بات پیدا نہیں ہوئی پس تم تو اطلاع و اتباع سے کام رکھو جب تمہارے سر پر ایسا شفیق موجود ہے جو یوں کہتا ہے ۔

www.besturdubooks.net

من غم تو میخورم تو غم مخور ‎ بر تو من مشفق ترم از صد پدر

(جب میں تمہارا غم کھاتا ہوں پھر تم غم مت کھاؤ، تمہارے اوپر میں تو سینکڑوں باپوں سے زیادہ مہربان ہوں)

پھر تم کو کسی فکر اور سوچ کی کیا ضرورت ہے اس کو حالات سے اطلاع کر کے بے فکر رہو اور اگر شیخ پر ایسا اعتقاد نہیں ہے تو یہ بدگمانی ہے اور ؎

بد گمانی کردن و حرص آوری ‎ کفر باشد پیش خوان مہتری

(بدگمانی کرنا اور حرص کرنا ایسے محسن کے سامنے سخت بے ادبی ہے)

اس کا انجام بجز محرومی کے کچھ نہیں طالب کو شیخ پر اعتماد کلی رکھنا چاہئے کہ یہ جو کچھ بتلاتا ہے اسی میں میرا نفع ہے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ شیخ ہماری تسلی کے واسطے یہ کہہ دیتے ہیں کہ وساوس کا کچھ حرج نہیں ان پر التفات نہ کرو، التہاب واضطراب نہ ہونے کا بھی مضائقہ نہیں تم کو مقصود حاصل ہے یاد رکھو یہ سراسر بدگمانی اور شیخ پر رہزنی کا الزام ہے ارے شیخ کو تمہاری جھوٹی تسلی کرنے سے کیا ملتا ہے اس کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ جھوٹی باتوں سے تم کو لبھالے کیا تم سے اس کو کچھ جائیداد بٹوانا رہ گئی ہے اس کی تو یہ حالت ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ‎ انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

(آئینہ کے پیچھے طوطی صفت ہوں جو کچھ میرے دل میں حق تعالیٰ الہام فرماتے ہیں وہی اصطلاح طالبین کے لئے کہتا ہوں)

وہ تم کو وہی طریقہ بتلاتا ہے جو اس کے دل پر تمہارے لئے مناسب القا ہوتا ہے وارثان انبیاء کی تعلیم کی وہی شان ہے جو تعلیم انبیاء کی شان ہے کہ ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود ‎ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اہل اللہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے دراصل وہ الہام حق ہوتا ہے اگرچہ وہ کلام اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے)

اتنا فرق ہے کہ انبیاء وحی سے کہتے ہیں جو قطعی ہے جو اہل اللہ وارد و الہام سے کہتے ہیں جو ظنی ہے باقی اپنی طرف سے وہ کچھ نہیں کہتے ہیں، تم تو یہی سمجھو کو وہ کبھی اجتہاد بھی کرے اور اگر وہ اجتہاد میں غلطی کرے گا تو خود بھی متنبہ ہو کر اصلاح کر دے گا تم کو اس میں دخل دینے کا

www.besturdubooks.net

حق نہیں ہے یہ تو اس کی تعلیم کے متعلق گفتگو ہے جو تربیت باطن کے متعلق ہو اور اگر کوئی مسئلہ فقہی اجتہادی ہو تو اس میں بھی شیخ کی غلطی پکڑنے کا ہر طالب کو حق نہیں صرف اہل علم کو حق ہے وہ بھی ادب کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا ان کو بھی حق نہیں اور اہل علم میں بھی ان کو حق ہے جس سے طبیعت کھلی ہوئی ہو وہ جس طرح چاہیں غلطی پکڑیں کیونکہ ایسے لوگ ادب کے حدود سے نہ نکلیں گے اس طریق میں مچلنے روٹھنے اور لڑنے جھگڑنے کی تو گنجائش ہے مگر گستاخی و بے ادبی کی گنجائش نہیں نہ اس لئے کہ شیخ کو اس کی وجہ سے اپنی کسر شان کا خیال ہوگا یا تم سے عداوت ہو جائے گی، ہرگز نہیں جس پر اثر ہوتا ہو وہ شیخ بنانے کے قابل نہیں کیونکہ ؎

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بسنگ   عارف کہ برنجید تنک آبست ہنوز

(دریائے فراواں میں پتھر مارنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا جو عارف مخلوق کی ایذا رسانی سے رنجیدہ اور متاثر ہوتا ہے وہ ابھی مبتدی ہے اس کا پانی قلیل ہے البتہ طبعی اثر سے کامل بھی متاثر ہوتا ہے)

عارف تو اپنے کو سب سے بدتر سمجھتا ہے وہ کسی کی بے ادبی سے برا نہیں مان سکتا بلکہ یہاں بے ادبی اور گستاخی کی اس لئے گنجائش کہ اس سے شیخ کو تمہاری طلب میں شک ہو جائے گا اور وہ یہ سمجھے گا کہ اس شخص کو مجھ سے تعلق اور محبت نہیں ہے کیونکہ طلب و محبت کے لئے کچھ آثار و شرائط ہیں اور بے ادبی و گستاخی ان کی اضداد ہیں اور شیخ کو طالب کے متعلق یہ خیال ہو جانا کہ اس کو مجھ سے محبت نہیں میزاب رحمت کے تکدر کا سبب ہے اس پر وہ تم کو اپنی مجلس سے نکال کر باہر کر دے گا کہ تم کو طالبین میں داخل ہونے کا حق نہیں، ہاں اجنبی بن کر آؤ پھر جتنا چاہو برا بھلا کہو، طالب بن کر گستاخی کرنا نفاق اور دھوکہ دہی ہے اور اگر تم عالم نہیں ہو تو پھر فقہی اجتہادی مسائل میں شیخ کی غلطی ہرگز نہ نکالو نہ ادب سے نہ بے اُدبی سے کیونکہ مسائل اجتہادیہ میں فقہا کا اجتہاد ہوتا ہے تو ممکن ہے شیخ نے کسی دوسرے فقیہ کے اجتہاد کو راجح سمجھا ہو اس میں تم دخل دینے والے کون ہو۔

اب ختم کے قریب آ گیا ہوں خلاصہ میرے بیان کا یہ ہے کہ محبت کے دو لون ہیں، ایک التہاب و اضطراب جو نسبت چشتیہ کا رنگ ہے اور ایک برودت و خمود جو نسبت نقشبندیہ کا رنگ ہے پس طالب کو ہر حال میں راضی اور خوش رہنا چاہئے اور اپنے کو کسی حال میں محبت سے خالی اور محروم نہ سمجھنا چاہئے درمیان میں اعتماد علی الشیخ کا مسئلہ اسی کی توضیح کے لئے بیان کر دیا گیا تھا اب میں اول وہ آیت پڑھتا ہوں جس میں یہ مضمون منصوص ہے پھر وہ آیت پڑھوں گا جو میں نے تلاوت

www.besturdubooks.net

کی ہیں جن سے استشہاد لطیف کے طور پر اس مضمون کو مناسبت ہے دراصل آج کافور زنجبیل کے
متعلق ایک نکتہ میری سمجھ میں آیا جس کے لئے مجھے اپنی کتاب مسائل السلوک دیکھنے کی ضرورت
پڑی جس میں آیت قرآنیہ سے مسائل تصوف کو ثابت کیا گیا ہے تو میں اس میں دیکھنا چاہتا تھا کہ
کافور وزنجبیل کے متعلق جو نکتہ میری سمجھ میں آیا ہے کسی صوفی نے اس پر تنبیہ کی ہے یا نہیں کیونکہ
مسائل السلوک میں منقول ہے مضامین میں بھی بکثرت ہیں گو زیادہ اپنے ہی اقوال ہیں اور
میرے قلب پر جب کوئی بات وارد ہوتی ہے تو میں یہ چاہا کرتا ہوں کہ سلف کے کلام سے اس کی
تائید بھی مل جاوے تو اچھا ہے کیونکہ ہمارے علوم وہی قابل اعتبار ہیں جو علوم سلف سے موید ہوں
مگر اس وقت جلد دوم نہ ملی اور یہ مضمون ہوتا تو جلد دوم ہی میں ہوتا کیونکہ یہ آیت جس میں زنجبیل
وکافور کا ذکر ہے جلد دوم ہی میں ہوسکتی تھی، جب اخیر کی جلد نہ ملی تو میں نے ویسے ہی بے ضرورت
جلد اول کو دیکھا اتفاق سے شروع صفحہ پر ایک اور آیت نکل آئی جس میں یہ مضمون صریح تھا اس
سے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی کیونکہ نص میں صریح ہونے کے بعد کسی کی تائید کی کیا ضرورت ہے
اہل علم کو مضامین علمیہ میں وہ لذت آتی ہے کہ کسی چیز میں بھی نہیں آتی جب کوئی نیا علم حاصل ہوتا
ہے تو واللہ سلطنت ہفت اقلیم اس کے سامنے گرد معلوم ہوتی ہے جبھی تو کہتے ہیں ؂

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند   از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

(یقیناً حق تعالیٰ جس کو اپنا خاص بناتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاموں سے بے کار کردیتے ہیں)

رنگِ ولایت:

اب لوگ ان سے دنیا کے خرافات میں شرکت چاہتے ہیں بھلا یہ حماقت نہیں تو کیا ہے
بہرحال یہ مضمون صراحۃً مل جانے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور یہ میرا کمال نہیں بلکہ استدعا
کرنے والوں کی کشش ہے کہ ان کے افادہ کے لئے حق تعالیٰ یہ علوم عطا کردیتے ہیں مشائخ کو
غرہ نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے اوپر یہ علوم واردات فائض ہورہے ہیں صاحب یہ طالبین کی کشش
ہے ان کی تربیت کے لئے حق تعالیٰ یہ علوم مشائخ کو عطا فرماتے ہیں جیسے ماں کی پستان میں بچہ
کی کشش سے دودھ اترتا ہے اگر بچہ دودھ نہ پئے تو دو چار دن میں چھاتیاں اکڑ کر سوکھ جائیں گی
اور دودھ خشک ہوجائے گا، اسی طرح طالبین نہ ہوں تو مشائخ پر بھی واردات بند ہوجائیں (مگر
یہ بات مشائخ کے سمجھنے کی ہے طالبین یہ اعتقاد نہ رکھیں ان کو مضر ہوگا، وہ شیخ ہی کا کمال سمجھیں اپنا

www.besturdubooks.net

کمال نہ سمجھیں ۱۲) بھلا اور تو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما انا قاسم و اللہ یعطی (الصحیح للبخاری ۱: ۲۷، الصحیح لمسلم کتاب الزکوۃ: ۹۸، مسند احمد ۲: ۲۳۴.) کہ میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دینے والے حق تعالیٰ ہیں بس یہی اعتقاد مشائخ کو رکھنا چاہئے کہ ہم محض واسطہ فی التقسیم ہیں ہمارا ذاتی کمال کچھ نہیں انما انا قاسم پر ایک لطیفہ یاد آیا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج کو تشریف لے گئے تو بعض خدام بھی ساتھ ہو لئے جن میں سے بعض کے پاس تو زادِ راہ تھا اور بعض کے پاس کچھ نہ تھا، انہوں نے آ کر مولانا سے عرض کیا کہ ہمارا بھی حج کرنے کو جی چاہتا ہے مگر سامان کچھ نہیں، مولانا بڑے خلیق تھے فرما دیتے کہ بھائی چلے چلو جو میرا حال وہی تمہارا حال یہاں تو یہ رنگ تھا اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رنگ تھا کہ ایک صاحب نے مولانا سے یہی عرض کیا کہ حضرت میرا بھی حج کو جی چاہتا ہے فرمایا کچھ سامان بھی پاس ہے کہا کچھ نہیں صرف توکل پر چلتا ہوں مولانا نے فرمایا جاؤ بیٹھو بڑے توکل والے ہو بس جس وقت سب لوگ ٹکٹ لیں گے تم بابو کے سامنے توکل کا پوٹلہ رکھ دینا کہ اس میں سے ٹکٹ کے دام نکال لو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ میں لون نبوت تھا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میں رنگ ولایت تھا اور واقعی انتظام تو مولانا گنگوہیؒ کے طرز میں ہے خود ہم نے ایسے توکل والوں کو دیکھا ہے کہ جہاز میں اور مکہ جدہ پہنچ کر توکل کے بجائے ان میں محض تاکل رہ جاتا ہے بس جہاں کوئی دسترخوان بچھا کر بیٹھا اور یہ متوکل صاحب اس کے سر پر سوار ہوئے کہ یا شیخ لقمہ اتنی عربی تو جہاز ہی سے سیکھ لیتے ہیں، میں نے کہا ہاں بھائی تم شیخ ہی کو لقمہ بنا لو اسے ہی کچے کو کھا جاؤ۔ راستہ میں یہ لوگ بہت تنگ کرتے ہیں اس سفر میں اوّل کھانا پکانا ہی موت ہے نہ معلوم کس مصیبت سے تو کھانا تیار ہوتا ہے اور جب کھانے بیٹھو تو چار طرف سے یا شیخ لقمہ، یا شیخ لقمہ مجھے تو ان لوگوں پر بڑا غصہ آتا تھا کہ جب ان پر نہ حج فرض تھا نہ قناعت تو کل میسر تھا تو یہ آئے کس لئے۔

غرض محمد قاسم صاحبؒ کسی سے انکار نہ فرماتے تھے اس لئے ان کے ساتھ بہت لوگ ہو گئے، اب راستہ میں جہاں مولانا کو فتوحات ہوتیں اور ہدایا ملتے تو سب ساتھیوں کو بلا کر تھوڑا تھوڑا تقسیم فرما دیتے کسی نے عرض کیا حضرت اپنے واسطے بھی تو کچھ رکھ لیجئے، تو بے ساختہ فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ لطیفہ ہے کہ میں تو قاسم ہوں (نام بھی قاسم ہی تھا) اور اللہ دینے

www.besturdubooks.net

والا ہے میرے پاس جو کچھ آتا ہے سب ساتھیوں ہی کی غرض سے آتا ہے مولانا کے یہاں ایسے لطیفے کثرت سے رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ مولانا کی مجلس میں کچھ مٹھائی تقسیم ہورہی تھی اور ہم نے سنا ہے کہ مولانا کی مجلس میں کھانا پینا مٹھائی بانٹنا اکثر رہا کرتا تھا، کوئی مجلس بہت کم اس سے خالی ہوتی تھی، تو ایک دفعہ مولوی محمد فاضل صاحب پھلتی مٹھائی تقسیم کررہے تھے اخیر میں کچھ بچ گئی تو مولانا فرماتے ہیں الفاضل للقاسم کیا عجیب لطیف جملہ ہے جس کے چند معنے ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ بچا ہوا بانٹنے والے کا ہے دوسرے یہ کہ بچا ہوا مسمّی بہ قاسم ہے یعنی میرا تیسرے یہ کہ مسمّی بہ فاضل مسمّی بہ قاسم کے لئے ہیں، لام تخصیص کا ہے یعنی ایک دوسرے کے لئے مخصوص ہے۔ (مولوی فاضل صاحب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مخلص شاگرد تھے ۱۲) چونکہ مجلس بے تکلفی کی تھی اور مولانا نے مزاح کا موقعہ دے دیا تھا تو مولوی فاضل صاحب نے بھی لطیفہ کا جواب دیا کہا کہ نہیں الفاضل للفاضل والقاسم محروم، اس کے بھی چند معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ بچا ہوا مسمّی فاضل کا ہے یعنی میرا اور مسمّٰی بقاسم محروم ہیں یعنی آپ۔ دُوسرے یہ کہ بچا ہوا اس شخص کا ہے جو فاضل ہے (یعنی مولانا) اور بانٹنے والا محروم ہے میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ جب شیخ و طالب میں بے تکلفی اور انشراح ہوچکا ہو تو پھر مذاق اور دل لگی اور شوخی سب کی گنجائش ہے لیکن ہر ایک کو اپنے کو دوسرے پر قیاس نہ کرے۔ خیر یہ تو انما انا قاسم پر ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا، میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس مضمون کا صراحۃً مل جانا میرا کمال نہیں بلکہ استدعا کرنے والوں کی کرامت ہے۔ بہرحال اس مضمون کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں صراحۃً بیان فرمایا ہے جو سورۂ ہود کی آیت ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ط اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (پ۱۲ ع۲)

ترجمہ: (اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہوجاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دُکھ درد رخصت ہوا (اب) وہ اترانے لگتا ہے (اور) شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے نہیں ہوتے) ایسے لوگوں کے لئے بڑی

www.besturdubooks.net

مغفرت اور بڑا اجر ہے، اس میں حق تعالیٰ نے انسان کا ایک طبعی خاصہ بیان فرمایا ہے کہ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم اس کو کسی رحمت کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے یہاں رحمت عام ہے، رحمت ظاہرہ و باطنہ دونوں کو کیونکہ اس جگہ اس کو اطلاق کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

رحمت کی دو قسمیں:

دوسری جگہ تصریح فرمائی ہے کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو کامل کیا ہے ظاہری بھی اور باطنی بھی نعمت ظاہرہ کے معنی یہ ہیں کہ محسوس ہو اور باطنہ وہ ہے جو محسوس نہ ہو خواہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی نعمت باطنہ دینیہ کی مثال تو شوق و ذوق وغیرہ ہے ایسے ہی انس و اطمینان وغیرہ رنگ مختلف ہیں کسی نعمت کا رنگ کیفیت عشقیہ جذبیہ کے ساتھ ہے اور کسی کا سلوک و معرفت عقلیہ کے طور پر باقی نعمت ہونے میں دونوں برابر ہیں اور نعمت باطنہ دنیویہ کی مثال عقل و شعور و ادراک و تمیز و ذکاوت و فطنت و علم وغیرہ ہے۔ بہر حال یہاں نعمت باطنہ سے اصطلاح تصوف تو مراد ہے نہیں مگر صوفیہ جن کو نعم باطنہ کہتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ضرور ہیں گو ان میں انحصار نہ ہو اور مِنَّا کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رحمت غیر مکتسبہ موہوبہ مراد ہے جس میں اختیار انسان کو دخل نہ ہو کیونکہ نعمت مکتسبہ اختیاریہ کے سلب پر رنج کرنے کی ممانعت نہیں نہ اس پر یہ وعید ہے مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتا روزے رکھتا ہے پھر کسی دن یہ نعمت سلب ہو جائے کہ نماز روزہ فوت کر دے تو اس پر رنج ہونا چاہئے اور اس رنج کرنے پر کوئی وعید نہیں ہے یہ وعید تو رحمت موہوبہ غیر مکتسبہ کے سلب پر رنج و پریشانی کرنے کے متعلق ہے، چنانچہ مِنَّا رَحْمَةً اس کا قرینہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہے، نہ سلباً نہ وجوداً اگر کوئی نعمت موہوبہ بدون اس کے اختیار کے سلب ہو جائے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا نہ قرب میں کمی ہوگی اور اگر کوئی مصیبت و نقمت بدون اس کے اختیار کے پیدا ہو جائے تو اس پر بھی مواخذہ نہ ہوگا، نہ قرب میں کمی آئے گی بشرطیکہ اپنے اختیار کو ذرا دخل نہ دے مثلاً برے برے وسوسے از خود آنے لگیں یا کسی مخلوق سے اضطرار عشق ہو جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور یہ نہ کہا جائے گا کہ تم کو بے اختیار بھی وسوسے کیوں آئے اور بے اختیار ہی عشق کیوں ہوا، بلکہ اگر اس میں اختیار کو دخل نہ دیا جائے تو عشق مجازی بھی رحمت ہو جاتا اور عشق حقیقی کا

www.besturdubooks.net

وسیلہ بن جاتا ہے غرض عدم اختیار کی صورت میں تہمت بھی نعمت ہے اور جیسے امراض جسمانی میں اَجر ملتا ہے کیونکہ ان سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح امراض باطنیہ میں بھی اَجر ملتا ہے اگر ان کے بڑھانے کی کوشش نہ کرے بلکہ ازالہ و امالہ کی فکر کرے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

عاشقی گر زیں سروگرزاں سرست　　عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست

اور یہی مطلب مولانا جامیؒ کے اس ارشاد کا ہے ۔

متاب از عشق روگرچہ مجازی است　　کہ آں بہر حقیقت کارسازی است

(عشق مجازی پر اگر صبر کیا جائے اور ہر طرح سے تقویٰ کا اہتمام ہو تو یہ عشق حقیقی کی طرف رہبری کرتا ہے اگر اپنے اختیار سے عشق مجازی نہ اختیار کیا گیا ہو)

اگر اوّل الف باتا نخوانی　　زقرآنی حرف خواندن کے توانی

(عشق مجازی اگر تعبیراً اختیار ہو جائے تو گھبراؤ مت کہ اس سے حق تعالیٰ شانہ اور اہل اللہ کی محبت سمجھ میں آئے گی اگر تم الف با نہ پڑھو گے تو قرآن مجید کیسے پڑھو گے)

یعنی اگر بے اختیار عشق مجازی کسی میں پیدا ہو جائے تو اس میں گھبرائے نہیں کیونکہ اس درجہ میں وہ بھی کام کی چیز ہے، اگر احتیاط رکھے تو وہ عشق حقیقی کا زینہ بن جاتا ہے باقی یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عشق مجازی کو از خود لپٹالو بلکہ اگر لپٹ جائے تو اس سے کام لو چنانچہ شیخ سعدیؒ از خود لپٹانے کی تو صاف صاف نفی کرتے ہیں فرماتے ہیں ۔

سوم باب عشق ست و مستی و شور　　نہ عشقے کہ بندند برخود بزور

(تیسرا باب عشق و مستی غیر اختیاری ہے نہ وہ عشق جو فسق ہے اور قصداً کسی سے کیا جاتا ہے)

شیخ سعدی اور عشق مجازی:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گلستان و بوستان میں عشق مجازی کی کچھ حکایتیں لکھ دی ہیں اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدانخواستہ شیخ بھی آج کل کے لوگوں کی طرح عشق باز اور امردوں کو گھورنے والے تھے اور وہ عشق مجازی کو مطلقاً اچھا کہتے تھے، یہ بالکل غلط ہے شیخ نے جہاں کہیں عشق مجازی کی مدح کی ہے یا ایسے عشاق کی حکایتیں لکھی ہیں اس سے مراد وہی عشق ہے جو از خود بلا اختیار لپٹ جائے چنانچہ باب عشق کے شروع ہی میں فرماتے ہیں:

ع　نہ عشقے کہ بندند برخود بزور

www.besturdubooks.net

(وہ عشق جو بلا اختیار خود لپٹ گیا نہ کہ از خود کیا گیا)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۔

خداوند صاحبدلاں دل بہ پوست وگر ابلہے داد بے مغز اوست

(اہل دل ہرگز کسی غیر اللہ کو دل نہیں دیتے اور بے مغز لوگ ہی عشق مجازی میں مبتلا ہوتے ہیں)

وہ تو ایسے شخص جو از خود مخلوق کو دل دے ابلہ اور بے مغز فرمارہے ہیں، پھر وہ اس کی مدح یا تعلیم کیونکر کر سکتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں ۔

مکن بدبہ فرزند مردم نگاہ کہ ناگاہ فرزندت آید تباہ

(کسی کے لڑکے کو بری نظر سے مت دیکھو ورنہ تمہارے لڑکے کو لوگ بری نظر سے دیکھیں گے)

کہ دوسروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھو پھر وہ بھی تمہارے لڑکوں کو اس نگاہ سے دیکھیں گے واقعی جو شخص دوسروں کی اولاد سے برا تعلق رکھتا ہے دوسرے بھی اس کی اولاد سے ویسا ہی تعلق کرتے ہیں اگر کوئی یہ چاہے کہ میرا لڑکا لوگوں سے محفوظ رہے تو اس کو چاہئے کہ دوسروں کی اولاد سے برا تعلق نہ رکھے۔

بہر حال شیخ امرد پرست نہ تھے جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے انہوں نے تو ایک جگہ ایک امرد پرست کی حکایت بطور ذم کے لکھی ہے کہ بقراط کا ایک زاہد پر گزر ہوا جو بے ہوش پڑا تھا، بقراط نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر اسے نور خداوندی کا مشاہدہ ہوا تو وجد سے بے ہوش ہو گیا۔ بقراط نے کہا کہ اس کو امرد ہی میں خدا کا نور نظر آیا میرے اندر نہ نظر آیا یہ جھوٹا ہے، محض نفس کی شرارت سے یہ اس پر عاشق ہوا ہے۔ اگر قدرت خدا کے مشاہدہ سے عاشق ہوا ہوتا تو اس کی نظر میں امرد اور داڑھی والا دونوں برابر ہوتے اور گو بقراط کا قول کوئی حجت نہیں۔ مگر فلسفی کے قول کی تائید محقق کوئی کر دے تو اس کو صحیح کہا جائے گا، چنانچہ اس حکایت کو نقل کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

محقق ہماں بیند اندر ابل کہ در خوبرویاں چین و چگل

(محقق جو صناعی قدرت اونٹ میں دیکھتا ہے وہ دوسرا چین و چگل کے خوبروؤں اور حسینوں میں نہیں دیکھتا)

(محقق تو اونٹ میں بھی وہی جمال حق دیکھتا ہے جس طرح اور مخلوق کے حسن کو آئینہ جمال جمال حقیقی سمجھتے ہیں)

www.besturdubooks.net

بہر حال مشائخ نے جس عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ کہا ہے وہ وہ ہے جس کا نہ حدوث اختیاری ہے نہ بقا اختیاری ہے یعنی نہ اس کو اختیار سے پیدا کیا گیا نہ اختیار سے باقی رکھا گیا ہے کہ نہ تو محبوب کے دیکھنے کو جاتا ہے نہ اس کی آواز سننے کا قصد کرتا ہے نہ سامنے آنے جانے پر قصداً نظر کرتا ہے نہ ارادہ سے اس کا خیال لاتا ہے۔ اگر ایسا کرے تو ان شاء اللہ بہت جلد حق تعالیٰ کا عشق اس کے قلب میں جوش زن و موج زن ہوگا اور یہ بھی نہ ہوا تو یہ شخص بڑا مجاہد ہوگا مجاہد بھی واصل ہے اور ایک حدیث اس کے متعلق مشہور ہے گو صحت کا حال معلوم نہیں جس میں اس کو شہید کیا گیا ہے۔ **من عشق فکتم و عف فمات فھو شھید** (اتحاف السادۃ المتقین ۷: ۴۴۰، کنز العمال: ۱۲۰۳ ا و کشف الخفاء للعجلونی ۲: ۳۶۳.) **(قلت قال فی الدر المنثرۃ لہ طرق من حدیث ابن عباس قلت اخرجہ الحاکم فی تاریخ نیسا پور والخطیب فی تاریخ بغداد و ابن عساکر فی تاریخ دمشق و اخرجہ الخطیب ایضاً من حدیث عائشۃ بلفظ من عشق لعف ثم مات مات شھید او لوردالدیلمی بلا اسناد عن ابی سعید العشق من غیر ریتہ کفارۃ للذنوب اھر ص208-12 جامع)** اس میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک عفت جس کے معنے ہیں معاصی سے بچنا اور معاصی کی چند مثالیں میں نے بیان کردی ہیں جن سے عشق میں بچنا ضروری ہے، دوسری کتمان یعنی عشق کو چھپانا یہ اس واسطے ضروری ہے تاکہ دوسرے کی (یعنی محبوب کی) بدنامی نہ ہو خصوصاً اگر عورت سے عشق ہو جائے تو وہاں کتمان بہت ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں کے گمان بہت دُور دُور پہنچتے ہیں کہ شاید دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی پھر اس سے عورت کی بہت بدنامی ہوتی ہے اور کسی کو بلا وجہ بدنام کرنا یا بدنامی کا سبب بننا گناہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب عشق مجازی میں گھٹ گھٹ کر مر جانا شہادت ہے بوجہ تحمل مشقت شدیدہ کے تو عشق حقیقی میں گھٹ گھٹ کر مرنا شہادت کیوں نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی عشق مجازی سے مشقت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

نسبت شوقیہ:

یہ جو نسبت شوقیہ ہے یہ آگ جیسی ہے دل کو بھون کر رکھ دیتی ہے، چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

غلام آں کلما تم کہ آتش افروزد

اسی لئے نسبت چشتیہ کبھی آگ کی صورت میں مکشوف ہوتی ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجلی

www.besturdubooks.net

گر پڑی ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اوپر بجلی گری، فرمایا مبارک ہو نسبت چشتیہ حاصل ہوگی تو جو اس میں مر جائے وہ حریق نار کے مشابہ ہے اور نسبت سکون پانی جیسی ہے جو نہایت ٹھنڈی ہوتی ہے چنانچہ کبھی اس کا انکشاف بارش کی شکل میں ہوتا ہے کبھی دریا کی شکل میں اسی واسطے نقشبندیہ پانی کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں کہ یوں تصور کرے کہ گویا قلب پر عرش سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ہم بحمد اللہ دونوں کے یہاں گئے ہیں چشتیہ کے پاس بیٹھ کر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آگ برس رہی ہے ان کی باتوں سے اور توجہ سے حرارت بڑھتی تھی اور بچپن میں مولانا رفیع الدین صاحب کے حلقہ میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ نقشبندی تھے بعض دفعہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قلب پر برف رکھ دیا ہو اور یوں خیال ہوتا تھا کہ شاید فرشتوں میں بھی ایسی ہی برودت و سکون کی کیفیت ہوگی جیسی اس وقت ہمارے اندر ہے اور جس طرح آگ سے کبھی موت کی نوبت آجاتی ہے اسی طرح پانی بھی کبھی ڈبو دیتا ہے چنانچہ سکون و انس کے غلبہ سے بعض دفعہ استغراق پیدا ہو جاتا ہے جس میں انسان تدبیر بدن نہیں کر سکتا، نہ کھانے کے ہوش رہتے ہیں نہ پینے کے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پانی میں ڈوبنے والے کا ہوتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے غرض غلبہ ہر کیفیت کا قاتل ہے پھر یہ لوگ شہید کیوں نہ ہوں گے ضرور ہوں گے تو اب سالک کو کسی حال میں پریشان نہ ہونا چاہئے، خواہ غلبہ شوق ہو یا غلبہ انس ہو ہر حال میں راضی رہے ایک دن وصول ضرور میسر ہوگا اور نہ بھی ہوا اور یوں ہی طلب میں گھٹ گھٹ کر مر گیا، اللہ کے راستہ میں اگر جان بھی جائے تو کیا ہوا پھر اس وقت یہ شہید ہوگا اور شہید بھی واصل ہوتا ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ نسبت چشتیہ آگ کے مشابہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ چشتیہ میں برودت نہیں ہوتی یا نقشبندیہ میں حرارت نہیں ہوتی بلکہ دونوں نسبتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں جیسے جسم میں حرارت و برودت دونوں ساتھ ساتھ مجتمع ہوتی ہیں البتہ غلبہ ایک کو ہوتا ہے چشتیہ میں حرارت کا غلبہ ہوتا ہے اور نقشبندیہ میں برودت کا دونوں نے شراب پی رکھی ہے اور ظاہر ہے کہ شراب میں پانی کا جزو بھی ہوتا ہی ہے لیکن چشتیہ کی شراب میں تو سنکھیا ملا ہوا ہے جس سے حرارت بڑھ جاتی ہے اور نقشبندیہ کی شراب میں افیون ملا ہوا ہے جس سے برودت کا اثر غالب ہو گیا، عارف فرماتے ہیں ؎

ارزاں افیوں کہ ساقی می درافگند　　حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

معلوم ہوتا ہے کہ شراب میں افیون ملانے کا رواج تھا تو نقشبندیہ کی شراب ایسی ہی ہے اور ظاہر

www.besturdubooks.net

ہے کہ افیون کے مل جانے سے گو عارض برودت کا غلبہ ہو گیا مگر شراب کی حرارت بالکلیہ زائل نہیں ہو گئی اور یہ فرق بھی دونوں نسبتوں میں ابتداء اور توسط میں نظر آتا ہے اور انتہاء میں تو اہل شوق بھی اہل انس ہو جاتے ہیں یعنی چشتیہ بھی نقشبندی بن جاتے ہیں، جیسے ہنڈیا ابتدا میں کھد کھد کرتی ہے اور پکنے کے بعد خاموش ہو جاتی ہے پس اخیر میں چشتیہ کی حالت بھی سکون کی ہو جاتی ہے مگر حرارت زائل نہیں ہوتی بلکہ قوت ضبط بڑھ جاتی ہے پہلے اوپر بھی اثر تھا اب اندر ہی اندر کام کرتی ہے۔

چنانچہ ایک بار حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی نے کوئی شعر پڑھا جن پر بہت لوگوں کو وَجد ہوا مگر حضرت جنیدؒ ویسے ہی سکون کے ساتھ بیٹھے رہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو وَجد نہیں ہوا تو فرمایا وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ. یعنی قیامت میں تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرو گے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے، مطلب یہ تھا کہ حرکت تو ہم کو بھی ہو رہی ہے مگر دوسروں کو نظر نہیں آتی ہماری حرکت پہاڑ کی سی حرکت ہے پھر فرمایا کہ ذرا میرے بدن کو ہاتھ تو لگاؤ بس ہاتھ لگانا تھا کہ خون کا فوارہ جسم سے نکل پڑا، معلوم ہوا کہ آپ پر بھی وجد کا اثر بہت سخت ہوا تھا مگر۔

کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی

غرض جب حدیث میں عشق مجازی پر صبر کرنے والے کو شہادت کی بشارت دی گئی ہے تو عشق حقیقی کی تکالیف پر صبر کرنا شہادت کیوں نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ کلفت باطنی کلفت ظاہری سے اشد ہے ایک محقق فرماتے ہیں۔

ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست	حال شیرا نے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(اے شخص تیرے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہ چبھا تو ان شیروں کو کیا جانے جن کے سر پر مصائب کی تلواریں چلتی ہیں)

اور شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خوشا وقت شوریدگان غمش	اگر تلخ بینند وگر مرہمش

گدایان از بادشاہی نفور	بامیدش اندر گدائی صبور

دما دم شراب الم در کشند	وگر تلخ بینند دم درکشند

(کیا اچھا وقت ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے غم سے شوریدہ خال ہیں اگر نا موافق حالت پیش آتے

ہیں تب بھی خوش ہیں اگر موافق حالات پیش آتے ہیں تب بھی خوش ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عاشقوں کو دیکھو کہ بادشاہی سے نفرت کئے ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ کی رضا کی امید میں گدائی کی حالت میں ہیں، ہر وقت دنیا کے رنج و غم کھاتے ہیں اور تلخیوں کے باوجود صبر و شکر سے رہتے ہیں۔ انکے قلب پر واللہ ہر دم آرے چلتے ہیں اور دم بخود رہتے ہیں یہ تو نقشبندیہ کا حال ہے آگے فرماتے ہیں ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست

(اے بھائی میں بتاؤں کہ سماع کیا چیز ہے مگر سماع سننے والوں کو میں جانتا ہوں کہ کون ہیں)

آگے فرماتے ہیں ؎

بہ تسلیم سر در گریباں برند　　چو طاقت نماند گریباں درند

(حالت تسلیم سے سر در گریبان ہوتے ہیں اور جب تسلیم کی طاقت نہیں ہوتی تو گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں)

شہداءِ امت:

یہ چشتیہ کا حال ہے کہ اول تو وہ بھی ضبط سے کام لیتے ہیں جب طاقت ضبط نہیں رہتی تو ہاتھ پیر مارتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح بھی نہ ہو تو وہ حدیث تو صحیح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء امت کی فہرست بیان فرمائی ہے کیونکہ اُمت میں شہداء بہت ہیں، صرف مقتول ہی شہید نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

المطعون شهيد والمبطون شهيد والغريق شهيد والحريق شهيد اور ایک روایت میں ہے **و من مات بهدم الدار ومن ماتت بجمع ۔او كما قال اى فى النفاس او الحمل** (الصحيح للبخارى ٧:١٩٦، مسند احمد ٢:٥٢٢، كنز العمال: ١١٢٢١.)

یعنی جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید اور جو پیٹ کی بیماری میں مرے جیسے ہیضہ وغیرہ وہ بھی شہید اور جو پانی میں ڈوب کر مر جائے وہ بھی شہید اور جو آگ میں جل جائے وہ بھی شہید اور جس پر مکان گر پڑے اور دب کر مر جائے وہ بھی شہید جو عورت بچہ کی وجہ سے مر جائے وہ بھی شہید اور جو آگ میں جل جائے وہ بھی شہید ہے، ان کے علاوہ اور بھی شہداء ہیں اور میرے نزدیک سب میں علت مشترکہ یہ ہے کہ کسی ایسی مشقت کا وُرود ہو جس کا تحمل عادۃً دشوار ہو چنانچہ جتنی نظیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں ان سب میں ایسی مشقت ہے جس کا تحمل دشوار ہے، طاعون میں ایک آگ سی بدن میں لگ جاتی ہے ہیضہ میں بھی سخت کرب و بے چینی ہوتی ہے، ڈوبنے والا

www.besturdubooks.net

اور مکان سے دب کر مرنے والا گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے وعلیٰ ہذا اور میں بتلا چکا ہوں کہ نسبت چشتیہ نار کے مشابہ ہے اور نسبت نقشبندیہ پانی کے مشابہ ہے اور شوق کی آگ اور انس کی برودت ظاہری آگ پانی سے اشد ہیں تو یہ بھی حریق وغریق کے مشابہ ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ مقتول بالسیف کے مشابہ ہیں کیونکہ مقتول بالسیف کے شہید ہونے کی بھی تو یہی علت ہے کہ اس نے ایسی مشقت کا تحمل کیا ہے جس کا تحمل عادۃً دشوار ہے اور اس علت کا قرینہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے علاوہ اور بہت سوں کو شہید فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مقتول کی شہادت کسی علت سے معلل ہے اور چونکہ وہ علت ان نظائر میں موجود تھی اس لئے ان کو بھی مقتول کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اور میں بتلا چکا ہوں کہ ان سب میں علت مشترکہ بھی ہے یعنی ورود مشقت شدیدہ متعذر تحملہا عادۃ اور جب حکم معلل ہے تو جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم کا قیاساً ثابت کر دینا غلط نہ ہوگا اور عشق حقیقی میں مشاق وآلام قتل بامر السیف سے زیادہ ہیں مقتول بالسیف تو ایک دفعہ جان دے چکا تلوار چل گئی قصہ ختم ہوا اور یہاں یہ حال ہے کہ ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

(خنجر تسلیم کے قتل کیے ہوؤں کو ہر زمانے میں غیب سے جان عطا ہوتی ہے)

جن پر کیفیات باطنیہ طاری ہوتی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان پر کیا گزرتی ہے واقعی وہ تو نہ معلوم کتنی مرتبہ جیتے اور مرتے ہیں ایک عارف فرماتے ہیں انتم تخافون المعاصی و نحن نخاف الکفر (تم گناہ سے ڈرتے ہو اور ہم کفر سے ڈرتے ہیں) ظاہری تکالیف میں تو جان ہی کا خطرہ ہے اور باطنی تکالیف میں ایمان کا خطرہ ہے اور یہ خطرہ سب سے اشد ہے حضرت شبلی نے ایک دفعہ کسی سالک سے پوچھا ای الصبر اشد کہ بتلاؤ سب سے زیادہ سخت کون سا صبر ہے قال الصبر باللہ قال لاقال الصبر مع اللہ قال لا یعنی اس نے کہا کہ صبر باللہ بہت سخت ہے، فرمایا نہیں کہا صبر مع اللہ بہت سخت ہے فرمایا نہیں، قال فی الغیر اللہ اس نے کہا پھر آپ بتلائیں کہ کون سا صبر اشد ہے فرمایا الصبر عن اللہ خدا سے صبر کر لینا زیادہ سخت ہے اور یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ ہائے[1] اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ای کہ صبرت نیست از فرزند وزن صبر کے داری زرب ذوالمنن

ای کہ صبرت نیست از دنیا ی دوں صبر چوں داری زنعم الماہدوں

---

[1] اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی اور حضرت مولانا پر بہت مجمع جلال تھا ۱۲ جامع

www.besturdubooks.net

(اے شخص تجھے فرزندزن سے صبر نہ آیا پھر کس طرح تو حق تعالیٰ جیسے محسن سے صبر کئے بیٹھا ہے جب تجھ کو دنیائے دوں سے صبر نہیں ہے تو پھر تجھے حق سبحانہ وتعالیٰ سے کس طرح صبر آ گیا ہے)
واقعی خدا سے صبر نہیں ہو سکتا اور سب سے ہو سکتا ہے اور سالک کو ہر وقت اس کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں یہ حالت پیدا نہ ہو جائے اس کو اپنی طلب پر ہمیشہ بدگمانی رہتی ہے کہ میرے اندر طلب ہے بھی یا نہیں اور اس غم میں نہ معلوم کتنی دفعہ ہلاک ہوتا اور جیتا ہے میں دوبارہ وہ شعر پڑھتا ہوں ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(اے وہ شخص جبکہ تیرے پاؤں میں ابھی کانٹا بھی نہیں چبھا تو تجھے ان لوگوں کی کیا خبر جن کے سروں پر تلواریں چل رہی ہیں)

اے صاحب جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں واللہ وہ تلوار سے تیز بال سے باریک ہے ان کی جان پر جو بنتی ہے اس کی کسی کو کیا خبر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مشائخ بڑے مزہ میں ہیں لوگ ان کے ہاتھ چومتے ہیں تعظیم وتکریم کرتے ہیں ہدایا وتحائف لاتے ہیں بس یہ سب سے زیادہ بے فکر ہیں ارے تم کو ان کے دل کی کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ کے کیا کیا معاملات ان کے ساتھ پیش آتے ہیں اور کیسے کیسے خطرات ان پر گزرتے رہتے ہیں بھلا جس کے سر پر تلوار کھڑی ہو اس کو کسی کی تعظیم وتکریم یا ہاتھ پیر چومنے سے کچھ لطف آ سکتا ہے، یہ محض بدگمانی ہے اولیاء اللہ کے ساتھ تو جب ان کی یہ حالت ہے تو کیا مقتول سیف اور حریق وغریق تو شہید ہوں اور یہ لوگ شہید نہ ہوں یہ بھی ضرور مقتول فی سبیل اللہ کی طرح شہید ہیں اور یہ میں قرآن کی تفسیر نہیں کرتا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

(جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مارا جائے اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے)

میں اولیاء بھی داخل ہیں بلکہ علم اعتبار وقیاس کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ بھی انہیں کے حکم میں ہیں اور یہ کوئی تنہا میری رائے نہیں بلکہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی تفسیر مظہری میں شہداء کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اذا کان **هذا حال المقتول بسيف الكفار فكيف بقتيل سيف الجبار** کہ جب مقتول سیف کفار کی یہ فضیلت ہے تو جو سیف جبار سے مقتول ہوا ہو اور تلوار عشق کا کشتہ بنا ہو اس کی تو کیا کچھ فضیلت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ میں اس مسئلہ میں متفرد نہیں ہوں ہل لی فیہ مسلف سلف میں بھی بعض کی یہی رائے ہے پس طالب کو گھبرانا نہ چاہئے۔ ان شاء اللہ وہ ہر حال میں واصل ہے یا شہید ہے خواہ نسبت شوقیہ ہو یا نسبت انسیہ ہو ایک صورت میں وہ حریق ہے

www.besturdubooks.net

اور دوسری صورت میں غریق ہے اور دونوں کے لئے بشارت شہادت ہے (یہاں پہنچ کر پھر حضرت مولانا نے کاتب سے ماقبل کا ربط دریافت فرمایا کہ یہ مضمون کس بات پر بیان ہوا تھا اس نے عرض کیا کہ اس سے پہلے یہ ارشاد ہوا تھا کہ امور غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں ہوتا فرمایا کہ ہاں جامع)

مواخذہ کا مدار:

میں یہ کہہ رہا تھا کہ مواخذہ کا مدار اختیار پر ہے اور بے اختیار کے تو اگر زحمت بھی پیش آئے تو وہ رحمت ہے۔ جیسے عشق مجازی اور وساوس اور خمود وغیرہ تو امور غیر اختیاریہ سے انسان کو پریشان نہ ہونا چاہئے مگر انسان کی عادت یہ ہے کہ یہ رحمت موہوبہ غیر مکتسبہ کے سلب سے بھی پریشان ہوتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے، انہ لیؤس کفور کہ ناامید ہو جاتا اور ناشکرا بن جاتا ہے۔

چنانچہ کسی میں التہاب واضطراب کی کیفیت نہ ہو تو وہ اپنے کو محبت سے خالی و محروم سمجھ کر وصول سے ناامید ہو جاتا ہے حالانکہ یہ کیفیات غیر اختیاریہ ہیں ان کے ہونے نہ ہونے پر کچھ بھی مدار نہیں پھر یہ شخص ناامیدی کے ساتھ ناشکری بھی کرتا ہے کہ جن افعال اختیاریہ کی حق تعالیٰ نے اس کو توفیق دے رکھی ہے ان کی قدر نہیں کرتا اور ان کو اپنے لئے قرب و وصول کا کافی ذریعہ نہیں سمجھتا، ایک عادت تو انسان کی یہ ہے دوسری عادت یہ ہے وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ کہ اگر پریشانی کے بعد حق تعالیٰ اس کو راحت دے دیں تو بے فکر ہو کر کہتا ہے کہ بس اب تو مجھ سے مصیبت ٹل گئی اور یہ شکر کے طور پر نہیں کہتا بلکہ اس طرح کہتا ہے اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ یعنی خوش ہو کر اتراتا ہے کہ اب تو بلا ٹل گئی، بس اب کیا ہے کام مار لیا، چنانچہ بعض لوگ مقدمہ دائر ہونے کی حالت میں تو متفکر و پریشان رہتے ہیں حق تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور بزرگوں سے وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں اور جہاں مقدمہ جیت گئے تو اس کو خدا کی نعمت نہیں سمجھتے بلکہ اترا کر کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے گواہ بڑے پکے تھے حاکم بڑا سمجھدار تھا اور ہمارے وکیل نے خوب بحث کی تھی یوں کہا اور یوں جواب دیا تھا اس وقت ان لوگوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جیت کو اپنی سعی وکوشش کا نتیجہ سمجھتے ہیں قبول دعا اور رحمت حق کا نتیجہ نہیں سمجھتے ارے تم کیسا وکیل لئے پھرتے ہو کہیں دوبارہ نکیل نہ لگ جائے خدا تعالیٰ کو پھر تمہارا ویسا ہی حال کر دینا کیا مشکل ہے۔

انسان کا خاصہ:

انسان کا خاصہ ہے کہ ماضی کو بہت جلد بھول جاتا ہے اور آئندہ کے لئے بالکل بے فکر ہو جاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

www.besturdubooks.net

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے (فائدہ کے لئے) کشتیوں کو سمندر میں چلاتا ہے تو اس وقت اللہ کے سوا تمہارے سب معبود (ذہن) سے غائب ہو جاتے ہیں (اور کسی تدبیر پر نظر نہیں رہتی اللہ ہی اللہ یاد رہتا ہے) پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچا لے آتے ہیں تو اعراض کرنے لگتے ہیں اور (واقعی) انسان ہے بڑا ناشکرا (کہ اتنی جلدی پہلی حالت کو بھول جاتا ہے) آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم کو یہ بے فکری کیوں ہوگئی۔ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا کیا تم کو اس سے بھی اطمینان ہوگیا کہ شاید اللہ تعالیٰ خشکی ہی میں دھنسا دیں سخت ہوا بھیج دیں پھر تم کو کوئی بھی کارساز نہ ملے چنانچہ ابھی زلزلہ اور طوفان خشکی ہی میں آگیا تھا کانگڑا میں بعض مکان زمین کے اندر دھنس گئے اور بہت آدمی تباہ ہوگئے۔ جاپان میں ایسا سخت زلزلہ آیا تھا کہ لاکھوں آدمی مر گئے اور کروڑوں کا نقصان ہوا، یہ تو خسف ہی کا نمونہ ہے اور سخت ہوا کا بھی نمونہ آچکا ہے۔

چنانچہ پچھلے دنوں اخبار میں یہ بات آئی کہ ہردوئی میں ایسی سخت ہوا چلی جس سے بعضے آدمی اُڑ گئے اور کہیں سے کہیں جا کر گرے اور وہ تو خشکی میں بھی طوفان بھیج سکتے ہیں چنانچہ ابھی پہاڑوں کے چشمے اُبل پڑے تھے جن سے سخت طوفان برپا ہوا، ہزاروں گاؤں تباہ اور ہزاروں آدمی برباد ہوگئے اور مویشیوں کا نقصان الگ رہا، آگے بڑے مزہ کی بات فرماتے ہیں کہ کیا تم کو اس سے بھی اطمینان ہوگیا کہ (شاید) حق تعالیٰ پھر دریا ہی میں تم کو بھیج دیں کوئی ایسی ضرورت آپڑے جس سے دوبارہ دریا ہی کا سفر کرنا پڑے جس کو ایک دفعہ چکھ چکے ہو، اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا یہ تو ظاہری مصائب سے بے فکری کا جواب ہے اور باطنی خطرات سے بے فکری کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو آج کیفیت شوقیہ حاصل نہ تھی پھر حاصل ہوگئی تو وہ بے فکر کس بات پر ہوتا ہے ارے جس خدا نے تم کو پہلے جمود و خمود کے دریا میں ڈبو رکھا تھا وہ پھر اسی دریا میں لوٹا سکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہ دوسری سخت گھاٹیاں تمہارے راستہ میں پیدا کرسکتا ہے کیونکہ جس طرح ظاہر میں دریا اور پہاڑ ہیں باطن

www.besturdubooks.net

میں بھی دریا اور پہاڑ ہیں، دلدل ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

آسماں ہاست در ولایت جاں کار فرمائے آسماں جہاں

(روح کی سلطنت میں بہت سے آسمان ہیں اور آسمان جہاں کا کارفرما، یعنی حق تعالیٰ کا خاص نور بھی ہے)

در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست

(روح کے راستے میں بہت بلندیاں اور پستیاں ہیں بلند بلند پہاڑ اور صحرا ہیں)

اور فرماتے ہیں ۔

غیب را ابرے وبادے دیگر است آسمانے آفتابے دیگر است

(عالم غیب کے لئے ابر و باد دوسرے ہیں اور آسمان و آفتاب وہاں کے دوسرے ہیں۔)

مگر وہ دریا پانی کے نہیں ہیں نہ پہاڑ پتھر کے ہیں اور حزب البحر میں جو بحرالدنیا و بحرالآخرۃ کہا ہے وہ تشبیہ پر محمول ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ ایسا ہی بحر ہے جیسا کہ دنیا کا غرض باطن میں بھی جبال و بحار ہیں جن کو صوفیہ کبھی آیت قرآنیہ کے تحت میں بھی اشارۃً بیان کردیتے ہیں مگر تفسیراً نہیں بلکہ اعتباراً۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جن چیزوں کا خطرہ حق تعالیٰ نے اس جگہ اہل ظاہر کے لئے بیان فرمایا ہے باطن میں بھی تشبیہاً یہ خطرات موجود ہیں پھر بے فکری کیسی غرض حالات غیر اختیاریہ کے سبب سے پریشانی بھی مذموم اور ان کے حصول سے بے فکری بھی مذموم ہے اسی کی حق تعالیٰ نے یہاں شکایت فرمائی ہے کہ انسان ایک حالت میں تو یئوس کَفُوْرٌ بن جاتا ہے اور ایک حالت میں فَرِحٌ فَخُوْرٌ اور دیکھئے ان دونوں میں مقابلہ کیا اچھا ہے ہر حالت کے متعلق ایک صفت باطنی ہے ایک ظاہری ہے، سلب رحمت کے وقت تو یاس باطن میں ہوتا ہے کفر ظاہر میں اور عطائے نعمت کے وقت فرح باطن میں ہوتا ہے اور فخر ظاہر میں پس دونوں میں عجیب مقابلہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ حالت سب کی نہیں بعضے اس سے مستثنٰی بھی ہیں۔ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مگر وہ لوگ صابر ہیں (اور اعمال صالحہ میں مصروف ہیں)

صبر کے معنی:

یہاں صبر کے معنی وہ نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ کسی کے مرنے پر نہ روئے کیونکہ یہاں کون مرا تھا ہاں کیفیات مرگئی تھیں تو خیر یہ بھی اس کے عموم میں داخل سہی مگر نہ رونے ہی میں

www.besturdubooks.net

صبر کا انحصار نہیں ہے بلکہ صبر سے مراد استقلال ہے یعنی معمولات پر جمار ہنا جو شارع اور نائب شارع نے تجویز کر دیئے ہیں ان پر ہر حالت میں پابندی کرنا چاہیئے چاہے کوئی کیفیت حاصل ہو یا حاصل نہ ہو، نہ کسی کیفیت کے سلب سے پریشان ہو کر معمولات میں خلل ڈالو، نہ کسی کیفیت کے حصول سے بے فکر ہو کر معمولات میں کمی کرو یہ معنی ہیں صبر کے آگے صبر کی علامت بیان کرتے ہیں کیونکہ دعویٰ صبر آسان نہیں کہ جس کا جی چاہے اپنے کو صابر کہنے لگے۔

وجائزة دعوی المحبۃ فی الھوے ولکن لا تخفی کلام المنافق

(اور محبت کا دعویٰ تو عشق میں جائز ہے مگر منافق کا کلام اور دعویٰ پوشیدہ نہیں ہوتا)

بلکہ اس کے لئے کچھ علامات و شرائط ہیں یعنی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کہ اعمال صالحہ بجا لاتے رہیں اور ظاہراً و باطناً معاصی سے بچتے رہیں جن میں یاس و ناشکری اور بطر و فخر بھی داخل ہے اور نماز روزہ بھی داخل ہے پس جو شخص اوراد پر اکتفا کر کے طاعات کو بیکار سمجھنے لگے اور یہ دعویٰ کرے کہ اب مجھ کو نماز روزہ کی زیادہ ضرورت نہیں رہی مجھ کو رسوخ نسبت حاصل ہو گیا ہے وہ جھوٹا ہے اس کو رسوخ وغیرہ کچھ حاصل نہیں ورنہ اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ کرتا / اسی طرح جو شخص طاعات واجبہ پر اکتفا کر کے اذکار و اشغال و معمولات زائدہ کو ترک کر دے کہ ان سے کچھ نفع تو ہوتا ہی نہیں وہ بھی غیر مستقل اور ناقص فی المحبۃ ہے صبر کے معنی یہ ہیں کہ معمولات مستحبہ اور طاعات واجبہ سب کو دواماً ادا کرتا رہے، بعض دفعہ آدمی اوراد سے گھبراتا ہے اور دوسرے نیک کاموں میں اس کا دل لگتا ہے اس وقت اوراد کو ہرگز ترک نہ کرے کیونکہ دوسری طاعات کا شوق پیدا ہوا ہے وہ بھی ان ہی اوراد کی برکت ہے اور اگر اوراد کو ترک کر دو گے تو چند روز میں دوسری طاعات کا بھی شوق نہ رہے گا جو پیدا ہوا ہے میں نے ان اہل علم[1] کو لکھا تھا کہ تم جو اوراد سے گھبراتے ہو اور لکھتے ہو کہ مجھے مطالعہ کتب میں مزہ آتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ ورد ہی کا اثر ہو کہ آپ کو مطالعہ کتب میں مزہ آتا ہے یہ جواب بطریق منع ہے مگر محض الزامی جواب نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان طاعات میں باہم علاقہ بھی ہے کہ ایک طاعت سے دوسری کو قوت ہوتی ہے گو تم کو اس کی خبر نہ ہو ذاکرین اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دن معمول پورا ہو جاتا ہے اس دن ہر کام میں طبیعت کو بشاشت اور نشاط ہوتا ہے، کہ جس دن معمولی ناغہ ہو جاتا ہے اس

[1] جن کا ذکر شروع وعظ میں ہوا ہے انہوں نے اوراد کو ختم روگ بتلایا تھا ۱۲ جامع

www.besturdubooks.net

دن کسی کام میں جی نہیں لگتا اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اور کاموں میں جو نشاط ہوتا تھا وہ ورد کی برکت تھی مگر غلطی سے وہ شخص یوں سمجھتا ہے کہ مجھے اور کاموں سے خود دلچسپی ہے جی ہاں ذرا اوراد کو چھوڑ کر دیکھو تو معلوم ہو کہ اور کاموں سے کتنی دلچسپی ہے پس یاد رکھو کہ ان اوراد ہی کی برکت سے نماز میں جی لگتا ہے انہی کے ذریعے سے تلاوت قرآن مجید میں مزہ آتا ہے، وغیرہ وغیرہ اور اس کا امتحان یہ ہے کہ دو ایسے شخصوں کی حالت کا اندازہ کر کے دیکھو جن میں سے ایک صاحب ورد ہو اور ایک صاحب ورد نہ ہو تو آپ صاحب ورد کو فرائض وواجبات کے ادا میں چُست پائیں گے گو خود ورد میں اس کا دل نہ لگتا ہو اور غیر صاحب ورد کو اس کی برابر چُست نہ پائیں گے تو کیا ورد کا یہ تھوڑا نفع ہے کہ اس کی برکت سے فرائض وواجبات میں چُستی پیدا ہو جاتی ہے۔

وظائف واوراد:

یہ اوراد بیکار نہیں ہیں بڑے کام کی چیزیں ہیں جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحبات و سنن کی ترغیب دی ہے بلکہ اگر احادیث کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض وواجبات سے زیادہ سنن و مستحبات کی ترغیب و بیان فضائل کا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ واجبات کو تو لوگ خود ہی کرتے ہیں ان کے لئے زیادہ ترغیب کی ضرورت نہ تھی اور سنن و مستحبات کا لوگ اہتمام نہیں کرتے اور ہیں ضروری بھی اور مفید اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا (۱۲ جامع) اور اسی واسطے مشائخ نے بھی مستحبات کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ اہل طریق کا ارشاد ہے من لا ورد له و ارد له جس شخص کا کوئی ورد نہ ہو اس پر کوئی وارد بھی نہ ہوگا اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں حقیقت میں صاحب واردات وہی لوگ ہیں جو اوراد کے پابند ہیں اور جو لوگ سوائے فرائض و واجبات کے کچھ نہیں کرتے ان پر واردات نہیں ہوتے (الاقلیل ۱۲) پس خوب سمجھ لو کہ جس طرح فرائض وواجبات اصل اور اوراد ان کی فرع ہیں مگر اصل کا نفع ان فرع ہی کے ساتھ کامل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ مسہل لینا چاہیں تو اس کے لئے طبیب آپ کو ایک نسخہ لکھ کر دیتا ہے یہ تو اصل مسہل ہے لیکن اس کے بعد وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ دو چار گھنٹہ کے بعد مدد کے لئے سونف کا عرق بھی نیم گرم پینا یا بخ جلایا یا کوئی گولی کھا لینا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدد بیکار ہے ہرگز نہیں مدد کی بھی بہت ضرورت ہے ورنہ مسہل میں ضرور کسر رہے گی اسی طرح یہاں سمجھو کہ اوراد و نوافل فرائض کے لئے بمنزلہ مدد کے ہیں اس کا نفع اس کے ساتھ مل کر ہی کامل ہوتا ہے

www.besturdubooks.net

پس ان کی پابندی بھی بہت ضروری ہے اور یہی معنی ہیں صبر کے آدمی اپنے معمولات پر مستقل رہے، جو شخص ہر حالت میں اپنے معمولات پر جمار ہے گا اور اعمال شرعیہ کا پابند رہے گا وہ کسی نعمت موہوبہ غیر اختیاریہ کے سلب سے یاس وکفران میں اور کسی نعمت موہوبہ کے عطا سے فرح و فخر میں مبتلا نہ ہوگا کیونکہ اس کی نظر میں اعمال مکتسبہ اختیاریہ مقصود بالذات ہوں گے اور اعمال موہوبہ غیر اختیار مقصود بالذات نہ ہوں گے اور جو احوال موہوبہ کو مقصود بالذات سمجھتا ہے وہ ان کے حصول پر اعمال ومعمولات میں اکثر کمی کر دیتا ہے اور سلب احوال پر یاس وکفران میں مبتلا ہو جاتا ہے، آگے فرماتے ہیں اولئک لهم مغفرة و اجر کبیر اس میں اول مغفرت کو مقدم فرمایا اس کا مزہ عشاق سے پوچھو غیر عشاق کو اس کی زیادہ قدر نہ ہوگی وہ تو سمجھیں گے کہ بس صبر اور اعمال صالحہ کا صلہ کیا ملا کہ گناہ بخش دیئے گئے نہ جنت کا ذکر ہے نہ حور وقصور کا مگر عشاق کے دل سے اس کی قدر پوچھو کہ وہ اس کو سنتے ہی زندہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ تو طلب رضا ہی میں مرتے ہیں اور جنت کی طلب بھی وہ رضا ہی کے لئے کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں ۔

باتو دوزخ جنت است اے دلربا　　بے تو جنت دوزخ ست اے جانفزا

(آپ کے ساتھ دوزخ جنت ہے اور آپ کی جدائی سے جنت بھی دوزخ ہے)

بشارت فتح:

اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اوّل یہ فرمایا گیا ہے لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اہل ظاہر کو ما قبل سے اس کا ربط سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ اوپر فرمایا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے اور نمایاں کامیابی دی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں تو اہل ظاہر یہاں چکراتے ہیں کہ بشارت فتح سے مغفرت کا کیا جوڑ ہے مگر عشاق نے اس کا ربط سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو فتح کے مضمون پر اتمام نعمت اور ہدایت واستقامت ونصرت وغلبہ کو متفرع کرنا مقصود تھا مگر چونکہ ان چیزوں کا مزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت آسکتا تھا جبکہ پہلے یہ تسلی کردی جائے کہ حق تعالیٰ آپ سے راضی بھی ہیں اس لئے اُن بشارات کی لذت کامل کرنے کے لئے پہلے لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے) فرمایا گیا اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مذاق عشق غالب تھا آپ کو سب سے پہلے اس کی فکر رہتی تھی کہ محبوب راضی بھی ہے یا نہیں اس لئے اول اس کا اطمینان دلا کر پھر دوسری بشارتوں کو بیان کیا گیا۔

www.besturdubooks.net

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہے)

کہ اس فتح سے آپ نعمت کا کام تمام کرنا مقصود ہے اور آپ کو صراط مستقیم پر پہنچانا اور نصرت الٰہی کے ساتھ (مخالفین پر) پورا غلبہ دینا منظور ہے۔ (یہ فتح بطور استدراج وغیرہ کے نہیں اور نہ یہ غلبہ عارضی ہے بلکہ کامل و مکمل ہے جس کے بعد مغلوبیت کا احتمال ہی نہیں۔و **قد كان كما قال فان الاسلام لم يزل في العروج والظهور بعد ذلك الفتح** ۱۲ جامع) اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ نے عشاق کی رعایت سے مغفرت کی بشارت کو مقدم فرمایا جب ادھر سے اطمینان ہوا اور معلوم ہوگیا کہ محبوب راضی ہیں تو اب عاشق کو بھوک لگی اس سے پہلے کسی چیز کی بھی طلب و خواہش نہ تھی اب جنت وحور وغیرہ کی طلب ہوئی کہ حضرت ہمیں کچھ اور بھی ملے گا کیونکہ کریموں کا قاعدہ ہے کہ جس سے راضی ہوتے ہیں اس کو اپنی رضا مندی کی کچھ نشانی بھی دیا کرتے ہیں، جیسے خلعت وغیرہ تو ارشاد ہوتا ہے وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور ان کے لئے مغفرت کے ساتھ بڑا اجر بھی ہے، (یہاں عشاق کے مذاق کی رعایت ہے، اجر کی تفصیل نہیں کی کہ کیا ملے گا یہیں یہ فرمایا کہ بڑا اجر دیں گے اور جس چیز کو محبوب بڑا کہہ دے پھر اس کی بڑائی کی کیا انتہا ہے معلوم ہوگیا کہ وہ انعام ملے گا جو ہمارے وہم وگمان سے بھی باہر ۱۲ جامع) یہ تو مضمون مقصود کا بیان تھا۔

جنت کی نعمتیں:

اب میں آیات متلوہ سے اس مضمون کی لطیف مناسبت بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں حق تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا اور آگے فرمایا ہے وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا یعنی ایک جگہ کو فرماتے ہیں کہ جنت میں نیک بندے ایسی شراب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ان کو ایسا جام شراب پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (دوسری کی ۱۲) اس کے متعلق میرے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ یہ اختلاف مزاج باعتبار اختلاف احوال کے ہے اس کی تفصیل کے لئے اول دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ آخرت میں جزا کو عمل سے مناسبت ہوگی، دوسرے یہ کہ نعمائے جنت صورت اعمال ہیں اور یہ دونوں مقدمے

www.besturdubooks.net

سلف کے اقوال سے مؤید ہیں بلکہ اشارۃً احادیث سے بھی ان کا پتہ چلتا ہے، اول اہل کشف کے اقوال سے تو اس میں بہت صریح ہیں مگر بعض علماء ظاہر نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

چنانچہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں مفسرین نے چند اقوال نقل کئے ہیں ایک یہ کہ نعمائے جنت صورۃ نعمائے دنیا کے مشابہ ہوں گے، ان کو دیکھ کر جنتی کہیں گے کہ یہ تو وہی چیزیں ہیں جو ہم نے اس سے پہلے دنیا میں کھائی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ ثمرات جنت باہم مشابہ ہوں گے، اس لئے ایک بار کسی چیز کو کھا کر پھر دوبارہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو صورۃ پہلے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہیں گے کہ یہ تو ابھی کھائی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نعمتیں اعمال کی صورت ہوں گی جن کو دیکھتے ہی سمجھ جائیں گے کہ آہا یہ تو وہی نماز ہے جس کی ہم کو دنیا میں توفیق ہوئی تھی اور وہ مناسبت ایسی ظاہر ہوگی جس کو صاحب عمل فوراً سمجھ جائے گا اور گو اس تفسیر کو علماء ظاہر نے زیادہ قبول نہیں کیا مگر اس کی تغلیط بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان الجنة قيعان و غراسها سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر (لم اجد الحديث فی "موسوعة أطراف الحديث النبوی الشريف".) کہ جنت چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت تسبیح وتحمید وغیرہ ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کے درخت ان کلمات کی صورت ہیں اسی طرح بعض نصوص قرآنیہ میں ہے ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ کہ چکھو ان چیزوں کو جو تم کرتے تھے اگر اس میں تاویل نہ کی جائے تو ظاہر نص ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو جزاء کو صورت اعمال کہتے ہیں باقی یہ مقدمات اقناعیہ ہیں میں ان کی بناء پر دعویٰ نہیں کرتا اور نہ آیات کی تفسیر کرتا ہوں بلکہ ایک لطیف استشہاد علم اعتبار کے طور پر کرنا چاہتا ہوں بہرحال حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو شراب ملے گی اس میں کافور کی آمیزش ہوگی جیسا کہ دنیا میں بعض لوگ شراب میں سرور وکیف بڑھانے کے لئے کوئی مفرح چیز ملا لیا کرتے ہیں جیسا کہ صاحب معلقہ کہتا ہے ؎

الا هبی بصحنک فاصبحينا ولا تبقی خمور الا ندرينا

مشعشة كان الحص فيها اذا ماء خالطها سخينا

آیت میں مزاجها کے معنی آمیزش کے ہیں مزاج طبی مراد نہیں، اللہ بچائے واعظین سے نہ معلوم وہ اس جگہ مزاج کے معنی کیا گڑبڑ کرتے ہوں گے آگے کافور کی تفسیر ہے عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ اس میں عينا کافور سے بدل ہے یعنی وہ کافور ایک چشمہ کا نام ہے

www.besturdubooks.net

دنیا کی طرح کافور کی پڑیہ نہ ہوگی، یہاں تو کافور منجمد ہوتا ہے اور وہاں سیال ہوگا اور زنجبیل کا بھی وہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے وہ بھی کوئی منجمد چیز نہیں ہے بلکہ سیال ہے اور قلیل مقدار میں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک چشمہ ہوگا جیسے جنت میں دودھ کی نہریں ہوں گی۔

ایک آریہ کا بیہودہ اعتراض:

اس پر دیانند نے ایک بیہودہ اعتراض کیا تھا کہ وہاں اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی جن کے دودھ سے نہریں چل پڑیں گی، سبحان اللہ یہ عقل ہے دوسرے ادیان کے مقتداؤں کی گویا ان کے نزدیک بدون تھن کے دُودھ ہو ہی نہیں سکتا، میں کہتا ہوں کہ تھن میں دُودھ کہاں سے آتا ہے کیا اُس کے واسطے بھی کوئی دوسرا تھن ہوتا ہے اگر یہ ہے تو پھر تسلسل مستحیل لازم آئے گا، پر یہ مشاہدہ کے بھی تو خلاف ہے، بھلا تھن کے لئے دوسرا تھن کہاں ہوتا ہے، لہٰذا ضرور کہنا پڑے گا کہ تھن میں بدون کسی تھن کے دُودھ آ گیا معلوم ہوا کہ دودھ کا پیدا ہونا تھن پر موقوف نہیں تو جس خدا نے یہاں خون اور گوبر میں سے ایسا لطیف دودھ نکال دیا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ نہر میں دودھ پیدا کر دے۔ لہٰذا یہ اعتراض محض بے عقلی کا ہے۔

تو مشو منکر کہ حق بس قادر ست

(تو منکر مت ہو کہ حق تعالیٰ بہت صاحب قدرت ہیں)

افسوس کہ دوسرے ادیان والوں کو خدا تعالیٰ کی قدرت کا بھی علم نہیں جبھی تو ان کے مقتدا ایسی بے سر وپا باتیں کہتے ہیں، غرض کافور ایک چشمہ کا نام ہے، جس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو دنیا میں ہم دیکھتے ہیں بلکہ وہ نہایت عجیب وغریب شئے ہے، لیکن دنیا کی تمام چیزوں میں سے اس کو کافور سے زیادہ مشابہت ہے، ایسے ہی زنجبیل کی بھی حقیقت وہ نہیں جو ہم لوگ سمجھتے ہیں لیکن اس کو بھی تمام اشیاء میں زنجبیل دنیا سے زیادہ مناسبت ہے اس کا ضرور قائل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ قرب اوصاف ہی سبب ہوا ہے اسے کافور یا زنجبیل کہنے کا ورنہ کچھ اور کہا جاتا ہے فی الجملہ مناسبت ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے خواص اور مزہ وغیرہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا کے کافور وزنجبیل کا ہوتا ہے بلکہ خواص اور مزہ اس کا علیحدہ ہے جو نہایت لذیذ وخوشگوار ہوگا، آگے فرماتے ہیں یَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ کہ اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے، یہاں عباد اللہ سے یا تو ابرار ہی مراد ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اضافت تخصیص کے لئے ہے یعنی اصل میں تو وہ خاص مقربین کے لئے ہوگا مگر ابرار کو بھی ان کے طفیل میں مل جائے گا۔

www.besturdubooks.net

جنت و دوزخ:

۔ گے فرماتے ہیں یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا یہ عجیب تماشا ہے یعنی وہ چشمہ اپنی طبیعت سے نہ بہے گا بلکہ نیک بندوں کا تابع ہوگا ان کے اشارہ پر چلے گا، جہاں چاہیں لے جائیں گے اگر کہیں اونچے پر بیٹھے ہوں گے اور چشمہ کو وہاں بلائیں گے تو فوراً اوپر پہنچ جائے گا کیونکہ جنت اور جنت کی ہر چیز ذی حیاۃ ہے، اہل کشف نے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور اصل زندگی عالم آخرت ہے) یہی تفسیر کی ہے جس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ترغیب و ترہیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما خلق الله جنة عدن خلق فيها لا عين رات ولا اذن سمعت ولا خطر علي قلب بشر قال لها تكلمي فقالت قد افلح المومنون۔ (المعجم الكبير للطبراني ۱۱:۱۸۴، مجمع الزوائد ۱۰: ۳۹۷، كنز العمال: ۱۷۴۰) (جب اللہ تعالیٰ بہشت عدن کو پیدا فرمایا تو اس میں وہ کچھ پیدا فرمایا کہ جیسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گزر ہوا) رواه الطبراني في الكبير والا وسط باسناد بن احمد هما جيد، نیز اہل کشف نے فرمایا ہے کہ جہنم بھی ذی حیاۃ ہے وہ کوئی بے جان مکان نہیں ہے بلکہ جاندار اژدہے کی شکل میں ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں آسمان و زمین سب آسکتے ہیں جیسے سمندر میں بعض مچھلیاں جہازوں سے بھی بڑی ہیں اور اس قول کی تائید ان احوال سے ہوتی ہے جو جہنم کے متعلق احادیث میں وارد ہیں، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے میدان میں جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے مگر اس پر بھی وہ قابو سے باہر ہوگی اور چیختی چلاتی آئے گی، سو بھلا بے جان چیز کے لئے بھی کہیں باگیں ہوتی ہیں اور وہ بھی کہیں چیخا چلایا کرتی ہے، اسی طرح حدیث میں جہنم اور جنت کا کلام کرنا بھی وارد ہے، اہل کشف کی اس تحقیق کے بعد ان احادیث میں تاویل کی کچھ حاجت نہیں رہتی نیز قرآن مجید میں نار کو هَلِ امْتَلَئْتِ کا خطاب اور اس کا هل من مزيد سے جواب مذکور ہے، نیز احادیث میں ہے کہ جو شخص جنت طلب کرتا ہے جنت اس کو طلب کرتی ہے اور جو شخص جہنم سے پناہ مانگتا ہے جہنم اس سے پناہ مانگتی ہے اور صاحبو جن چیزوں کو ہم یہاں بے جان سمجھتے ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذی حیات ہیں گو ہمارے سامنے جماد ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں

www.besturdubooks.net

وارد ہے قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ اور ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا ذریعہ بن جا، اہل لطائف نے لکھا ہے کہ اگر سلاماً نہ فرمایا جاتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی برودت سے تکلیف پہنچتی اب سلاماً کی قید کے بعد اتنی ہی ٹھنڈی ہوئی جو ناگوار نہ ہو، سو اس میں حق تعالیٰ کا آگ کو خطاب کرنا مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب ذی حیات کو ہوا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

آب و باد وخاک و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب بندے ہیں تمہارے اور میرے نزدیک مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں)

اسی طرح آسمان وزمین وجبال وغیرہ سے حق تعالیٰ کا خطاب فرمانا نص میں مذکور ہے نیز ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہوتے ہیں جن سے عناصر کا ذی حیات ہونا معلوم ہوتا ہے مفسرین نے اصحاب الاخدود کے قصہ میں لکھا ہے کہ ایک یہودی بادشاہ نے مسلمانوں کو مرتد ہونے پر مجبور کیا جب لوگوں نے اس سے انکار کیا تو ظالم نے بہت سی خندقیں کھودیں اور ان میں آگ جلائی اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ یا تو آگ کو سجدہ کرو ورنہ تم کو اسی میں ڈال دیا جائے گا، چنانچہ بہتوں نے انکار کیا اور ان کو آگ میں ڈال دیا گیا منجملہ ان کے ایک عورت بھی تھی جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا، اس کو بھی کفر پر مجبور کیا گیا جب اس نے انکار کیا تو بچہ کو گود میں سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا، اللہ اللہ کیسے پکے مسلمان تھے کہ ایسے سخت امتحانات میں بھی ثابت قدم رہے، پھر مرد بھی نہیں بلکہ عورتیں بھی بڑی پختہ تھیں ایک آج کل کے مسلمان ہیں جو ذرا سی تنگی اور افلاس سے پریشان ہو کر مرتد ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں بس یوں کہئے کہ ان کے دل میں اوّل ہی سے ایمان نہیں تھا ورنہ ایمان جب دل میں پیوستہ ہو جاتا ہے پھر نہیں نکل سکتا، غرض جب بچہ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ماں کو ذرا گھبراہٹ ہوئی اور اس کے قدم ڈگمگانے لگے اس وقت حق تعالیٰ نے اس کی امداد فرمائی کہ بچے کو بولنے کی طاقت دے دی اور اس نے اندر سے ماں کو پکارا ۔

اندر آمادر کہ من اینجا خوشم   گرچہ درصورت میان آتشم

اندر آ اسرار ابراہیم بیں   کور آتش یافت وردو یاسمیں

(اندر آجا اے میری ماں کہ میں یہاں بہت خوش ہوں، اگرچہ بظاہر آگ میں ہوں،

www.besturdubooks.net

اندر آجا اے میری ماں اور اسرار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ کر لے کہ انہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی)

کہ اے ماں تو بھی اندر آجا اور ذرا اندر آ کر دیکھ یہاں تو عجیب وغریب اور پھول پھلواریاں ہیں یہ سُن کر عورت بھی از خود آگ میں کود پڑی اب کیا تھا یا تو مسلمان آگ سے ڈر رہے تھے یا پروانہ وار سب کے سب دمادم کودنے لگے اب یہ حال ہوا کہ سپاہی ان کو روکتے تھے، اور وہ زور کر کے خود آگ میں گرتے تھے، یہ حالت دیکھ کر بہت سے کافر بھی مسلمان ہو گئے اور کلمہ پڑھ کر آگ میں گرنے لگے، اس پر وہ یہودی جھلا اٹھا اور آگ سے کہنے لگا اے آگ تجھے کیا ہوا تو جلاتی کیوں نہیں کیا تو آگ نہیں رہی کچھ اور بن گئی اس وقت آگ نے جواب دیا ۔

گفت آتش من ہمانم آتشم اندر آ تو تابہ بینی تا بشم

(اس آگ نے کہا کہ میں تو وہی آگ ہوں تو آ کے دیکھ کہ میں کس قدر گرم ہوں)

کہا میں تو وہی آگ ہوں ذرا تو اندر آ پھر میری تپش کو دیکھ باقی ان کے واسطے میں آگ نہیں رہی کیونکہ ان کو جلانے کا مجھے حکم نہیں ہے اس کے بعد آگ پھیلی اور جتنے کفار خندقوں کے کنارہ بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ سمیت سب جل بھن کر خاک ہو گئے، پس جمادات دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے سامنے ذی حیاۃ ہی ہیں گو ہم کو جماد نظر آتے ہیں اور آخرت میں ہم کو بھی ہر چیز ذی حیاۃ معلوم ہو گی اسی لئے جنت کے چشمے اور نہریں مسلمانوں کے اشاروں پر چلیں گے جب یہ معلوم ہو گیا کہ نعمائے جنت صورت اعمال ہیں اور جزا کو عمل سے مناسبت ہو گی تو اب سمجھئے کہ وہاں جو مسلمانوں کو شراب ملے گی وہ کس چیز کے مناسب اور مشابہ ہے یعنی وہ کون سا عمل ہے جس کی صورت عالم آخرت میں شراب ہے تو اہل لطائف نے لکھا ہے کہ یہ محبت کی صورت ہے محبت میں بھی ایک تیزی اور سرور کیفیت و مستی ہوتی ہے شراب میں بھی یہی صفات ہیں تو وہ اس کی صورت ہے مگر اس شراب کو دنیا کی شراب پر قیاس نہ کرنا یہاں کی شراب تو ذی شرور ہے جس سے بیہودہ افعال واقوال صادر ہوتے ہیں اور ہوش وحواس باختہ ہو جاتے ہیں اور وہاں کی شراب طہور ہے کہ خود بھی پاکیزہ اور پینے والوں کو بھی پاکیزہ بنانے والی ہے، نہ اس سے دردسر اور چکر ہو گا نہ عقل زائل ہو گی لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ (نہ اس سے ان کو دردسر ہو گا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) مگر اس سے یہ مت سمجھنا کہ وہ شراب سراب محض ہو گی جیسے پانی پی لیا ہرگز نہیں بلکہ اس سے سرور ونشاط اس درجہ حاصل ہو گا جو یہاں کی شراب سے نہیں ہو سکتا منافع خمر سب اس میں علیٰ وجہ الکمال ہوں گے مگر مضار ونقصانات بالکل نہ

www.besturdubooks.net

ہوں گے تو وہاں شین کے ساتھ ساتھ سین بھی ہوگا یہ نہیں کہ شین (شراب) کے بجائے سین (سرور) ہو یہ دنیا ہی کی ترکیب ہے جس میں شین اور سین آگے پیچھے ہیں یکجا نہیں، وہاں دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے یہاں کی شراب تو یصد من سبیل اللہ ہے اور وہاں کی شراب یصد عن غیر اللہ۔

شراب آخرت:

بہرحال اہل لطائف نے اس پر تو تنبیہ کی ہے کہ شراب آخرت صورت محبت ہے لیکن اس پر کسی نے تنبیہ نہیں کی کہ اس کے لئے مزاج ایک جگہ کافور بتلایا گیا ہے اور ایک جگہ زنجبیل تو یہ مزاج کس چیز کی صورت ہے اور اس کو کس سے مناسبت ہے اس کے متعلق میرے قلب پر یہ لطیفہ وارد ہوا ہے کہ یہ محبت کی انہی دونوں نسبتوں کا لون ہے کافور کو نسبت انس سے مشابہت ہے اور شراب کافور آمیز اس لون محبت کی صورت ہے کیونکہ کافور باردالمزاج ہے اور زنجبیل کو نسبت شوق سے مشابہت ہے اور شراب در زنجبیل آمیز اس لون محبت کی صورت ہے کیونکہ زنجبیل حارالمزاج ہے اور شوق میں حرارت والتہاب ہوتا ہے لہٰذا یہ اس کے مناسب ہے جیسا کہ نسبت انس میں برود وخمود وسکون ہوتا ہے اور کافور اس کے مناسب ہے پس نقشبندیہ کو وہاں شراب کافور ملے گی اور چشتیہ کو شراب زنجبیل (یعنی ان کو زیادہ وہ اور ان کو زیادہ یہ ملے گی کیونکہ حرارت وسکون سے دونوں خالی نہیں ہاں ایک پر ایک کا غلبہ ہے سو اس کا مقتضاء یہی ہے کہ دونوں کو دونوں شرابیں دی جائیں گی مگر کثرت وقلت کا فرق ہوگا ۱۲ جامع) اور دیکھئے جیسے یہاں نسبت سکون اور نسبت عشق کے آثار مختلف ہوتے ہیں اسی طرح وہاں بھی دونوں کے ساتھ مختلف معاملہ ہوگا چونکہ نسبت سکون میں غلبہ صحو کو ہوتا ہے اور اس میں اختیار وارادہ فنا نہیں ہوتا تو ان کے واسطے فرمایا گیا ہے" يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ "کہ وہ خود جام شراب پئیں گے اور نسبت عشق میں اختیار وارادہ باقی نہیں رہتا تو ان کے متعلق ارشاد ہے وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا کہ یہ وہاں بھی خود نہیں پئیں گے بلکہ دوسرے ہی لا کر ان کو پلائیں گے کہ وہاں بھی مستی ہی میں رہیں گے، یشربون اور یسقون میں جو فرق ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں ہے میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اس کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اعتبار کے طور پر اہل لطافت کے مناسب یہ لطیفہ بیان کر دیا ہے کہ کافور و زنجبیل کو ان دونوں نسبتوں کے رنگ سے مناسبت ہے اور جیسے کافور و زنجبیل جنت میں شراب کے ساتھ ملائے جائیں گے جس سے شراب کا اصل اور ان کا فرع ہونا ظاہر ہو رہا ہے اسی

www.besturdubooks.net

طرح یہاں بھی سمجھئے کہ نسبت انس اور نسبت عشق کے آثار میں جو اختلاف ہے کہ ایک میں غلبہ حرارت ہے اور ایک میں برودیہ مقصود نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود محبت ہے جو دونوں میں مشترک ہے پس صاحب سکون کو عدم التہاب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھنا چاہئے بلکہ یوں سمجھئے کہ شراب محبت مجھے بھی حاصل ہے مگر اس میں کافور ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے حرارت کا غلبہ نہیں ہوتا پر اس کا حرج ہی کیا ہے تم بھی اللہ تعالیٰ کے مقربین میں داخل ہو اور اس جماعت میں سے ہو جن کو جنت میں کافور آمیز شراب دی جائے گی، پس ہر حال میں راضی رہو اور اپنی تجویز کو دخل نہ دو حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں کافور ملا کر پلاتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں زنجبیل ملا کر پلاتے ہیں واصل دونوں ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عاشقے گرزیں سرو گرزاں سرست　　عاقبت ما را بداں شہ رہبر است

(عاشقی خواہ سکون قلب سے ہو یا اضطراب قلب سے دونوں ہی حق تعالیٰ کے واصل ہیں کسی پر شوق وعشق کا غلبہ ہے کسی پر انس اور سکون کا)

میں نے پہلے اس کا بیان کا نام "الکافور والزنجبیل" تجویز کیا تھا اسی وجہ سے کہ اس میں نسبت مع اللہ کے دو الوان کا ذکر ہوا ہے جن کو ان دونوں سے مناسبت ہے مگر بعد میں پھر دوسرا نام تجویز کیا جو ذرا عام لوگوں سے غیر مانوس ہے یعنی (المعرق والرحیق للمغرق والحریق) اس میں معرق کو تو مغرق سے مناسبت ہے اور رحیق کو حریق سے معرق کہتے ہیں اس شراب کو جس میں پانی ملایا گیا ہو اور مغرق کہتے ہیں غریق کو قاموس سے معلوم ہوا کہ مغرق اور غریق دونوں واحد ہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دریائے سکون وخمود میں ڈوبا ہوا ہے یعنی صاحب نسبت انس اس کے لئے تو شراب آب آمیز ہے اور جو جلا بھنا رہتا ہے یعنی صاحب نسبت عشقیہ اس کے لئے رحیق ہے یعنی شراب خالص کیونکہ لغت میں رحیق کے یہی معنی ہیں گو اس نام میں کافور وزنجبیل کی آمیزش پر اشارہ نہ ہو سکا مگر فرق پھر بھی ظاہر ہو گیا کیونکہ جس شراب میں پانی ملا ہوا ہو وہ خالص شراب سے تیزی میں کم ہوتی ہے پس اس نام سے یہ معلوم ہو گیا کہ غریق وحریق دونوں شراب خوردہ ہیں مگر ایک نے تیز شراب پی ہے ایک نے پانی ملی ہوئی، محروم کوئی نہیں میں نے اول یہ چاہا تھا کہ اس کا نام العریق والرحیق للغریق والحریق رکھوں کہ یہ بولنے میں ذرا سہل تھا مگر لغت میں مجھ کو عریق کے معنی شراب آب آمیز نہیں ملے

www.besturdubooks.net

اور دوسرے جو معنے ملے وہ اس جگہ مناسب نہ تھے کہ اگر کسی کو لفظ عریق کا بمعنی معرق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر یہ نام بہت اچھا ہے۔ میری نظر کتب لغت پر زیادہ نہیں ہے پس میرے پاس تو قاموس ہی ہے اسی میں سب تنک و ناموس ہے اس میں مجھ کو یہ بات نہیں ملی ممکن ہے کہ کسی اور کتاب میں اس لفظ کا بمعنی معرق استعمال ہونا دستیاب ہو جائے، بہر حال اس وقت تو یہی نام میں نے تجویز کیا ہے۔ المعرق و الرحیق للمعرق و الحریق اور زیادہ تر اس نام کی رعایت سے میں نے سورۂ دہر کی آیات پڑھی ہیں تا کہ میرا یہ لطیفہ قائم رہے۔ ورنہ اصل مقصود تو دوسری آیت میں مصرح تھا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو اپنی محبت عطا فرمائیں خواہ اس رنگ کی ہو یا اس رنگ کی۔ (آمین)

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین و آخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

www.besturdubooks.net

انوار السراج

موسوم بہ وعظ

☆20 جمادی الثانیہ 1336ھ کو تھانہ بھون میں ہوا۔
جو حضرت والا نے ایک گھنٹہ ارشاد فرمایا۔
☆حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ. مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ. [1]

ترجمہ: (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کے اجر ان کو ضرور دیں گے۔ (پ۱۴ ع۱۹)

تمہید:

اس وقت کا مضمون ایک خاص واقعہ کے متعلق تجویز ہوا ہے گو مضمون آیت کا تو عام ہے لیکن اس مضمون عام میں سے اس واقعہ حاضرہ کے مناسب اجزاء مذکور ہوں گے اور سب سے اول ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر عام مضمون بیان ہوگا جو دوسرے مواقع پر بھی کارآمد ہو سکتا ہے کیونکہ جیسا واقعہ یہاں ہوا ہے کبھی دوسروں کو بھی ایسا پیش آتا ہے اور انسان کو ہر وقت اور ہر موقع میں اصلاح کی ضرورت ہے اس لئے یہ مضمون ہر جگہ کلی طور پر کارآمد ہو سکتا ہے یہ حاصل ہے اس وقت کے بیان کا اب سنئے کہ انسان میں ایک مادہ بے صبری کا ہے اور دو جگہ اس کا ظہور ہوتا ہے ایک تو اس جگہ کہ جہاں انسان کی کوئی

---

[1] جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کے اجر ان کو ضرور دیں گے پ۱۴ ع۱۹۔

www.besturdubooks.net

مرغوب شئے ہو اور اس کو حاصل نہ ہوئی جیسے مال مرغوب ہے اور وہ اس کو ملے ہی نہیں، دوسرے اس جگہ کہ مرغوب شئے حاصل تھی اور وہ اس سے فوت ہو گئی، جیسے اس کے پاس مال و دولت ساز و سامان سب کچھ تھا مگر اس سے جاتا رہا، یہی دو موقع بے صبری کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

اسباب بے صبری:

بے صبری کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ انسان کی حرص ایسی بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَا تَبْغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَهُ اِلَّا التُّرَابُ (الصحیح للبخاری ۸:۱۱۵، الصحیح لمسلم کتاب الزکوٰۃ: ۱۱٦، مسند احمد ۳:۱۲۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۵۲۷۳) یعنی اگر ابن آدم کے پاس مال کے دو نالے ہوں تب بھی تیسرے کو چاہے گا اور اس کے پیٹ کو مٹی ہی بھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی حرص ختم نہیں ہوتی اکثر انسانوں کا تو یہی حال ہے اور جنس کے احکام میں اکثر افراد ہی کا لحاظ ہوتا ہے گو بعضے ایسے نہ ہوں حالانکہ اکثری حالت یہ ہے کہ جس قدر اس کے پاس ہے وہ بھی اس کی حاجت سے زائد ہے اگر انسان عقل سے کام لے اور سوچے تو مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت سے گھبرانے لگے اور اس پر بڑی وحشت سوار ہو اور سمجھے کہ میں کس بلا میں مبتلا ہوں مجھ کو تو واللہ مالداروں کی حالت دیکھ دیکھ کر وحشت ہوا کرتی ہے کہ یہ کیسے بلاؤں میں گرفتار ہیں کہیں چور کا خوف ہے کہیں مقدمہ بازیاں ہو رہی ہیں کہیں ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے اس مال کو کون کون خرچ کرے گا، دن رات اسی پیچ و تاب میں رہے ہیں۔

زر و مال سے استغنیٰ:

البتہ جن کی نظر حقیقت پر ہے انہوں نے بے شک دنیا کے مال متاع کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور جو ایسا ہوگا وہ اتنا مال جمع ہی کیوں کرے گا اس کو تو اس سے بڑی وحشت ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر غور کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض دفعہ ڈھیروں سونا آیا ہے اور ظہر سے عصر تک آپ نے سب تقسیم فرما دیا ہے، ایسوں کے پاس جمع کی نوبت ہی کہاں آئے گی اسی لئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں اور ان کے اخلاق آپ کے اخلاق پر تو ہیں ان کی حالت بھی یہی ہوتی ہے باقی حضور تو حضور ہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کی نماز کے لئے مصلے پر تشریف رکھتے تھے اچانک مکان تشریف لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.besturdubooks.net

تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اس وقت یاد آیا کہ کہیں سے کچھ دینار آئے تھے اور وہ گھر میں ہی رکھے ہیں اور رات آنے کے قریب ہے اور نبی کے گھر میں رات کو مال رہنا نہایت غیر مناسب ہے اس لئے میں نے خرچ کر دیے، خیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے سلطنتوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔

صاحب نظر:

چنانچہ حضرت شجاع کرمانیؒ کا قصہ ہے کہ یہ سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے تھے آپ کی ایک صاحبزادی تھیں اُن کی لطافت مزاج وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس یہی کافی ہے کہ بادشاہ کی بیٹی تھیں جب سیانی ہوئیں تو آپ کو خیال ہوا کہ ان کا عقد کر دیا جاوے، آپ کے پاس بہت لوگوں کے پیام آتے تھے اور پیام بھی معمولی لوگوں کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے پیام آتے تھے، وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اگر چہ فقیر ہو جائے مگر اس کا مرتبہ تھوڑا ہی گھٹتا ہے لوگ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ جو شخص پہلے امیر کبیر ہو اور پھر غریب ہو جاوے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ غریب ہو گیا تو کیا مگر حوصلہ اور دماغ تو وہی ہے بخلاف اس شخص کے جو پہلے غریب ہو اور پھر امیر ہو جاوے تو اس کی وقعت لوگوں کے دلوں میں زیادہ نہیں ہوتی گو بظاہر اس کی دل شکنی کی وجہ سے اس کے منہ پر اس کی حقارت نہ کریں مگر دلوں میں ہرگز وقعت نہیں ہوتی کیونکہ غریب کو حوصلہ نہیں ہوتا اگر چہ کتنا ہی بڑا امیر ہو جاوے مگر رہے گا دَبا ہی ہوا۔ غرض کہ جب کسی بادشاہ کی طرف سے پیام آتا تو آپ انکار فرما دیتے اس انکار پر لوگ اپنے دلوں میں جانے کیا خیال کرتے ہوں گے کہ دیکھئے کس بادشاہ پر ان کی نظر ہے حالانکہ بات یہ ہے۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

(جب خام پختہ حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اسی میں ہے کہ اس فضا میں سکوت کیا جائے)

حُسنِ انتخاب:

لوگوں کو کیا خبر کہ کیوں انکار فرما دیتے ہیں ایک مرتبہ آپ نے مسجد میں دیکھا کہ غریب آدمی نماز میں مشغول ہے اور نماز کا حق جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کر رہا تھا اس کے چہرہ سے وقار و مسکنت معلوم ہوتی تھی بس اس کی نماز کو دیکھ کر عاشق ہو گئے اور اسی وقت قصد کر لیا کہ لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کروں گا اس سے بڑھ کر کون ہو گا اس کے اور کسی حال کی تفتیش نہیں کی کہ یہ کون ہے کتنا اس کے

www.besturdubooks.net

پاس سازو سامان ہے جب وہ نماز پڑھ چکے تو ان سے کہا کہ مجھ کو تم سے کچھ کہنا ہے، چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مجھے لڑکی کون دیتا ہے میں کہاں اس قابل ہوں بالکل غریب و مفلس ہوں، ایسوں کو کون پوچھتا ہے اور اس نے شاہ شجاع کو پہچانا نہیں کہ یہ وہ تارک السلطنت بادشاہ ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی راضی ہو جاوے تو منظور بھی کر لو گے اس نے کہا کہ ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر شاہ شجاع کرمانیؒ اپنی لڑکی دے دے تو لے لو گے وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ خدا کے واسطے میرے جوتیاں نہ لگوانا بھلا کہاں میں اور کہاں شاہ شجاع کرمانیؒ اور ان کی بیٹی، مجھ سے کیوں تمسخر کرتے ہو، قرآن مجید میں ہے لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الخ (مردوں کو مردوں پر نہ ہنسنا چاہئے) آپ مجھ کو ذلیل کرتے ہیں اور مجھ کو بناتے ہیں جاؤ اپنا کام کرو آپ نے فرمایا واللہ میں بناتا نہیں اس پر کہنے لگا کہ اگر ایسا ہو تو میں اُن کا تبرک سمجھوں گا آپ نے فرمایا کہ میں ہی شاہ شجاع ہوں میں خوشی سے اپنی لڑکی تمہیں دوں گا اتنا توقف کرو کہ میں لڑکی سے پوچھ لوں چنانچہ آپ گئے اور لڑکی سے اس کے زہد و تقویٰ کا حال بیان کیا دلیل یہ بیان کی کہ نماز اچھی پڑھتا ہے یہ کچھ بھی نہیں فرمایا کہ دنیا کا مال و متاع بھی کچھ ہے یا نہیں غور کیجئے کہ دلیل کیا اچھی بیان فرما رہے ہیں کہ نماز اچھی پڑھتا ہے اور چونکہ یہ تجربہ ہے کہ صحبت کا اثر بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ ہوتا ہے اُن کا قلب اثر صحبت کے لئے لڑکوں سے زیادہ صالح ہوتا ہے اور اسی لئے اس لڑکی پر بھی باپ کی صحبت کا اثر خوب پڑا ہوا تھا وہ بھی کامل ہو گئی تھیں ان پر اس دلیل کا کافی اثر ہوا بولیں کہ مجھ کو منظور ہے مگر ایک شرط سے کہ اس شخص میں حُبِّ دنیا نہ ہو اور آگے آپ کو اختیار ہے کہ غرض نکاح کر دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا اور نصیحت کر دی کہ خاوند کی اطاعت کرنا۔

حُسن اعتقاد:

اب اُن صاحبزادی کا حال سنئے کہ صاحبزادی نے گھر کے دروازہ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ ایک سوکھی ہوئی روٹی گھڑے پر ڈھکی ہوئی رکھی ہے یہ دیکھتے ہی فوراً الٹے پاؤں لوٹ پڑیں اور کہا ابا جان نے مجھ کو کہاں دھکا دے دیا اس شخص نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا کہ بادشاہ کی بیٹی مجھ کو خاطر میں نہ لائیں گی، صاحبزادی نے کہا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے تم نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میں تمہاری غریبی کو دیکھ کر واپس ہوئی ہوں سو یہ بات نہیں میں تو اس لئے لوٹی ہوں کہ والد نے کہا تھا کہ زاہد متوکل شخص ہے سو اگر تم کو خدا پر توکل ہوتا تو اس روٹی کے رکھنے کو کیوں پسند کرتے اُس نے کہا کہ میرا روزہ تھا میں نے اس خیال سے یہ روٹی رکھ لی تھی کہ اس سے روزہ

www.besturdubooks.net

افطار کروں گا، لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے جس کا روزہ رکھا ہے تو اس کا مہمان ہے اور مہمان کی خبر گیری میزبان کے ذمہ ہے پھر کیوں اس کو رکھ چھوڑا ہے اس شخص نے فوراً اس روٹی کو خیرات کر دیا تب وہ گھر میں داخل ہوئیں، سو ایسے لوگ بے شک حرص سے بری ہیں غرض جب اولیاء ایسے ہوئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے ان کے پاس مال جمع ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اُحد پہاڑ کو سونا بنا دیں اور اس پر بھی کفایت نہیں کی بلکہ یوں ارشاد ہوا کہ اس کو ایسا کر دیں کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہا کرے مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا اور عرض کیا کہ اے اللہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جب ہو تو کھا کر آپ کا شکر ادا کروں اور جب نہ ہو تو آپ سے مانگوں غرض کہ یہ تو خواص کی حالت ہے باقی عموماً تو مال و متاع کی حرص قلوب میں بے انتہا بھری ہوئی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ اس سے وحشت ہوتی اور قیامت کے قریب میں خاص اسباب سے ایسا ہوگا بھی کہ اس سے وحشت ہوگی چنانچہ لوگ مال کی زکوٰۃ دینا چاہیں گے، خرچ کرنا چاہیں گے اور لئے لئے پھریں گے مگر کوئی لینے والا نہ ہوگا۔

حقیقت مال وزر:

سو اس وقت تو ایسا ہو جاوے گا، مگر اس وقت ایسا نہیں اور وجہ یہ ہے کہ اس وقت مال اس لئے مرغوب ہے کہ طالب زیادہ ہیں اور مطلوب کم ہیں اور قرب قیامت میں طالب کم ہوں گے اور مطلوب زیادہ اس لئے اس کی ناقدری ہوگی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مال تو کم ہوتا نہیں کیونکہ یہ فنا نہیں ہوتا روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے مال اتنا نہ تھا جتنا کہ اب ہے غرض یہ تو روز بروز بڑھتا ہی ہے کم ہوتا نہیں اسی طرح ہوتے ہوتے قرب قیامت تک بہت ہی کثرت ہو جاوے گی اور فتن کی وجہ سے آدمی کم ہو جائیں گے ظاہر کہ جس چیز کو فنا نہ ہو اور بڑھتی ہی رہے تو ایک زمانہ میں بہت ہی کثرت سے ہو جاوے گی کیونکہ مال پیدا تو ہوتا ہے مگر اس کو موت نہیں آتی تو جب بہت بڑھ جائے گا تو اس کی حرص نہ رہے گی اور یہاں ایک بات بتلاتا ہوں کہ مال میں مرغوبیت حقیقیہ نہیں اگر مرغوبیت حقیقیہ ہوتی کبھی کسی زمانہ میں بھی مرغوبیت حقیقیہ نہیں ورنہ کیوں زائل ہو جاتی، دیکھئے ہوا کی مرغوبیت حقیقی ہے جو کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتی، اگر تھوڑی دیر کے لئے ہوا کو بند کر دیں تو مرغوبیت معلوم ہو جاوے، قدر کی چیز کبھی بے قدر نہیں ہوتی، مال واقعی بے قدری کی چیز ہے اسی واسطے حدیث شریف میں ہے لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقَى مِنْهَا كَافِرًا شُرْبَةَ مَاءٍ (مجمع الزوائد ۱۰: ۲۸۸.) کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر

www.besturdubooks.net

کے برابر ہوتی تو اللہ میاں کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے مگر چونکہ اس کی کچھ بھی قدر نہیں اس واسطے اللہ میاں مبغوض شئے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا کو مبغوض ہو، دیکھئے سلاطین نے بزرگوں کے سامنے نذرانہ پیش کئے مگر انہوں نے واپس کردیئے اور وجہ ظاہر ہے کہ اس میں خطرات اس قدر ہیں کہ جس کی حد نہیں، مال و دولت والوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے، چوروں کا خوف، ڈاکوؤں کا ڈر، بے مال والے کیسے بےفکر ہوتے ہیں۔

خوف کا سبب:

ایک گرو چیلہ کی حکایت ہے کہ وہ کہیں سفر میں رات کو چلے جاتے تھے چیلہ نے کہا گروجی ڈر لگتا ہے گرو نے کچھ تسلی کر دی تھوڑ دیر میں پھر کہا کہ گروجی ڈر معلوم ہوتا ہے گروجی تجربہ کار تھے اس نے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے اس نے کہا کہ ایک روپیہ کمر سے بندھا ہے، گرو نے کہا کہ اس کو پھینک دے، چنانچہ اس نے پھینک دیا، پھر تھوڑی دیر میں گرو نے پوچھا کہ اب بھی ڈر لگتا ہے اس نے کہا اب تو نہیں لگتا، اس نے کہا ساری وجہ ڈر لگنے کی وہ روپیہ تھا کیونکہ خالی آدمی کو کون مارتا ہے اور بدوؤں کی حکایت سنی ہے کہ وہ مار کر پھر تلاشی لیتے ہیں اگر بغور دیکھا جائے تو وہاں بھی مال ہی مارنے کا باعث ہوتا ہے گو اس مسافر کے پاس نہ ہو کیونکہ بدلوگ اپنے زعم میں تو اس کو مالدار ہی سمجھتے ہیں جب ہی تو مارتے ہیں ان کو یقیناً معلوم ہو جاوے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں کہتے، ڈاکو بھی مالدار و غیر مالدار کو خوب پہچانتے ہیں۔ جیسے اہل پولیس بدمعاشوں کو پہچان لیتے ہیں، پس مال کے ان خطرات پر نظر کر کے تو اس سے وحشت ہی ہونی چاہئے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ مال کی رغبت نہ ہو، باقی کوئی شخص قبیح غیر مرغوب پر ہی مرنے لگے اور اس کو حس ہی نہ ہو تو دوسری بات ہے کیونکہ محبت اور حرص ایسی چیز ہے کہ محبوب کے عیب کو چھپا دیتی ہے۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد　　صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

مقصود بالذات:

بات یہ ہے کہ حریص آدمی مال کو مقصود بالذات سمجھتا ہے اگر ضرورت کی چیز سمجھتا تو اُس سے بالذات محبت نہ ہوتی کیونکہ اکثر یہی ہے کہ جو ساز و سامان ہمارے پاس ہے وہ ضرورت سے کہیں زیادہ ہے سفر کی حالت میں اس کا تجربہ ہو جاتا ہے کہ کتنی چیزیں ضروری ہیں جب سفر کرتے ہیں تو اُس وقت ضرورت کی چیزوں کا انتخاب ہوتا ہے اور بہت تھوڑا سا سامان ساتھ

www.besturdubooks.net

لے جاتے ہیں کہ جس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا پھر جہاں تک اوّل سفر کیا ہے اگر اتفاقاً وہاں سے اور آگے کو سفر کرنے لگیں تو پھر اور انتخاب ہوتا ہے اور کچھ سامان چھوڑا جاتا ہے یہاں تک کہ کئی سفروں میں بہت معمولی چیزیں ساتھ رہ جاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے لئے بہت تھوڑے سامان کی ضرورت ہے بعض وقت رضائی بھی اس خیال سے چھوڑ دی جاتی ہے کہ خدا کہیں دے گا یہ تو اصل ضرورت کا ہے مگر ہماری یہ حالت ہے کہ زیادہ چیزیں ہمارے پاس وہ ہیں جو کہ کبھی استعمال میں بھی نہیں آتیں بعض کو تو رکھ کر بھول بھی جاتے ہیں، حتیٰ کہ رکھے رکھے وہ خراب بھی ہو جاتی ہے مگر حرص ان کی بھی ہے، سچ کہا گیا ہے ۔

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش انچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

جو انسان کے لئے مصلحت ہے وہ تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی سب کو عطا فرمادیا ہے اور ان میں زیادہ تر وہ چیزیں ہیں جن میں اکتساب کو بھی دخل نہیں اور وہی اصل ضروری ہیں مگر حاشیہ لگا کر انسان بہت سی چیزیں خود بڑھا لیتا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے بلا اکتساب مرحمت فرمائی ہے واقعی وہ سب ضروری ہیں ان میں کوئی چیز زائد نہیں جیسے دو ہاتھ دیئے، دو پاؤں دو آنکھیں وغیرہ وغیرہ کی یہ وہ چیزیں ہیں کہ اکتساب کو بھی ان میں دخل نہیں اور ان میں کوئی چیز زائد بھی نہیں، چنانچہ جب ان میں سے کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے، مثلاً ایک آنکھ ہی جاتی رہے تو پتہ چلے۔

دخلِ اکتساب:

ایک حکایت ہے تو مسخرہ پن کی مگر کہے دیتا ہوں ہم ایک استاد کے سامنے سبق پڑھ رہے تھے اور ہمارے سبق میں ایک طالب علم یک چشم تھے اور ان ہی کی قرأت تھی، میں نے شوخی سے اُن کی آنکھ پر انگلی رکھ لی اب استاد کہہ رہے ہیں کہ پڑھتے کیوں نہیں اور حضرت استاد کی عادت تھی کہ گردن جھکا کر بیٹھتے تھے اُوپر کو نگاہ اٹھاتے ہی نہ تھے اب وہ فرما رہے ہیں پڑھو اور یہ حیران تھے کہ ایک آنکھ تو قدرتی نہ تھی دوسری پر ہاتھ رکھ لیا اب کروں تو کیا کروں وہ دل میں کہتے ہوں گے کہ میری دوسری آنکھ بھی ہوتی تو کیا اچھا ہوتا جب اللہ کی نعمت جاتی رہتی ہے اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے، غرض کوئی چیز ان میں سے زائد نہیں، اعضاء کے مکرر ہونے پر ایک لطیفہ یاد آیا، ایک بادشاہ نے ایک عالم (مبتدع) سے پوچھا کہ یہ جو آپ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف محرف ہے اس پر کوئی تاریخی دلیل ہے کہنے لگے کہ تاریخی دلیل سے بڑھ کر عقلی دلیل ہے

www.besturdubooks.net

وہ یہ کہ قرآن مجید میں مکررات بہت ہیں خدا کو مکرر لانے کی کیا ضرورت تھی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ اوروں نے بڑھایا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ آپ کی تخلیق میں بھی تو مکررات ہیں معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی کا اضافہ ہے اور قابل حذف ہے تو تیرے جسم کے تخلیقی مکررات بھی کسی کا اضافہ ہے اور قابل حذف ہے اس کے بعد فوراً جلاد کو حکم دیا کہ ان کے مکررات کو حذف کر دو اور کہا کہ تیرے قول کے موافق یہ تکرار بھی دلیل ہے اس بات کی کہ تو خدا کا بنایا ہوا نہیں کسی نے تجھ میں اضافہ کر دیا ہے، جواب عجیب معقول تھا، واقعی یہ ہے کہ سیف سب سے بڑا وعظ ہے ۔

اَلْوَعْظُ یَنْفَعُ لَوْ بِالْعِلْمِ وَالْحِکَمِ وَالسَّیْفُ اَبْلَغُ وَعَّاظٍ عَلَی الْقِمَمِ

(وعظ نفع بخش ہے اگر علم و حکمت سے معمور ہو اور تلوار سروں پر تمام واعظین سے بھاری ہے)

غرض جن امور میں اکتساب کو دخل نہیں وہ تو سب ضروری ہیں، ہاں جن میں انسان کے اکتساب کو دخل ہے ان میں بہت سے اُمور غیر ضروری بھی ہیں جن میں ہم نے ان مکتسبات کو فضول بڑھالیا ہے اور اپنی طرف سے حواشی چڑھائے ہیں پھر وہ حاشیہ اتنا بڑھا ہے کہ اصل سے بھی بڑھ گیا چاہئے تو یہ تھا کہ حقیقت پہچان کر زوائد سے وحشت ہوتی مگر اب فساد مذاق کی وجہ الٹی ہم کو لذت حاصل ہوتی ہے اس کی مثال تمباکو جیسی ہے کہ اس کے کھانے میں حالانکہ بہت سے نقصانات ہیں سر اس سے گھومتا ہے دماغ اس سے خراب ہوتا ہے منہ میں بدبو اس سے پیدا ہوتی ہے جسم میں کاہلی اس سے آجاتی ہے اور عادت ہوجانے پر تو یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جب تک اس کو نہ کھالیا جاوے، انسان کوئی کام نہیں کرسکتا مگر باوجود اتنے نقصانات کے اس کو کھاتے ہیں اور بڑے مزے لے کر کھاتے ہیں اسی طرح دیکھئے مرچ کیسے نقصان کی چیز ہے بالفعل تو یہی نقصان ہے کہ جس چیز میں مرچ زیادہ ہوتی ہے کھاتے ہی سر میں آگ سی لگ جاتی ہے آنکھوں سے پانی جاری ہوجاتا ہے دماغ پریشان ہوجاتا ہے اور جسمانی نقصانات اس کے علاوہ رہے مگر حالت یہ ہے کہ رو رہے ہیں اور کھا رہے ہیں، عادت والے کچھ بھی خیال نہیں کرتے، مرچوں پر ایک لطیفہ یاد آیا، ایک بزرگ معتوہ تھے جب وعظ میں لوگوں کے جھگڑے قصے بدمعاملگی اور بُرے اخلاق و اطوار کا تذکرہ فرماتے .... تو یہ فرماتے کہ یہ سب مرچوں کا فساد ہے ایک شخص ہنسنے لگے کہ اس میں کیا جوڑ ہوا میں نے کہا اچھا خاصا جوڑ ہے، مطلب یہ ہے کہ مرچوں سے کھانا مزے دار ہوجاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ مزے دار کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے اور جب انسان زیادہ کھانا کھائے گا تو لامحالہ قوت بہیمیہ زیادتی پکڑے گی اس لئے ضرور فساد کی باتیں انسان سے صادر ہوں گی یہ تو لطیفہ تھا۔

www.besturdubooks.net

لاٹری کی خوشی:

اصل مضمون یہ ہے کہ جیسے مرچ کھانے والوں کو باوجود تکلیف ہونے کے حس نہیں ہوتی اسی طرح مالداروں کو زیادہ مال سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر حس نہیں ایک صاحب کا قصہ ہے کہ تھے تو وہ مالدار اور وسعت والے مگر بوجہ بخل کے ہانڈی تک اپنے ہاتھ سے پکاتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ میاں تمہارا مال و دولت روپیہ پیسہ کس کام کا باوجود اتنے مالدار ہونے کے ہانڈی تک اپنے ہاتھ سے پکاتے ہو، وہ بولے میاں تم خرچ ہی کرنے کا لطف جانتے ہو، جمع کرنے کے لطف سے واقف نہیں ہو جمع کرنے میں بڑا لطف ہے تم اس کو کیا جانو بیشک اگر کوئی اُن کا مال چُرا کر لے جاتا جب لطف معلوم ہوتا مال تو ایسی چیز ہے کہ اس کا جمع ہونا بھی تکلیف دہ ہے تو کم ہونے سے تو انسان کی کیا حالت ہوتی ہوگی، بعض وقت اس کے ملنے سے اور اسی طرح ضائع ہونے سے موت تک کی نوبت آجاتی ہے ایک مقام کا قصہ ہے بعض جگہ دستور ہے کہ بڑی تعداد کے مال پر چٹھیاں پڑتی ہیں اور بعض دفعہ ایک ہی دو روپیہ میں اتنا مال جاتا ہے جس کی قیمت لاکھوں روپیہ ہوتی ہے تو قصہ یہ ہے کہ ایک انگریز کا سائیس تھا کسی مال پر چٹھیاں پڑ رہی تھیں اس نے بھی ایک روپیہ کی چٹھی ڈال دی اتفاق سے چٹھی اس کے نام پر نکل آئی وہ کئی لاکھ روپے کا مال تھا گویا ایک روپیہ میں کئی لاکھ روپے مل گئے، جس انگریز کا یہ سائیس تھا اس کے نام چٹھی آئی کہ تمہارے سائیس کے نام چٹھی نکلی ہے اس کو چاہئے کہ آ کر مال پر قبضہ کرے وہ انگریز تھا تجربہ کار اس نے سائیس کو فوراً خبر نہیں کی کہ فرط خوشی سے مر نہ جائے بلکہ اس کا علاج کر دیا وہ یہ کہ اس کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کوئی چٹھی ڈالی تھی اس نے کہا کہ ہاں ڈالی تھی انگریز نے کہا کہ تم نے بلا اجازت ایسا کیوں کیا، اس نے جواب دیا کہ یہ بات میرے کار منصبی سے خارج تھی اس میں مجھ کو اختیار تھا انگریز نے کہا کہ تجھ کو کوئی اختیار نہ تھا اور چابک منگا کر خوب ہی مارا اور پھر کہا کہ تیرے نام چٹھی نکلی ہے اتنے لاکھ روپے کا مال تمہارے نام آیا ہے یہ سُن کر وہ خوش تو ہوا، مگر مار کی تکلیف سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جس میں خطرہ ہو سکتا، انگریز نے کہا کہ ہم نے اس مارنے سے تمہارا علاج کیا ہے اگر ہم فوراً خبر کر دیتے تو تم مر جاتے اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اچانک مال ملنے سے شادی مرگ ہوگئی اسی طرح مال کے اچانک تلف ہونے سے موت کے واقعات سنے ہیں۔

حالت محبین حق:

البتہ محبین حق کے نزدیک دونوں حالتیں برابر ہیں ان کی حالت تو یہ ہے کہ نہ ملنے سے چنداں خوشی نہ جانے سے چنداں غم اور بعض کو کسی درجہ میں بھی خوشی یا غم نہیں ہوتا ایک بزرگ

www.besturdubooks.net

کے پاس کہیں سے بیش قیمت موتی تحفہ میں آیا تھا، خادم نے پیش کیا، دیکھتے ہی فرمایا الحمدللہ اور حکم دیا کہ اس کو رکھ لو خادم نے ایک دفعہ اسباب کا جائزہ لیا اتفاق سے وہ موتی ضائع ہو گیا تھا اس کو خیال ہوا کہ دیکھئے خبر ہونے پر میری کیا نوبت ہوتی ہے مگر بضرورت خبر کرنا پڑی اُس کے سُنتے ہی آپ کی زبان سے نکلا الحمدللہ خادم کو بہت تعجب ہوا اور عرض کیا کہ حضرت جب یہ موتی آیا تھا اس وقت بھی آپ نے فرمایا تھا الحمدللہ، خیر وہ تو موقع بھی تھا مگر جاتے رہنے کی صورت میں الحمدللہ کہنے کا کیا موقع تھا آپ نے فرمایا میں نے موتی آنے کے وقت اور پھر اس کے ضائع ہو جانے کے وقت اپنے دل کی حالت کو دیکھا تھا تو یہ کیفیت پائی کہ نہ آنے کے وقت کوئی خوشی ہوئی تھی اور جاتے رہنے سے کوئی رنج ہوا، پہلی بار الحمدللہ کہنا اس پر تھا کہ دنیا کے آنے سے کوئی خوشی نہ ہوئی اور دوسری بار اس لئے کہ دنیا کے جاتے رہنے سے کوئی غم نہ ہوا، بھلا پھر ان کو مال کے آنے یا جانے سے پریشانی کیوں ہو۔ صاحبو! بعض بزرگوں کی تو یہ کیفیت ہوئی ہے کہ انہوں نے تو چوروں دشمنوں کو بھی خود ہی اپنے پاس سے دے دیا ہے ان سے حفاظت تو کیا ہی کرتے، ایک بزرگ کے ہاں ایک چور چوری کرنے گیا وہاں کچھ تھا ہی نہیں ان کی آنکھ کھل گئی اُس کو محروم جاتے ہوئے دیکھ کر اپنا کمبل اُتار کر دے دیا کہ اس کا دل بُرا نہ ہو اور خالی نہ جاوے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ

(میں نے سنا کہ مردان راہ خدا نے دشمنوں سے بھی دل تنگ نہیں کیا)

وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا بڑی حقیر چیز ہے اس لئے اس کا آنا جانا، ان پر زیادہ اثر نہیں کرتا، حضرت شاہ عبدالقدوس کی بی بی کے پاس ایک چاندی کا ہار تھا جب وہ ہار پہنتیں تو آپ فرماتے کہ اس ہار میں مجھ کو دنیا کی بو آتی ہے بی بی نے ایک بار ایک مہمان بزرگ سے اس امر کی شکایت کی اور کہا کہ میں نے اپنے لڑکے رکن الدین کی شادی کی غرض سے یہ ہار رکھ چھوڑا ہے، جس کے بارے میں شیخ بار بار یہ فرمایا کرتے رہتے ہیں، اُن بزرگ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ کو اپنی دنیا میں سے بدبو آنی چاہئے دوسرے کی چیز سے کیوں بدبو آتی ہے جب بی بی کا پیچھا چھوٹا، بعضے بزرگوں کو تو دنیا کے جاتے رہنے کی خوشی ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک آئینہ بیش قیمت آیا تھا آپ کبھی کبھی خادم سے منگا کر اس میں منہ دیکھا کرتے تھے، اتفاقاً ایک دفعہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑی فکر ہوئی بزرگوں کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں مزاج شناس

www.besturdubooks.net

خادم نے عذر کرنے کا ارادہ کیا اور عذر کا مضمون ایک مصرع میں موزوں کر کے عرض کیا ۔

از قضا آئینہ چینی شکست

(قضا سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا)

حضرت نے فی البدیہہ فرمایا ۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست

(بہت اچھا کہ خود بینی کے اسباب ختم ہو گئے)

خود بینی کیا ہی اچھا موزوں لفظ ہے بزرگوں کا اصل مذاق تو یہ ہے کیونکہ وہ مال کی حقیقت کو پہچانتے ہیں باقی اکثر لوگوں کی وہی حالت ہے کہ اگر ان کے پاس سونے کے دو جنگل ہوں تو تیسرے کے طالب ہوں گے، یہ حال انسان کی حرص کا اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی اسی کی نسبت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔

گفت چشم دنیا دار را یا قناعت پرکندیا خاک گور

(کہا کہ دنیا دار حریص کا پیٹ یا تو قناعت سے بھر سکتا ہے یا قبر کی مٹی سے)

اور حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ۔

کوزہ چشم حریصاں پر نشد تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد

(لالچی کی آنکھ کا کوزہ اس وقت تک نہیں بھر سکتا جب تک کہ سیپ کے اندر کا موتی نہ پڑ گیا ہو)

حرص کا علاج:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حرص بری چیز ہے اور اُن اخلاق رذیلہ میں سے ہے جس کی مذمت خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاق رذیلہ کا زائل کرنا اور بجائے ان کے اخلاق حمیدہ کا اندر پیدا کرنا ضروری ہے تو حرص کا علاج بھی ضروری ہوگا، سو اس کا علاج ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہونا جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اس سے یہ خلق رذیل ان شاء اللہ تعالیٰ جاتا رہے گا، یہ ہے اس کا علاج جو مقصود تھا بیان سے اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا سَمِعْتُم بجبل زال عن مكانه فصدقوه و اذ سمعتم برجل زال عن جبلته فلا تصدقوه (مسند احمد ۶: ۴۴۳، مشکوۃ المصابیح: ۱۲۳ و مجمع الزوائد ۷: ۱۹۶.)

یعنی جب تم سنو کسی پہاڑ کو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر لو اور جو کسی انسان کو سنو کہ اس کی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق مت کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق فطری

www.besturdubooks.net

ہیں جو نہیں بدلتے اور اُن کا ازالہ نہیں ہوسکتا، جب یہ صورت ہے تو علاج سے کیا نتیجہ، جواب سے پہلے حکماء کا مذہب سنئے، اس بارہ میں حکماء کے اندر اختلاف ہے کہ ریاضت سے تہذیب اخلاق ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ ریاضت سے اخلاق بدل جاتے ہیں یعنی ریاضت سے پہلے کسی میں برے اخلاق تھے تو وہ ریاضت کرنے پر وہ اخلاق جاتے رہتے ہیں اور بجائے ان کے اچھے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں بعض کا مذہب یہ ہے کہ ریاضت سے اخلاق نہیں بدلتے، بعض کہتے ہیں کہ فطری اخلاق تو نہیں بدلتے غیر فطری بدل جاتے ہیں صوفیاء کرام کہ در حقیقت حکماء یہی حضرات ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ ریاضت سے اخلاق رذیلہ کا ازالہ تو ہوتا نہیں کہ بالکل معدوم ہو جاویں ہاں ان کا امالہ ہو جاتا ہے اور وہ مغلوب ہو جاتے ہیں، اخلاق حمیدہ سے اور یہی صحیح ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن اشخاص میں پہلے سے برے اخلاق موجود ہوتے ہیں جب وہ مجاہدہ اور ریاضت کرتے ہیں تو اُن کی حالت بدل جاتی ہے، بجائے ان کے اخلاق حمیدہ ان کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاق رذیلہ پر غالب آجاتے ہیں، حتیٰ کہ حیوانات تک میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے دیکھئے جو گھوڑا شریر ہوتا ہے اس کو ایک عرصہ کے لئے چابک سوار کے حوالہ کر دیتے ہیں پھر وہ کیسا مہذب اور شائستہ ہو جاتا ہے اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ جو حکماء یہ کہتے ہیں کہ اخلاق رذیلہ بالکل معدوم ہو جاتے ہیں ان کا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت سے اخلاق حمیدہ ان کے اندر پیدا ہو گئے اور جب مجاہدہ و ریاضت کو ترک کر دیا تو پہلے اخلاق عود کر آتے ہیں اگر وہ معدوم ہو گئے تھے تو پھر عود کیسا، اور جو حکماء کہتے ہیں کہ ریاضت سے اخلاق نہیں بدلتے یہ بھی مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے اور جو کہتے ہیں کہ فطری اخلاق نہیں بدلتے غیر فطری بدل جاتے ہیں تو اس میں تمیز مشکل ہے کہ اخلاق فطری کون سے ہیں اور غیر فطری کون سے تو اس اعتقاد کا فخص ریاضت ہی نہ کرے گا یہ عملی ضرر ہے اس لئے صوفیاء کرام کا مسلک واقعی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ فطری بھی گو زائل نہ ہوں مگر مغلوب ہو جاتے ہیں۔

جنون محبت:

واقعی حکماء یہی حضرات ہیں بیچارے حکمائے یونان فلاسفہ کی تحقیقات ان کے سامنے کیا ہیں ، پھر یہ کہ ہمیں حکماء کی تحقیقات سے کیا لینا ہے جو اس کا تعارض حدیث سے رفع کریں باقی حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے اور صوفیہ بھی وہی کہتے ہیں جو حدیث میں ہے کہ اخلاق طبعیہ زائل نہیں ہوسکتے گو مغلوب ہو جاتے ہیں اور حدیث میں مغلوبیت کی نفی نہیں جو اُس پر شبہ کیا جاوے

www.besturdubooks.net

بلکہ حدیث میں تو ازالہ کی نفی ہے اور مغلوبیت کی تو تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان امراض کے علاج بیان فرمائے ہیں اگر تہذیب اخلاق نہ ہو سکتی تو آپ اُن کی تدبیر کیوں تعلیم فرماتے، گو حرص فطری بھی ہو مگر اس کی بھی اصلاح ضروری ہے اور اصلاح کا قصد کرنے سے ضرور اصلاح ہوگی کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

(اللہ سے ڈرو اور اسی کی بات کہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے صلہ میں تمہارے اعمال قبول کرے گا)(پ ۲۲، ختم سورہ احزاب)

کہ اسباب اصلاح کے اختیار کرنے سے اللہ میاں تمہارے اعمال کی درستی فرما دیں گے تو کیا اللہ میاں کی اصلاح فرمانے سے بھی درستی نہ ہوگی صاحب آپ ناامید نہ ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ اصلاح کریں گے اور اصلاح کا مطاوع ہے صلاح۔ پس ضرور ہمارے اندر صلاح پیدا ہوگی، باقی بدوں اہتمام اصلاح کے تو اصلاح ہو نہیں سکتی کیونکہ حرص فطری شئے ہے چنانچہ انسان کو ہر وقت اس کی فکر رہتی ہے کہ مرغوب چیزوں کو جمع کروں اور اس میں ہر وقت جتلا رہتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی حق تعالیٰ نے ایسی مرغوبات کی ایک فہرست بیان فرمائی ہے کہ جن کی طرف اکثر طبائع کا میلان ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

(خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کی محبت مرغوب چیزوں کی، عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، سونے اور چاندی کے ڈھیر ہوئے، نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے، مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی، یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیاوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے)

کہ زینت دی گئی لوگوں کے لئے محبت خواہشوں کی عورتوں کی اور اولاد کی اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی اور عمدہ گھوڑوں کی اور چوپایوں کی اور کھیتی کی یہ سب سامان زندگی دنیا کا ہے اور اللہ کے یہاں عمدہ ٹھکانا ہے چونکہ مذاق مختلف تھے کسی کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے اور کسی کو کسی سے اس لئے مختلف چیزیں بیان فرمائیں کسی کو عورتوں سے زیادہ محبت ہے اور کسی کو اولاد سے، کسی کو سونے چاندی سے کسی کو گھوڑوں سے، کسی کو بیلوں سے اور کھیتی سے اور کسی کو

www.besturdubooks.net

عورتوں سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ دن رات اس میں مبتلا ہیں ہر وقت یہی خیال ہے کسی کو اولاد کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ شب و روز اسی دُھن میں رہتے ہیں کہ بیٹا ہو، پوتا ہو، پڑپوتا ہو، بعض رؤسا کو بیلوں سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ ریاست بھی غارت کر بیٹھتے ہیں وجہ یہ کہ محبت کے افراط میں جنون ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے ایک حکایت گھوڑے کی ایسے ہی سُنی ہے کہ ان کے پاس ایک گھوڑی تھی بہت خوبصورت ان کے کسی دوست نے اس کی فرمائش کی کہ یہ ہمیں دیدو، آپ نے کیا کیا کہ بندوق بھر کر اس بے زبان کو گولی ماردی اور کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ اپنی آنکھ سے دوسرے کے پاس دیکھوں اگر وہ نہ دیتے اور اپنے گھر ہی رکھتے تو کیا حرج تھا، بے فائدہ اُس کی جان کھوئی، بعضی محبت بھی اُلٹی ہوتی ہے۔

ایک اور حکایت ہے کہ ایک بزرگ تھے اور اُن کے چند جاہل مرید تھے، مریدوں نے سوچا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ ہمارے مرشد ہمارے ہی پاس رہیں اور کوئی اس تبرک کو نہ رکھنے پائے اُن کو مار کر وہیں ہی دفن کر دیا، ایک اور بزرگ تھے اور ان کے ایک مرید تھے ایک روز مرید صاحب نے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو اپنی داڑھی کا ایک بال دید یجئے میں اس کو برکت کے لئے اپنے پاس رکھوں گا، انہوں نے دے دیا، گاؤں والوں کو جو اس کی خبر لگی سب آن پڑے اور داڑھی کا صفایا کر دیا، خدا بچائے ایسی محبت سے جس کا یہ انجام ہو، اسی طرح اہل دنیا کی محبت بھی اُلٹی ہوتی ہے، چنانچہ بعض لوگ بچوں سے اپنی داڑھی کھنچواتے ہیں اپنے کو گالیاں دلواتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے، کسی کو کھیتی کی محبت ہوتی ہے کہ نقصان پر نقصان ہوتا ہے مگر چھوڑتے نہیں کسی کو آواز سے اُلٹی محبت ہوتی ہے، کان پور میں ایک شخص بزاز کی دکان پر گئے اور 4 رکا لٹھا خریدا، بزاز نے جو لٹھا پھاڑا اس کی آواز حضرت کو اچھی معلوم ہوئی اس سے کہا کہ 4 رکا اور دیدے اس نے پھر پھاڑا، پھر آواز بھلی معلوم ہوئی پھر فرمائش کی کہ یہاں تک کہ گزوں لٹھا بزاز سے آواز ہی سننے کی غرض سے پھڑ واڈالا، وہ شاید حضرت صاحب سماع ہوں، مولانا نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص جس کو مٹی کھانے کا شوق تھا کسی کی دکان پر شکر خریدنے گیا، دوکاندار شکر لینے کے لئے دکان کے اندر گیا اور اس شخص نے اس کے باٹ کو جو مٹی کا تھا اور اُسی سے شکر تولتا نظر بچا کر کھانا شروع کیا کیونکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں دکاندار نہ آ جائے، دکاندار نے یہ دیکھ کر اپنے نفع کی وجہ سے اور دیر لگادی کیونکہ باٹ ہلکا ہو جانے سے دکاندار کا نفع اور خریدار کا نقصان تھا، اُس نے خیال کیا کہ یہ تو اپنا ہی نقصان کر رہا ہے میرا کیا بگاڑتا ہے پھر جب یہ دیکھا کہ یہ بس نہیں کرتا تو خیال ہوا

www.besturdubooks.net

کہ یہ تو سارا باٹ ہی کھا جائے گا اور خسارہ عظیم میں پڑے گا دکان سے نکل آیا، دنیاداروں کی محبت بھی ایسی ہی ہے، اس سے اپنا نقصان کررہے ہیں، محبان دنیا سب اس میں مبتلا ہیں اور مذمت دنیا سے اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں کسب دنیا کو منع کرتا ہوں۔

حکمت اور شفقت:

خوب سمجھ لیجئے کہ کسب دنیا اور چیز ہے اور حب دنیا اور چیز ہے جب دنیا مذموم ہے اور کسب دنیا بقدر حاجت جائز چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کیا اچھی تعلیم ہے کہ مرغوب چیزوں کی فہرست تو بیان کردی مگر ان کی فی ذاتہا مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعد اس سے ایک اچھی چیز کا پتہ بتلا دیا اس آیت میں قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ (آپ کہہ دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو اس سے بہتر ہو) مطلب یہ ہوا کہ ہیں تو یہ سب چیزیں اچھی مثلاً عورتیں اور اولاد وغیرہ وغیرہ سب اچھی ہیں مگر دوسری چیز ان سے زیادہ اچھی ہے کیونکہ خیر کے اصلی معنی ہیں زیادہ اچھی تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ دنیا کی چیزیں بھی ہیں تو اچھی مگر ایک چیز ان سے بھی اچھی ہے اس لئے تم ان ہی چیزوں پر بس مت کرو کیونکہ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی یہ تو صرف دنیا کا متاع ہے بلکہ ان سے زیادہ اچھی چیز کو طلب کرو وہ کہاں ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے) کہ اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے آگے اس اچھی چیز کو فرماتے ہیں:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ (کہ کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں تم کو ان سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاک کی ہوئی بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے) سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے حکماء کی تعلیم اس درجہ کی کہاں ہوسکتی ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں تو حکمت کے ساتھ شفقت بھی ہے شفیق کی تعلیم سے اور ہی نفع ہوتا ہے، بری حکمت کی تعلیم میں وہ نفع کہاں، غرض حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان چیزوں کی مذمت نہیں فرمائی البتہ ان کی خاص درجہ کی محبت کی مذمت فرمائی۔

دنیا کی مثال:

چنانچہ یہ مضمون اس آیت میں اس طرح بیان فرمایا کہ اوّل تو "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

www.besturdubooks.net

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِO ''فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی خاص درجہ کی محبت واقع میں تو اچھی نہیں مگر انسان کی نظر میں یہ چیزیں مزین ہوگئیں جس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوڑے پر سبزہ جما ہوا ہو جس کو کوئی دیکھنے والا سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اُس کے ظاہر رنگ و روپ کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاوے اور جب وہاں پہنچے تو پاخانہ میں بھر جاوے، یہی حال دنیا کا ہے کہ ظاہر تو اس کا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اندر نجاست بھری ہوئی ہے یا خوبصورت سانپ کی سی مثال ہے جس کا ظاہر تو بہت اچھا ہے نقش و نگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا پڑا ہے۔

زہر ایں مار منقش قاتل است　　　باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

(اس خوبصورت سانپ کا زہر قاتل ہے اس لئے ہر عقل منداس سے دور رہتا ہے)

اگر بچہ کے سامنے سانپ چھوڑ دو تو وہ اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے مگر اس کا انجام کیا ہوگا ہماری حالت بھی اسی بچہ کی سی ہے کہ ہم دنیا کے ظاہری آب و تاب اور نقش و نگار اور رنگ و روپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جتنا خوبصورت ہوتا ہے اُسی قدر زہریلا ہوتا ہے ایک شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مسجد کے لئے چونہ تیار کرنے کی غرض سے دریا کے کنارہ سیپ کھود رہا تھا کہ وہاں ایک سانپ نکلا جو اُڑتا تھا اور بالشت بھر کا تھا اور دیکھنے میں نہایت خوبصورت رنگین چمکدار مگر زہریلا بھی ایسا کہ اگر کاٹ لے تو آدمی پانی پانی ہو جاوے، خیر اُنہوں نے مار دیا، یہی دُنیا کی حالت ہے کہ جتنا اس میں رنگ و روپ ہوتا ہے اسی قدر مہلک بھی ہے اسی لئے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے، پھر اس حب تزئین کے بعد شہوات و رغبات پر ملامت نہیں فرمائی کیونکہ ان شہوات میں بھی مصالح ہیں بشرطیکہ دین کے تابع رہیں اس لئے ان مرغوبات سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان سے اچھی چیز کی ترغیب دی گویا انسان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنے شہوت مار دیں اور حرص کو بالکل زائل کر دیں بلکہ یہ فرمایا کہ اس شہوت اور حرص کو باقی رکھ کر اس کو دنیا سے عمدہ چیز کی طرف مائل کر دے، بس یہ علاج ہے حرص کا اور حرص ہی منشا ہے بے صبری کا اور یہی بے صبری تمام پریشانیوں کی جڑ ہے بس اس طریق سے سب پریشانیوں کا علاج ہو جاوے گا اور اسی کو میں بیان کر رہا تھا۔

www.besturdubooks.net

غم در حد شریعت:

اصل بیان یہ تھا کہ بے صبری کا ظہور دو موقع پر ہوتا ہے کہ ایک موقع یہ ہے کہ مرغوب شئے ملے نہیں اور دوسرا وہ موقع ہے کہ مرغوب شئے مل کر جاتی رہے اور ان دونوں صورتوں میں زیادہ تکلیف اور مصیبت کی حالت دوسری صورت ہے اگر چہ پہلی صورت بھی مصیبت اور تکلیف کی ہے مگر دوسری صورت سے ہلکی ہے مثلاً کسی کے پاس سامان پیٹ بھرنے کا تھا اور وہ گم ہوگیا تو اس کی مصیبت زیادہ ہوگئی بہ نسبت اس شخص کے جس کو بھوک تو ہو مگر پہلے ہی سے کچھ سامان نہ ہو تو گو محبوب کا حاصل نہ ہونا بھی تکلیف کی چیز ہے مگر حصول کے بعد محبوب کا زائل ہو جانا یہ اس سے زیادہ سخت تکلیف کی چیز ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کا عزیز مر جاوے کسی کا باپ مر جاوے کسی عورت کا خاوند مر جائے خصوص اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو ماں باپ سے زیادہ کسی کے مرنے میں مصیبت نہیں کیونکہ اس کے بدل کچھ نہیں اور چیزوں کا بدل ہوسکتا ہے مثلاً اولاد مر جاوے تو اور اولاد ہو سکتی ہے بھائی مر جاوے تو اور بھائی ہوسکتا ہے، بیوی مر جاوے تو دوسری آسکتی ہے مگر باپ تو دوسرا نہیں ہوسکتا اور اسی طرح ماں۔ دار الشکوہ کا قصہ سنا ہے کہ جب یہ مارے گئے تو عالمگیرؒ نے ان کے چھوٹے بیٹے کو بلایا اور اس کی ہر طرح تسلی کی مگر اُس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

در دمن کمتر ز درد حضرت یعقوب نیست او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

(میری تکلیف حضرت یعقوب علیہ السلام کی تکلیف سے کم نہیں ہے ان کا بیٹا گم ہوا تھا میرا والد گم ہو چکا ہے)

عالمگیر کے آنسو جاری ہوگئے اس میں بھی یہ داخل ہے کہ کسی کی اولاد مر جاوے اگر چہ بچہ ہی ہو بلکہ بعض اوقات بڑی اولاد کی نسبت بچوں کی موت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بڑی اولاد سے تو کبھی کسی قسم کا رنج بھی پہنچ جاتا ہے اور بچہ ستاتا نہیں اور کوئی رنج اس سے پہنچتا ہی نہیں اس لئے اس کے مرنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے غرض یہ کہ مرغوب شئے کے جاتے رہنے سے تکلیف اور مصیبت ہونا ضروری ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین ہے کہ جب غم حد شریعت میں ہو تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم حالت مصیبت میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حد شرع سے تجاوز کر لیتے ہیں اور اُس میں اپنے اختیار کا بھی انضمام کر لیتے ہیں اس لئے مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے۔

غم کا علاج:

اس انضمام کی تفسیر یہ ہے کہ غم کے دو حصے ہیں ایک اختیاری، دوسرا غیر اختیاری آج کل

www.besturdubooks.net

واقعات غم میں اختیاری غم کا زیادہ حصہ ہوتا ہے حتیٰ کہ آج کل کے پرسے میں جس کی غرض ازالہ غم ہے اختیاری غم کا حصہ زیادہ ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ آتے ہیں بجائے تسلی کرنے کے اور غم کو بڑھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ انسان جس قدر تذکرہ غم کی چیز کا کرے گا اور جتنا سوچے گا اتنا ہی غم ترقی پکڑے گا پھر تذکرہ میں اُتار چڑھاؤ بہت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا، بچے کہاں جائیں گے بیوی کیا کرے گی جائیداد کا کیا ہوگا علیٰ ہذا القیاس ان باتوں کے تذکرہ سے ہی صدمہ بڑھتا ہے جیسے تمباکو جس قدر کھاؤ گے اتنی ہی خواہش زیادہ ہوگی، اس کا علاج تو یہ ہے کہ بالکل چھوڑ دو یہی حالت گناہوں کی ہے کہ ان کا علاج صرف ترک ہے نہ کہ اس کی کثرت اس میں بعض بدفہم سالکین کو بھی بڑا دھوکہ ہوگیا ہے وہ یہ کہ جب کہ ان کا قلب بعض گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اس گناہ کو خوب دل بھر کر کرلو تا کہ خواہش جاتی رہے نفس خالی ہو جاوے پھر بالکل چھوڑ دیں گے اور توبہ کرلیں گے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ بڑی فاش غلطی ہے کیونکہ جتنا گناہ کو زیادہ کیا جاوے گا اسی قدر خواہش میں ترقی ہوگی اور تقاضا زیادہ ہوگا بس اصل علاج یہ ہے کہ ہرگز نہ کرے، اسی طرح غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت خیال مت کرو۔

حکمتِ غم:

اس صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم ہوگا اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ قدرتی طور پر غم میں بھی حکمت اور نفع ہے اور غم نہ ہو تو تمدن نہ ہو اور تمدن بڑی چیز ہے اس لئے کہ دین کی ترقی اس پر موقوف ہے اور تمدن غم پر اس لئے موقوف ہے کہ اگر کسی کو کوئی غم اور فکر نہ ہو سارے بے فکر ہی ہوں تو کوئی کسی کا کام نہ کرے، سارے تندرست ہی رہیں بیمار نہ ہوں تو ڈاکٹر طبیب عطار سب بیکار ہو جائیں یہ تو دنیوی نفع ہے اور دین کا نفع یہ ہے کہ اگر کوئی غریب نہ ہو تو زکوٰۃ کسے دو گے، اس پر یاد آیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں ایک بار لوگوں نے سائلین کے آنے پر کچھ تنگی ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ سائل سے تنگ نہ ہونا چاہئے، یہ تمہارے حمال ہیں کہ آخرت میں تمہارے اموال پہنچاتے ہیں اگر یہ نہ لیں تو تمہارے اموال کا کون حمال ہوگا، غرض تمدن نہایت ضروری چیز ہے، اہل سائنس کے نزدیک تو تمدن دنیوی غرض سے بڑی چیز مانی گئی ہے مگر دین کے لئے بھی اس کی بہت ضرورت ہے لہٰذا تمدن اہل دین اور اہل دنیا دونوں کے نزدیک اچھی چیز ہے گو بنا مختلف ہو اور مسلم ہے کہ تمدن بدون تعاون کے نہیں ہوسکتا اور تعاون بدون رحمدلی کے نہیں ہوسکتا اور رحمدلی موقوف ہے غم پر بیان اس

www.besturdubooks.net

کا یہ ہے کہ سائنس اور طب کا مسئلہ ہے کہ جس قوت کا استعمال ہوتا رہے اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے ورنہ وہ قوت کم ہو جاتی ہے پس اگر غم نہ ہوتا تو رحمدلی کا ہیجان کیسے ہوتا اور جب اس کا ہیجان نہ ہوتا تو اس کا مادہ بالکل جاتا رہتا، اس لئے غم میں بڑی مصلحت ہے کہ یہ محافظ ہے ترحم کا اور وہ محافظ ہے تعاون و تمدن کا اور غم میں اپنی ذات کے متعلق بھی مصلحت ہے کہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں اور اس میں اجتماعی مصلحت بھی ہے جیسا کہ ذکر ہوا کہ اگر غم نہ ہو تو تمدن بھی نہ ہو جو کہ اہل دنیا و دین دونوں کے نزدیک مختلف حیثیت سے بڑی چیز مانا گیا ہے غرض غم میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مصالح ہیں۔

غم اور گناہ:

فرعون نے بوجہ غم نہ ہونے ہی کے تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور رسالہ قیصریہ میں لکھا ہے کہ غم سے قلب کا کامل تصفیہ ہوتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت مغموم رہتے تھے جیسا کہ شمائل ترمذی میں ہے پس اصل میں تو غم مفید چیز ہے مگر اسی قدر کہ جس قدر حق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے واقعی وہ عین مصلحت ہے باقی آگے جو حواشی ہم نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں وہ برے ہیں، حدیث شریف میں قصہ آتا ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تھا ان کے گھر والوں پر غم طاری تھا کسی نے رونے سے روکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تشدد نہ کرو تو صرف رونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا لیکن اگر کوئی حد سے بڑھنے لگے تو اُس سے خود ہی روکا ہے پس خوب سمجھ لو کہ حد سے زیادہ غم کرنا یہ گناہ ہے اور گناہ بھی بے لذت اس کا روکنا اور علاج کرنا واجب ہوگا، چنانچہ اس آیت میں مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔) ایسے ہی غم کے علاج کا بیان ہے اور یہ بیان ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ اگر شئے مرغوب کے جاتے رہنے سے غم لاحق ہو مگر کسی ایسی دوسری چیز کا پتہ ہم کو مل جاوے اور اس کے ملنے کا یقین ہو جاوے کہ جو اُس شئے مرغوب سے ہزار ہا درجہ بڑھی ہوئی ہو تو پہلی چیز کا غم ہمیں نہ ہونا چاہئے جیسے کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اس کو چھین کر بجائے اس کے روپیہ دے دے تو ظاہر ہے کہ پیسہ کا غم بالکل بھی نہ ہوگا بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر کبھی راضی نہ ہوگا، یہ بات آیت مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔) میں ہم کو بتلائی گئی ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں اور گو ہمیں انتہا درجہ مرغوب ہیں مگر وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے اچھی چیز کی خبر دے رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم ان مرغوب چیزوں تک مت رہو بلکہ جو چیز ان سے اچھی ہے اور باقی ہے اس کی رغبت کرو پس ہم کو چاہئے کہ اُس مرغوب شئے کا خیال کر کے جو کہ باقی ہے اپنے غم کو مغلوب کریں جو شخص اس پر غور کرے گا اس کا غم ضرور مغلوب ہو جائے گا، سبحان اللہ کیا عمدہ علاج تجویز کیا ہے۔

www.besturdubooks.net

سراب محبت:

حق سبحانہ تعالیٰ کی عجیب تعلیم ہے کہ معاد کی اصلاح تو فرمائی ہی ہے معاش کی بھی پوری اصلاح فرمائی کیونکہ اس سے نفسانی و بدنی راحت بھی تو حاصل ہوگئی اور خیال کرنے کی بات ہے کہ دنیا کی مرغوب شئے اگر اس وقت بھی کم نہ ہوتی مگر کبھی نہ کبھی پھر کم ہوتی کیونکہ فنا ہونا تو گویا اس کی ذاتیات میں سے ہے جیسے چراغ میں تیل ہو جو محدود بھی ہے اور کم بھی ہو رہا ہے تو وہ ایک نہ ایک وقت ضرور ہی ختم ہوگا ایک دن فنا ہو کر رہے گا، اسی طرح انسان ایک نہ ایک دن ختم ہی ہو کر رہے گا، اطبا نے لکھا ہے کہ رطوبت کی مثال تیل کی سی ہے اور حرارت غریزیہ جو مرکب ہے روح کا اس کی مثال شعلہ چراغ کی سی ہے جیسے تیل ختم ہو کر چراغ گل ہو جاتا ہے اسی طرح رطوبت فنا ہو کر روح ختم ہو جاتی ہے یہاں بھی اسی طرح ایک سراج کے گل ہونے کا واقعہ ہوا ہے، جن کا نام بھی اتفاق سے سراج الحق تھا اور یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ان کے صاحبزادہ کا نام انوار الحق ہے اسی لئے اس وعظ کا نام انوار السراج مناسب معلوم ہوتا ہے گویا اس طرح اشارہ ہے کہ وہ مرحوم تو سراج کی طرح ختم ہوگئے البتہ اُن کے آثار و انوار باقی ہیں سو اگر یہ واقعہ اس وقت نہ بھی ہوتا تب بھی کبھی نہ کبھی ضرور ہی ختم ہوتے، چراغ تو گل ہی ہو کر رہے گا، پس ختم ہونے والی چیز سے زیادہ کیا جی لگاتا، اللہ تعالیٰ سے دل لگانا چاہئے، دنیا کی محبت تو بر سراب ہے، مولانا فرماتے ہیں ۔

عشق با مردہ نبا شد پائدار | عشق با حی و با قیوم دار

اور فرماتے ہیں ۔

غرق عشق شو کہ غرق ست اندریں | عشق ہائے اولیں و آخریں

اور فرماتے ہیں ۔

عاشقی بامرد گان پائندہ نیست | زنکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

غرض غم کے ہلکا کرنے کے لئے یہ عجیب تعلیم ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔) یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں کی چیزیں باقی ہیں اور وہی رغبت کے قابل ہیں پھر یہ بھی سوچو کہ آدمی مر کر جاتا کہاں ہے ظاہر ہے کہ اللہ ہی کے پاس تو اب تو وہ مَا عِنْدَ اللّٰهِ میں داخل ہوگیا پہلے وہ مَا عِنْدَكُمْ کا مصداق تھا اس وقت وہ فانی تھا اور اب باقی ہوگیا کیونکہ اس موت کے بعد پھر موت نہیں تو اب تو وہ مرنے کے بعد پہلی حیات سے اچھی حیات میں پہنچ

www.besturdubooks.net

گیا وہ پہلی حیات فانی تھی اور یہ دوسری باقی ہے پس ہمیں مرغوب شئے سے محبت اس حیثیت سے زیادہ ہونی چاہئے کہ وہ اللہ کے پاس ہے بہ نسبت اس حیثیت کے کہ وہ ہمارے پاس ہے

راحت کدۂ قبر:

اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور صبر دلانے کے بارہ میں اس بدوی نے عجیب وغریب عنوان سے استعمال کیا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا تو مجھ کو ایسا صبر کسی بات سے نہیں ہوا جیسا کہ ایک بدوی کے کلام سے ہوا وہ یہ ہے ۔

فَاصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَإِنَّمَا صَبْرُ الرَّاعِيَةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّاسِ
خَيْرٌ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهٗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ.

مطلب اس کا یہ تھا کہ صبر کا ثواب تو جو کہ تم کو ملا عباس رضی اللہ عنہ سے اچھا اور اللہ عباس رضی اللہ عنہ کے لئے تم سے اچھا پھر اس واقعہ میں نقصان کس کا ہوا............؟ بس یہی تو ہوا کہ اللہ کے پاس پہنچ گئے تو وہ تمہارے مرغوب تھے تو اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے کہ وہ باقی رہنے والی ہو گی ان حقائق پر نظر کر کے کسی کے مرنے پر زیادہ غم نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کی بقاء پر نظر کر کے خود اپنے میں وہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ جس سے اللہ میاں کے پاس جانے کے اور بقا محمود کے ساتھ باقی رہنے کے قابل ہو جائے، اب اس بقا کے متعلق لوگوں کی غلطی عرض کرتا ہوں کہ لوگ عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے قبر میں اس کو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے اور ایسی حیات مثل عدم حیات کے ہے صاحبو! یہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے وہاں بڑی راحت ہے حدیث شریف میں ہے کہ ارواح اس کا استقبال کرتی ہیں یعنی اس کے عزیز قریب جو اس سے پہلے چلے گئے ہیں وہ اس سے ملتے ہیں اور اس سے دوسرے متعلقین کی نسبت دریافت کرتے ہیں اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص تو مر گیا ہے تو کہتے ہیں کہ افسوس وہ دوزخ میں گیا ہے ورنہ ہم سے ضرور ملتا اور اس سے ان کو غم ہوتا ہے، غرض موت کے بعد مردے اس طرح سے باہم خوش ہو کر ملتے جلتے ہیں، لوگ سمجھتے ہوں گے کہ بس مرنے کے بعد الّو کی طرح پڑے رہیں گے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہ بات نہیں یاد رکھو کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے یہ تو صورت قبر ہے اور حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے وہاں سب جمع ہوتے ہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کا مجمع ہے تو دنیا میں تو جدا بھی ہو سکتے ہیں جیسے کوئی ملازمت سے رخصت لے کر آئے اور اپنے لوگوں کے پاس رہے جب رخصت ختم ہو گئی تو جدائی ہو جاوے گی تو دنیا کا اجتماع تو ایسا ہے اور وہاں کی یکجائی ختم نہیں ہوتی تو عیش ہی عیش ہے۔

www.besturdubooks.net

دنیا بمقابلہ آخرت:

بات یہ ہے کہ حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کو موت سے وحشت ہوگئی ہے ورنہ موت تو لقاء حبیب کے لئے ایک جسر ہے یعنی پل ہے کہ اس سے گزرے اور لقاء حبیب ہوگئی اور لقائے باری تعالیٰ سے کونسی چیز اچھی ہوگی اسی لئے اہل اللہ کو تو موت کا شوق ہوا ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ــ راحت جاں طلبم و از پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ــ تا در میکدہ شاداں غزل خواں بروم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویران مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں، میں نے یہ نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

ان سے پوچھئے کہ موت کیا چیز ہے، حدیث شریعت میں ہے اَلْمَوْتُ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ (کنز العمال: ۴۲۱۳۸، کشف الخفاء للعجلونی ۲: ۳۰۲) کہ موت مومن کا تحفہ ہے نظام حیدر آباد اگر کسی کے پاس تحفہ بھیجیں اور گھر والے رونے لگیں تو کیسے افسوس کی بات ہے اور میری مراد اس سے غم مکتسب ہے نہ کہ غیر مکتسب جدائی کا طبعی صدمہ جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا مضائقہ نہیں لیکن سوچ سوچ کر اسے بڑھانا مذموم ہے بلکہ ان مضامین کو سوچ کر عقلاً اس کو گھٹانا چاہئے، میں نے طاعون کے زمانہ میں ایک رسالہ شوق وطن لکھا تھا، اس کا دیکھنا ایسے مواقع میں تخفیف غم کے لئے نہایت نافع ہے، مناسب ہے کہ لوگ اس کو دیکھا کریں صاحبو! دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے اگر اس سے کہیں تو تنگ جگہ سے نکل اس سے فراخ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہ کرے گا اور جانے گا کہ یہی ہے جو کچھ ہے مگر جب باہر آتا ہے تو ایک بڑا عالم دیکھتا ہے کہ رحم کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں اور اب اگر اس سے کہا جائے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہ کرے گا، اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کرو گے اور دنیا میں ہرگز نہ آنا چاہو گے جب اللہ کے پاس پہنچنے کا وقت قریب آتا ہے اور اس عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے اُس وقت اگر مومن کو کوئی حیات افزا چیز دے کر کہا جاوے کہ لو اسے کھالو تا کہ تم مدت دراز تک زندہ رہو تو وہ لات مار دے گا اور چاہے گا کہ فوراً مر جاؤں چنانچہ یہاں ایک پردیسی طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ ان کی

www.besturdubooks.net

تسلی کرتے تھے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ یوں نہ کہو اب تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے:

" اَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ "

(نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور تمہیں جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے)

اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے لئے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے پائے تخت شاہی کی طرف چلے تو گو اس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہوں گے مگر یقیناً وہ شخص شاداں وفرحاں ہوگا اگر اُس حالت میں بادشاہ کی طرف سے یوں ارشاد ہو...... اگر تم چاہو تو اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا، اسی طرح جب راحت آخرت کی خبر ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اس وقت اگر اس سے دنیا میں رہنے کو کہیں تو ہرگز راضی نہ ہوگا۔

علاج غم:

پس اے صاحبو! مَا عِنْدَ اللّٰهِ (جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے) سے رغبت کرو اسی رغبت کی بدولت اہل اللہ پر ہر وقت شگفتہ رہتے ہیں وہاں کے متعلق قسم قسم کی تمنائیں اور اُمیدیں لگی ہوتی ہیں اُن کی حالت یہ ہوتی ہے ۔

کوئے نا امیدی مرو کا مید ہاست — سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(ناامیدی کی راہ مت جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف مت چلو بہت سے آفتاب ہیں)

انہیں غم نہیں ہوتا چنانچہ منصور کی یہ حالت ہوئی کہ جب ان کو دار پر لے جانے لگے تو وہ خوش ہو کر کہتے تھے ۔

اُقْتُلُوْنِیْ یَا ثِقَاتِیْ اِنَّ فِیْ مَوْتِیْ حَیَاتِیْ

(اے معتبر شخص مجھے قتل کرو بے شک میری موت میں میری زندگی ہے)

غرض موت اہل اللہ کا تو کھیل ہے اُن کا تو مشغلہ ہے پس ہم کو یہ حالت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے تاکہ بجائے غم کے شوق ہو جس کا ایک سہل طریقہ یہ ہے کہ ان مضامین پر غور کرو جو میں نے اس وقت بیان کئے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے غم کا بھی علاج ہو جاوے گا اور آخرت کا بھی شوق ہو جاوے گا۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَاللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔) میں نے اسی

www.besturdubooks.net

بات کا علاج بتلایا ہے اور سبحان اللہ کیسا عجیب علاج ہے اس کا مراقبہ کیا کرو کہ آخرت میں جو راحت ہے وہ دنیا سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے اور مرنے والا ہمارے پاس سے اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس رہنا ہمارے پاس کے رہنے سے بہتر ہے اور گو امکان کے درجہ میں وہاں کی عقوبت کا بھی اس کے لئے احتمال ہے مگر اپنے مسلمان عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کی جائے کہ وہ خدانخواستہ مجرموں کی طرح تکلیف میں ہوگا بلکہ نیک گمان رکھو اور اس احتمال کے تدارک کے لئے اس کے لئے دعاء اور ایصال ثواب کرتے رہو یہ اس کے لئے ہمارے غم کرنے سے زیادہ نافع ہے۔ یہ حاصل ہے علاج کا آگے صبر کی فضیلت کا بیان ہے اور انعام کا وعدہ بھی ہے فرماتے ہیں وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ ہم ان لوگوں کو ان کے اچھے اعمال پر ضرور جزا دیں گے جنہوں نے صبر کیا اور آگے آیت مَنْ عَمِلَ صَالِحًا میں عمل بتلاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عقائد ٹھیک ہوں اعمال درست اور شریعت کے موافق ہوں اب دعا کیجئے کہ ہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ فہم دین اور توفیق عمل مرحمت فرمائیں کہ اللہ کی چیزوں سے ہمیں رغبت زیادہ ہو اور دنیا کی چیزوں سے محبت کم ہو۔ (آمین ثم آمین)

فائدہ:

اس وعظ کا نام حضرت والا نے انوار السراج تجویز فرمایا ہے ایک وجہ تسمیہ کی مناسبت تو اثنائے وعظ میں مذکور ہو چکی ہے دوسری مناسبت حضرت والا نے یہ بیان فرمائی کہ انوار السراج کا نام رکھنا بمنزلہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے ہے کیونکہ اس بیان میں ایک مقام پر تیل اور چراغ کی مثال آئی ہے اور یہ مضمون ایک جزو ہے وعظ کا اس کے اعتبار سے پورے وعظ کا نام یہ رکھ دیا تو تسمیۃ الکل باسم الجزء اس پر صادق ہے تیسری ایک مناسبت جو نہایت لطیف ہے وہ یہ ہے کہ کلام اللہ کے بارہ میں نور کا لفظ وارد ہے اور سراج لقب ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی بیان ہوا ہے سب آیت کلام اللہ ہی کے متعلق بیان ہوا ہے اور کلام اللہ کی وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف ہوئی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ مضامین انوار ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقط۔

اشرف علی:

www.besturdubooks.net

طَلَبُ الجُنَّۃ

سے موسوم یہ وعظ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو بمقام میرٹھ کے محلہ کوٹلہ میں ہوا
جو حضرت والا نے ڈھائی گھنٹہ ارشاد فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْدُ:اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی

ترجمہ:اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہشوں سے روکا ہوگا پس جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

یہ آیت سورۂ والنازعات کی ہے اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کا ہر شخص خواستگار ہے۔جس کو ذرا بھی اطلاع اس کی ہو جائے وہ مفتون ہو جائے۔

طلب بلا اکتساب:

مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کی خواہش معتبر جب ہی ہوتی ہے کہ جب اس کے ذرائع میں بھی سعی کی جائے جو شخص کسی شئے کا طالب ہو مگر اس کے اسباب حاصل نہ کرے اس کو اس شئے کا طالب نہیں کہہ سکتے مثلاً کوئی مالدار ہونا چاہے،مگر جب اس سے کہیں ان علوم کو حاصل کر جو اکتساب روپیہ کے لئے ضروری ہیں پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہ کہ ان علوم پر عمل یعنی اکتساب میں مہارت ہو پھر کوئی کام شروع کر اور آمدنی اور خرچ کا حساب رکھ کہ خرچ آمدنی سے کم رہے تا کہ کچھ پس انداز ہو اور تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر ایک رقم ہو جائے اور تمول حاصل ہو تو کہتا ہے واہ صاحب ....علوم میں محنت نہیں ہوتی کسی کے نخرے کیوں اٹھائے جانے لگے، پھر پابندی کا بار خواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لوں اور خرچ کو محدود کر کے دل کو کیوں ماروں جتنا جی چاہے گا خرچ کروں گا۔اس شخص کو تمول کا طالب نہیں کہتے اس کو بوالہوس کہتے ہیں۔

یا کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر اُن راستوں کو نہیں اختیار کرتا جن سے جامع مسجد میں پہنچے اور قدم نہیں بڑھاتا تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہنچے گا

www.besturdubooks.net

اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثواب کا طالب ہے یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلہ اس کے پاس آ جائے اور جب کہتے ہیں کھیتی کر زمین میں بیج ڈال پانی دے کھیت کی نگہداشت کر تو کہتا ہے کون کھیتی کرے اور سنچائی کس سے ہو سکتی ہے کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں جا پڑے، مجھے تو بس غلہ چاہئے، یہ شخص احمق ہے اور غلہ کا طالب نہیں ہے۔

اور جیسے کوئی اولاد چاہے اور جب کہا جائے نکاح کر اولاد ہو جائے گی تو کہتا ہے کون بکھیڑے میں پڑے، نکاح میں ایک رقم صرف کروں پھر نان ونفقہ کا مطالبہ ہو، مکان چاہئے، مہر کی فکر ہو اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے نکاح تو کرنے کا نہیں بس میں تو لڑکا چاہتا ہوں یہ احمق ہی ہے، اللہ میاں نے اس فعل خاص کو ولد کے لئے سبب قرار دیا ہے اس کو اختیار کر و اولاد بھی مل جائے گی۔

اور جیسے کہ کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور جب کہیں کھانا کھاؤ لقمہ کو چباؤ اور نگلو پیٹ بھر جائے گا تو کہتا ہے کہ صاحب میں یہ تو کرنے کا نہیں، ظاہر ہے کہ محض احمق ہے۔

دنیوی اور اخروی اسباب:

توضیح کے لئے یہ کئی مثالیں دی گئیں تاکہ یہ مقدمہ ذہن نشین ہو جائے میں آگے ان شاء اللہ ان سے کام لوں گا، غرض طالب اگر ذرائع کو اختیار کرے تو طالب ہے ورنہ بوالہوس ہے ایسا آدمی ضرب المثل ہو جاتا ہے، دیکھنے اور سننے والے کہا کرتے ہیں کہ آدمی تو معقول ہیں مگر خبط ہو گیا ہے دیکھئے پڑھ لکھ کر دماغ خراب ہوا ہے نکاح تو کرتے نہیں اور اولاد کی دھن ہے، کیسا افسوس ہے، وجہ یہی ہے کہ مسلم ہے کہ اگر سعی نہ کرے ذرائع میں تو پاگل ہے، پس اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیاوی امور میں تو ہر کس وناکس عالم جاہل بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک تسلیم کیا ہوا ہے اور جب دین کا معاملہ آ پڑتا ہے تو بڑے بڑے عقلا احمق بن جاتے ہیں وہاں مقصود کی زبانی طلب کو ہی طلب کہنے لگتے ہیں اور اطمینان رہتا ہے کہ بڑے طالب ہیں اور اس طلب پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا، اگر ایسا ہے تو زبان سے اولاد اولاد کہنے والے کو بھی طالب ولد کہنا چاہئے اور امید رکھنی چاہئے کہ اس کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی شاید مرد کے بچہ پیدا ہوگا) معلوم نہیں کیا بات ہے، فرق کی کوئی وجہ نہیں دنیا میں تو اسباب کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اسباب کو اتنا دخل اپنے مقاصد میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت کے اسباب کو مقاصد آخرت میں ہے، یہ بات ظاہراً مشکل معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ ذہن نشین یہی ہو رہا ہے کہ دنیاوی

www.besturdubooks.net

کام تو اختیاری ہیں اور اخروی نہیں جو لوگ ذرا عقلمند ہیں وہ اتنا اور کہہ لیتے ہیں کہ ہوتا تو سب کچھ تقدیر ہی سے ہے مگر اسباب حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں، مسئلہ تقدیر کو سمجھا مگر غلط سمجھا چاہے فاسق ہوں یا فاجر ہوں اگر تقدیر میں جنت ہے تو جائیں ہی گے، دنیا میں بھی یوں ہی کیوں نہ کہا کہ اسباب کو حاصل کریں یا نہ کریں اگر تقدیر میں سب لکھا ہے تو ملے ہی گا نہ کوئی پیشہ کریں نہ کھیتی کریں نہ کھائیں اگر قسمت میں تمول اور غلہ اور پیٹ بھرنا لکھا ہے تو ہو ہی جائے گا بلکہ جیسا یہ خیال ہے کہ فسق و فجور کے ساتھ بھی جنت مل سکتی ہے باوجود یہ کہ اعمال اس کے مضر ہیں اس کے ساتھ یہ خیال بھی تو ہونا چاہئے کہ دنیا کے مسببات و صورت ذرائع اختیار نہ کریں گے تو کیا ان کے منافی اسباب کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی اگر تقدیر میں ہیں تو مل کر رہیں گے تو جس کو غلہ کی طلب ہو اگر اس کے یہاں کھیت کھڑا ہو تو کھڑے ہوئے کھیت میں آگ لگا دینا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے کہ اب غلہ ملے گا جیسا کہ اب فسق و فجور کر کے اطمینان سے بیٹھے ہیں کہ جنت ملے ہی گی غلطی یہی ہے کہ دنیا کو اختیاری سمجھا اور آخرت کو نہیں یا تو دونوں کو اختیاری سمجھا ہوتا یا دونوں میں تقدیر پر بیٹھے رہے ہوتے ذرا غور سے سمجھ میں آ جائے گا کہ واقعی بات کیا ہے عقائد کا مسئلہ ہے کہ ہر سبب پر جو اثرات مرتب ہوتا ہے وہ باذنہ تعالیٰ ہے، جلانا، آگ کا لگانا اثر دائمی اور متفق علیہ ہے مگر جب تک اذن نہ ہو احراق مترتب نہیں ہو سکتا۔

سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے نہایت تیز آگ میں ڈالا مگر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا ٹھنڈی ہو جا کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا اور احتراق مترتب نہ ہوا اگر یہ اثر آگ کے لئے ذاتی ہوتا یا جزو ماہیت یا لازم ماہیت ہوتا تو کیوں منفک ہوتا کہا آگ آگ نہ رہی اور یہی قصہ اعمال صالحہ میں بھی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہ جائے گا مطلب یہ ہے کہ عمل میں تاثیر بالذات نہیں کہ کسی کو جنت میں لے جائے مشیت ایزدی شرط ہے (جس کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ عمل دخول جنت میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتا) عمل کو وہی دخل ہے دخول جنت میں جو آگ کو ہے احراق میں آگ کے احراق کے لئے بھی مشیت شرط ہے اور دخول جنت کے لئے بھی بہرحال ایک آیت اور ایک حدیث سے ثابت ہو گیا کہ کسی چیز میں تاثیر بالذات نہیں ہے اگرچہ اثر کیسا ہی یقینی اور دائمی ہو مگر ذات میں کسی چیز کی داخل نہیں کہ اثر کرے سب مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے مرتب کرنے سے سبب مرتب ہوتا ہے تو اب اس کی تحقیق باقی ہے کہ آیا اسباب دنیویہ پر مرتب

www.besturdubooks.net

کرنے کا حق تعالیٰ نے یقینی وعدہ کیا ہے یا اسباب اخرویہ پر اس کے مرتب کرنے کا یقینی وعدہ کیا ہے تو نصوص و واقعات دونوں سے دیکھئے کہ دنیوی اور دینی دونوں اسباب میں سے کس پر تمہارا اثر یقینی ہے کس پر وعدہ ہے باری تعالیٰ کا اور تجربہ سے بھی کون یقینی ہے سو کہیں نہیں فرمایا گیا نصوص میں کہ اسباب دنیوی پر اثر ضرور مرتب ہوگا اور تجربہ واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے بسا اوقات کھیتی کرتے ہیں اور ایک دانہ بھی حاصل نہیں ہوتا یہی حال جاہ وثروت کا ہے، بہت سی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر عمر گزر جاتی ہیں اور غربت ہی رہتی ہے اور کبھی بے تدبیر مالدار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو کبھی نہ کہیں گے کہ جاہ وثروت تدبیر پر ہے میں نے خود ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت دو آنہ کی تھی آج وہ لاکھ پتی ہو گئے اگر آپ کہیں کہ انہوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کر لیا ہے تو میں کہتا ہوں آپ اُن کے پاس جائیے اور اوّل سے آخر تک ان کی سوانح عمری لکھئے اور ان کی کل تدبیریں بھی لکھئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنہ تھے اس کا انہوں نے فلاں سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیری کر کے بیچا اُس میں ایک آنہ نفع ہوا ایک آنہ میں سے نصف کھایا اور نصف اصل میں شامل کر دیا، اگلے دن ڈھائی آنہ کا سودا لے کر پھیری کی ساڑھے تین، چار آنہ ہو گئے اسی طرح راس المال بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب تعداد آنوں سے نکل کر روپیوں میں آ گئی تو کچھ پس انداز کرنے لگے جب ایک کافی رقم جمع ہو گئی تو جائیداد خرید لی پھر اس کی آمدنی کو بقدر ضرورت خرچ کیا اور داخل خزانہ کرتے گئے یہاں تک کہ خزانہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گیا لکھ پتی ہو گئے اس کو مفصل لکھئے بلکہ تمام تغیرات کو تاریخ وار قلمبند کیجئے، اب اگر یہ تدبیر سبب ہے اُن کے جاہ وثروت کی تو آپ بھی ایسا ہی کیجئے جیسا انہوں نے کیا کہ دو آنہ کا سودا لیجئے اور پھیری کیجئے اور نفع کو شامل راس المال کرتے جائیے بعد چند کچھ پس انداز کیجئے اور جائیداد خرید لیجئے پھر خزانہ بڑھائیے یہاں تک کہ لکھ پتی بن جائیے میں کہتا ہوں کبھی بھی ان تدبیروں سے آپ ان کے برابر نہیں ہو سکتے کیا وجہ ہے کہ تدبیر سے اُس نے حاصل کیا اور تم نہیں کر سکتے، وجہ یہی ہے کہ سب کچھ باری تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، پس ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیا پر ہمیشہ اللہ میاں اثر مترتب نہیں فرماتے۔

طلب اور اجر:

میرے دعوے کا ایک جز ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیوی پر نتیجہ کا مترتب ہونا ضروری اور دائمی نہیں رہا، دوسرا جز یعنی آخرت سو دیکھئے فرماتے ہیں وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے تو اس کی سعی ضائع نہ کی جائے گی بلکہ فرماتے ہیں نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ یعنی اس کا نتیجہ بقدر عمل ہی نہیں

www.besturdubooks.net

زیادہ دیا جائے گا، دیکھ لیجئے وعدہ کے یقینی ہونے سے نتیجہ مترتب ہونا ضروری اور یقینی ہوا یا نہیں میرا مدعا ثابت ہوگیا کہ اسباب دنیاوی پر اثر مترتب ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسباب اخروی کے لئے وعدہ ہے پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں وہ اکثر جتنا چاہتے ہیں نہیں ملتی پھر اکتساب ذرائع سے کوئی غفلت نہیں کرتا اور غفلت کرنے والا احمق سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں اس قدر ملتا ہے کہ جس کا ارادہ بھی نہیں کیا جاتا اور پھر اکتساب ذرائع سے غفلت ہو اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہ کہے، چنانچہ فرماتے ہیں فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (پس کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے شخص کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے) اور حدیث قدسی میں فرماتے ہیں اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر قلب بشر (مسند احمد ۲: ۴۳۸، الترغیب والترھیب ۴: ۵۲۱، الدر المنثور ۵: ۱۵۶۰.) میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں، اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے، جمال، باغ، نہریں، خادم، ماکولات و مشروبات وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے، پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا آخرت میں ترتب اثر تو کیا اُس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب سے اور اس سے کچھ نسبت بھی نہیں جمال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ اُن کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی وہ رویت الٰہی ہے۔

غرض ترتب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور متفرع کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو اور لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ آخرت بے اختیاری ہے اسی نے لوگوں کو بٹھا دیا کچھ نہیں کرتے اور دنیا کے معاملات میں یہ حال ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ دنیا حاصل کرنا اسباب کو جمع کرتے ہیں حالانکہ بارہا اسباب کے تخلف کو بھی مقاصد سے دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جن اسباب کو دخل نہیں، جمع کئے جائیں اور جن کو دخل ہے ان کو نہ اختیار کیا جائے کیسے کہا جائے کہ ایسا شخص جنت کا طالب ہے، اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعجب ہے جنت سے کہ اس کا طالب کیسے سوتا ہے، اس سے اور ماسبق سے ثابت ہوگیا کہ جو اسباب کو حاصل نہ کرے، اس کے دماغ میں خلل ہے، طلب صرف معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ضروری ہے

www.besturdubooks.net

اوراس کے لئے کسب ذرائع لازم ہے جیسا کہ بسط کے ساتھ اب تک بیان کیا گیا، سواس آیت میں اللہ میاں نے جنت کے طلب کاذریعہ بتایا ہے جس کے سب لوگ مشتاق ہیں۔

حال اور کمال:

یہاں ایک بات اور قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جنت کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے، نہ دوزخ کا خوف ہے یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن کے ہیں جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ کا ہے) کہ ایک روز غلبہ جذب میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں، لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کردیا، میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہل حال کے ہیں اور غلبہ حال سے اُن کو معذور سمجھا جاوے گا، ہم جیسوں کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے، ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے، خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں حاشا وکلا جو اعلیٰ اور ادنی کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں، غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں، پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی، آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے جو کوئی واہی تباہی کلمات بیہا کانہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں، سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی، ہاں غلبۂ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہوسکتے، ان کے اقوال کے دعوئی کے ساتھ نقل سخت بے ہودگی ہے۔ غرض ان لوگوں کی یہ ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب فرمادیں اللھم انی اسألک الجنۃ وما قرب الیھا من قول او عمل (اے اللہ! میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ چیز جو اس (جنت) کے قریب کردے، قول ہو یا عمل) اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے آیات واحادیث میں صاف طور پر طلب جنت کی فضیلت آئی ہے، اہل حال معذور تھے، حال کی وجہ سے اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا، نقل ہی نقل رہ گئی۔ اس کو فرماتے ہیں مولانا ؎

www.besturdubooks.net

حرف درویشاں بد زدد مردِدوں تا بہ پیش جاہلان خواند فسوں

(درویشوں کے الفاظ چرا کر کمینہ آدمی ان کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے منتر پڑھتا ہے)

جن میں کچھ ہے نہیں وہ ان کے دعووں کی نقل کر کے جاہلوں میں بزرگ بنتے ہیں، مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مالی اعانت چاہتے تھے، اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی لمبی لمبی باتیں کرنے لگے کیا پرواہ ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو جنت کی طرف التفات بھی نہ کرو گے، ان نقالوں میں رنگ البتہ اصل سے بھی زیادہ ہوتا ہے سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصلی میں نقل کی سی آب وتاب نہیں ہوتی، رنگ وروغن کو دیکھ کو شیفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے، غرض اہل حال تو بحث سے مستثنیٰ ہی نہیں اور جنت کا مطلوب ہونا بحالہ باقی رہا۔

طالبانِ جنت:

البتہ یہ ضرور ہے کہ مشہور تقسیم میں اس کے مطلوب ہونے کی دو صورتیں ہیں اور میرے نزدیک ایک تیسری صورت اور بھی ہے ایک تو یہ کہ اس کی نعمتوں کو مقصود سمجھ کر کھانے پینے کو باغوں کو مکانات کو نہروں وغیرہ کو غرض اصلی جان کر طلب کیا جائے، مذاق مختلف ہوا کرتے ہیں کسی کو مکانات کا شوق ہے کسی کو دلکش فضاؤں کا کسی کو بچوں کا، کسی کو حسن وجمال کا کسی کو ماکولات ومشروبات کا اور جنت میں سب کچھ ہے تو جو چیز جس کو مرغوب ہو ملے گی۔ حدیث شریف میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص تمنا کرے گا کہ تو کھیتی کرتا اللہ میاں فرمائیں گے ابن آدم کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اور دم کے دم میں سب چیز موجود ہو جائے گی، بات کہتے ہیں ہرا بھرا کھیت پھر انبار کے انبار غلہ تیار ہے تو کتنی کھیتی چاہئے، یہ ایسا ہے جیسا کہ بچہ طرح طرح کی ضدیں کیا کرتا ہے اور سب پوری کی جاتی ہیں والدین جانتے ہیں کہ باولی ضدیں ہیں مگر جو مانگتا ہے دیتے ہیں۔

تو بعض لوگ جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو جنت کو اللہ میاں کی لقاء کے لئے طلب کرتے ہیں یہ لوگ طالب در حقیقت اللہ میاں کے ہیں مگر ان کو معلوم ہوا ہے کہ رویت اور رضا خاص جنت میں ہوگی اس لئے چاہتے ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں تاکہ مقصود اصلی حاصل ہو، غرض نعمت کے طالب نہیں بلکہ منعم کے ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک محبوب نے باغ میں لوگوں کو بلایا جس میں ہر قسم کا عیش ونشاط موجود ہے جو میوے کہیں نہیں ہیں

www.besturdubooks.net

وہ وہاں موجودہ مکانات جن کا نقشہ تک کسی کے خیال میں نہ گزرا ہو وہاں تیار، نہریں حوض دلکش فضائیں خادم غلام غرض جملہ چیزیں بعض جانے والے ایسے ہوں گے جو غسل کرنے اور حوضوں میں غوطہ لگانے کی غرض سے جائیں گے اور بعض تازہ بتازہ ہواؤں کا لطف اٹھانے کے لئے اور بعض میووں سے لذت حاصل کرنے کے لئے وعلیٰ ہذا اور ایک جانے والے وہ ہیں کہ اس محبوب پر عاشق ہیں اور باغ میں اس واسطے جاتے ہیں کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا محبوب باغ میں ہے، یہ سن لیا ہے اور باغ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں، یہ لوگ دراصل باغ کو نہیں ڈھونڈتے باغ والے کے شیدائی ہیں اس وقت چونکہ محبوب باغ میں ہے اس واسطے باغ کی طرف جاتے ہیں اور وہ اگر جنگل میں آجائے تو باغ کا خیال بھی اُن کے ذہن میں کبھی نہ گزرے۔

باغ کی طرف جانے والے یہ دو قسم کے لوگ ہوئے ایک وہ کہ نفس باغ کے طالب ہیں، دوسرے وہ کہ نہ انہیں باغ کا خیال ہے نہ جنگل کا محبوب کی طرف نگاہ ہے۔

مشہور قسمیں طالبان جنت کی تو یہی دو ہیں اور میرے نزدیک تیسری قسم اور ہے لیکن ذرا دقیق ہے وہ یہ کہ طالب تو نعمت کے ہیں لیکن نہ حظ کی وجہ سے بلکہ اپنے تذلل اور عبدیت کی وجہ سے اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلا واسطہ طالب منعم کے ہوں وہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس کے کوچہ کا ایک گوشہ مل جاوے، یہ تیسری قسم ہوئی، پس طالب نعمت کا مبتدی ہے اور طالب منعم کا متوسط ہے اور طالب نعمت للعبدیۃ کا کہ واقع میں طالب کامل منعم کا ہے منتہی ہے اور صاحب حال بحث سے خارج ہے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال مطلقاً یہ ہے کہ طلب جنت سے عدم طلب کا درجہ بڑھ کر ہے، حالانکہ غور کرنے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کہیں آیات و نصوص میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عدم طلب کوئی شئے حسن ہے، بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم طلب والا معذور ہے، سو معذوری میں فضیلت کہاں۔

شناخت مبتدی و منتہی:

حاصل یہ کہ طالب جنت کی تین قسمیں ہو گئیں کہ یا مبتدی ہے یا متوسط یا منتہی ہو متوسط کا حال تو اکثر ممتاز ہوتا ہے لیکن مبتدی اور منتہی کا حال بہت متشابہ ہوتا ہے مگر واقع میں زمین و آسمان کا فرق ہے مبتدی ایک کام میں لگا ہوا ہے گو حقیقت نہیں پہچانتا مگر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے کبھی حقیقت شناس بھی ہو جائے گا ذرا سی بات میں وجد میں آجانا دھاڑیں مارنا مغلوبوں کا کام ہے جو صاحب کمال ہے اس کو حال نہ آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ حال اس کے بدن میں حرکت پیدا کر سکتا ہے نہ

www.besturdubooks.net

حال اس کی زبان سے بے ساختہ کلمات نکلوا سکتا ہے شاہ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔
منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا فروز برندو آروغ نزنند (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے فریاد میں آ گیا، اس جگہ مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے) منتہی کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے مگر چونکہ منتہی راستہ طے کئے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے ہر مقام پر اس کے افعال سے واقفیت ٹپکا کرتی ہے اور مبتدی مقلدانہ چلتا ہے، اسی طرح جنت کے مانگنے والوں میں جو مبتدی یا منتہی ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ مبتدی غالب ہے مزہ کے لئے اور منتہی مزہ سے گزرا ہوا ہے پھر جنت کی طلب جو کرتا ہے سو وہ محبوب کے حکم سے ہے گویا منتہی عبدیت ظاہر کرتا ہے کہ جو حکم ہو اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں اور مبتدی کی فنا میں ابھی کمی ہے اس کا التفات مزہ کی طرف ہنوز باقی ہے فرض کیجئے کہ ایسی چیز کی طلب کا حکم ہوتا کہ مزہ اس میں نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ اس صورت میں مبتدی کے پیر اُکھڑ جاتے اور منتہی جما ہوا ہے۔ اس کی لغزش کی کوئی وجہ نہیں وہ مزہ کا طالب ہی نہیں جس کے رہنے نہ رہنے پر اس کی طلب کا دارومدار ہو چونکہ طلب کا حکم پایا ہے اس واسطے تعمیل کر رہا ہے فَلْيَتَنَا فَسِ الْمُتَنَا فِسُونَ (اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے) امر کا صیغہ ہے یہ شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے ۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(اگر مجھ سے شہنشاہ دیں   طمع کے خواہاں ہوں تو پھر میں قناعت پر خاک ڈالوں)

جب اُدھر سے ہی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا عدول حکمی ہے، مطیع اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلا دیں، (شراب دو ہیں حلال اور حرام شراب محبت حلال ہے شراب پی کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے اسی طرح جو بندہ ہے وہ امتثال امر میں مخمور ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ محویت بے خودی نہیں ہے بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہو جائے تو رکوع وسجود کیسے ہوں، محویت کے معنی یکسوئی کے ہیں صرف باری تعالیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے اس صورت میں عبادت بطریق احسن ہوگی، رکوع وسجود نہ ہونا کیا معنی۔

اہل حال وقال:

عام لوگ محویت اس کو سمجھتے ہیں کہ کچھ واہی تباہی کلمات زبان سے نکال دیں یا آئندہ کی باتوں پر دعویٰ کے ساتھ حکم لگا دیا کریں اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ اللہ میاں پر ایسا ناز ہے کہ جو منہ سے نکل گیا پورا ہو کر رہتا ہے یہ مسلم سہی کہ دعا قبول ہوتی ہے مگر ہر چیز کو

www.besturdubooks.net

مانگ بیٹھنا اور دعوے سے حکم لگا دینا انہی سے ہوسکتا ہے جو بے خود ہیں یہ محویت محمود نہیں محویت محمود میں حق سبحانہ تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے اور جتنا جس کو قرب ہوتا ہے اتنا ہی عظمت کا اس پر ظہور ہوتا ہے اور اتنا ہی اپنے نفس کا تذلل کھل جاتا ہے پھر جس پر محبوب کے اعلیٰ درجہ کی عظمت اور اپنی ذلت کھل گئی ہو اس کی نسبت کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جہاں چاہے بے دھڑک قدم اٹھا بیٹھے گا بادشاہ کے دو بچے ہیں ایک ناسمجھ اور ایک سمجھدار ناسمجھ تو جب آتا ہے سیدھا گود میں جگہ لیتا ہے نہ آداب مجلس کی کچھ خبر نہ اراکین کا لحاظ نہ بادشاہ کا ادب نہ شاہی پوشاک کا خیال پیر صاف ہیں یا خاک آلودہ آئے اور زانو پر چڑھ بیٹھے۔

اور ہوشیار بچہ جب آتا ہے تو نیچی نگاہ کئے ہوئے چہرہ پر اراکین کا لحاظ ظاہر مجلس کا رعب چھایا ہوا اور نہایت ادب سے پاؤں پکڑ کر حاضری کی اجازت مانگ کر مودب کھڑا ہوتا ہے وجہ یہی ہے کہ سمجھدار کو عظمت شاہی کی خبر ہے اور ناسمجھ کو نہیں اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ناسمجھ بچہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس قدر قرب اس کو حاصل ہے کہ شاہی پوشاک پر میلے پیروں سے جا چڑھتا ہے اور جو الٹی سیدھی ضدیں کرتا ہے پوری کی جاتی ہیں قرب وری اس کو حاصل ہے اور قرب حقیقی سمجھدار کو اگرچہ سمجھدار گود میں نہیں ہے اور کسی قدر فصل سے کھڑا ہے میلے پیروں سے کپڑوں پر جا چڑھنا اور الٹی سیدھی ضدیں کرنا گستاخی ہے باعث فضیلت نہیں زائد سے زائد ہے کہ بچہ ان حرکات میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہل حال کہہ اٹھتے ہیں کہ نہ دوزخ نہ بہشت نہ اُس کا خوف ہے نہ اس کی خواہش ان دونوں میں سے کسی کی خبر ہی نہیں یہ کامل نہیں ہیں ان پر ابھی عظمت کا انکشاف پورا نہیں ہوا اس وجہ سے اتنی جرأت ہے کہ قرب کے اعلیٰ درجہ کا دعویٰ ہے دیکھئے ایک نہایت ذلیل شخص کسی عالیشان محبوب کی طرف جانا چاہتا ہو تو اول تو برسین چاہئیں اس کوشش کے لئے کہ کسی طرح راستہ کے موانع رفع ہوں دربان چوبدار وغیرہ سے ساز ہو جائے تب توقع کی جائے کہ ان کی درخواست محبوب تک پہنچ سکے گی اگر اس میں کوشش ان کی چل گئی کہ درخواست محبوب تک پہنچ گئی اور پھر قسمت کی یاری سے محبوب نے بہت ہی لطف فرمایا کہ حاضری کی اجازت دے دی تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دربار میں جاتے وقت ان کی بڑی سے بڑی آرزو کیا ہو گی یہ تو کبھی خیال بھی نہ جائے گا، کہ مجھے محبوب بنالیں بڑا حوصلہ یہ ہوگا کہ چوکھٹ کو بوسے دینے کی اجازت مل جائے ،اس کا یہ حوصلہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ .... یہ شخص چوکھٹ کا طالب نہیں ہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر اس سے

www.besturdubooks.net

زیادہ کی ہمت نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس کو چوکھٹ سے بڑھانا چاہیں تو پیروں میں رعشا پڑ جائے گا۔ سو منتہی اسالک الجنۃ کہے گا نہ اس واسطے کہ جنت کا طالب ہے بلکہ طالب محبوب حقیقی ہی کا ہے ہے مگر اس سے بڑھ کر حوصلہ اپنی ذات اور ان کی عظمت کو دیکھ کر نہیں کر سکتا۔

فرق مبتدی ومنتہی:

معلوم ہو گیا ہوگا کہ طالب تین قسم کے ہیں، مبتدی یعنی طالب جنت کے حظ کے لئے اور منتہی یعنی طالب جنت عظمت محبوب کی وجہ سے اور متوسط الحال، مبتدی اور منتہی میں فرق مشکل ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر ہوتا ہے حال سے مغلوب ہوتا ہے گو ایسا مغلوب نہ ہو کہ حد شرع کی حفاظت نہ کر سکے کیونکہ ایسا شخص تو جیسا اوپر عرض کیا گیا مبحث سے خارج ہے لیکن مغلوب ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ذرا بات پر رونے لگتا ہے ذرا بات پر وجد آ جاتا ہے زبان سے بے اختیارانہ کلمات نکلنے لگتے ہیں اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آ جائے اور حال کوئی تغیر اس میں نہ پیدا کر سکے، ایسے شخص کے پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہئے اس کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کر سکتے، منتہی کا پہچاننا آسان کام نہیں، یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیاء کو تو لوگوں نے پہچان لیا اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کو نہ پہچان سکے، قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (انہوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح بشر ہو) متوسط اولیاء میں تو جوش وخروش دیکھتے ہیں اور اولیائے کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

جملہ عالم زین سبب گمراہ شد　　کم کسے از سر حق آگاہ شد

(تمام دنیا اسی خام خیال کی وجہ سے گمراہ ہو گئی کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو نہ پہچانا)

گفتہ ایں کہ ما بشر ایشاں بشر　　ماؤ ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان وہ بھی انسان وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، ہم بھی کھاتے پیتے ہیں)

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ　　درمیان فرقے بود بے منتہا

ان بے وقوفوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان میں اور ہم میں بڑا فرق ہے)

ایں خورد گرد و پلیدی زوجدا　　وان خورد گرد وہمہ نور خدا

(ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی (بخل وحسد وغیرہ) جدا ہوتا ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے تمام تر نور خدا یعنی عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے)

www.besturdubooks.net

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند درنوشتن شیر و شیر

(بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر مت قیاس کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں کے فعل یکساں ہیں جس طرح لکھتے ہیں شیر اور شیر (دودھ) یکساں ہیں۔

مگر ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ پہچانے جائیں، صاحب کمال کو ایک عجیب استغنا ہوتا ہے دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہو جاتا ہے تو کسی کی طرف التفاف نہیں کرتا یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اس کی ماہیت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ قصداً اظہار تو کہاں ان کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو، کیسا اگر کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے، ٹھگ البتہ کمالات دکھاتے پھرا کرتے ہیں، پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ ہے نہیں، ان لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے، قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

(مجھ کو اپنی آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی ان کی باتیں نہ سننے دوں)

میری آنکھ آپ کی طرف دیکھے، میرا کان آپ کی بات سنے یہ لوگ امتثال امر میں لگے ہوتے ہیں کوئی ان کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پرواہ نہیں نیکی کر اور دریا میں ڈال، اپنی طرف سے کبھی اظہار کا تصور نہیں کرتے، ہاں اللہ میاں کبھی ظاہر کر دیتے ہیں۔

طریق حصول جنت:

اس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفاء بے ادبی ہے کیونکہ اطاعت تعمیل حکم اور رضا ہے جس طرح رکھیں بندہ کو اسی طرح رہنا چاہئے، جب کہیں خاموش رہو خاموش ہو جائے اور جب کہیں کھل جا تو بلا تامل کھل جائے یہ کھل جانا بھی طاعت ہے، اس وقت اخفا اتباع نفس ہے اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہوگی جو پہلے اخفا میں تھی غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا نہ اخفاء میں نہ اظہار میں بس فنا ہوتا ہے تعمیل حکم میں اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ اب تک فنا ہی نہیں ہوا جب صاحب کمال سرتاپا محو ہوا امتثال امر میں تو اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ میں ظاہر ہوں یا نہیں بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس

www.besturdubooks.net

لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے مبتدی طلب کرتا ہے اور منتہی بھی طلب میں دونوں شریک ہیں اور کسی بات سے حالت ظاہر نہیں ہوتی پھر فرق کیا جائے تو کس طرح مولانا فرماتے ہیں ۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

(ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا، پس طویل کلام کو مختصر کرنا چاہئے والسلام)

مبتدی اور منتہی میں فرق بڑا مشکل ہے۔

بالجملہ طالبوں کی تین قسمیں ہوئیں اور جنت مطلوب بہر حال ٹھہری اور اس کی طلب مامور بہ اور فرض ہے اب وہ مقدمہ بھی یاد ہوگا کہ ذریعہ کا اکتساب ضروری ہوا جنت جب ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذرائع کی طلب بھی ہر ایک کے ذمہ ہے ورنہ وہی بوالہوسی ہوگی اس ذریعہ اور طریق کو فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

(اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اس نے نفس کو حرام خواہشوں سے روکا ہوگا پس جنت اس کا ٹھکانا ہوگا) سبحان اللہ کلام الملوک ملوک الکلام جنت اتنی بڑی چیز اس کی طلب کا خلاصہ فرما دیا تاکہ طالبوں کو آسانی ہو، اتنے بڑے مطلوب کے لئے جس قدر ذرائع اور طرق ہوتے کم تھے مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی جیسے گر ہوتا ہے گر اس لئے ہوا کرتا ہے کہ کثیر التعداد افراد کہ جن کو بالاستقلال ایک ایک کو یاد رکھنا دشوار ہو اس کے ذریعہ سے یاد رکھیں جیسے کوئی خادم کو محفل کے دروازہ پر بٹھادے اس غرض سے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ آنے دے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زید عمرو بکر خالد وغیرہ ایک سو نام اس کو بتا دیئے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے منع کرنا اس میں کسی قدر دقت خادم کو پیش آئے گی کہ ایک فہرست بنائے گا جس میں یہ سب نام درج ہوں اور ہر آنے والے سے نام پوچھ کر اوپر سے نیچے تک ساری فہرست میں تلاش کرے گا کہ یہ نام اسمائے مندرجہ فہرست میں سے ہے یا نہیں ہر بار ساری فہرست دیکھنی پڑے گی نیز کس قدر دقت آنے والوں کو ہوگی کہ ہر شخص کو اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا کہ جب تک وہ تمام فہرست کو دیکھے۔ سہولت اس میں ہے کہ مختصر سی بات بتادی جاوے کہ جس کو تو پہچانتا ہو اس کو اندر آنے دینا اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے گی نہ کچھ اور دقت پیش آئے گی اسی کو گر کہتے ہیں جنت کے حصول کے لئے بہت سے طریق ہیں جن کا فرداً فرداً یاد رکھنا نہایت دشوار تھا اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسا امر بتادیا کہ جب اس کی رعایت رکھی جاوے تو جو فعل بھی کیا جائے گا وہ وہی ہوگا کہ اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہے جنت میں اللہ میاں کے کلام کی قدر اسی کو آتی ہے جو طالب ہے جب کسی کے جنت پیش نظر ہو تو انتہا درجہ کا

www.besturdubooks.net

شوق پیدا ہوگا اور جب بتایا جاوے کہ اس کے طلب کے فلاں فلاں طریق ہیں (اور چونکہ جنت بڑی چیز ہے اس کے طرق بھی کثیر ہی ہوں گے) اُن کی کثرت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا اٹھے گا مگر چونکہ شوق انتہا درجہ کا پیدا ہو چکا ہے اس لئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے بلکہ ایک حالت سخت اضطراب کی پیدا ہوگی اس شخص کے سامنے اگر کوئی قاعدہ کلیہ پڑھ دیا جائے جو جامع ہو تمام طرق کو تو ہر کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کی کیا حالت ہوگی وجد کی سی کیفیت ہو جائے گی، اس کو قدر آئے گی کہ کلام باری تعالیٰ کیا چیز ہے، اس کر فرماتے ہیں" وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى "اس میں دو کام فرماتے ہیں جو تمام طرق کو جامع ہیں ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف دوسرا وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى الف لام عوض مضاف الیہ ہے، اے عن ہواہا نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا یہ دونوں عمل جملہ طرق حصول جنت کو جامع ہیں، ہر چند کہ یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہو جائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد میں تمیز سہولت سے ہو جائے گی، گر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہو جاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہو جاتی ہے، دیکھئے کتنی سہولت ہوگئی جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر ہر عمل پر حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل کے ساتھ کرے گا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی باری تعالیٰ نہ ہو اس سے ایک بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ برے عمل کو پہچان لے گا اور اس سے بچ جائے گا اور جو سمجھ میں نہ آوے گا اس خوف کی وجہ سے اس کو علماء سے پوچھے گا، اس طرح سے کوئی فرد معصیت اس کی نظر سے نہ چھوٹ سکے گا ورنہ جنت جیسی بڑی چیز کے لئے کثرت سے ذرائع ہونے چاہئیں ظاہر ہے اُن کا ابتداءً ذہن میں منضبط کرنا امکان سے بھی باہر معلوم ہوتا ہے۔

افراط و تفریط:

آپ نے جان لیا کہ طرق طلب جنت کا حاصل دو (۲) امر ہیں اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں، مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نہی النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ نسالک من خشیتک ماتحول به بیننا و بین معاصیک۔ (لم اجد الحدیث فی "موسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف") دعا مانگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اے اللہ! ہم مانگتے ہیں خوف میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں، تعلیل سے یہ بات

www.besturdubooks.net

نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں، ورنہ نسئالک خشیتک مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں، خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجاء نہ ہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے، میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے یہ ایک وکیل صاحب تھے نماز روزہ کے خوب پابند تھے، خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہو پریشان ہو گئے ایسی حالت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک نہیں ادا ہوتی تھی قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں اور یہ سب کچھ ہوا تھا ایک کتاب کو دیکھ کر۔

ازخود مطالعہ کتب:

کتابوں کو بطور خود دیکھنے میں یہ خرابی ہے کہ لوگ کہتے ہیں استادوں کے نخرے کون اٹھائے، عبارت اردو ہوتی ہی ہے اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے کیونکہ اردو ہماری زبان مادری ہے اگر یہی بات ہے تو ہر شخص جس فن کا چاہے بلا استاد پورا عالم بن سکتا ہے، کتابیں ہر فن کی موجود ہیں حالانکہ مشاہدہ اور تجربہ اس کے خلاف ہے جائے استاد خالی است وجہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کتاب میں ایک جگہ نہیں لکھی جاسکتیں، ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھی جاتی ہے ابواب وفصول اسی لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور اگر ایک جگہ متفرق باتیں لکھ دی جائیں تو کتاب کی ترتیب میں فرق آجائے اور ڈھونڈنے والوں کو بڑی دقت پیش آئے کوئی خاص مضمون کہاں تلاش کریں مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل کتب فقہ میں بلا تفصیل ابواب کیفما اتفق جمع کر دیئے جائیں تو کس قدر دقت ہو جائے کہ ایک ذرا سے مسئلہ کی ساری کتاب پر نظر ڈالنی پڑے، جملہ علوم وفنون میں یہی حالت ہے کہ کتاب میں متفرق مضامین ایک جگہ نہیں لکھے جاسکتے تو بطور خود کتاب دیکھنے والے کو اگر کوئی شبہ واقع ہو تو اگرچہ حل اس کا کتاب میں کہیں مذکور ہو مگر چونکہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ وہ حل کہاں مذکور ہے اس لئے دل میں وہ اشکال جم جاتا ہے اور بسا اوقات یہ خیال ہو جاتا ہے کہ کتاب میں غلط لکھا ہے مصنف خود نہیں سمجھا حالانکہ کتاب میں غلطی نہیں ہے سمجھ کا قصور ہے جو شبہ ذہن میں آیا ہے وہ کسی دوسری بحث کے مناسب کتاب میں اس باب میں اس کا حل ہوگا اور پڑھانے والا تمام کتب پر حاوی ہوتا ہے متعلم کے شبہ کرنے سے ازخود تنبیہا ہر موقع پر اس کے ضروریات کو بتاتا جاتا ہے میں

www.besturdubooks.net

کہتا ہوں سبقاً سبقاً پڑھنا چاہئے اور فنون کی کتابوں سے زیادہ تصوف میں خاص کر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بلا استاد کبھی مطالعہ نہ کرے، دیگر فنون میں تو یہ ہے بہت سے بہت بطور خود دیکھنے سے وہ فن نہ آئے گا اور تصوف میں خطرہ ہے کہ آدمی ہلاکت میں پڑ جائے اور ایمان جاتا رہے۔

گر روی صد سال درراہ طلب   راہبر نبود چہ حاصل زاں تعب

(اگر راہ طلب میں سو سال بلا رہبر کامل کے چلے گا تو تعب ومشقت کے سوا تجھ کو کچھ حاصل نہ ہوگا)

گر ہوائے ایں سفر داری ولا   دامن رہبر بگیر ویس برآ

(اے دل اگر اس محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے چلا آ)

در ارادت باش صادق اے فرید   تابیابی گنج عرفاں راکلید

(اے فرید حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑ تا کہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو)

بے رفیقے ہر کہ شد درراہ عشق   عمر بگذشت نشد آگاہ عشق

(بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا)

ان وکیل صاحب نے احیاء العلوم کی کتاب الخوف کو دیکھا تھا اور ایک مقام کو ناتمام سمجھے اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اُڑ گئی مگر یہ خیریت تھی کہ آپ ہی آپ کوئی رائے قائم نہیں کی جیسا کہ آج کل عادت ہے کہ بزرگوں کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر کسی واقف کار سے ان کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ اُن بزرگوں سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکنے لگتے ہیں۔ یا اس کے موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہوتے ہیں میرے پاس آئے کہ کچھ امید نہیں کچھ ہی کرے کہ جنت ملے گی تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو تلخ کر دے مگر کتاب کا لکھا ہوا اگر سچ ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے۔ جس وقت میرے پاس کتاب لے کر آئے تو یہ حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے، زبان لڑکھڑاتی تھی کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی، جیسے کسی کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے، اُس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ حد سے زائد غلبہ خوف اچھی چیز نہیں، میں نے اور مقام اُسی کتاب کے دکھلائے بحمد اللہ ان کے سب شبہے حل ہو گئے اور قلب کو سکون ہوا کہنے لگے آپ نے مجھے بچا لیا جانے کیا ہوتا میری جان نہ رہتی یا ایمان جاتا لکھا کتاب ہی میں سب کچھ ہے مگر دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہے، لکھنے والوں نے حتی الامکان سہولت اس قدر کر دی کہ اکثر جگہ شبہات بھی حل کر دیے ہیں، لیکن پھر بھی استاد کی ضرورت باقی ہے۔

www.besturdubooks.net

خوف ورجاء:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی حقیقت کا زیادہ انکشاف بھی مضر ہو جاتا ہے جیسا ان وکیل صاحب پر استغناء حق زیادہ متجلی ہوا اور یہ حالت ہوگئی اسی واسطے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جیسے تجلی رحمت ہے استتار بھی رحمت ہے واللہ اگر تجلی تام ہو جائے تو فنائے عالم ہو جائے یا جان جاتی رہے، یا ایمان جاتا رہے، میں نے خود دیکھا وکیل صاحب کو قریب تھا کہ نماز تک چھوڑ دیں وجہ کیا تھی صرف غلبہ خوف، اس واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خشیتک ماتحول بہ بیننا وبین معاصیک (اپنے خوف سے اتنا جو ہمارے اور آپ کے معاصی کے درمیان حائل ہو جائے) صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ معصیت کو مانع ہو اتنا نہیں چاہتے کہ ہم متحمل نہ ہوں معلوم ہوا کہ خوف محمود وہی ہے جو معصیت سے روکے اور جو خوف خود باعث معصیت ہو جائے وہ معصیت کی طرح برا ہے، اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف۔ بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا اگر اور خوف غالب ہو جائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور اُمید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے، جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی، معصیت سے اجتناب ہوگا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا، ہر وقت کے واسطے تدبیر جداگانہ ہے، باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم کبھی تنقیہ کرنا پڑتا ہے، کبھی تقویت اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔

معلوم ہو گیا ہوگا کہ خوف معین ہے اور ترک خواہشات اصل اب صاف ہے کہ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ذریعہ ہے اور مقصود نَهَى النَّفْسَ ہے، ذریعہ اسی حد تک محمود ہوتا ہے کہ مقصود تک پہنچائے اور اگر ذریعہ کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ مقصود فوت ہونے لگے تو یہ مذموم ہے کیونکہ ذریعہ ذریعہ نہ رہا خوف اسی قدر چاہئے کہ نفس کو تنبیہ ہو۔

پس خلاصہ طریق کا ترک ہوا ہے اور خوف اس کا معین اور یہی حاصل ہے اس گر کا.......... اب دیکھو کہ نوکر کو یہ بتا دینا کہ ناشناسا کو اندر نہ آنے دینا کہنے میں ذرا سا ہے کرنے میں بہت ہے، جو کام کہ فہرست بتانے سے نکلتا وہی اس سے نکلتا ہے بلکہ فہرست میں تو افراد محدود ہو جاتے اگر ان کے سوا کوئی ناشناسا آنے والا ہوتا تو اس کو منع نہ کر سکتا اور اس لفظ کے بعد ایک کے منع سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور کسی تعداد تک ناشناساؤں کی حد نہ رہی اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے گر بتا دیا کہ اگر سوچے تو ولی ہو

www.besturdubooks.net

جائے ایک فرد بھی نافرمانی کا اس سے خارج نہیں دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے مثلاً نماز نہ پڑھی یا تاخیر کر کے پڑھی یا بے توجہی ہوئی حضور قلب کے ساتھ ادا نہ ہوئی، اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہوگا فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی، عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارانہ ہوا سو کر صبح کر دی آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کسی کام میں لگا ہوا ہو، اس کام کے آدھ بیچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے، اس نقصان کو گوارانہ کیا اور نماز میں تاخیر کر دی یہ حب مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جبھی ہوگی کہ جب توجہ دوسری طرف ہو توجہ کا ایک طرف سے نہ ہٹنے دینا بھی نفس ہی کا کام ہے اس کی خواہش سے ہٹتا ہے۔

احتساب نفس:

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر سبھی کچھ آ گیا ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں، جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے، تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے، ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جایئے اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھئے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضر تیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے، نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے، جیسے کسی سے بدلہ لے لیا، یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے، ایسے بھی پرہیز گار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے، بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سُن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں بہت احتیاط کرتا ہوں دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کار با او راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن

(اس خدا کے ساتھ معاملہ درست کرنا چاہئے اور اخلاص اور صدق کا علم بلند رکھنا چاہئے)

www.besturdubooks.net

فقط زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے ممانعت اس کو کہتے ہیں اس وقت یہ نہ ہوگا کہ ایک دفعہ اُسے منع کردیں اور پھر بیٹھے سنتے رہیں، حضرت اس منع سے برائت نہیں ہوتی، غیبت میں یہ بھی شامل ہے، دیکھئے کہ بعد ممانعت کے اگر وہ خاموش ہوئے تو ان کے دل میں اشتیاق وانتظار رہتا ہے، مگر اطاعت نہ کی یہی ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیزگار بن جائیں مگر باطن میں تو مرض موجود ہے، نفس نے جو خواہش کی تھی اس کا ظاہر تک اثر نہ آیا، یہی قلب میں تو اس سے التذاذ اور اس کی طرف میلان عزم کے ساتھ موجود ہے، یہی اتباع نفس ہے، غرض سوچنے والا سمجھ سکتا ہے کہ معصیت کس حد تک ہوگی جہاں تک خواہش نفسانی پائی جائے، یہ ایسا جامع لفظ ہے کوئی فرد معصیت میں باہر نہیں جا سکتا، جب کوئی معصیت ہوگی خواہش نفسانی سے اور برائی باوجودیکہ ظاہر ہے کہ مگر نفس کی چال میں بڑے بڑے ہوش مند آجاتے ہیں، کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرور بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے اور ساتھ ساتھ تاویل ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے اور تجھے ضرورت ہے اس وقت لے لینا چاہئے پھر اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہو جائیں گی اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا کیسی اچھی بات ہے۔

اسراف اور فیشن:

حضرت یہ سب تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے اور اس تاویل کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے کہ جب بچہ کو خوف نہیں ہوتا ہے ورنہ تاویل کی بھی کیا ضرورت ہے اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم دو کہ رقم ہرگز نہ جانے پائے بس اس کی تعمیل ہوگئی ہاں جن کو احتیاط پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں کھڑی کر دیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہے، حالانکہ یہ اسراف ہے مگر ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ اس کو اسراف بھی نہیں سمجھتے آج کل کے عقلمند اس مرض میں بہت مبتلا ہیں مجھے ایک شخص ملے اور خوشخبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہو گیا میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے اب ذرا صاحبزادہ کو یہ تنبیہ کیجئے کہ اسراف نہ کریں کہا جناب کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے، بڑے بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے ہو سکتا کہ چار بھلے مانس آکر بیٹھیں اور میز کرسی لیمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔
یہ اسراف ہے جسے ضروری سمجھ کر رکھا ہے حالانکہ ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے ایک واقعی اور ایک

www.besturdubooks.net

فرضی واقعی ضرورت کی تو انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت .... کی کہیں انتہا نہیں ظاہر ہے کہ فرضی میں بے حد گنجائش ہے فرض میں محالات تک بھی آسکتے ہیں جب فرضی ضرورت کی کوئی انتہا نہیں تو اس کے رفع کے لئے کون سی رقم کافی ہو سکتی ہے، دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لا متناہی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے، اسراف معصیت تو ہے ہی اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔ ایک شادی بھی جس نے کی اس میں فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائیداد اور مال ومتاع سب ان کے نذر کر دیا اور پھر بھی پورا نہ ہوا قرض لے کر بمشکل آبرو بچائی اور پھر اس قرض سے بعد چندے آبرو بھی گئی، ذرا سا ختنہ ہے یا بسم اللہ ہے اور اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے وہ کہیں نہ کہیں سے آنی چاہئے، خواہ رشوت لے کر ہو یا سودی قرض لے کر ہو یا گھر بیچ کر ایسا نہ ہو کوئی رسم رہ جائے، یہ سب فرضی ضرورتیں ہیں بیوی کے کان میں پانچ سو سے کم کا زیور نہ ہو خواہ میاں کی اوقات دو ہی پیسہ کی کیوں نہ ہو کہیں سے پانچ سو لاؤ تب منہ دکھاؤ میز کرسی پوشاک حسب قاعدہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا آدمی انہیں چھوٹا کہہ دے حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف پچاس ہی روپیہ کی ہے پھر بڑا کیسے کہہ دے گا، یہ ضرورت نہیں صرف فیشن ہے۔

لطف یہ ہے کہ علماء رسموں کو منع کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کے شریک ہو جاتے ہیں اور بڑے شکر گزار ہوتے ہیں کہ صاحب یہ تو آپ بڑا کام کرتے ہیں کہ فضولیات کو چھوڑاتے ہیں کیا ضرورت ہے کہ اتنا سونا لاد لیا جائے جس سے کان کٹ پڑیں یہ روپیہ کسی ایسے کام میں کیوں نہ لگایا جاوے جس سے راس المال محفوظ رہے اور چار پیسے اور ملنے لگیں تجارت کی جائے یا جائیداد خرید لی جائے شادی کی رسمیں مطلقاً چھوڑ دی جائیں اس روپیہ سے لڑکی کے لئے کوئی صورت بسر اوقات کی کیوں نہ کر دی جائے آتشبازی وغیرہ سے ذرا سی دیر کا حظ نفس نہ ہوا نہ سہی، غرض علماء کی تائید کرتے ہیں البتہ پرانے وضع کے لوگوں کو ضرور شاق ہوتا ہے اور ان نئے فیشن کے لوگوں کو جب ترک دیں آساں ہوا تو رسم دنیا کیا، یہ لوگ ساتھ دیتے ہیں اور بھولے سیدھے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یہ بھی علماء کے ہم خیال ہیں بری بات ہے منع کرتے ہیں .... چوری ان کی پکڑی گئی کہ رسموں سے بیوی کو روکتے ہیں اصلاح میز و کرسی کے لئے نہ اس واسطے کہ اسراف نہ ہو یا روپیہ کسی منفعت کے کام لگے بلکہ اس لئے کہ اُدھر سے روپیہ بچے تو اپنے فیشن کو درست کریں میز و کرسی سے کمرہ سجائیں، ہارمونیم باجہ منگائیں کوئی نیلام سے خالی نہیں جاتا، بیوی پر تو تقاضا ہے کہ

www.besturdubooks.net

کپڑا کم پہنو سال بھر کے لئے صرف دو جوڑے کافی ہیں گھر میں اپنے سب طرح بسر ہو سکتی ہے بہت کرو کہیں جانے کے لئے ایک اُجلا جوڑا بنا لو زیور جو کچھ میکہ سے لائی ہو وہی کیا تھوڑا ہے بہت ہوس اچھی نہیں ہوتی، سادگی کے بھی خلاف ہے ایک صاحب نے بیوی سے کہا ہم کماتے کماتے مر جاتے ہیں اور تمہیں ذرا خیال نہیں، جتنا آتا ہے سب خرچ ہو جاتا ہے ایک پیسہ نہیں بچتا خرچ میں کمی نہیں کرتی، بیوی نے کہا میرے یہاں کوئی بازار کی چاٹ نہیں آتی کوئی چیز ضرورت سے زائد میں نہیں منگاتی کسی کو ایک پیسہ بلا اجازت میں نہیں دیتی جو کچھ خرچ ہے تمہارا ہی ہے میں کس چیز میں زیادہ خرچ کرتی ہوں اور کون سے خرچ میں کمی ہو سکتی ہے کہا نہیں تم نے خرچ بڑھا ہی رکھا ہے اگر ماما نہ رکھو تو اس کی تنخواہ اور خوراک بچے یا نہیں ہم ایک چکی خرید دیں خود پیس لیا کرو اور روز کی پسنہاریوں کی دقت نہ رہے اور پسائی کے دام بچیں اس میں تمہارا ایک اور بھی نفع ہے کہ تندرستی اچھی رہے گی ریاضت کرنا آدمی کے لئے بہت ضروری اور مفید ہے گھر کی لیپ پوت بھی خود کر لیا کرو ذرا ذرا سے کاموں کے لئے مزدور ڈھونڈنے پڑتے ہیں ان سب ترکیبوں سے ایک کافی رقم بچ سکتی ہے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے بہت ہو جاتا ہے مگر جب تمہیں خیال ہو، غرض بیوی کو سب مدون میں تخفیف کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں وہی بیاری گلا گھونٹنے کے لئے ہے ہر طرح بسر کر سکتی ہے مگر تمہاری کسی مَد میں ذرہ بھر کمی نہ ہو، کمرہ میں معمولی لیمپ سے کام نہ چلے، برقی لیمپ ہونا ضروری............اور وہ بھی بقدر ضرورت نہیں بلکہ دس پانچ رکھے ہیں نازک چیز ہے شاید کوئی ٹوٹ جائے تو دوسرا موجود رہے اور ان میں بھی آج ایک نئی ایجاد ہو جائے تو پہلے خریدے ہوئے سب ردّی ہیں اب نئے طرز کے خریدنے چاہئیں، وعلیٰ ہذا۔

بیوی کے لئے تو زیور بھی اسراف ہے اور آپ کے لئے کوئی چیز بھی اسراف نہیں، بیوی کا اسراف ایک طرح کا ہے، پرانے فیشن کا اور میاں کا اسراف دوسری طرح کا ہے نئے فیشن کا، دونوں کو چھوڑو ترکت اللات و العزیٰ جمیعا یہ سب فضولیات ہیں جن کو نفس ضروری بتا کر طلب کرتا ہے ان کی تکمیل خواہش نفس کی تعمیل ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند گرفتار ہیں معلوم نہیں عقل کس طرح روا رکھتی ہے کہ اپنے آپ کو دشمن کے ہاتھ میں دے دیا جاوے، جس کی دشمنی دنیا میں بھی ظاہر ہو چکی اسراف کے نتائج آپ نے دیکھ ہی لئے مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ ہر کام میں پوچھتا کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے بجائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کیا حکم ہے اور جو اس نے کہہ دیا بے دھڑک کر ڈالا خواہ اللہ کے خلاف یا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے۔

www.besturdubooks.net

خواہش نفسانی:

مسلمانو! کیا جواب ہوگا اگر پوچھا جائے گا

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا. اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ. هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

پوچھیں گے اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے اور دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کردیا تھا کیا تمہیں عقل نہ تھی اب یہ جہنم موجود ہے میں کہتا ہوں اگر صرف پوچھا ہی جائے اور دوزخ نہ بھی ہو تو یہ کیا تھوڑا ہے کہ کہا جائے کیوں صاحب ہمارا عہد یاد ہے ہم سے تعلق قطع کرکے باوجود یکہ ہم ہر وقت مہربان تھے اس سے جوڑا جو ہر وقت دشمن تھا اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ خجالت اٹھانی پڑے دنیا میں تو قاعدہ مسلمہ ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی مگر اللہ میاں کے ساتھ معاملہ برعکس کیا جاتا ہے، جس قدر اس طرف سے احسانات زیادہ ہوتے ہیں اُسی قدر اس طرف سے کفران نعمت ہوتا ہے جس قدر اُدھر سے ساتھ دیا جاتا ہے اسی قدر ادھر سے قطع کیا جاتا ہے اور بمقابلہ محسن کے دشمن کی پیروی ہوتی ہے دشمن نے جس چیز کا حکم کردیا اس کو کیا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہے اور اللہ میاں نے جس کا حکم کیا وہ قدرت سے باہر ہے اور ترقی سے روکنے والا ہے۔

حضرات! یہ چیزیں جن کو نفس ضروری ثابت کرتا ہے ان میں انہماک سے حق تعالیٰ سے بعد بڑھتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔

عاقبت ساز د ترا از دین بری　　این تن آرائی و این تن پروری

(تیری تن آرائی اور تن پروری تجھ کو دین سے دور کردے گی)

باہوا و آرزو کم باش دوست　　چوں یضلک عن سبیل اللہ اوست

(آرزو اور ہوائے نفسانی کا پیرو مت بن چونکہ اس کی یہ حالت ہے کہ تجھ کو اللہ کے راستہ سے بہکادے گی)

تاہوا تازہ است ایمان تازہ نیست　　چوں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

(جب تک تو خواہش کے تابع ہے تیرا ایمان تازہ نہیں ہے، مانند ہوا کے سوائے قفل کے اس کا دروازہ نہیں ہے)

www.besturdubooks.net

دیکھو ایک جگہ کیا شکایت فرماتے ہیں اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ اس شخص کو بھی دیکھا تم نے جس نے اپنا معبود خواہش نفسانی کو بنایا ہم کو چھوڑ کر اپنے دشمن کی اطاعت اختیار کی۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا احکام کی مصلحتیں بتائیں اور سمجھایا اور خاک نہ سُنا اور نفس نے اندر سے ایک شرّہ چھوڑ دیا کہ افعل ہکذا بس ایسی بیعت کی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں دل کی اور کچھ حاجت نہیں مصلحت دریافت کرنے کی جو حکم ہوا فوراً تعمیل اللہ میاں کے احکام میں کبھی ہر ہر بات کی علت ڈھونڈھی جاتی ہے اور اس کی مصلحت پوچھی جاتی ہے حالانکہ شرائع میں علل اور مصالح ضرور ہیں مگر ہر شخص کی عقل نارسا کی رسائی تو وہاں تک نہیں پھر ہم کو علت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب دلیل صحیح سے ثابت ہو گیا عمل کر لیا، کبھی اس میں گنجائش نکالی جاتی ہے کہ کیوں صاحب اس کے خلاف کرنے میں کچھ اسلام سے تو خروج نہیں ہوتا بس جب اسلام سے خروج نہیں ہوتا اور نفس کا حکم خلاف پر ہے ہی جس کو ضرورت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر کیوں نہ کیا جائے، یہ حالت بھی ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام کا کسی قدر پاس ہے اور دعویٰ ہے کہ ہم شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ (خلافت شریعت شاید منحصر فرد واحد ہے یعنی وہ عمل جس میں خروج عن السلام ہی لازم آجائے) اور جو لوگ کہ پورے آزاد ہیں ان کو تو دلیل غیر دلیل سے بحث ہی نہیں ان کے نزدیک گویا خود احکام کا خلاصہ ہوائے نفس ہی ہے اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں۔ جو لوگ اسلام کا پاس رکھتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں صاحب جس قدر حجتیں اللہ میاں کے احکام میں ہوتی ہیں اگر نفس کے حکم میں ہوتیں تو کیا حرج تھا، اتنی حجت تو کیا اگر نفس سے خواہش کے وقت صرف اتنا ہی پوچھ لیا کریں کہ اس میں کیا مصلحت ہے جس کی وجہ سے اختیار کیا جائے اور پھر مصلحت میں غور کر لیا کریں کہ واقعی ہے یا فرضی تب بھی تو بہت سے برائیوں سے حفاظت ہو جائے۔ مگر کہاں اس کے ہاتھ میں تو ایسی باگ دی ہے کہ جب وہ کہے چل چلنا پڑتا ہے اور جب کہے ٹھہر ٹھہرنا پڑتا ہے، نفس اگر خندق میں گرائے تو خندق ہی میں گرنا پسند ہے اور اگر آسمان پر چڑھائے تو آسمان پر چڑھنا قبول ہے، اللہ میاں نے ایک حکم کیا کہ اس میں مصلحت تھی اس کو نہ کیا اور نفس نے ایک خواہش کی جس میں سراسر مضرت تھی اس کو کر ڈالا .... ایک تاجر سے کوئی سو کا مال پچیس اوپر سو کو خریدتا تھا مگر نہ دیا اور دیا کہاں جہاں پچیس اور کم ملے نہ معلوم اوّل خریدار سے اس کو اتنی منافرت کیوں ہے اس کو اتنا خیال کہ پچیس زیادہ دیتا ہے گویا اپنا نقصان کرتا ہے............ کہ

www.besturdubooks.net

تجارت میں کچھ اس کے پلہ پڑ رہا ہے اور ان کو ایسی ضد کہ اپنا مال پھینکیں گے اور خسارہ ہی دیں گے مگر تمہاری مخالفت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے، افسوس۔

معصیت کی مضرتیں:

خواہش نفسانی وہ بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا مصیبتیں ہیں کہ ان میں دنیاوی نقصان ہیں معصیت میں دنیا کی بھی مضرتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں آدمی اسباب کو جمع کرتا ہے مگر وہ اسباب مودی الی المسبب بہت کم ہوتے ہیں ہر کام میں پریشان رہتا ہے بعض آدمی ذرائع کم رکھتے ہیں اور کام زیادہ نکلتا ہے اس کے برعکس اس کو ذرائع زیادہ رکھنے پڑتے ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا اور ایک یہ کہ رزق میں تنگی ہوتی ہے آپ کہیں گے کہ ہم پر تو تنگی نہیں میں کہتا ہوں رزق سے مقصود کیا ہے اطمینان یہ معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا اطمینان فراغ قلب کا نام ہے ناجائز طریق سے کتنا ہی مال حاصل کر لیجئے مگر جو نشاط اور بے فکری قلب کو تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی یہ ایسی بات ہے کہ تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے وجدانی سی بات ہے شعر ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتیم کہ چو ما شوی بدانی

عنین محض کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی یہ لذت ہوتی ہے مگر وہ ہرگز نہ سمجھے گا اور الٹا تمہیں کو بے وقوف بنائے گا اگر اس کے سمجھانے کی کوئی تدبیر ہے تو بس یہ کہ اس کا علاج کرو جب قوت رجلیت پیدا ہو جائے گی آپ بے وقوفی اور عقلمندی کو سمجھ لے گا، معصیت کو چھوڑ کر طاعت اختیار کرو دیکھو قلب میں کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ آشکارا ہو جائے گا کہ اطمینان یہ چیز ہے اس پر دلیل فلسفی بھی ہے وہ یہ کہ معصیت کرنے والا غیر اللہ کا طالب ہے اور اس تک پہنچ جانا اور اس کو پا لینا ضروری نہیں اور مطیع طالب ہے اللہ میاں کا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہیں ادھر سے ذرا سی کوشش چاہئے ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں غیر اللہ کی طلب پر چونکہ نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اس لئے کامیابی نہیں ہوتی اور دل کو فراغ حاصل نہیں ہوتا اور اللہ میاں کی طلب پر نتیجہ مترتب ہو جاتا ہے اس لئے قلب کو راحت ملتی ہے اسی کا نام اطمینان اور فراغ ہے، طاعت وہ چیز ہے کہ اس کی لذت وہی جانتا ہے جو پاتا ہے۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش

(برسوں تم دلخراش پتھر (متکبر) بنے رہے آزمائش اور امتحان کی نظر سے کچھ دن خاک بن کر دیکھو)

www.besturdubooks.net

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ۔ آزموں رایک زمانے خاک باش

ارے غافل پتھر تو برسوں رہا ہے، امتحان کے لئے ذرا دیر خاک ہو کر بھی دیکھ جو کبھی نام بھی لے پتھر ہونے کا خاک ہونا وہ چیز ہے کہ خاک ہو کر پتھر ہونا کسی نے قبول نہیں کیا اور پتھر بہتیرے خاک ہو گئے، طاعت وہ چیز ہے کہ جب تک کسی نے کی نہیں جبھی تک وہ علیحدہ ہے جہاں تھوڑی سی بھی کی پھر طاعت خود اس کو نہیں چھوڑتی وہ چھوڑنا چاہتا ہے مگر یہ اڑ کر لپٹتی ہے کر کے دیکھو امتحاناً ہی سہی۔

طاعت کے فائدے:

میں کہتا ہوں امتحان کرنے سے تو کیا اثر، بھولے سے بھی طاعت اگر ہو گئی تو اثر ضرور کرے گی، کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصداً رنگتا مگر دھبے تو ضرور پڑ ہی جائیں گے، تجربہ ہوا ہے لوگوں کو کہ دھوکے سے طاعت ہو گئی اور اثر ہو گیا قصہ مشہور ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا، ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہنچ گیا وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی، بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گا کہ نہایت عابد و زاہد متقی ہو، یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا وہاں آ کر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کی تہجد بھی اشراق بھی چاشت بھی غرض عبادت ہی سے کام تھا لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب.......... تشریف لائے ہیں رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہو گئی ادھر بادشاہ نے بھی آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھو شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیزگار کون ہے، ان مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد کہ ایک صاحب فلاں مسجد میں.......... قیام رکھتے ہیں ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار کوئی نظر نہیں آتا، بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام لے کر بھیجا اور یہاں کام ہو چکا تھا، انہوں نے التفات بھی نہ کیا، خیر وزیر نے نہایت ادب سے پیغام شاہی سنایا انہوں نے کہا در اصل نیت تو میری فاسد تھی اسی غرض سے عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اب مجھے آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے جاہ و حشم کی بس تشریف لے جایئے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔

طاعت ایسی ہی چیز ہے کہ بعض اوقات اس میں غرض صالح نہ ہو مگر انجام کار اسی سے درستی ہو جاتی ہے، دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ اغراض فاسدہ سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن آخر کو وہی اسلام ہو جاتا ہے، ایسوں کے اسلام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے بعض لوگ غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیئے ان لوگوں نے پیشہ کر لیا ہے۔

www.besturdubooks.net

ان کے مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے مسلمانوں سے روپیہ ٹھگتے پھریں، کوئی کہتا ہے میرے ذمہ اتنا قرضہ تھا، مسلمان لوگ مل کر ادا کردیں کوئی کہتا ہے مجھے روزہ نماز سیکھنے کے لئے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے مسلمان لے دیں اسمیں اسلام کی بدنامی ہے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے اخراج عن الاسلام کریں تو آپ میں بھی ایسے عیوب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے ان کی وجہ سے آپ کو اسلام سے کیوں نہ نکال دیں نیا مسلمان تو جنید بغدادی ہی ہو اور موروثی شیطان بھی ہو تو پرواہ نہیں۔

عبادت اور ریاء:

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طمع سے ہوتا ہے مال کی طمع ہو یا اور کسی چیز کی مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کرلیتا ہے ایک بزرگ کا قول ہے **تعلمت العلم لغیر اللہ فابی العلم الا ان یکون للہ** میں نے علم سیکھا تو تھا غیر اللہ کے لئے مگر علم نے خود نہ مانا.......... اللہ ہی کا ہو کر رہا آگ جلاؤ اور یہ قصد نہ کرو کہ لکڑی جلے تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہو جائے گی، آگ میں یہ اثر کہ لکڑی میں خود گھس جاتی ہے آپ کے قصد پر موقوف نہیں کسی بزرگ سے کسی نے کہا دیکھئے صاحب فلاں آدمی دکھلاوے کا ذکر کیا کرتا ہے کہا تو دکھلاوے کا بھی نہیں کرتا وہ دکھلاوے کا کرتا ہے مگر کرتا تو ہے کبھی نہ کبھی ذکر اس کے دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھے کیا امید ہے، ہمارے حضرت فرماتے تھے عبادت اول ریا ہوتی ہے چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت اور اخلاص، واقعی یہ بات بالکل صحیح ہے، دیکھ لیجئے کہ بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے اس وقت کیا حالت ہوتی ہے پھر سن شعور میں اور کیفیت ہوتی ہے اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے بچپن میں استاد یا والدین کے خوف سے پڑھی جاتی ہے اگر کسی وقت ان کی نگرانی نہیں ہوتی تو ٹال بھی دی جاتی ہے یا بے وضو ہی اوڑا دیتے ہیں یہ ریا ہی ہے پھر پڑھتے پڑھتے سن شعور میں پہنچ کر طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور جیسا کہ اور امور ضروری کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے تاوقتیکہ ادا نہ کرلی جائے طبیعت پر بار رہتا ہے، اگر نفس کبھی ٹالنا چاہتا ہے تو زائد سے تاخیر کی نوبت آتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ قضا کردیں، یہ مرتبہ عادت کا ہے، اس کے بعد تو بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چین ہی نہیں پڑتا، یہ مرتبہ اخلاص کا ہے غرض عبادت ابتداً کسی کیفیت کے ساتھ ہو مگر کبھی نہ کبھی خود دل میں جگہ پکڑ

www.besturdubooks.net

لیتی ہے اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر اچھی طرح ہوا بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ اول ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں بالکل حالت پلٹ جاتی ہے وجہ یہی ہے کہ اوّل اگر چہ نیت نہ تھی مگر شروع ایسی چیز کو کیا ہے کہ وہ خود ٹھیک کر لیتی ہے۔

ابتداء اور انتہاء

یہی بات ہے کہ اس کو جو لوگ نہیں جانتے ہیں وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کیا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل مہمل ہوتے ہیں دنیا سے تو ناآشنا ہیں، یہی دین میں کیا کمال پیدا کیا میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو پڑھتے رہو انہی میں مقتدا لوگ ہوں گے اور انہیں میں غزالی وقت بھی ہوں گے۔

طالب علموں سے اگر ذرا سا قصور ہو جائے تو تمام شہر میں سُن لیجئے اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا، کس قدر مغائرت اس لفظ سے ٹپکتی ہے، آپ کو ان سے تعلق رکھنا چاہئے یا قطع کرنا یہ تمہارے دین کے حال میں ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے آپ کو ان سے تعلق ہی رکھنا چاہئے اگر آپ کا بچہ بازار میں کسی سے لڑ آئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے اگر لڑائی کے وقت آپ پہنچ جائیں گے تو لڑکے کی زیادتی اور عدم زیادتی کی طرف تو خیال بھی نہ ہوگا اس وقت تو اسی کی حفاظت کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے، پھر اس غصہ کے فرو ہونے کے بعد علیحدگی میں بچہ کو فہمائش کریں گے کہ آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنا (یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت ہی حق پسند ہوں ورنہ باطل ہی کی پیروی ہوگی اور اس کو کچھ ملامت وغیرہ نہ ہوگی) اور اگر کوئی غیر آدمی پوچھے گا کہ میاں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ کی سی کہیں گے اور اگر بالکل ہی صریح خطا ہوگی تو کہہ دیں گے کچھ نہیں بازار میں ایک آدمی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، لڑکا تیز مزاج ہے دبتا کسی سے ہے نہیں بات بڑھ گئی اپنے بچہ کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا، اس کا عیب عیب نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو طبعی تعلق ہے، اس کی بدنامی اپنی بدنامی ہے، بچہ سے طبیعت کے حکم سے تعلق ہے طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے تعلق رکھا ہوتا اس کے قصور کو بھی اپنے بچہ کے قصور کی طرح دبایا ہوتا بچہ کی بدنامی میں اپنی بدنامی سمجھی تھی طالب علم کی بدنامی میں اپنے دین کی بدنامی نہیں ہوتی بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیونکر ہو میں کہتا ہوں اپنی طبیعت سے ہی انصاف کر لو۔

www.besturdubooks.net

جس طرح اپنے بچہ کو تنبیہ کرتے ہو، اسی طرح طالب علم کو کرتے ہو یا نہیں فرض کرلو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود فہمائش کے بھی نہ مانے اور بدتر سے بدتر حرکتیں کرے جس سے خاندان بھر پر دھبہ آجائے ننگ وناموس کو بٹہ لگ جائے تب آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں کیا یہ اس سے بالکل قطع کردیتے ہیں، قطع نہیں کرتے اور اگر کوئی قطع بھی کردے تو دل پر وہ صدمہ رہتا ہے کہ موت سے بدتر ہے باوجود قطع کے تمام عمر یہی چاہتے ہیں کہ کاش یہ احمق اپنی حرکتیں چھوڑ دے خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے فہمائش کرائی جاتی ہے، طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے قصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح مشفقانہ تنبیہ ہوتی ہے یا نہیں اگر اسی طرح مشفقانہ تنبیہ آپ کرتے ہیں تو الحمد للہ وہو المقصود اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں پھر کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے قطع کیوں کیا، کیا وہ آپ کے دین کے محافظ نہیں ہیں یا آپ کے ذمہ دین کی حفاظت نہیں ہے ان کے ایک کے قصور پر آپ سب کو بدنام کیوں کرتے ہیں کیا آپ کے سب بچے ایک ہی سے صالح ہوتے ہیں یا بچپن ہی سے آپ کے بچے تمیزدار ہوتے ہیں ان میں بھی ایک کم سمجھ ہے تو بڑے بڑے سمجھدار بھی تو ہیں آج اگر یہ کم استعداد ہیں تو کل امام وقت اور غزالی وقت بھی تو انہی میں سے ہوں گے، ابتدائی حالت دیکھ کر ان پر اعتراض مت کرو، ہر طاعت کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے حاصل کلام یہ کہ طاعت ہونی چاہئے خواہ کسی طرح ہو پھر طاعت آدمی کو خود درست کرلیتی ہے اور طاعت ایسی چیز ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں نفع ہیں، رزق میں کشائش ہوتی ہے اگرچہ آدمی چنداں مالدار نہ ہو مگر طاعت کے ساتھ عجیب طرح کا اطمینان اور فراغ قلب میں ہوتا ہے اور برعکس اس کے معصیت سے رزق میں تنگی ہوتی ہے اور اطمینان ہر کو نصیب نہیں ہوتا اس کے علاوہ اور بھی مضرتیں ہیں جو معصیت پر متفرع ہیں مضرات اور یہ تو لازمی۔ غرض فرمانبرداری سے ہمیشہ مسرت ہوتی ہے اور معصیت سے مضرت اور یہ تو لازمی مضرتیں ہیں۔

متعدی مضرتیں:

اکثر مضرتیں متعدی ہوجاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا، اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہوجاتی ہے اُٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی

www.besturdubooks.net

جاری ہیں یہ کیا نماز ہوئی، شغل قلب ہوا اور کاہے سے حرام چیز ہے منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام کا رہ جاتا ہے مضرت رسانی آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں اظہر من الشمس ہے، یہ اتحاد کا ضد ہے جتنی چیز دین و دنیا اتحاد میں ہیں اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کس سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد ہے اور خواہش نفسانی کی ایک خرابی سنئے۔ میرا اور آپ کا جائیداد پر مقدمہ ہے۔ ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جائے بس لڑائی ہوگئی اگر دونوں یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کاہے کو کھنچتا مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں چنانچہ حدیث شریف میں ایک قصہ ہے (امم سابقہ میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا مشتری سے جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑا لے لو تمہارے مکان میں سے نکلا ہے، اس نے کہا میں تو مکان کی قیمت لے چکا میرا اس میں کیا ہے، اس نے کہا میں نے تو قیمت مکان کی دی ہے، اس پر عقد ٹھہرا ہے، یہ گھڑا عقد میں شامل نہیں، میں کیسے لے لوں، ایمانداری اسے کہتے ہیں اگر آج کل گھڑا نکل آئے تو مزہ آجائے۔

مصلحت و حکمت:

کان پور میں دو آدمیوں نے کہیں سُن لیا تھا کہ شب برات میں جو کچھ دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے شب برات کو دونوں ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا لے کر بیٹھے اور اس پر ایک رومال ڈھانک دیا اور دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ یہ مٹی سونا ہو جائے، جب تمام رات جاگے اور اسی دعا میں رہے جوں جوں صبح قریب ہوتی تھی اشتیاق بڑھتا جاتا تھا کہ اب یہ سونے کا ہو جائے گا، بمشکل صبح پکڑی اور جلدی سے اس کو کھولا دیکھیں تو وہی مٹی ساری آرزوئیں خاک ہوگئیں اور دل مر گیا کہ شب قدر بھی خالی گئی جس پر بڑا اعتقاد تھا، طرح طرح کے شیطانی خیال دل میں آئے کہ دعا کو ویسے بھی سُنا کرتے تھے کہ قبول ہوتی ہے اور آج تو شب قدر تھی، اس تردد میں بیٹھے تھے خیریت ہوئی کہ بندہ خود ایک درزی پہنچ گیا یہ کچھ اہل علم کی صحبت پائے ہوا تھا، اس نے پوچھا کیسے ست ہو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا، کہا بھائی شکر کرو، اسی میں کچھ حکمت

www.besturdubooks.net

ہوگی ایک ذرا بات تو مجھے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں تمہارے بدخواہ نہیں ہیں، تم نے تو یہ سمجھا کہ مٹی کے سونا بننے میں تمہارا نفع ہے مگر تھا نقصان، ابھی جب صبح تم نے ڈھیلے کو کھولا، اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی ہوتی، پھر جانے کہاں تک طول کھنچتا، ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہو جاتا اور تم دونوں مفت میں لڑائی میں بندھ جاتے، آدمی سمجھدار تھا، دونوں کی تسکین ہوگئی موہوم سونے کے لیے تو اتنی محنت کی کہیں سونے کا گھڑا نظر پڑ جائے تو کیا ہو، اس کو دیکھئے کہ گھڑا مالکِ مکان کو دینے آیا اور مالک کو دیکھئے کہ لینے سے انکار ہے۔

ایثار و قربانی:

وہ لوگ ایسے تھے، صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزع کی حالت میں تھے، موت کے وقت تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے، ایک بندہ خدا کاسہ میں پانی لے کر پہنچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا، انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح ایک اور آواز آئی، غرض مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ، اخیر میں جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہو گیا، یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے، ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھرا ہوا لے کر چلے آئے، ایثار اس کو کہتے ہیں پانی وہ چیز ہے کہ سفر حج میں دیکھا ہے کہ باپ بیٹے کو پیاس میں چھوڑ دیتے ہیں موت کے وقت کی پیاس کا کیا حال ہوگا۔

غرض ہم میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع و جدال ہے اس کی وجہ ہی اتباع ہوا ہے، یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا آج کل سب نے یاد کرلیا ہے، اتفاق، اتفاق یہ خبر نہیں کہ اتفاق کس سے ہوتا ہے، اتفاق ہوتا ہے، خواہش نفسانی کو روکنے سے دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی ہی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نا اتفاقی کہاں، اتفاق اتفاق کہتے رہے اور نفس کو روکے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

www.besturdubooks.net

حدود و قیود:

غرض جملہ شروں کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے خواہش نفسانی ہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر روکا نہ جائے نفس کو تو کیا انجام ہوتا ہے، اس نکتہ کو سب ہی نے سمجھا حتی کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے علاقہ بھی نہیں، حاکم کیا کرتا ہے بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت نہیں ہیں معلوم ہوا کہ دنیاوی مصلحتوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے چوروں کو چوری کرنے والے زیردستوں پر زبردستوں کو ظلم کرنے والے غرض ہر شخص کو مخلےٰ بالطبع کردے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہو قانون کیا ہے، ملک کے افعال کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے یا کچھ اور جو کوئی حد سے گزرے اس کو جزا و سزا ہوتی ہے، جب اس گزرنے میں کچھ برائی سمجھی گئی ہے تب ہی تو اس پر جزا و سزا ہے، سب کو مخلےٰ بالطبع کیوں نہ چھوڑ دیا گیا، فرض کیجئے کسی کو روپیہ کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں بھی ہے یوں ہی کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے یا میرے جی کو کیوں مارتے ہو خواہش پوری کرنے دو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دیتے ہیں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دنیاوی انتظاموں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے، اگر خواہش نفسانی روکنے کی چیز نہیں ہے تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو اس کو تو طرح طرح سے سمجھاتے ہو، زیادہ زیور فضول ہے، پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے اگر آزادی ہی پسند ہے تو بی بی کو بھی آزادی دو جس طرح چاہے خرچ کرے اور اگر آزادی میں نقصان ہے تو جس طرح بی بی کو بے فائدہ کاموں سے روکتے ہو اپنے نفس کو بھی پابند کرو مگر دونوں کے آزاد ہونے کو تو کوئی پسند نہ کرے گا تو لامحالہ دوسری ہی شق رہ گئی کہ دونوں پابند ہوں، پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ نہیں فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں بالاختیار کرتے ہیں اور کم عقل جبراً اور قہراً پابند بنائے جاتے ہیں آپ نفس کو بالکل آزاد کسی طرح نہیں

www.besturdubooks.net

کر سکتے اگر قانون خداوندی سے آزاد کر دیا اور اللہ میاں نے دنیا میں کچھ نہ کہا تو قانون دنیاوی پابند بنانے کے لئے موجود ہے اور دست بدست سزا تیار ہے بہت سی خواہشیں ہیں کہ قانون کی وجہ سے چھوڑ دینی پڑتی ہیں کیونکہ اُن پر عمل کرنے سے سزا ہوتی ہے۔

قانون اور اطاعت:

اے مسلمانو! قانون کی وجہ سے تم نے خواہش نفسانی کو چھوڑ دیا اور اللہ رسول کے حکم کو نہیں چھوڑتے کیا غضب کی بات ہے، اگر قانوناً ممانعت ہو جائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے اور اللہ میاں اگر کسی کام کی ممانعت کریں تو اس میں حیلے نکالے جائیں اور ایسی ایسی تاویلیں کی جائیں کہ تاویل کے مرتبہ سے نکل کر تحریف تک پہنچ جائیں اور اگر بالکل ہی صریح حکم ہو تو اس کا مقابلہ ضرورت سے کیا جاتا ہے کہ حکم تو یہی تھا مگر اب ضرورت ہے قانون کے مقابلہ میں یہ ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔ افسوس محبت الٰہی مصلحتِ دنیوی کے برابر بھی نہ ہوئی۔

عشق مولےٰ کے کم از لیلیٰ بود   کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہو، اس کے لئے کوچہ گردی زیادہ بہتر ہے)

ایک مرد کو عورت اگر کہے رات بھر کھڑے رہو تو کر گزریں گے اور اللہ میاں کے حکم سے عشاء کی نماز بھی بھاری ہے، ایک شخص کا قصہ ہے (یہ ایک بزرگ ہیں پہلے حالت ایسی ہی تھی بعدہ بڑے شخص ہوئے ہیں) ایک عورت سے تعشق تھا، بڑی تمناؤں کے بعد ایک دن کہیں شام کو بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے، ایسے محو ہوئے کہ تمام رات اسی طرح گزر گئی عشاء کی نماز بھی فوت ہوئی جب مؤذن نے صبح کی اذان دی تو حضرت کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشاء کی اذان سویرے کہنی رہ گئی تھی کسی نے کہا جناب خبر بھی ہے صبح ہو گئی، صبح کی اذان ہے منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح ہے، دل پر اثر ہوا بہت روئے ایک عورت کے خیال میں حق سبحانہ تعالیٰ کا فرض قضا ہوا ایک بزرگ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اس خیال کو چھوڑا پھر صاحب کمال ہوئے اور کبھی کچھ ہوا۔

ایک عورت کی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے غور کریں تو آج کل احکام الٰہی کی اتنی بھی تو قدر نہیں جتنی کہ ایک کسی کے احکام کی، احکام الٰہی کیسے ہی سہل ہوں اور سراسر مفید اور حکمت ہی حکمت ہوں مگر شاق ہوتے ہیں۔ اگر کبھی انہیں احکام کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا تو کچھ

www.besturdubooks.net

تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا تو کچھ تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی کچھ شاق نہ ہوں معلوم ہوا کہ احکام فی نفسہ شاق نہیں صرف محبت کی کسر ہے مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے کالقلم فی ید الکاتب ہوتا اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا، انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندہ پر کس قدر انعام و افضال ہر وقت ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا، پھر اپنے منعم کے سامنے نرم ہونا چاہئے یا آپ جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے ظاہر ہے کہ منعم ہی کے سامنے ہونا چاہئے۔

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

ہمچو کلکم درمیانِ اصبعین　　نیستم در صف طاعت بین بین

(جب باندھ دیں تو بندھ جاؤ، جب کھول دیں تو چست و چالاک ہو جاؤ، میں قلم کی طرح دو انگلیوں میں ہوں، صف طاعت میں بین بین نہیں ہوں)

مسلمان کو اللہ میاں کے سامنے ایسا ہونا چاہئے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم کہ اس کو کچھ عذر نہیں کاتب کو اختیار ہے جس طرف چاہے چلائے اور چلائے یا نہ چلائے۔............؟

عوامی بت پرستی:

کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کس کے ہاتھ میں نفس کے، بت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کی بغل میں بت ہے، ظاہری بت پرست پر تو طرح طرح کے طعن کئے جاتے ہیں اور ان کو احمق بتایا جاتا ہے اور اپنے آپ باطنی بت پرستی میں مبتلا ہیں اور عقلمندی کا دعویٰ ہے کسی نے ایک بت کو پوجا کسی نے دوسرے کو، کیا فرق ہے لات کو پوجنے والے ہیں اور عزیٰ کو پوجنے والے ہیں، جہاں ظاہری بت پرستی چھوڑی ہے باطنی بھی چھوڑ دو، اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو حق تعالیٰ اپنے منعم حقیقی کے تصرف میں ہمہ تن اپنے آپ کو دے دو احکام الٰہی کے سامنے سر جھکا دو اتباع تو وہی ہے کہ آدمی اپنے ارادے کو چھوڑ دے اور دوسرے کے ارادے کے تابع ہو جائے، دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے اور حاکم کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔

اب لوگوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع تو بالکل چھوڑ ہی دیا اوروں ہی کا اتباع

www.besturdubooks.net

اختیار کرلیا اور اتباع کے لئے دو چیزیں تھیں عقائد اور اعمال، اعمال میں تو یہ گنجائش نکالی گئی ہے کہ ہم مجبور ہیں اور یہ احکام مصلحت وقت کے موافق نہیں مگر اب عقائد میں بھی خواہش نفسانی کو ترجیح ہونے لگی ہے، اعمال کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف سمجھ کر ان کے اَدا میں قصور کرتے تھے، اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی، ادائے اعمال کو تو چھوڑا تکلیف کی وجہ سے مگر ان کے وجوب کے عقیدہ میں کیا تکلیف تھی، ہاں اس میں بھی ایک تکلیف تھی، وہ یہ کہ نفس نے دیکھا اگر چہ میں نے اداء اعمال سے روک دیا مگر تاوقتیکہ ان کے وجوب کا عقیدہ اس کے ذہن میں ہے، ممکن ہے کہ پھر کبھی اَدا پر مستعد ہو جائے، اس وقت پھر مجھے کوئی تدبیر اس کے روکنے کی کرنی پڑے گی اور احتمال ہے کہ روکنے سے نہ رُکے اس لئے اس احتمال کے قطع کرنے اور اپنی بار بار کی تکلیف بچانے کے لئے نفس نے یہ تدبیر نکالی سرے سے ان کے وجوب کا عقیدہ ہی اڑا دینا چاہئے۔ عقائد اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہیں جڑ کاٹ دینے سے احتمال ہی نہیں رہتا کہ شاخیں پھر ہری ہوں گی، عقائد کے بدلنے سے نفس بہت سی تکلیفوں سے بچ گیا۔

صفائی معاملات:

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں جو کچھ حارج ہے وہ نماز ہے، غیر مذہب کے بہت سے آدمی اس وقت اسلام میں آنے کو تیار ہیں مگر یہ خیال مانع ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی، پانچ وقت کی پابندی سر پڑے گی مولوی لوگ نماز کی قید اٹھاویں تو آج ہی دیکھئے کتنے کافر مسلمان بنتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کتنی بڑھ جاتی ہے (نماز ایسی مولویوں کی ہے کہ معاف کردیں)

ایک صاحب کہتے ہیں سود کی ممانعت سے افلاس آ گیا اور قومیں سود ہی کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں، غرض جو جس کی سمجھ میں آتا ہے احکام الٰہی میں اصلاح دینے کو تیار ہے گویا اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لے کر کیوں احکام مقرر نہ کئے تھے کثرت رائے پر کیوں فیصلہ نہ کیا۔

ہم لوگوں کا کیا حال ہے، عقائد میں یہ حال اعمال میں یہ حال صورت میں آزادی، آمدنی میں حلال حرام کی خبر نہیں، زمینداروں نے طرح طرح کے ناجائز ابواب باندھ رکھے ہیں، بیع وشرا میں عقد کے صحت و بطلان کی پروا نہیں آم کی بہار بکتی ہے حالانکہ آم کا وجود بھی نہیں ہوتا، یہ بیع باطل ہے۔ بیع باطل میں مال مشتری کی ملک نہیں ہوتا اس کا رَدّ واجب ہے، یکے بعد دیگرے جہاں تک سلسلہ چلا جائے کسی کی ملک نہ ہوگا گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

طریقۂ تعلیم:

غرض معاملات کی صفائی کی طرف اصلا خیال نہیں، زبان غیبت میں اور طعن میں مبتلا، قلب حرص میں اور طمع میں گرفتار، اونٹ سے کسی نے پوچھا اونٹ رے اونٹ تری کون سی کل سیدھی، کہا کوئی بھی نہیں، ایسی ہی ہم لوگوں کی حالت ہے ظاہر کی طرف دیکھئے وہ ٹھیک نہیں، باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نازل نہیں کئے بلکہ ایک اتنا بڑا نبی بھیج کر یہ بھی بتادیا کہ اس نمونے کے ہوکر آؤ، تعلیم کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی شے کی پیائش زبانی بتادی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اتنی لانبی اتنی چوڑی اتنی موٹی بنا کر لاؤ اور ایک طریقہ ہے کہ اس کا ناپ تول بتانے کے ساتھ بنا ہوا نمونہ بھی دکھادیا جائے کہ آخری صورت ایسی پیدا ہونی چاہئے، یہ نہایت ابلغ ہے، خوشنویس لکھنے والوں کو بتاتا ہے کہ الف تین قط کا لکھو اور اوپر کی نوک ایسی ہو اور نیچے کی ایسی مگر یہ بتانا کافی نہیں، لکھنے والوں کو ہرگز الف بنانا نہیں آسکتا تاوقتیکہ استاد اس کی صورت بھی اپنے ہاتھ سے کھینچ نہ دکھادے اگر ہاتھ سے لکھ کر دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو استاد کے نخرے اُٹھانے کی کیا ضرورت رہتی، کتابوں میں سب حرفوں کی پیائش لکھی ہے اسی کو پڑھ کر خوشنویس بن جاتے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے، سو احکام تو ظاہر و باطن کی تحدید کا نام ہے، جس سے ظاہر و باطن کی ایک خاص صورت پیدا ہوتی ہے، جس طرح کہ تین قط سے الف کے طول کی حد قائم ہو اور نصف قط یا کم و بیش سے اس کے عرض کی انتہا مقرر ہو کر ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے، ممکن تھا کہ اللہ میاں صرف احکام نازل فرما دیتے جو ظاہر و باطن کی ناپ تول ہیں اور یہ فرمادیتے کہ یہ ناپ تول ہیں ان کو پورا پورا درست کرو یہاں تک کہ وہ صورت پیدا ہو جائے جو ہماری مرضی کے موافق ہو، اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم لوگ کس قدر حرج میں پڑ جاتے اور کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں تمام عمر احکام کی پابندی کرتے اور پھر اطمینان نہ ہوتا کہ وہ صورت پیدا ہوگی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔

مگر نہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا احکام بھی نازل فرمائے اور محض اپنی رحمت سے نمونہ بھی دکھادیا کہ کچھ تردد نہ رہے کہ احکام کی پوری پوری تعمیل ہوگئی یا نہیں اپنی صورت کو نمونے سے ملا کر دیکھ لو ذرا سا بھی فرق ہو تو معلوم ہو جائے گا کسی حکم کی تعمیل میں کسر رہ گئی مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوئی، ہم کس قدر نمونہ کے موافق بن کر آئے اگر درزی کو اچکن سینے کو دو اور وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوبصورت بدن کے موافق سیئے کہیں جھول تک نہ رہے سلائی کہیں ٹیڑھی نہ ہو، غرض سب طرح

www.besturdubooks.net

ٹھیک ہو صرف ایک آستین کو چار انگل چھوٹا کرالائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے اور کیا یہ بات اس کی سن لیں گے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے آستین بھی دو ہیں صرف ایک آستین چار انگل کم رہ گئی تو کیا ڈر ہے، ہرگز نہیں بلکہ اس اچکن کو آپ اس کے سر پر ماریں گے اور اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو قیمت واپس لینے پر بھی اکتفا نہ ہوگا کچھ جرمانہ بھی لیا جائے گا، حالانکہ نمونہ سے صرف چار انگل مخالفت ہے، یہاں نمونہ سے چار انگل بھی مطابقت نہیں، اللہ میاں کا حکم تھا کہ نمونے کے مطابق ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کریں گے) ما انا علیه و اصحابی (اتحاف السادة المتقين ١: ١٥٠، تفسير القرطبي ٤: ١٦٠، تفسير ابن كثير ٤: ٢٣٠.) (جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔)

مخالفت برائے موافقت:

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا جو وضع بتائی اس کے خلاف وضع تراشی، نکاح نیا تراشا، اخلاق نئے اختیار کئے، اب عقائد میں بھی تراش خراش ہونے لگی اور پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ ہے اتباع کا معلوم نہیں کہ اتباع کس چیز کا نام ہے۔ اگر کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ میں ہیں، گروہ میں ہونے کے لئے کسی بات میں بھی مطابقت نہیں بلکہ جان جان کے مخالفت کی جاتی ہے، اس گروہ میں ہوتا تو کہاں اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اس گروہ میں ترقی نہیں ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے لکھنؤ میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان اسباب پر بحث کی گئی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہے ہیں۔ بہت سے اسباب بیان کئے گئے، آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب مانع ہے ترقی سے اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ نوبت پہنچ گئی ہے، اس لا متناہی ترقی ہی نے خرابی ڈالی ہے جو کچھ ڈالی ہے کہیں اس ہوس کی انتہا بھی ہوگی، حالانکہ یہ ترقی ہرگز اطاعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اطاعت میں کچھ نہ کچھ پابندی ضرور کرنی پڑے گی اور یہ ترقی مطلق العنانی کو چاہتی ہے یہ ترقی وہی حاصل کرسکتا ہے کہ نہ یہ دیکھے کہ روپیہ حق سے آیا نہ یہ دیکھے کہ ناحق سے آیا، چور وہ نڈر ہو ظلم سے اسے خوف نہ ہو، روپیہ حاصل ہو جس طرح ہو حالانکہ قطع نظر خلاف دین ہونے سے ایسا مال دنیا ہی میں فلاح نہیں دیتا بلکہ جس راہ سے آیا تھا اسی راہ جاتا ہے اس میں برکت............ مطلق نہیں ہوتی، رشوت کے ہزار اور حلال کے سو برابر نہیں، جو غرض ہے وہ روپیہ سے وہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بیان کیا گیا تو اب سوچا اپنے اوپر ایسی چیزیں کیوں لازم کرلیں

www.besturdubooks.net

جن کے لئے کوئی تعداد روپیہ کی کافی نہیں ہوتی اور کسی مرتبہ ترقی پر بس نہیں کیا جاسکتا یہ چیزیں لازم کس نے کیں اسی ہوائے نفس نے حق سبحانہ تعالیٰ نے اسی کا علاج بتایا ہے:

علاج ہوائے نفس:

غرض سارا فساد خواہش نفسانی سے ہوا ہے، سو علاج کیا ہے کہ نفس کو خواہش سے روکو، مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو قطع کیا جائے، جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا، مسلمانو نفسانی خواہشوں کو چھوڑو اور حق سبحانہ تعالیٰ کی اطاعت کرو کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے آپ لوگوں پر، دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے امراض کا علاج بتاتے ہیں جن کو تم اپنے آپ کسی طرح سمجھ نہ سکتے اور وہ اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کر ڈالتے۔ تعجب ہے کہ طب اکبر کی قدر ہو مگر احکام الٰہی کی قدر نہ ہو جانتے ہیں کہ طب اکبر کے خلاف کریں گے تو صحت محفوظ نہ رہے گی اور مرض گھیر لے گا صاحبو! طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اور احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہو جاتی ہے، پھر جو شرف قلب سے روح کو جسم پر ہے وہی اس کی صحت کو اس کی صحت پر اور اس محافظ کو اس کے محافظ پر ہونا چاہئے، اس سے سمجھ لیجئے کہ احکام الٰہی کی کیا عظمت ہونی چاہئے اور اللہ میاں کا بتایا ہوا علاج کس قدر قابل قدر چیز ہے وہ علاج یہی ہوائے نفس کا چھوڑنا ہے، اس کا آسان طریق میں بتائے دیتا ہوں چند روز کرنا پڑے گا، بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان شاء اللہ تعالیٰ نفع معلوم ہوگا، حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر کام ابتداء تکلیف سے ہوتا ہے پھر کرتے کرتے اس میں ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے سو آپ اس کا التزام کر لیجئے کہ قول کوئی فعل معاول میں آتے ہی نہ کر ڈالا کیجئے، کہ وہ خواہش نفس کے موافق ہوگا بلکہ ہر کام سے پہلے ذرا سوچنا چاہئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کے خلاف تو نہیں یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر بے دھڑک ہو کر کام کرنے کی عادت بالکل چھوڑ دی جائے، اول اول یہ ذرا شاق ہوگا مگر تھوڑے دنوں میں یہ عادت ہو جائے گی، اس کا ہر کام میں خیال رکھو یہ حالت ہو جائے کہ بات منہ سے نکالنی ہے مگر رک گئے کہ حق تعالیٰ کا امر کیا ہے اور نفس کی خواہش کیا جس بات میں نفس کی خواہش پائی اس کو زبان سے نہ نکالا نہ اس پر عمل کیا، رہی یہ بات کہ تمیز کیوں کر ہو حق تعالیٰ کے امر اور نفس کی خواہش میں اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے تھوڑا علم ضرور چاہئے، کتاب نہیں پڑھ سکتے ہو تو پوچھ لو چند روز یہی عادت ڈالو اس سے کسی قدر آپ کے بولنے میں کمی ہوگی اور کسی قدر آپ کے کھانے میں کمی ہوگی مگر جس وقت لذت اس کی حاصل ہوگی تو آپ پھر تھوڑے کو بہت پر ترجیح دیں

www.besturdubooks.net

گے، تھوڑی چیز ہواور اچھی ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ بُری ہو اور بہت ہو غلیظ کتنا ہی ہو، ایک چمچہ فیرنی پر اس کو ترجیح نہیں ہوسکتی جب طاعت میں کسی کو لذت آنے لگتی ہے تو معصیت کی حقارت اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے پھر معصیت کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے جتنا کہ پہلے طاعت کرنا تھا، مسلمان پر طاعت کرنے میں عادی ہونے سے پہلے بھی جو بار ہوتا ہے وہ ایک کلفت ہوتی ہے کہ نیا کام کرنے میں محسوس ہوتی ہے، جیسا کہ دیگر امور عادیہ سمجھ کر تغیر ہونے سے معلوم ہونے لگا کرتی ہے ورنہ طاعت کو کر کے تو مسلمان کو ہمیشہ نشاط اور فرحت ہی ہوتی ہے عادی ہوجانے کے بعد تو معصیت سے نفرت ہوجاتی ہے اور اگر احیاناً معصیت ہو بھی گئی تو طبیعت ست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا، تاوقتیکہ استغفار نہ کرلے، طاعت میں عجب لذت ہے کہ آدمی لاکھ روپیہ پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے کوئی بات تو ہے کہ اگر مسلمان سے کہیں کہ لاکھ روپیہ لے لے اور آج ظہر کی نماز نہ پڑھ تو روپیہ نہ لے گا اور ظہر پڑھے گا ضرور کوئی ایسی چیز پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے، حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں اوّل سے اخیر تک کوئی رکن بھی قابل اعتبار نہیں نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل اِدھر اُدھر ہے زبان سے قراءت کررہے ہیں مگر مطلق خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں، خیریت یہ ہے کہ زبان الفاظ پر حاوی ہوگئی آپ ہی آپ قراءت کرلیتی ہے ورنہ باعتبار احکام ظاہری بھی عدم صحت کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور اعادہ واجب ہوتا سر سجدہ میں ہے مگر خیال اور ہی کہیں ہے اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ پر اس کو ترجیح دیتا ہے اور نماز نماز ہوجائے تو اندازہ کر لیجئے کہ کیا اثر رکھے ۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

(شراب کا ایک گھونٹ مٹی میں مل کر مست بنادیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ نہ کرے گی)

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

(شراب کا ایک گھونٹ مٹی میں مل کر مست بنادیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ نہ کرے گی)

واقعی طاعت وہ چیز ہے کہ اگر اس میں ایک لحظہ کا لطف بھی میسر ہوجائے تو آدمی دنیا و مافیہا کی طرف بھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے، خواہش نفسانی کا تو دشمن ہی ہوجائے، نفس کے پھندے میں آدمی جب ہی تک آجاتا ہے جب تک کہ طاعت کی لذت سے واقف نہیں ہوا، عادت ڈالئے پھر لذت آنے لگے گی اور کچھ کلفت نہ رہے گی ابتدا میں کسی قدر کلفت ضرور ہوتی ہے۔

غرض یہ عادت ڈالنی چاہیۓ کہ ہر کام کو سوچ کر کرے اگر وہ کام خواہش نفس سے ہو تو نہ کیا اس

www.besturdubooks.net

طرح معصیت چھوٹ جائے گی اور طاعت ہی طاعت رہ جائے گی اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ترک ہوائے نفس کے لئے ہے خوف اور یہ ظاہر بھی ہے کہ کام سے بھی کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف خوف سے باز رہتا ہے جسمانی سزا کا خوف ہو امال کے نقصان کا یا چشموں میں سکی کا یا جس چیز کا بھی ہو مگر ہوگا، خوف ہی ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا سزا کے خوف سے بچہ شرارت سے کیسے رکتا ہے پٹنے کے خوف سے بہت سے جرائم سے لوگ باز رہتے ہیں جرمانہ کے خوف سے محفل میں آدمی تہذیب سے کیوں بیٹھتا ہے اور خلاف متانت حرکات سے کیوں باز رہتا ہے سب کے خوف سے، وعلیٰ ہذا، خوف ہی تو اُٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن قائم نہیں رہتا اور غدر ہو جاتا ہے، خوف ہی ہے کہ جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے خوف ہی کہ جملہ طاعت کا ذریعہ ہے البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مومن کو ہے پھر کیا وجہ کہ ہوائے نفسانی نہیں چھوٹتی وجہ اس کی یہ ہے کہ خوف کا استحضار نہیں اور استحضار نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے عذاب کا نہ سوچنا پس منتہائے معالجہ یہ سوچنا ہوا اس سے خوف کا غلبہ واستحضار ہوگا جو ترک ہوا کے لئے کافی ہو جاوے گا۔

محاسبہ نفس ومراقبہ:

اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا، دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو، اتنا تو کرو، اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنادیں گے وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے فہرست گناہ تیار کیجئے، پھر دل میں خیال جمایئے گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا، زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے، آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا، یہ سب حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطا وار ہوں کہیں ٹھکانا نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا اسی کو استغفار کہتے ہیں، رات کو یہ کیجئے پھر صبح اُٹھ کر یاد رکھئے گا کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے سو وہ گناہ نہ ہونے پائیں، اس سے اگر اسی دن تمام گناہ

www.besturdubooks.net

یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی اور چند روز میں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ گناہ رہ سکیں، یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہراس پیدا ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے علم کی ضرورت ہوگی کہ معلوم ہو یہ کام معصیت ہے اور یہ طاعت سو علم دین حاصل کیجئے اور اگر کم فرصتی کا عذر ہے تو چند کتابیں اردو میں منتخب کر دی گئی ہیں ان کو کسی سمجھدار سے سبقاً سبقاً پڑھ لیجئے رفع ضرورت کے لئے کافی ہیں، کتابوں کو خود نہ پڑھئے کہ اس سے طبیعت میں پہلے سے جو اشکال ہوتے ہیں وہ حل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات نئے اشکال پیدا ہو جاتے ہیں اور باعث مضرت ہوتے ہیں، حاصل سارے وعظ کا یہ ہوا کہ جنت مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ ہے ترک ہوا اور اس کا معین ہے خوف اور اس کا طریق ہے مراقبہ جب مراقبہ کیا خوف پیدا ہوا اس سے خواہش نفسانی چھوٹ گئی، اس پر نتیجہ مرتب ہوا، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى "

اب دعا کیجئے کہ

اللہ تعالیٰ فہم اور توفیق عمل کی عطا فرماویں۔ آمین ثم آمین۔

www.besturdubooks.net

اٰثَارُ الْمُرَبَّع

(منزل)

یہ وعظ ۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ نماز جمعہ جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا۔
جو حضرت والا نے سوا تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔
خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے اسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ:

اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِیْھَآ اَنْھٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْھٰرٌ
مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ
عَسَلٍ مُّصَفًّی ط وَلَھُمْ فِیْھَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ (سورہ محمد آیت نمبر ۱۵)

ترجمہ آیت: جس جنت کا مؤمنوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں تو بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیز معلوم ہوں گی اور بہت ہی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوں گی اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔

ہماری کوتاہی:

یہ آیتیں ہیں سورہ محمد کی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے جنت کی نہروں کا اور جنت کے پھلوں کا بیان فرمایا ہے، ان آیتوں کے قبل اوپر جنت کے وعدہ کا ذکر ہے، اہل ایمان کے لئے اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے جنتوں میں داخل کرے گا، جس کے نیچے جاری ہوں گی) یہی مناسبت ہے ان آیتوں کو ماقبل سے اس پہلی آیت میں جنت کا ذکر تھا اور اجمالاً اس کی نہروں کا ذکر تھا، مابعد کی آیتوں میں ان ہی نہروں کی تفصیل ہے، نیز ان میں دوسری بعض نعمتوں یعنی پھلوں کا بھی ذکر ہے یہ خلاصہ ہے ان آیتوں کا، ہر چند کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں ہے اس واسطے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جس نے جنت کی نہروں کا ذکر نہ سنا ہوگا، مگر باوجود اس کے جو کوتاہی ہم سے صادر ہو رہی ہے وہ بھی ظاہر ہے وہی داعی ہے اس بیان کا اس کوتاہی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک اثر ہوتا ہے اس اثر ہی کے مرتب ہونے کے لئے اس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کا ذکر کیا جاتا ہے اب ہماری کوتاہی یہ ہے کہ وہ اثر ہم میں نہیں جو مقصود ہے۔

www.besturdubooks.net

خوش آئند توقعات:

حق تعالیٰ کا ان اشیاء کے ذکر کرنے سے حالانکہ جتنی چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ وہ ہیں جن کی رغبت انسان کو طبعی ہے اور جن کی رغبت انسان کو ہونا چاہئے مگر باوجود اس کے ان چیزوں کا ذکر سن کر اس درجہ کی رغبت طبعیہ اور شوق دیکھنا چاہئے کہ ابھرتا ہے یا نہیں تو ظاہر بات ہے کہ ان چیزوں کا ذکر سن کر بھی طبیعت پھیکی پھیکی رہتی ہے اُبھرتی نہیں جوش نہیں ہوتا جیسے دنیا کے مال ومتاع کا سُن کر ایک جوش ہوتا ہے اور طبیعت کے اندر ایک شوق کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی ذکر کرے طائف میں ایسے ایسے پھل ہوتے ہیں طائف میں ایسے ایسے میوے ہوتے ہیں، طائف کا یوں موسم خوشگوار ہوتا ہے یا کسی پہاڑ کا کوئی ذکر کرے مثلاً نینی تال کا کہ وہاں ایسا تالاب ہے وہاں ایسا منظر ہے تو یہ تذکرے سُن کر خواہ مخواہ ایک کشش ہوتی ہے دو چیزوں کی طرف ایک تو یہ کہ ایسا مقام تو ضرور دیکھنا چاہئے اور یہ کہ جو دیکھنے کے اسباب ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے، اجی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے نینی تال نظر آ جاوے، نینی تال دیکھنے کے اسباب جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں سفر کرو، کرایہ پاس ہو، ہمراہی ہو، فراغت ہو، موانع مرتفع ہوں، مثلاً ان سب اسباب کو مہیا کرتا ہے فراہم کرتا ہے جمع کرتا ہے اور جس وقت ان اسباب کو جمع کرنا شروع کر دیتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں نینی تال ہی پہنچ گیا، مثلاً کاٹھ گودام ہو کر نینی تال کا راستہ ہے اور کاٹھ گودام کو ریل بریلی سے جاتی ہے یوں بریلی تک تو سفر پہلے بھی بارہا کیا ہے لیکن بلا قصد نینی تال کے اور اب کے جو سفر ہوا ہے اور نینی تال تک کے لئے ہوا ہے، گو اس سے پہلے بھی بارہا بریلی پہنچے لیکن اب کی بار گو وہی روز کی گاڑی روز کی ریل ہے لیکن اب کی بار جب بریلی پہنچے جس سے کاٹھ گودام کی ریل میں سوار ہوں گے تو اب کی دفعہ قلب میں ایک خاص فرحت ہے اور ایک خاص بشاشت ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ جب ہم شملہ گئے تو انبالہ تک تو پہلے بھی گئے تھے انبالہ سے کالکا تک کبھی نہیں گئے تھے جب انبالہ سے آگے بڑھے ہیں تو ایک عجیب فرحت تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شملہ ہی پہنچ گئے حالانکہ ابھی شملہ نہیں پہنچے بلکہ وہاں پہنچ کر تو اور اُلٹی وحشت ہوئی اور جی بھی نہ لگا، میں نے کہا بھی لطیفہ کے طور پر کہ ہم تو سنا کرتے کہ شملہ بمقدار علم لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ شملہ بمقدار جہل یعنی جتنا جس میں جہل زیادہ ہوا اتنا ہی وہاں رہنے کا اہل ہے، اس لئے کہ وہاں کی آب وہوا ہے مرطوب، تو جس میں رطوبت کم ہو وہی وہاں رہ کر لطف اُٹھا سکتا ہے، اسی واسطے وہاں کے

www.besturdubooks.net

باشندے مقلات رطوبت کا استعمال بہت کرتے ہیں، دراصل اہل ہواؤں نے اپنی تفریح کے لئے
یہ مقام تجویز کیا ہے بھلے مانسوں کے رہنے کی جگہ وہ نہیں یعنی وہ لوگ وہاں رہ کر خوب شراب پیتے
ہیں اور شراب سے پیدا ہوتی ہے حرارت اور حرارت رطوبت کو کم کرتی رہتی ہے اسی طرح اعتدال
قائم رہتا ہے تو اصل میں یہ انہیں کی سیر کی جگہ ہے انہیں کو وہاں رہنے میں لطف آسکتا ہے اور جو
لوگ شراب نہیں پیتے انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آتی، خیر یہ وجہ تھی وہاں جی نہ لگنے کی کہ
آب و ہوا ہی موافق نہ تھی، طبیعت کیا خاک لگتی، وہاں کھانا بھی تو ہضم نہیں ہوتا تھا، نیز وہاں دین
بھی نہیں تھا، بس دنیا ہی دنیا تھی، غرض علماً وعملاً وہاں جہل ہی جہل تھا اس لئے وہاں پہنچ کر بالکل
دل بستگی نہیں ہوئی لیکن چونکہ سُنی تھی تعریف کہ ایسا ہے شملہ، آخر کیوں ہوئی یہ فرحت حالانکہ ابھی
شملہ پہنچے بھی نہیں کیونکہ ابھی تو طریق ہی میں ہیں، بات یہ ہے کہ طریق کے اختیار کر لینے سے
قریب قریب وہی فرحت ہوتی ہے جو مقصود پر پہنچ جانے سے ہوتی ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو
بعض حیثیتوں سے طریق کے لطف کو ترجیح دی ہے خود مقصود کے لطف پر بھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جو مزہ انتظار میں دیکھا　　وہ کہاں وصل یار میں دیکھا

غیر متناہی حُسن:

لیکن یہ نری شاعری ہے معلوم ہوتا ہے اِنَّهُمْ يَقُولُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (اور وہ بات
کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے) ہی کے کلیہ سے کہہ دیا ہے یا یوں معلوم ہوتا ہے کہ کبھی حضرت کو
وصل ہی نہ ہوا ہوگا یا وصل بھی ہوا تو جیسا سمجھا تھا یار کو ویسا نہ نکلا ہوگا کوئی بڈھے میاں ہوں گے
یا وہ ہوں گے جن کے بارہ میں شاید شیخ سعدیؒ کہتے ہیں ؎

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد　　چوں باز کنی مادر مادر باشد

(چادر کے اندر قد دیکھ کے بڑا خوش ہے مگر جب چادر اٹھا لے گی تو اس کی نانی کی ہم عمر ہوگی)

یا یار صاحب تو ایسے ہی ہوں گے جیسے یہ سمجھتا تھا لیکن شوق کا بھی ایک منتہیٰ ہوتا ہے آخر کہاں
تک شوق قائم رہے پھر تو یوں کہتا ہوگا کہ یا اللہ کیا ساری حوریں میری قسمت میں آگئیں وجہ یہ کہ
حسن مجازی سے ملال وکلال ہو جاتا ہے اس لئے حسن مجازی میں یہ ترجیح لطف انتظار کی لطف وصال
پر چل بھی سکتی ہے لیکن حسن حقیقی میں ہرگز نہیں چل سکتی کیونکہ وہاں تو اللہ اکبر یہ حالت ہوتی ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں　　بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

www.besturdubooks.net

(نہ میرے حسن کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی کوئی انتہا ہے جس طرح جالندھر والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے)

وہاں تو کبھی سیری بمعنی افسردگی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جب وہ حسن غیر متناہی ہے تو پھر عشق کیونکر متناہی ہوسکتا ہے بلکہ جن کا عشق صادق ہے وہ تو متناہی الحسن کی محبت کو بھی متناہی نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں ۔

نگویم کہ برآب قادر نیند کہ برساحل نیل مستقی اند
ولار ام دربرد لارام جو لب از تشنگی خشک و برطرف جوی

(میں یہ نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں اور دریا کے ساحل پر ہوتے ہوئے جالندھر کے پیاسے کی طرح ہیں، محبوب سے ہمکنار اور محبوب کی تلاش، پیاس سے ہونٹ خشک اور لب دریا سیرابی کے طلب گار۔)

لیکن اگر اتنا ہی احتمال ہے تو محبوب مجازی کے شوق میں تو ہے کیونکہ اس کا خود حسن و جمال ہی متناہی ہے لیکن حق جل وعلا شانہ کے جمال کی چونکہ کوئی انتہا نہیں اس لئے جو شوق وہاں ہوگا اس کی بھی کہیں انتہا نہ ہوگی وہاں تو یہ کسی طرح کہہ ہی نہیں سکتے ۔

جو مزہ انتظار میں دیکھا وہ کہاں وصل یار میں دیکھا۔

مقصود میرا یہ ہے کہ طریق میں یہاں تک فرحت ہے کہ بعض نے طریق کے لطف کو ترجیح دیدی ہے، مقصود کے لطف پر بھی گو صحیح نہیں ہے، یہ ترجیح لیکن اتنا تو معلوم ہوگیا کہ بے حد لطف ہوتا ہے جو یہاں تک نوبت پہنچی کہ مقصود کے لطف پر بھی ترجیح دینے لگا اگر زیادہ نہ ہو برابر نہ ہو قریب قریب تو ہوگا اسی طرح ہر مقصود میں یہی قاعدہ ہے کہ جب انسان اس کے طریق کو اختیار کرتا ہے تو اس میں قریب قریب مقصود ہی کی برابر لطف آنے لگتا ہے کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ جس نے حج کبھی بھی نہ کیا ہو سفر حج شروع کرنے کے وقت اس کا ایک عجیب رنگ ہوتا ہے اور ایک عجیب مستی اس پر سوار ہوتی ہے، واقعی ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے دنیا بھر کی بادشاہی مل گئی ہو پھر وہاں پہنچ کر جو لطف ہوتا ہے اس کے سامنے تو اس لطف کی کچھ حقیقت ہی نہیں جو شروع سفر میں تھا کیونکہ وہ تو فرع تھی جب فرع میں یہ کیفیت ہے تو اصل میں کیا کیفیت ہوگی ۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

(ایک گھونٹ مٹی کا ملا ہوا جب مجنوں کر دیتا ہے اگر صاف ہو تو نہ معلوم کیا اثر کرے گا)

www.besturdubooks.net

اہل درد:

یہاں تک کہ بعض بعض شائقین نے تو منزل مقصود پر پہنچ کر غایت لطف اور غایت لذت سے جانیں تک دے دی ہیں، ایک شخص ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ قافلہ کے ساتھ ایک صاحب تھے ذرا آزاد سے یعنی شریعت سے تو آزاد نہ تھے مگر ہاں دنیا کی وضعداری سے آزاد تھے، یعنی کبھی کبھی ذوق شوق میں آ کر آپ ناچنے کودنے بھی لگتے تھے چکر بھی لگانے لگتے تھے، ایک چھوٹی سی ڈفلی ہاتھ میں رہتی تھی کبھی اُسے بجاتے کبھی گانے لگتے اور اشعار عاشقانہ پڑھنے لگتے غرض بظاہر بالکل رندانہ روش تھی، سب کہتے تھے کہ یہ کوئی مسخرہ ہے اور سب کو اس کی حرکتیں ناگوار بھی ہوتیں کہ مہمل شخص ہے کہ حج کے راستہ میں بھی تمسخر سے باز نہیں آتا یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ صاحب درد ہے اور دردِ بھی مجاز نہیں حقیقت کا اس کے درد کا ظہور اس طرح ہوا کہ جب مکہ پہنچے اور مطوف طواف کو لے چلا تو حرم شریف کے دروازے ہیں بہت سے باہر ہی سے خانہ کعبہ نظر آتا ہے، مطوف نے اپنے حاجیوں سے کہا کہ بھائیو دیکھ لو یہی ہے بیت اللہ اور واقعی صاحب اس کا عجب جمال ہے، سبحان اللہ! ظاہر میں تو یوں ہی معمولی سا پتھر کا کوٹھڑا ہے جس میں کوئی بھی صنعت نہیں یہاں تک کہ مہندسین سے معلوم ہوا کہ گنیا میں بھی نہیں گویا چورس بھی نہیں اور پتھر بھی بالکل معمولی اور سادہ بس سنگ خارہ کے طور پر، ٹیپ بھی باقاعدہ نہیں، یوں ہی محض غیر مرتب اور غیر منتظم پھر اُوپر جو لباس ہے وہ بھی بہت شاندار نہیں محض ایک سیاہ کپڑا، بس یہ اس کی ظاہری حیثیت ہے مگر واللہ اعلم حقیقۃ حال .. ت ہے اس میں کہ نظر پڑتے ہی جس میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے بس اس کا دل بے قابو ہو جاتا ہے اور یہ نہیں ہے کہ محض اعتقاد کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی ہے بلکہ کوئی سیاح ہے یورپین وہ لکھتا ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھنے سے جو حالت طاری ہو جاتی ہے اس کو دیکھ کر میں حیران ہوں کہ یہ حالت کیوں ہو جاتی ہے تو ان کے یہاں مذہب تو کوئی چیز نہیں، لہٰذا ہر چیز کے لئے کچھ نہ کچھ سائنس یعنی کوئی نہ کوئی سبب طبعی ضرور ہونا چاہئے، تو آپ سبب طبعی اس حالت کا کیا ایجاد کیا کہ حجر اسود جو اس عمارت کے ایک گوشہ میں لگا ہوا ہے اس میں ایک قسم کی قوت مقناطیسیہ ہے جو قلوب کو کشش کرتی ہے اور یہ کوئی قوت کسبیہ نہیں ہے بلکہ اس پتھر کی خاصیت طبعیہ ہے جیسے بعض چیزوں میں قوت کہربائی ہوتی ہے وہ تنکوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں، بعض چیزوں میں قوت مقناطیسی ہوتی ہے وہ لوہے کو کھینچ لیتی ہیں غرض ہر قوت کا ایک جدا خاصہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ کہتا ہے کہ اس پتھر میں بھی

www.besturdubooks.net

ایک قسم کی لات کہربائی ہےاور قوت مقناطیسیہ جو قلوب کو بجائے تنکوں اور لوہے کے اپنی طرف کھینچتی ہے تو بس قلوب کو جو اس کی طرف کشش ہوتی ہے وہ اس کی خاصیت ہے، بہر حال کشش اس کو بھی محسوس ہوئی یہاں تک کہ وہ بھی اقرار کئے بغیر نہ رہ سکا، اس وقت کی حالت کا کیا بیان کیا جاوے یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ ہم اتنی دور سے آئے ہیں زیارت کے لئے، لاؤ جی بھر کے تو دیکھ لو، بس یہ حالت ہے کہ آنسو اندر سے اُبل اُبل کر آنکھوں میں بھر جاتے ہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا، نہ دیکھنے کی طرف اس وقت توجہ ہوتی ہے، یہ جی چاہتا ہے کہ روتے ہی رہیں اور یہ وہ حالت ہے، جس کو کوئی شخص ضبط نہیں کر سکتا، جب عام لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اہل درد کی تو کیا حالت ہوتی ہوگی، غرض جب اس شخص نے مطوف کی زبان سے یہ سنا کہ دیکھ لو یہ ہے بیت اللہ اور اس کی نظر اچانک بیت اللہ پر پڑی حالانکہ اس کے پردہ کا رنگ بھی کوئی خوبصورت رنگ نہیں محض سیاہ ہے مگر حضرت وہ سیاہی ایسی سیاہی ہے جیسی حضرت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔

اے پیک بے خجستہ چہ نامی فدیت لک ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بدیں نمک

کسی کا محبوب سانولا ہے کالا کالا، اس کے بارہ میں وہ کہتا ہے ۔

ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بدیں نمک

ایمان اور عمل صالح:

اب یہ چاہے یہاں کے محبوبوں میں تو مبالغہ ہی ہو لیکن وہاں تو جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے کہ جو کشش اور اثر اس سیاہ پوش عمارت میں ہے کسی چیز میں نہیں، غرض اس شخص پر خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی بے ساختہ کیفیت طاری ہو گئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے یہ شعر نکلا ۔

چوری بکوئے دلبر بسیار جان مضطر چوری بکوئے دلبر بسیار جان مضطر

کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

(در محبوب جب پہنچ جاؤ تو اپنی جان اسی پر فدا کر دو شاید پھر تمنائے دل کے پورا کرنے کا موقع نہ ملے)

بس یہ کہنا تھا کہ زور سے ایک چیخ ماری اور فوراً زمین پر گر کر دم نکل گیا اور وہیں حرم شریف کے باہر ہی فنا ہو گیا، خلاصہ یہ کہ بیچارہ طواف بھی نہ کرنے پایا، یہ بھی نہیں کہ طواف ہی میں جان نکلتی لیکن خیر اگر ایک طواف فوت ہوا تو کیا ہے اس کی روح تو قیامت تک طواف کرتی رہے گی اور عشاق کو ہر وقت طواف میسر رہے، یہ تو زاہدین ہی کا طواف ہے جو ختم ہو جانے والا ہے، عاشق کا طواف دائم ہے وہ ہر وقت طواف ہی میں رہتے ہیں، غرض یہ مقدمہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی مقصود کے اسباب

www.besturdubooks.net

اختیار کیے جاتے ہیں تو ابتدا ہی سے یعنی طریق ہی سے لطف حاصل ہونے لگتا ہے اور طبیعت میں امنگ پیدا ہونے لگتی ہے اور شوق اُبھرنے لگتا ہے جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ سمجھئے کہ حق تعالیٰ نے جو نعمائے جنت کا ذکر کیا ہے تو اس کو سننے کے بعد کیا یہ کوتاہی نہیں ہماری کہ وہ شوق نہیں ابھرتا جو نینی تال یا کشمیر کا ذکر سُن کر ابھرتا ہے کہ ان اسباب کے جمع کرنے میں سعی کرنی شروع کر دیتے ہیں تو کیا بات ہے کہ یہاں تو ابھرتی نہیں طبیعت اور وہاں اُبھرتی ہے اگر یہاں بھی طبیعت ابھرتی تو ضرور جنت میں پہنچنے کے اسباب کو جمع کرنے میں بھی سرگرمی کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور اس کی تحقیق کرتے کہ ان نعمتوں کے حاصل کرنے کے اسباب کیا ہیں اور ان نعمتوں کے حاصل کرنے کے اسباب صرف یہ ہیں ایمان اور عمل صالح چنانچہ اس کے قبل جو آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بے شک اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے جنتوں میں داخل کرے گا، جس کے نیچے جاری ہوں گی) یعنی ان کو داخل کرے گا جنت میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے یعنی جن کے عقائد صحیح ہوں گے اور اعمال اچھے ہوں گے وہی جنت میں داخل ہوں گے، پس یہ اسباب ہیں مقصود کے یعنی جنت کے پھر جیسے کہ وہاں پر ریلوں کی تحقیق کرتے پھرے، سامان بہم پہنچایا رفیقوں کو ساتھ لیا یہاں پر کیوں نہیں کیا ایسا، دیکھا آپ نے کتنی بڑی کوتاہی ہے تو اس کا سبب کیا ہے، اجی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے چنانچہ دیکھ لیجئے ظاہری امراض میں بھی ہر مرض کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے، جس کی تشخیص کے بعد علاج آسان ہو جاتا ہے۔

اسباب اور مقصود:

اسی طرح اس عدم اہتمام کا بھی ایک سبب ہے میں نے رسالہ جزاء الاعمال میں وہ سبب لکھا ہے میں نے وہ رسالہ ابھی موذن کے پاس سے منگولیا ہے کیونکہ اس میں وہ مضمون مذکور ہے جس کا مجھے بیان سنانا ہے چنانچہ وہ ہے میرے پاس اور قابل دیکھنے کے ہے اس میں، میں نے یہ تحقیق لکھ دی ہے کہ وجہ کیا ہے کہ اعمال آخرت میں رغبت نہیں ہوتی باوجود سن لینے کے کہ اعمال اسباب ہیں نعمائے جنت کے، سو اس میں یہ تحقیق کر دی ہے کہ اعمال میں کوتاہی اور بے رغبتی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اعمال میں اور ان کی جزا میں کچھ تعلق اور ارتباط نہیں سمجھتے، یوں سمجھتے ہیں کہ ان اعمال پر جو جزا ئیں ملتی ہیں ان میں اور اعمال میں باہم کوئی علاقہ نہیں، ایسا تعلق نہیں سمجھتے جیسے ان دنیا کے اسباب اور مسببات میں علاقہ ہے مثلاً سہارنپور سے ریل میں سوار ہو کر نینی تال چلے تو اس لین میں اور نینی تال میں یہ علاقہ ہے کہ پہلے بریلی پہنچے، پھر بریلی سے چل کر کاٹھ گودام کا اسٹیشن ملتا ہے وہاں کچھ دیر کے بعد اور سواری ملتی ہے۔

www.besturdubooks.net

بہر حال نینی تال اور ان اسباب میں ایک قوی علاقہ ہے تو معلوم ہوا کہ اس علاقہ کی وجہ سے کشش ہوتی ہے اور یہاں علاقہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور سمجھ میں اس لئے نہیں آتا چونکہ نظر نہیں آتا، اس لئے دلی کشش نہیں ہوتی یعنی اُبھرتی نہیں طبیعت جیسی مقصود کے لئے اُبھرنی چاہئے بعنوان دیگر مراد میری یہ ہے کہ اس مقصود کے لئے طبیعت اس واسطے نہیں ابھرتی کہ خود اس مقصود کو اپنے اختیار میں نہیں سمجھتے اور اختیار میں اس واسطے نہیں سمجھتے کہ اسباب میں اور مقصود میں یعنی اعمال میں اور جزاوس میں کچھ علاقہ نہیں سمجھتے، ورنہ اگر علاقہ سمجھتے تو چونکہ اسباب اختیاری ہیں اس لئے اس حیثیت سے مقصود کو بھی اختیاری سمجھتے جب اختیاری نہیں سمجھتے تو طبیعت اُبھرتی بھی نہیں کیونکہ طبیعت اسی کام میں ابھرتی ہے جس کو انسان اپنے اختیار میں سمجھتا ہے چنانچہ یہی بات ہے کہ عامی کو کبھی سلطنت کی ہوس بھی نہیں ہوتی اس کو کبھی اس کا دوسہ بھی نہیں آتا کہ میں بادشاہ ہو جاوں وہ کبھی اس پر غور ہی نہیں کرتا کہ کسی ترکیب سے سلطنت حاصل کرو، بادشاہ بنو، محل میں رہو، مثلاً ایک فقیر نے سنا کہ بادشاہ یوں محلوں میں رہا کرتے ہیں یوں ان کے ساز وسامان ہوتے ہیں یوں حشم خدم ہوتے ہیں، خیر ان عجائب امور کو سن کر چاہے اس کا جی خوش ہونے لگے لیکن یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ اس کی طبیعت میں کد کدی اور دھڑ دھڑی پیدا ہو کہ کسی ترکیب سے سلطنت حاصل کرنی چاہئے، لاؤ سلطنت حاصل کرنے کے طریق معلوم کریں یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر کسی سے پوچھوں گا بھی تو وہ ڈانٹ دے گا کہ ابے تو پاگل ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے جوتیاں کھاوے گا سبحان اللہ رہیں جھونپڑوں میں خواب دیکھوں محلوں کے، غرض بادشاہوں کے قصے سن کر وہ سلطنت حاصل کرنے کے لئے طریق معلوم نہ کریگا اور اگر معلوم کر بھی لئے تو کیا ہے وہ اتنے بعید ہیں کہ وہ تو وہ بیچارہ کا طائر وہم بھی وہاں نہیں پہنچتا، اب سر پر ٹوکرا رکھنے والا اور گوہ اٹھانے والا بھی بادشاہوں کے قصے سنتا ہے لیکن کیا کبھی اس کے ذہن میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ لاؤ میں بھی بادشاہ بننے کی کوشش کروں، کس سے پوچھوں کہ سلطنت کیونکر حاصل ہوتی ہے، اگر معلوم ہوا کہ لڑنے سے حاصل ہوتی ہے تو کیا مشکل ہے ہم بھی فوج اکٹھی کریں گے ہم بھی لڑیں گے میں پوچھتا ہوں کیا اس کے بھی ذہن میں کبھی یہ خیالات آتے ہیں کبھی نہیں اس واسطے کہ وہ اسباب اتنے بعید ہیں کہ اس کے اختیار ہی سے خارج ہیں، پھر جب اسباب ہی اختیار میں نہیں تو پھر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو طبیعت اُبھرتی ہی نہیں بخلاف اس کے نینی تال کا حال سُنا تو طبیعت میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے فکر ہوتی ہے کہ بس پچاس روپیہ پاس ہوں تو وہاں پہنچیں اور اگر ہوں بھی پاس بس پھر کیا ہے پھر تو سمجھتا ہے کہ وہاں پہنچنا گویا ہر وقت اپنے اختیار میں ہے اور سوچتا ہے کہ جب اختیار میں ہے تو پھر کیوں نہ حاصل کیا جاوے، اس مقصود کو چنانچہ نہایت شوق کے ساتھ وہاں پہنچنے کا فوراً اہتمام کرنے لگتا ہے۔

www.besturdubooks.net

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو جس مقصود کے اسباب کو انسان اختیاری نہیں سمجھتا اس کی طرف حرکت نہیں ہوتی اور دوسرے اگر اسباب کو تو اختیاری سمجھتا ہو لیکن اسباب اور مقصود میں تعلق معلوم نہ ہو تب بھی حرکت نہیں ہوتی اس حالت میں اسباب کی طرف حرکت نہ ہونے کی وجہ اسباب میں اور مقصود میں تعلق معلوم نہ ہونا ہی ہے اور یہی وجہ ہے مقصود کی طرف حرکت نہ ہونے کی کہ ان اسباب اور مقصود میں چونکہ تعلق معلوم نہیں اس لئے اُن اسباب پر اس مقصود کے ترتب کا معتقد نہیں اور اس معتقد نہ ہونے سے باوجود اسباب کے اختیاری سمجھنے کے بھی اسباب کو اختیار نہیں کرتا اس واسطے کہ مقصود اگر اختیار میں ہے تو بواسطہ اسباب ہی کے تو اختیار میں ہے تو گو اسباب اختیار میں ہیں لیکن چونکہ اسباب اور مقصود میں تعلق معلوم نہیں اس لئے اسباب کے اختیار کرنے کا حال طاری نہیں ہوا، اس کو جس طرح اسباب کے اختیاری ہونے کا علم ہے اسی طرح اگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ اسباب اور مقصود میں یہ تعلق ہے تب طبیعت ابھرتی اور شوق پیدا ہوتا اب وہ تعلق تو چونکہ ذہن میں حاضر نہیں اس لئے اسباب اختیار کرنے میں جی لگتا نہیں ہے یہ اطمینان نہیں ہے کہ اسباب اختیار کرنے سے مقصود ضرور حاصل ہو جائے گا، پھر جب مقصود ہی کو اختیاری نہیں سمجھتا تو اس کے اسباب اختیار کرنے کی طرف بھی حرکت نہیں ہوتی۔

اعمال اور مقصود:

جب یہ بات سمجھ میں آگئی بطور مثال کے تو اب یہ سمجھئے کہ نعمائے آخرت اور جنت کی طرف جو طبیعت نہیں اُبھرتی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اعمال میں اور مقصود میں جو واقعی علاقہ ہے وہ نہیں سمجھتے یعنی ایسا علاقہ جیسا آگ کے جلانے اور کھانا پکنے میں، ایسا علاقہ جیسے پانی پینے اور پیاس کے بجھنے میں، ایسا علاقہ جیسے ہمسر خاندان میں پیام دینے اور عورت کے گھر آجانے میں، غرض ایسا علاقہ نہیں سمجھتے اعمال صالحہ میں اور جنت کے حاصل ہونے میں، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص قریب قریب یہ سمجھتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اختیاری نہیں حتیٰ کہ اعمال صالحہ کو تو اختیاری سمجھتے ہیں مگر جنت کو سمجھتے ہیں کہ اختیاری نہیں ہرگز ہرگز ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ اعمال صالحہ پر جنت ضرور مل ہی جاوے گی، ایسا سمجھتے ہیں جنت کو کہ اعمال صالحہ پر بس محض اتفاقاً ہی مرتب ہو جاتی ہے جیسے کسی کو اتفاق سے سلطنت مل جائے، مثلاً کہیں اتفاقاً ہما سر پر بیٹھ گیا، اس لئے بادشاہت مل گئی، چنانچہ پرانے زمانے کے ایسے ہی افسانے ہیں کہ کسی جگہ کا بادشاہ مر گیا اس کے

www.besturdubooks.net

کوئی اولاد تھی نہیں اس لئے اس میں اختلاف ہوا کہ کس کو بادشاہ بنایا جائے اس کے متعلق پہلے یہ دستور تھا کہ ہما اڑاتے تھے وہ جس کے سر پر بیٹھ جاتا اسی کو بادشاہ بنا دیتے، اگر کوئی فقیر بھی اس وقت ہوتا اور اس کے سر پر ہما بیٹھ جاتا اسی کو بادشاہ بنا دیتے چنانچہ ہما اُڑایا گیا جانور کو کیا عقل اتفاق سے ایک فقیر ہی کے سر پر جا بیٹھا، بس اسی کو تخت پر بٹھا دیا گیا، اب اگر کوئی فقیر یہی حوصلہ کرنے لگے اور وہاں پہنچنے کا اہتمام کرے کہ شاید ہما میرے ہی سر پر بیٹھ جائے اور میں بادشاہ ہو جاؤں تو سب اس کو احمق بنائیں گے کہ کیا لغو حرکت ہے یعنی محض ایک موہوم اُمید پر کہ شاید ہُما میرے ہی سر پر آ بیٹھے، اتنا لمبا سفر کرنا اور جو نہ بیٹھا پھر اتنا لمبا سفر بھی کیا اور وہاں سفر کر کے بھی بُوم ہوئے یعنی ہُما تو کیا سَر پر بیٹھتا سب الّو بناتے کہ بڑا گدھا ہے فلانا فقیر اس پر قہقہہ لگا دیں گے کہ بالکل الّو ہی ہے بھلا تیرا ہی تو منتظر ہے ہما کہ کب وہ آوے اور کب میں اس کے سر پر بیٹھوں الّو کہیں کا۔

ارے کسی کا الّو سیدھا کرنے کے لئے ہما کیوں ٹیڑھا ہونے لگا، کیونکہ یہی ٹیڑھا ہونا ہے اس کا کہنا اہل کے سر پر بیٹھے پھر جب یہ حال ہے تو بھلا اس پر کوئی کیا سفر کرے تو جیسے ہُما کو سر پر بیٹھنا غیر اختیاری سمجھا جاتا ہے اسی طرح جنت کا حاصل ہونا بھی لوگ غیر اختیاری سمجھتے ہیں واقعی ٹٹول کر دیکھ لیجئے اپنے وجدان کو اکثر کا یہی عقیدہ ہے کہ جنت کا حاصل ہونا کسی کے اختیار ہی میں نہیں۔

حضرت میں کہتا ہوں اگر جنت اختیار میں نہیں تو حق تعالیٰ یہ ارشاد کیوں فرماتے ہیں وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ دوڑ و مغفرت اور جنت کی طرف تو کیا اللہ میاں اندھی کوٹھڑی میں دوڑا کر سر پھوڑواتے ہیں پھر حکم بھی دوڑ کر چلنے کا فرمایا تو معلوم ہوا کہ سڑک بالکل صاف ہے جو شخص اعمال صالحہ کرے گا بشرطیکہ ایمان بھی ہو واللہ العظیم ثم واللہ العظیم ثم واللہ العظیم وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

مبتدی و منتہی کا مطالعہ:

تو تعجب ہے یہ شخص گویا تکذیب کرتا ہے نصوص کی اور یہ خرابی کی ہے جاہل واعظوں نے انہوں نے بس یہ حدیث بیان کردی کہ ایک شخص تھا جس نے ساری عمر عبادت میں گزاری اور جنت کے کام کئے لیکن اخیر میں دوزخی ہو گیا حالانکہ اس جاہل واعظ نے حدیث کو سمجھا ہی نہیں حدیث میں جو یہ آیا ہے اس کا سبب بھی کسی عمل اختیاری ہی کا صدور ہے اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ کتابیں مت دیکھو اور اگر ایسا ہی شوق ہے تو میں اس کا طریقہ بتلاتا ہوں وہ طریقہ یہ ہے کہ چند روز کسی محقق کے پاس رہ لو بس پھر دیکھنا مضر نہ ہوگا ورنہ سخت مضر ہوگا دیکھو جس کی طب محض

www.besturdubooks.net

کتابی ہوگی یعنی وہ کسی طبیب سے رجوع نہ کرے گا بلکہ خود ہی طب کی کتابوں میں سے دیکھ دیکھ کر اپنا علاج کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ مرے گا تو یہ جتنی کتابیں کتاب الحیات ہیں سب اس کے لئے کتاب الممات ہیں، بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ جہاں بیمار پڑا بس قرابادین لے کر بیٹھ گیا، اور اپنا علاج کرنا شروع کردیا یہ موت کا سامان نہیں تو کیا ہے، بس ابتداء میں تو یہی ہے کہ ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن　　جملہ اوراق و کتب در نار کن

سینہ را از نور حق گلزار کن

(تمام ورقوں اور کتابوں کو آگ میں ڈال دو اور اپنے سینہ کو نور حق سے گلستان بناؤ)

اور کہتے ہیں حضرت خسروؒ ؎　(۲ بار پڑھا)

در مصحف روئے او نظر کن　　در مصحف روئے او نظر کن

خسرو غزل و کتاب تا کے　　خسر و غزل و کتاب تا کے

(محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کتاب اور غزل میں کب تک مشغول رہو گے)

یہ سچ ہے کہ کتابوں میں سب کچھ ہے لیکن خوب سمجھ لو کہ کتابیں منتہی کے کام کی ہوتی ہیں مبتدی کے کام کی چیز نہیں ہم نے نرے کتاب دیکھنے والوں کو دیکھا ہے کہ ایک صاحب خود بھی مقیم مگر اپنے وطن میں مسافرانہ طور پر آئے تھے انہوں نے مقیم کے پیچھے اقتدا کی ظہر کی نماز تھی، امام تو قعدہ اولیٰ کے بعد کھڑا ہو گیا اور حضرت نے دو رکعت ہی پر سلام پھیر کر نماز ختم کردیا۔

کتابی علم:

یہ میرا چشم دید واقعہ ہے نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اُن سے پوچھا کہ بھائی تم نے دو ہی رکعت پر کیوں سلام پھیر دیا تو آپ فرماتے ہیں ہم مسافر بھی ہیں، ہمارے ذمہ چار رکعتیں کہاں ہیں دو ہی تو ہیں تو حضرت یہ ہے کتاب دیکھنے کا مزہ کیونکہ کتاب میں ہے تو سب کچھ مگر ایک جگہ ہی تو سب باتیں موجود نہیں ہیں، وہاں تو ضرورت اس کی ہے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا، تو یہاں تو بھان متی کی ضرورت ہے جو کنبہ کو جوڑے، یعنی کتابوں میں تو یہ ہوتا ہے کہ کوئی جزو کہیں مذکور ہے کوئی جزو کہیں، اب چونکہ ایک جزو میں دوسرا جزو حاضر نہیں ہوتا اس لئے غلطی ہوتی ہے، مثلاً باب کنایات الطلاق میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اختاری کنایہ ہے اس کے کہنے سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے ایک جزو تو یہ ہے اور ایک جزو باب

www.besturdubooks.net

التفویض والامر بالید میں ہے وہ یہ کہ شوہر کے اختاری کہنے سے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک زوجہ بھی اخترت نہ کہہ دے اب دیکھئے اسی مسئلہ کے دو جزو ہیں ایک ایک باب میں ایک دوسرے باب میں، اب محض ایک جزو کو تو دیکھ کر کوئی اس مسئلہ کا صحیح حکم معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت تو یہ ہے کہ کنایات میں ہے اس حیثیت سے تو باب الکنایات میں مذکور ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ وقوع طلاق کی کیا شرط ہے، اس حیثیت سے بالتفویض والامر بالید میں مذکور ہے، چنانچہ شامی نے لکھا ہے کہ بعض نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ صرف اختاری کہنا وقوع کے لئے کافی ہے تو اس غلط سمجھنے کی وجہ کیا............ بس یہی وجہ ہے کہ یہاں دیکھا وہاں نہ دیکھا تو بطور خود کتاب دیکھنے میں ایسی غلطیاں ہوتی ہیں بخلاف اس کے کہ اگر استاد سے پڑھے تو جب وہ یہ پڑھے گا کہ شوہر کے اختاری کہنے سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے تو استاد اسی وقت یہ بھی کہہ دے گا کہ دیکھو اس طلاق کے پڑنے کی ایک شرط بھی ہے جو دوسرے باب میں آوے گی، تو چونکہ اُستاد سے سنا ہوا ہوگا جب یہ مسئلہ اس کی نظر سے گزرے گا اس کو فوراً یاد آجاوے گا کہ استاد نے یوں بھی کہا تھا کہ اس کی شرط دوسرے باب میں مذکور ہے اور اس نے وہاں دکھا بھی دیا تھا، غرض نری کتاب سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ناتمام ہوا کرتا ہے، بہت لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ شیخ کی کیا ضرورت ہے، کتاب ہی میں سب کچھ موجود ہے اسی کو دیکھ دیکھ کر عمل کرتے رہیں گے، سبحان اللہ، حضرت ادنیٰ پیشہ ہے، بڑھئی کا اسی کو دیکھ لیجئے کسی کے پاس اس فن کی کتابیں بھی ہوں نقشے بھی ہوں مگر بدون کسی بڑھئی سے سیکھے اسے بسولہ تک بھی تو پکڑنا نہیں آسکتا، چہ جائیکہ ماہر فن ہونا یوں خواہ مخواہ کوئی اپنے آپ کو ماہر فن سمجھنے لگے تو اس سے کیا ہوتا ہے یہ شخص کسی بڑھئی کے سامنے کام کرے وہ بسولہ پکڑتے ہی کہہ دے گا کہ اناڑی ہے بے استادا ہے چہ جائیکہ لکڑی چھیلنا اور کواڑ بنانا جب ادنیٰ ادنیٰ فنون میں ضرورت ہے رفیق کی تو اتنے دقیق فن میں بلا شیخ کے اور بلا رفیق کے کیونکر سفر قطع کر سکتا ہے، فرماتے ہیں مولانا (۲ بار پڑھا)

یار باید راہ را تنہا مرو یار باید راہ را تنہا مرو

بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا مرشد کے اس عشق کی وادی میں مت چلو)

قلاوز ترکی لغت ہے جس کے معنی ہیں رہبر کے اور اس لفظ میں ایک لطیفہ بھی ہے کہ بس

www.besturdubooks.net

کسی قل اعوذ یئے کو ہمراہ لے لو، گو یہ ذال سے ہے اور وہ زاء سے ہے مگر خیر تھوڑا ہی سا فرق ہے بقول عیدو شاہ مرحوم کے (یہ ایک بھولے بھالے طالب علم تھے یہاں مدرسہ کے ۱۲) میں نے ایک بار اُن سے کہا حاجی جی کو بلا لاؤ، اور وہ حافظ جی کو بلا لائے میں نے کہا بھلے مانس حافظ اور حاجی کے تو حرف بھی الگ الگ ہیں تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اجی میں نے ابھی مخارج کی مشق نہیں کی اسی طرح قلاوزا اور قل اعوذ یئے میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ عجب نہیں اس مصرعہ سے ۔

بے قلاوز اندریں صحرا مرو

سننے والے یہی سمجھے ہوں کہ کوئی قل اعوذ یا ہی مراد ہے غرض حضرت مولانا فرماتے ہیں ۔

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہیئے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا مرشد کے اس عشق کی وادی میں مت چلو)

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

(جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے طے کیا ہے وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے کیا ہے)

یعنی اگر کسی نے شاذ و نادر سفر تنہا قطع بھی کر لیا ہو تو وہ خود سمجھتا ہے کہ میں تنہا چل رہا ہوں حالانکہ ہم بعون ہمت مرداں رسید۔

دعا کا اثر:

اس کے ساتھ بھی مردان خدا کی اعانت شامل حال ہوتی ہے کیونکہ بہت سے خادم خلق اللہ ایسے ہیں کہ وہ بندگان خدا کو برابر نفع پہنچاتے رہتے ہیں اور کبھی ظاہر بھی نہیں کرتے کبھی جتلاتے بھی نہیں کہ ہم مدد کر رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں توجہ کر رہے ہیں، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شیخ تھے ان کے بارہ میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لوح محفوظ دیکھنے سے یہ مکشوف ہوا کہ یہ اشقیاء میں سے ہیں بس حضرت بے چین ہو گئے اور اتنی دعائیں مانگیں اتنی دعائیں مانگیں یہاں تک کہ پھر مکشوف ہوا کہ ان کا نام اشقیاء کی فہرست سے کٹ گیا اور سعداء میں لکھ لئے گئے، اتنا بڑا نفع تو انہیں پہنچایا اور پھر کہلا کر بھی نہیں بھیجا اور کیوں کہلا کر بھیجتے جو خالص اللہ کے لئے کام کرنے والے ہیں ان کو نام کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے اس طرح اہل اللہ دستگیری فرماتے ہیں، رہا یہ امر کہ لوح محفوظ کیسے بدل سکتی ہے تو اس کے متعلق بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ بعضے بعضے واقعات میں کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں

www.besturdubooks.net

لیکن وہ شرطیں لوح محفوظ میں مذکور نہیں ہوتیں یعنی بعض واقعات لوح محفوظ میں ایسے بھی لکھے ہیں مثلاً فلاں شخص شقاوت پر مرے گا اوراس میں یہ شرط بھی تھی کہ اگر کوئی مقبول بندہ اس کے حق میں دعا نہ کرے گا لیکن یہ شرط محض علم الٰہی میں تھی لوح محفوظ میں نہیں تھی، اب جبکہ یہ شرط نہ پائی گئی اور ایک مقبول بندہ نے اس کے حق میں دعا کردی تو اب وہ اشقیاء میں سے نہ رہا بلکہ سعداء میں سے ہوگیا اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا بھی غلط ثابت نہ ہوا کیونکہ اس کا شقاوت پر مرنا موقوف تھا، اسی شرط پر کہ کوئی مقبول بندہ اس کے حق میں دعا نہ کرے اور یہاں سے یہ شرط پائی نہ گئی یعنی ایک مقبول بندہ نے دعا کردی۔ اس لئے لوح محفوظ کا لکھا ہوا بھی صحیح رہا۔

اسی طرح بہت سے ایسے ہیں جو مشروط ہیں شرائط کے ساتھ غرضیکہ ایسے واقعات ہیں جن میں نہ کشف کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے نہ لوح محفوظ کی تغلیط لازم آتی ہے تو مجدد صاحب کو اتنی ہمدردی ہوئی کہ انہیں جناب نے سعداء میں لکھوا کر چھوڑا اور پھر لطف یہ کہ اتنی بڑی تو ہمدردی کی لیکن کبھی عمر بھر نہ جتلایا اور کیوں جتلاتے وہ تو حقیقت میں اپنے ہی ساتھ ہمدردی تھی تو اس طرح اللہ کے بندے نفع پہنچاتے رہتے ہیں کہ جن کو نفع پہنچ رہا ہے، انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہمیں کہاں سے نفع پہنچ رہا ہے اور اس کا ایک قرینہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ بلاقصد و بلاعلم کسی کے اُن سے مخلوق کو نفع پہنچ رہا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مقبول بندہ مرتا ہے تجربہ ہے کہ اگر سب قلوب نہیں تو بہت سے قلوب ایسے ہیں کہ ان کو اپنے اندر فوراً ایک تغیر محسوس ہوتا ہے، یعنی وہ نورانیت اور برکت جوان بزرگ کی حیات میں تھی فوراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم ہوگئی حالانکہ ان کے پاس کبھی گئے بھی نہیں خط و کتابت بھی نہیں کی دعا بھی نہیں کرائی، پھر وجہ کیا تغیر کی، معلوم ہوتا ہے اُدھر سے کچھ مدد پہنچتی تھی وہ کم ہوگئی، دیکھو وہ برابر مدد پہنچارہے تھے، حالانکہ ہمارے درخواست بھی نہ تھی، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرکہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اتفاقاً جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے طے کیا ہے وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے کیا ہے)

شیخ کی ضرورت:

بہرحال شیخ کی ضرورت ہے نری کتاب دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ کتاب دیکھنے کے قابل بھی جب ہی ہوگا جب شیخ سے قابلیت پیدا کرلے گا، مثلاً ایک شخص ہے ضعیف

www.besturdubooks.net

یعنی قوت رجولیت اس کی کمزور ہے، وہاں ضرورت اس کی ہے کہ پہلے طبیب سے رجوع کر کے قابلیت وصل کی حاصل کرلے، اُس وقت بی بی کے پاس جاوے گو بی بی کے پاس جانے کے وقت طبیب کو باہر ہی چھوڑ جاوے گا، کیونکہ حکیم صاحب کو تھوڑا ہی اپنے ساتھ لے جائے گا مگر اس میں جو قابلیت وصل کی پیدا ہوئی ہے وہ تو طبیب ہی کے ذریعہ سے ہوئی ہے اسی طرح بواسطہ شیخ کے ایک ایسے مقام پر مرید پہنچتا ہے جہاں خود شیخ صاحب کی بھی پہنچ نہیں ہوتی مگر وہاں پہنچنا شیخ جی ہی کی بدولت ہوا ہے گو وہاں پہنچ کر یہ مرید شیخ جی سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ فضیلت عنداللہ میں مرید شیخ سے بڑھ سکتا ہے، اس کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں کوئی ذمہ دار نہیں وہ اللہ میاں کا فضل ہے جس کو چاہیں افضل بنا دیں، چھوٹوں کو بھی بڑوں سے بڑھا دیں، چنانچہ دیکھ لیجئے یہ جو مولوی صاحب آج بخاری فرفر پڑھے چلے جاتے ہیں یہ اسی میاں جی کی برکت ہے جس نے یہ پڑھایا تھا الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ، جیم کے پیٹ میں ایک نقطے پر یاد آیا۔

ایک لڑکی تھی اس کا نام تو تھا امۃ العظیم لیکن اُسے سب بچے جیم جیم کہتے تھے، یہ عظیم کی خرابی ہے جب اس کی ہم مکتب لڑکیاں پڑھتیں الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ تو وہ بگڑ کے کہتی دور اللہ ماری میرے پیٹ میں کیوں نقطہ ہوتا، دور اللہ ماری تیرے پیٹ میں نقطہ ہوگا، میرے پیٹ میں کیوں ہو.......... اور ایک کانپور کا قصہ ہے ایک گھر کی عورتیں کلام مجید کا ترجمہ پڑھ رہی ہیں جب اس آیت کا ترجمہ کیا اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ یہ لوگ ہیں ہدایت پر۔ لکھنؤ کے قرب میں چلبلا پن بہت ہوتا ہے، ہدایت اُن کی ماما کا نام تھا وہ بھی وہاں موجود تھی وہ مسخریاں کہنے لگیں یہ لوگ ہیں ہدایت پر یعنی یہ لوگ ہدایت ماما کے اُوپر سوار ہیں اس پر اتنا قہقہہ پڑا کہ بیچاری ہدایت شرمندہ ہوگئی۔

خیر میں نے جیم کا قصہ بیان کیا تھا اس پر یاد آ گیا ہدایت کا بھی اس استطراداً اور تبعاً اس کو بھی بیان کر دیا، بہر حال جس نے اس کو جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ پڑھایا تھا یہ اسی کی برکت ہے کہ آج یہ شخص بخاری فرفر پڑھتا چلا جاتا ہے تو شیخ کی ضرورت ہر فن میں ہے اب لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ فقط کتابوں کو کافی سمجھتے ہیں، کان پور میں ایک صاحب نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا خریدا جس میں سارے عیب موجود تھے لیکن اتنی بات تھی کہ ہر عیب تہائی سے کم تھا، کان کٹا ہوا تھا، وہ بھی تہائی سے کم، دُم کٹی ہوئی تھی وہ بھی تہائی سے کم، دُبلا تھا وہ بھی تہائی سے کم، کسی نے کہا کہ میاں ایسے جانور کی قربانی درست نہیں، کہنے لگے کہ واہ صاحب شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ دُرست ہے اس نے کہا کہ دکھاؤ تو سہی

www.besturdubooks.net

انہوں نے کہا بھائی سچی بات کہہ دیں ہم تو جانتے نہیں، ہماری بیوی نے کہا ہے کہ شرح وقایہ میں لکھا ہے غرض گھر میں بیوی سے جا کر شکایت کی اس نے جھٹ شرح وقایہ کے اُردو ترجمہ میں وہ مقام نکال نشانی رکھ کر شوہر کے حوالے کیا کہ جا کر کہہ دو کہ شرح وقایہ میں جائز لکھا ہے اس نے جا کر انہیں کتاب دکھادی، انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے ہم تو شرح وقایہ کو بھی اسی واسطے مانتے ہیں کہ مولویوں نے کہہ دیا ہے کہ یہ شرح وقایہ ہے اور معتبر ہے چلو مولویوں کے پاس اس مینڈھے کو لے چلو مولوی اگر کہہ دیں کہ اس کی قربانی درست ہے تو درست ہے اور اگر وہ کہیں کہ درست نہیں تو درست نہیں لیکن وہ صاحب اس پر راضی نہیں ہوئے، یہی کہتے رہے کہ جب کتاب میں مسئلہ موجود ہے پھر کسی مولوی کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے اور وہاں جب مفت کی مفتی گھر میں موجود ہے یعنی مفتیہ پھر اور کسی مفتی کے پاس جانے کی کیا حاجت ہے، بس بیوی ہی کافی تھیں اُن کے سارے مسائل حل کرنے کے لئے۔

جلالی اور جمالی طریق:

قصبہ رام پور میں ایک بزرگ تھے حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے تیز مزاج تھے، بس رعد اور برق تھے، ایسے حضرات کی بھی ضرورت ہے، عالم میں بلکہ اگر رعد اور برق نہ ہوں تو بارش ہی نہ ہو یہ جو بارش ہو رہی ہے رعد اور برق کی ہی تو برکت ہے تمہیں رعد اور برق سے وحشت ہوتی ہے مگر خبر بھی ہے بارش کا سبب یہی ہیں اسی طرح بعضے لوگ جلالی بزرگوں سے وحشت کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں حالانکہ جلالی بزرگوں کی ہی بدولت اصلاح ہوتی ہے اور اصلاح کے بعد آدمی بزرگ ہوتا ہے تو یہ جمالی بزرگ جو نظر آرہے ہیں یہاں جلالی بزرگوں ہی کا تو فیض ہے، جمالی بزرگوں کے پاس رہ کر بھی کہیں اصلاح ہوئی ہے جمالی بزرگوں اور جلالی بزرگوں کے طریق اصلاح میں یہ فرق ہے کہ انہوں نے تو ایک کرارا مسہل دیا جس سے ایک ہی دن میں سارا مادہ فاسد خارج ہو گیا اور انہوں نے کیا دیا خمیرہ گاؤ زبان لیکن حضرت جب مادہ اندر موجود ہے مثلاً صفرا غالب ہے تو نفع تو درکنار نتیجہ یہ ہوگا ہر چیز کہ درکان نمک رفت نمک شد وہ خمیرے صاحب بھی پیٹ میں جا کر صفرا ہی ہو جائیں گے ان کا بھی خمیر اُٹھنے لگے گا پیٹ میں، اسی طرح اتارا سی کو نافع ہوتا ہے جس میں کوئی مادہ غالب نہ ہو ورنہ وہ بھی خلط غالب ہی کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے تو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ بہت تیز مزاج تھے ایک بار حضرت مولانا گنگوہی ان کے یہاں مہمان تھے، ایک مسئلہ طلاق کا پیش آیا، مولانا نے فتویٰ دیا ایک ملانی کہنے لگیں کہ قرآن مجید میں تو اس کے خلاف لکھا ہے حکیم صاحب بگڑ گئے کہا اری چل بیٹھ چڑ ملو کیا جانے قرآن کو اتنے جوتے پڑیں گے کہ سر پر ایک بھی بال باقی نہ رہے گا

www.besturdubooks.net

تو کیا جانے چڑیل کہ قرآن کسے کہتے ہیں بس ایسوں کا تو یہی جواب ہے اگر کوئی خلیق ہوتے تو اُسے سمجھانے بیٹھ جاتے کہ نہیں بھائی یہ مطلب قرآن کا نہیں ہے یہ ہے لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ تم مخاطب کس گدھے کو بناتے ہو وہ جاہل کیا سمجھے قرآن کو، بس ایسے گدھوں کا تو علاج یہی ہے میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر سوال کیا کہ حیض میں عورت کو نمازیں تو بالکل معاف ہیں ان کی قضا بھی واجب نہیں لیکن روزے بعد کو رکھنے پڑتے ہیں اس کی کیا وجہ، مولانا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس مسئلہ پر عمل نہ کرو گی تو اتنے جوتے قیامت میں لگیں گے کہ سر پر بال بھی نہ رہیں بس یہی وجہ ہے اس کے چلے جانے کے بعد مولاناؒ سے ایک طالب علم نے اس کی وجہ دریافت کی تو مولانا نے فرمایا کہ اس میں حرج ہے اس میں حرج نہیں، اور بعضے اور نکات بھی بیان فرمائے اور جاہل کو یہ جواب دیا کہ اگر عمل نہ کرو گے تو اتنے جوتے لگیں گے کہ سر پر ایک بال بھی نہ رہے گا تو اندھے کے آگے روئے اپنی بھی آنکھیں کھودے تو حکیم صاحب نے اس بیوی سے کہا کہ خبردار پڑے گی تو کیا جانے قرآن کو تو واقعی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کی قابلیت بھی بدون شیخ کے حاصل نہیں ہو سکتی، یہ بھی اُسی کی صحبت میں پیدا ہوگی تو شیخ کی بڑی ضرورت ہے، قرآن و حدیث فقہ کا ترجمہ دیکھو کوئی منع نہیں کرتا مگر اپنے اندر پہلے قابلیت بھی تو سمجھنے کی پیدا کر لو کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر۔ اگر کوئی شیخ سے سبقاً سبقاً بھی نہ پڑھے اگر کوئی عالم بھی نہ بنے تب بھی محض اس کی صحبت میں رہنے کی یہ برکت ہوتی ہے کہ علم اور جہل میں امتیاز ہونے لگتا ہے یعنی جو موقع مشتبہ ہوتا ہے وہ کھٹکنے لگتا ہے اتنی تمیز تو ہو جاتی ہے کہ یہ پوچھنے کی جگہ ہے خود تو مطلب نہیں گھڑتا بس اب یہ شخص قابل ہوا ہے کتاب دیکھنے کے ورنہ قبل صحبت شیخ کے کتابیں دیکھنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بس خود ہی حدیثیں دیکھ لیں، خود ہی جو چاہا مطلب سمجھ لیا۔

شرط داخلہ جنت:

مثلاً یہی حدیث دیکھی کہ ایک شخص عمر بھر جنت کے عمل کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی عمل اس سے ایسا سرزد ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے، یہ حدیث دیکھی بس اس حدیث کو دیکھ کر یہ مطلب سمجھ لیا کہ سارے عمل بیکار ہیں اب وہ عقیدہ پختہ ہو گیا کہ جنت اختیاری نہیں، ساری عمر تو کوشش کریں جنت میں جانے کی اور لو ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے گئے، اب یہاں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ سمجھنا کہ ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا اندھیرا ہے اتنے سارے عمل ذرا سی بات میں خبط ادنیٰ سی بات میں کیا کرایا

www.besturdubooks.net

ندارد، حالانکہ وعدہ یہ ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا) پھر کیا بات ہے وہ خیر کہاں گئی جو کی تھی سو بات یہ ہے وہ خود فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا) یعنی جس قسم کے اعمال زیادہ ہوں گے وہی غالب رہیں گے، اگر اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے تو گناہ معاف ہو جائیں گے، گناہ معاف ہو کر جنتی ہو جائیں گے، ہاں اگر گناہ غالب ہوئے تو پھر دوزخ میں اُن گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بشرط ایمان جنت میں داخل ہوں گے لیکن داخل ہوں گے ضرور، پھر اعمال صالحہ بیکار کہاں گئے، کیا کرایا سب کہاں مٹا، جنت میں تو ان کی بدولت پہنچ گئے۔ بلکہ اگر گناہ بھی غالب ہوں گے تب بھی اکثر کے ساتھ تو معاملہ رحمت ہی کا ہوگا اگر کوئی کہے کہ جب دوزخ میں بھیج دیئے گئے تو خَيْرًا يَّرَهٗ کا اثر کہاں ظاہر ہوا، بات یہ ہے کہ شَرًّا يَّرَهٗ کا اثر تو اس طرح ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے پھر نکل کر جنت گئے اب ظہور ہوا خَيْرًا يَّرَهٗ کا یعنی گناہ کا اثر بھی ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے اور خیر کا بھی اثر ہوا کہ اخیر میں نجات ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز بیکار نہیں جاتی بلکہ سبقت رحمتي علی غضبي (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آ گئی) سے یہ تو ہوا کہ گو گناہ غالب تھے اور اعمال صالحہ مغلوب مگر پھر بھی رحمت کا غلبہ ہو گیا کہ اخیر ہی میں نجات ہوگئی لیکن اس کا عکس کبھی نہیں ہوا کہ اوّل میں انعام راحت دے کر اخیر میں جہنمی کر دیا جاتا تو ایک غلطی تو یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو بے اثر سمجھ گئے، دوسری غلطی یہ ہے کہ صاحب ذرا سی بات ہوگئی تھی، بس اُسی میں جہنمی ہو گئے، سو حضرت وہ بات ذرا سی نہیں ہوتی وہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

بغاوت کی سزا:

مثلاً فرض کرو کسی نے گورنمنٹ کی خدمت پچاس برس تک کی پھر اس نے بغاوت کی اور ایک بم گولہ وائسرائے پر پھینک مارا وہ شخص گرفتار ہو گیا اور بعد تحقیقات کے اس کو پھانسی دے دی گئی، اب کوئی شخص کہے کہ دیکھئے صاحب یہ کیا اندھیر ہے اس کی ساری عمر کی خدمتیں اور وفاداریاں ایک ذرا سی بات میں نظر انداز کر دی گئیں بے چارہ نے کیا ہی کیا تھا ایک ذرا سا بم ہی تو چھوڑ دیا تھا۔ سبحان اللہ! آپ کے نزدیک گویا ذرا سی بات ہے، بم چھوڑ دینا ایک ذمہ دار حاکم پر۔ تو جیسے بم چھوڑنا بظاہر تو ذرا سا

www.besturdubooks.net

فعل ہے لیکن اتنا بڑا جرم ہے ساری خدمات ملیامیٹ کر دینے کے لئے کافی ہے اور عمر بھر کی خدمت کو خاک میں ملا دیتا ہے، اسی طرح جو اللہ سے بغاوت کرتا ہے، اس کے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں اور ہو جانے چاہئیں کیونکہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے غرض اس غلطی کے متعلق ایک تو یہ تحقیق ہے کہ جس کو چھوٹی بات سمجھا جاتا ہے وہ دراصل بہت بڑی بات ہے، دوسری تحقیق یہ ہے کہ وہ جو بڑی بات ہے آیا وہ اختیار سے ہے یا بلا اختیار یعنی خود بخود ہو پڑی وہ بات جس سے وہ جہنمی ہو گیا یا اس کو اپنے قصد سے اپنے ارادہ سے اپنے اہتمام سے کیا تھا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بات بلا اختیار کے ہوتی ہے واللہ ثم واللہ اس سے مطلق ضرر نہیں ہوتا، چہ جائے کہ جہنمی ہونا، خوب سمجھ لو کہ دوزخی اسی فعل سے ہوتا ہے جس کو اپنے قصد سے کرتا ہے اور اپنے اختیار سے کرتا ہے ورنہ ہرگز دوزخی نہیں ہوتا، پس پھر اب یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر جنت کے عمل کئے تھے، ہائے وہ بلا اختیار خالد فی النار ہو گیا اور یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر دوزخ کے عمل کئے تھے دیکھو وہ بلا اختیار ہمیشہ کے جنتی ہو گیا، خوب سمجھ لو کہ جنت میں جانا بھی اختیار سے ہوا اور جنت سے ہٹنا بھی اختیار ہی سے ہوا، وہ خود ہٹا جنت سے، جیسے دربار شاہی میں کوئی شخص حاضری دینے کے لئے چلا تھا جب دروازہ پر پہنچا تو یکا یک اس کی رائے بدل گئی اور بادشاہ کو گالیاں سناتا ہوا بجائے ایوان شاہی کے باغی کی کوٹھی پر جا پہنچا، ایوان شاہی صرف ایک بالشت رہ گیا تھا کہ خدا کی مار چلتے چلتے رائے جو بدلی جھٹ رُخ بدل کر باغی کے مکان کی طرف ہو لیا، اب کوئی یوں کہنے لگے کہ کیا کرے، بیچارہ تقدیر کی بات عمر بھر تو جنت میں جانے کے عمل کئے اخیر میں ذرا سی بات ایسی ہو گئی جس سے دوزخی ہو گیا، پھر کیا خود ہو گئی وہ بات کیا زبردستی اُسے دوزخ میں بھیج دیا گیا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، خدا کے یہاں ایسا ہرگز نہیں، حضرت وہ بہت ٹالتے ہیں، بہت طرح دیتے ہیں مگر پھر جو جان جان کر شرارت کرتا ہے اسی کو دوزخ میں بھیجتے ہیں۔

غیر اختیاری فعل:

فرماتے ہیں لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ تو یہ معنی ہیں حدیث کے یعنی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایک شخص تو عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے پھر اخیر میں وہ ایک ایسا عمل کرتا ہے جو موجب نار ہو جاتا ہے یعنی جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور باختیار خود ناری ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کسی غیر اختیاری عمل پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جاتا ہے، غیر اختیاری فعل پر تو کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوتا، غرضیکہ اس کے سمجھنے میں لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں وہ رفع کر دی گئیں یعنی ایک تو یہ کہ وہ بات جو موجب نار ہو جاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات ہوتی ہے دوسرے

www.besturdubooks.net

یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی تو بس معلوم ہوا کہ دوزخ میں بھی جانا اختیار میں ہے اور جنت میں بھی جانا اختیار میں ہے تو جب جنت میں جانا اختیار میں ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ مثل نینی تال کے جنت کا ذکر بھی سن کر طبیعت نہیں اُبھرتی اور کیوں وہاں پہنچنے کے اسباب جمع نہیں کئے جاتے اور جنت کا اختیاری ہونا ایسا کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ شرح مایۂ عامل میں بھی تو لکھا ہوا ہے اسلمت کے ادخل الجنۃ اسلام لایا میں تا کہ داخل ہوں جنت میں بس تو جیسا اسلام اختیاری ہے ایسا ہی جنت میں جانا بھی اختیاری ہے، یہ عقیدہ اجمال کے درجہ میں تو پہلے ہی سے ذہنوں میں ہوگا مگر آج تو تفصیل کے درجہ میں سن کر سب کو حیرت ہوئی ہوگی کہ ارے میاں جنت میں جانا بھی اختیاری ہے، یہ تو آج ہی نئی بات سُنی بھلا کہاں ہم کہاں جنت، ہم خود کیسے جنت میں پہنچ جاویں گے۔

ضرورتِ اسباب:

اجی ایسے پہنچ جاویں گے کہ اسباب کو اختیار کرلو، بس پہنچ جاؤ گے کیونکہ کسی اَمر کے اختیاری ہونے کی بھی دو حیثیتیں ہیں، ایک تو وہ بذات خود اختیاری ہو اور ایک وہ جس کے اسباب اختیاری ہوں، اب مثلاً نینی تال پہنچنا اختیاری ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے اسباب مہیا کرو گے تو وہاں پہنچ جاؤ گے یہ نہیں کہ یہیں سے بیٹھے بیٹھے ایک جست لگاؤ اور وہاں پہنچ جاؤ اگر کوئی احمق کہے ہم تو جب جانیں کہ نینی تال پہنچنا اختیاری ہے جب یہیں سے بیٹھے بیٹھے ایک جست لگادیں اور پہنچ جائیں تو اس سے آپ یہی کہیں گے کہ واہ صاحب یہ تھوڑا ہی معنی ہیں، اختیاری ہونے کے کہ بلا اسباب کے اختیار کئے پہنچ جاؤ گے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جو اسباب وہاں پہنچنے کے ہیں اگر ان کو اختیار کرو گے تو پہنچ جاؤ گے اور اسباب بھی وہ جو واقعی ہوں، نہ کہ وہ جو آپ کے تجویز کردہ ہوں جیسے کہ آپ یہاں مجوز بنے ہیں کہ ایک جست لگائیں اور پہنچ جائیں، غرض آپ اس سے یہی کہیں گے کہ بھائی نینی تال پہنچنا بایں معنی اختیاری ہے کہ وہ جو ذرائع ہیں وہاں پہنچنے کے وہ اختیاری ہیں اگر کوئی شخص انہیں اختیار کرے تو ممکن نہیں کہ وہ نینی تال نہ پہنچ جائے، بس حضور اسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی اعمال صالحہ اختیار کرے اور وہ جنت میں نہ پہنچ پائے، تو گویا جنت میں جانا بالکل ہمارے اختیار میں ہے، بس یہ تو بفضلہٖ ثابت ہوگیا کہ جنت میں پہنچنا ہمارے اختیار میں ہے گویا مقصود جو ہے وہ اختیاری ہے اور وابستہ ہے، اسباب اختیار یہ سے۔ اب رہ گئی دوسری بات کہ آیا اس مقصود میں اور اس کے اسباب میں باہم کچھ علاقہ بھی ہے یا نہیں صاحب یوں تو جب مقصود کے اسباب اختیاری ہیں تو صرف یہی بات طبیعت کے ابھارنے کے لئے کافی ہے لیکن پھر بھی ایک تو یہ صورت ہے کہ

www.besturdubooks.net

کسی مقصود کے اسباب تو ہوں اختیاری مگر اُن اسباب کا مقصود کے ساتھ کچھ علاقہ نہ ہو اور ایک یہ صورت ہے کہ مقصود میں اور اس کے اسباب میں باہم علاقہ بھی ہو تو ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اور ان دونوں کے اثر میں بھی تفاوت ہے مثلاً ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک تو یہ ہے آگ حاصل کرنے کی صورت کہ دیا سلائی پاس ہے جب چاہا رگڑا اور آگ نکال لی، ایک تو یہ اختیار ہے اور ایک یہ صورت ہے کہ پڑوس سے تعلق ہے جب مانگیں گے دے دیگا وہاں پر بھی اختیار ہے مگر ٹٹول کر دیکھو کیا فرق ہے، وہاں تو یہ ہے کہ چاہے عمر بھر بھی ایسا نہ ہوا ہو کہ آگ مانگی ہو اور نہ ملی ہو لیکن چونکہ سبب مسبب میں کوئی ربط قوی نہیں ہے اس لئے پھر بھی طبیعت کبھی کبھی جھجکتی ہے اور رُکتی ہے اور وہم سا ہوتا ہے کہ بھلا جی اگر وہ کہہ دے کہ اس وقت فرصت نہیں ہے ہم کو ہم کواڑ نہیں کھولتے گو کبھی ایسا نہیں کیا مگر یہ اس کی عنایت ہے باقی اُس کو اختیار تو ہے چاہے کھولے چاہے نہ کھولے اور اگر نہ کھولے تو ہم کیا کر سکتے ہیں، غرض اس صورت میں باوجود آگ کے اختیاری ہونے کے پھر اختیار ضعیف ہے بخلاف دیا سلائی کے کہ بکس کے مصالحہ پر کھینچا اور آگ نکل آئی تو ہر چند کہ اعمال کا اختیاری ہونا ہی اُبھرنے کے لئے کافی ہے مگر ایک تو اختیاری ہونا مقصود کا یہ ہے کہ اسباب پر عادۃً ہمیشہ مرتب ہو جاتا ہے مگر اس میں اور اسباب میں کوئی تعلق نہ ہو۔

امید وبیم:

ایک یہ کہ باہم تعلق اور ارتباط بھی ہو ان دونوں کے اثر میں فرق ہے، دوسری صورت میں زیادہ طبیعت اُبھرتی ہے اس واسطے یہ امر یعنی اعمال اور جزاء میں تعلق ہونا بھی قابل تحقیق ہے کیونکہ جو اسباب ہیں جنت کے چونکہ لوگ اُن اسباب میں اور ان کے مسبب میں علاقہ نہیں سمجھتے اس واسطے اسباب کو اختیار کر کے بھی تردد ہی سا رہتا ہے کہ دیکھئے مسبب مرتب ہوتا بھی ہے یا نہیں اور جب علاقہ سمجھ میں آ جاتا ہے پھر تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ تو اپنے قبضہ کی بات ہے تو طبیعت کے زیادہ اُبھرنے کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ اعمال میں اور نعمائے آخرت میں علاقہ بھی معلوم ہو جائے، البتہ یہاں ایک طالب علمانہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو ایمان کا جزو ہے کہ انسان رجا اور خوف کی حالت میں رہے اتنی امید ہو جانا جنت کی دوزخ کا خوف ہی نہ رہے یہ تو خود ایمان ہی کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ! اچھا مسلمان بنایا اچھی نصیحت کی کہ جنت کو اپنے قبضہ کی بات سمجھو تو گویا دعویٰ کرو جنتی ہونے کا حالانکہ عقائد کا مسئلہ ہے **الایمان بین الخوف والرجاء** (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) بس یہی تو مصیبت ہے

www.besturdubooks.net

مولوی گشتی و آگہ نیستی (مولوی بن گئے اور واقف نہ ہو سکے)

اسی وجہ سے تو میں کہتا ہوں کہ بطور خود کتابیں نہ پڑھو کسی محقق سے جا کر پڑھنا ضروری ہے یہ جو عقیدہ ہے الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) تو کیا تم اس کے معنی یہ سمجھتے ہو کہ دوزخ جنت اختیاری نہیں، کیف ما اتفق کوئی جنت میں بھیج دیا جائے گا کوئی دوزخ میں اس طرح سے امید وبیم ہی کی حالت میں رہنا چاہئے، صاحبو! اگر یہ عقیدہ ہے تو اللہ کے لئے اپنا ایمان درست کرو غضب ہے تم نے تو نصوص کی بھی تکذیب کر دی کہ جن چیزوں پر جن چیزوں کا وعدہ ہے اسی میں شکوک پیدا ہونے لگے بلکہ الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) کا حاصل یہ ہے کہ اسی کا خوف ہے کہیں ایمان ہی نہ جاتا رہے، یہ نہیں کہ ایمان رہے، پھر نجات نہ ہو یعنی اس مقدم پر کہ ایمان ہے اس تالی کا یعنی نجات کا مرتب ہونا ضروری ہے، یہ نہیں کہ مقدم ہو اور تالی نہ ہو جب تالی نہ ہوگی یعنی نجات تو تالا ضرور کھلے گا جب تالا کھلے گا ضرور جنت میں جاؤ گے گو ذکر عربی کی تالی کا تھا مگر اس سے ذہن اردو کی تالی کی طرف چلا گیا مگر خیر مضمون صحیح ہے، چاہے زبان بدل گئی، صاحب زبان میں کیا رکھا ہے۔ ایک واقعہ یاد آیا شیخ اسعد آفندی جو ایک رومی بڑے شیخ تھے، ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، گو حضرت کی تقریر اردو میں ہو رہی تھی اور وہ شیخ اردو بالکل نہ سمجھتے تھے مگر حظ انہیں بھی حاصل ہو رہا تھا، ایک مولوی نیاز احمد حضرت کے خادم تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ اردو سمجھتے ہوتے تو ان کو بھی بہت لطف آتا، حضرت نے فرمایا نہیں جی یہاں اس ظاہری زبان کی ضرورت نہیں، دوسری زبان کی ضرورت ہے، فوراً برجستہ یہ دو شعر مثنوی شریف کے پڑھے۔

پارسی گو گرچہ تازی خوشتر ست عشق راخود صد زبان دیگر ست

بوئے آں دلبر چو پراں میشود ایں زبان ہا جملہ حیراں میشود

(فارسی کہو اگرچہ عربی زبان زیادہ بہتر ہے عشق کی اپنی دوسری سو زبانیں ہیں جس سے محبوب کی خوشبو اڑنے والی ہوتی ہو، اس زبان سے تمام زبانیں حیران ہوتے ہیں)

اسی طرح عربی کی تالی ہو یا اردو کی تالی ہو مضمون تو نہیں بدلا غرض یہ مطلب ہے الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) کا کہ اس سے ڈرتا رہے کہیں ایسا نہ ہو نعوذ باللہ کہ میں باختیار خود اپنے ایمان ہی کو نہ کھو بیٹھوں اور دوزخ میں نہ چلا

www.besturdubooks.net

جاؤں، یہ نہیں کہ میں کہیں بلا قصد کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور دوزخ میں بھیج دیا جاؤ، حالانکہ خدا کی عظمت پر نظر کرتے ہوئے تو یہ خوف بھی ہونا بعید نہ تھا مگر چونکہ وعدہ ہے ان کا کہ میں ایسا نہ کروں گا اس لئے اس سے بالکل بے فکر رہنا چاہئے۔

وعدہ الٰہی:

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ عقیدہ رکھنا بھی واجب ہے کہ اُن کا خود یہ وعدہ اور اس وعدہ کا ایفاء سب اختیاری ہے نہ اس وعدہ میں وہ مجبور ہیں نہ وعدہ کر کے وہ مجبور ہیں۔ یعنی انہیں یہ بھی اختیار ہے کہ اعمال بھی ہوں ایمان بھی ہو پھر بھی دوزخ میں بھیج دیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ کفر بھی ہو شرک بھی ہو پھر بھی جنت میں بھیج دیں لیکن خوب سمجھ لو کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کو اُس پر قدرت تو ہے لیکن اس کے وقوع کا ہرگز احتمال نہیں۔ تو الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) کے یہ معنی ہیں۔ غرض حق تعالیٰ کے قادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف کہیں کا کہیں بھیج دیں انہوں نے جو وعدہ کیا ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اور جو شخص آخرت کے (ثواب کی نیت) رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسے ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو، پس ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی) اُسے ضرور پورا فرمائیں گے بہر حال اگر کوئی دوزخ میں جاوے گا تو اپنے کسی عمل سے ہی جاوے گا اور اگر جنت میں جاوے گا تو وہ شبہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ جاتا رہا کہ اگر جنت کو اپنے قبضہ کی چیز سمجھا تو الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) کا غلط ہونا لازم آتا ہے غرض یہ شبہ بھی رفع کر دیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ الا یمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) بھی ٹھیک ہے اور جنت میں باختیار خود جانا بھی صحیح ہے یعنی ایسا ہی قبضہ میں ہے جیسا کہ دیا سلائی کو رگڑ کر آگ کا پیدا کر لینا ہمارے قبضہ میں ہے اور کیوں نہ ہو قبضہ میں جب اللہ ہی نے کر دیا ہے ہمارے قبضہ میں یعنی گو ہم اس جائیداد کے مالک نہ تھے لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہمیں اس کا موروثی بنا دیا ہے، یہاں تک کہ ہم اس جائیداد کے وارث بھی نہ تھے، یعنی ہمارے باپ دادا نے بھی یہ جائیداد نہیں چھوڑی تھی کہ ہم اس کے مستحق ہوتے صرف تھوڑے دن کاشت ہی کی تھی یعنی اعمال صالحہ کئے تھے کہ حق تعالیٰ نے حق موروثیت عطا فرما دیا تو موروثیت کا قانون دُنیا میں تو ظلم ہے آخرت میں ظلم

www.besturdubooks.net

نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہاں تو بلا رضا مالک کے زمین پر قبضہ کر لیا جاتا ہے اس لئے ظلم ہے اور وہاں مالک نے خود قبضہ دے دیا ہے اور اُن کاشتکاروں کا نام خود موروثی میں لکھ لیا ہے پھر یہ ظلم کیوں ہوتا لیکن شاید یہاں کے کاشتکاروں نے یہ سوچا ہوگا کہ جنت میں تو کیا خبر ہے جاویں یا نہ جاویں لاؤ یہیں موروثی نہ ہو جاویں اپنا جی تو بھلا کر لیں، جیسے اندھے حافظ جی کو دنیا میں حوریں مل گئی تھیں (یہ مزاحاً فرمایا) غرض اللہ میاں نے ہی جنت کو ہمارے قبضہ میں کر دیا ہے ہم نے خود تھوڑا ہی قبضہ کیا ہے بس تو جب انہوں نے جب جنت کو خود ہمارے قبضہ میں دیدیا ہے پھر اب اس نعمت پر طبیعت کا نہ ابھرنا اور خوش نہ ہونا ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا اللہ تعالیٰ کے فضل پر خوب خوش ہوں خوب اُچھلیں کودیں۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کیونکہ وہ تمہاری جمع کی ہوئی سب چیزوں سے بہتر ہے۔

جھوٹے وعدوں کی فرحت:

افسوس دنیا کے چار روپیہ بھی اگر کسی کو ملتے ہیں تو کیا حالت ہوتی ہے مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا حالانکہ اس خوشی کی تو ممانعت بھی ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ. وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ

”قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا پس وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھی جبکہ اس برادری نے کہا تو اترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا“

یعنی اس کی برادری نے کہا خوش مت ہو یعنی اِترا مت اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اترانے والوں کو خیر تو باوجودیکہ یہ اترانا بعض اوقات مبغوض بھی ہوتا ہے مگر پھر بھی دنیا کی نعمتوں کا تذکرہ سُن کر کس قدر جوش مسرت ہوتا ہے اور جہاں آخرت کی نعمتوں کا ذکر آیا بس ایسے مرجھائے ہوئے ہو جاتے ہیں جیسے ان کا سب مال و متاع چھن گیا ہو، پھر ایک تو اللہ تعالیٰ کی ہیبت کا اثر ہوتا ہے اس میں پژمردگی ہوتی ہے، اس کا مضائقہ نہیں بلکہ یہ تو مطلوب ہے اور ایک ہوتی ہے پژمردگی مایوسی کی یہ البتہ موجب شکایت ہے اور قابل تدارک، مایوسی کی بابت مولانا فرماتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

کوئے نو میدی مرد کامیدہا ست　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

کوئے نو میدی مرد کامیدہا ست　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

ناامیدی را خدا گردن زدہ است　　ایک مصرعہ یاد نہیں آتا

(اللہ کی راہ میں ناامیدی گردن زدہ ہے)

میں یہ کہتا ہوں دنیاداروں سے کہ اگر تم پیام دو محبوبہ کے باپ کو اور قرائن سے اُمید ہو تو انصاف سے کہو کیسا جی خوش ہوتا ہے کہ بس اب نکاح ہوا، اب محبوبہ ملی، اللہ اکبر، کتنی خوشی ہوتی ہے محض اُمید موہوم پر محض اس احتمال پر کہ شاید پیام منظور ہو جائے خواہ اخیر میں جواب خشک ہی مل جاوے، جیسا کیسی شاعر نے ایک قصیدہ کسی امیر کی شان میں لکھا ہے وہ سُن کر بہت خوش ہوا اور انعام کا وعدہ کرلیا اور کہا کہ کل آنا انعام دیں گے، اب شاعر صاحب بڑے خوش، ساری رات حساب کتاب کیا کہ اتنا بیوی کو دوں گا اتنے کا حلوہ بناؤں گا اتنے کا گھی خریدوں گا، غرض مارے خوشی کے ساری رات نیند بھی نہیں آئی، صبح ہوتے ہی پہنچے سلام کیا، اب وہ امیر صاحب ایسے اجنبی بن گئے جیسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ عرض کیا حضور میں شاعر ہوں کہا کون شاعر، عرض کیا اجی حضور کل میں نے ہی تو حضور کی شان میں قصیدہ سنایا تھا اور حضور نے آج انعام دینے کا وعدہ بھی فرمالیا تھا، چنانچہ انعام لینے ہی کے لئے حاضر ہوا ہوں، وعدہ پورا فرمایئے، امیر نے نہایت روکھے پن سے جواب دیا کہ یہ خوب کہی، کچھ آپ کا میرے ذمہ قرض آتا ہے۔ میاں اپنا روپیہ کیوں فضول ضائع کروں، اس نے کہا آپ نے وعدہ جو کیا تھا کہا میاں تم نے ایک بات کہہ کر میرا جی خوش کردیا ایک بات میں نے کہہ کر تمہارا جی خوش کردیا، واقعیت نہ اس میں تھی نہ اس میں بدلہ تو ہو گیا پھر انعام کیسا بلکہ تمہارے قصیدہ نے تو تھوڑی ہی دیر کے لئے مجھے خوش کیا تھا میرے وعدہ نے تو رات بھر تمہیں خوش رکھا، تھوڑی دیر کے لئے خوش کرنے کے بدلہ میں تمہیں ساری رات کی خوشی تو مل گئی، پھر انعام کیسا، غرض بجائے روپیوں کے ٹکا سا جواب دے دیا اور شاعر صاحب اپنا سامنہ لے کر چلے آئے مگر منطقی نہ تھا، ورنہ یوں کہتا کہ میں نے تمہیں ایسی خوشی دی تھی کہ اس کے بعد افسردگی نہ ہوئی تھی اور تم نے مجھے ایسی خوشی دی کہ اُس کے بعد افسردگی بھی ہوئی، بیچارہ منطقی نہ تھا نہیں تو یہی کہتا، تو جناب دنیا کے معاملہ میں تو ایسے جھوٹے وعدوں سے بھی فرحت ہوتی ہے اور تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر فرحت نہ ہو۔

اہل حق کے دعوے:

اللہ تعالیٰ کے وعدے تو بڑی چیز ہیں تم اہل اللہ ہی کے وعدوں کو رات دن دیکھ لو کہ اہل

www.besturdubooks.net

اللہ کے وعدوں سے کیسی فرحت اور تسلی ہوتی ہے جو تھوڑی مناسبت بھی رکھتا ہوگا طریق سے وہ سمجھتا ہوگا کہ ایک شخص تو اپنی رائے سے سلوک طے کرتا ہے، یہ تو گویا اندھیری کوٹھڑی میں تیر چلاتا ہے اور ایک کسی کی نگرانی میں رہ کر سلوک قطع کرتا ہے ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، حضرت بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات سے ممکن نہیں کہ قبض شدید جاتا رہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ شیخ کے فقط اس کلمہ سے جاتا رہا ہے کہ کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سب گھاٹیوں سے پار ہو جاؤ گے (یہ الفاظ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کے ہیں جن کو سنتے ہی حضرت والا کا نہایت شدید و مدید قبض بقول خود اس طرح فوراً جاتا رہا تھا جیسے دہکتے ہوئے تنور پر کسی نے مشک چھوڑ دی ۱۲) بعض اوقات تو اسی وقت جاتا رہتا ہے اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ابھی تو پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا لیکن شیخ کے تسلی دینے سے کچھ ایسا اطمینان ہو جاتا ہے گو اجمالی ہی سہی گویا کہ مقصود حاصل ہو ہی گیا، چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

وعدہ اہل کرم گنج رواں وعدہ نااہل چوں رنج رواں

وعدہا باشد حقیقی دلپذیر وعدہا باشد مجازی تاسہ گیر

(اہل کرم کا وعدہ خزانہ رائج یعنی خالص ہے نااہل کا وعدہ جان کو مصیبت ہو جاتا ہے، سچے وعدے دل کو لگتے ہیں ہماری یعنی ناراست وعدے طبیعت میں تردد پیدا کرتے ہیں)

سچے وعدے جو ہوتے ہیں انہیں فوراً دل قبول کر لیتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جو یوں کہہ رہا ہے کہ یوں ہوگا یوں ہوگا بس ضرور یوں ہی ہوگا یہ تو اہل حق کے وعدوں کی شان ہے۔ رہے اہل باطل سو وعدے تو وہ بھی بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں بلکہ اہل حق سے بھی بڑھ کر لیکن۔ وعدہا باشد مجازی تاسہ گیر، جھوٹے وعدوں سے کہیں تسلی ہوتی ہے بلکہ اور پریشانی بڑھتی ہے۔

دشنامِ محبت:

حضرت ایسے ایسے حالات سخت پیش آتے ہیں اس طریق میں کہ اگر شیخ مبصر تسلی نہ کرے تو سالک اپنی جان دے دے بلکہ اپنا ایمان بھی کھو بیٹھے، ایک مرید تھے، ان کو غیب سے آواز آئی کہ تو کافر ہو کر مرے گا، چاہے لاکھ عبادت کر، یہ سن کر ان کے ہوش جاتے رہے، اب سخت پریشان اور صاحب کیوں نہ ہوں پریشان ہے ہی پریشانی کی بات گھبرائے ہوئے فوراً شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اللہ اکبر شیخ بھی واقعی خدا کی بڑی رحمت ہے، بہت بڑی رحمت ہے یہ تو پہنچے تھے سراسیمہ اور سخت پریشان، انہوں نے ہنس کر کہا کہ میاں بے فکر رہو کچھ نہیں یہ دشنامِ

www.besturdubooks.net

محبت ہے، اجی محبوب تو اپنے محبوں کو چھیڑا ہی کرتے ہیں، بُرا بھلا کہا ہی کرتے ہیں، کہنے بھی دو میاں، کچھ پروانہ کرو تم اپنا کام بھی کئے جاؤ، بس یہ سنتے ہی اطمینان ہوگیا اور ساری پریشانی کافور ہوگئی، پھر وہ کشف بھی ختم ہوگیا، کیونکہ وہ تو محض ایک امتحان تھا اور اگر کوئی کہے کہ نعوذ باللہ کیا خدا نے جھوٹ بولا تو سنئے جھوٹ کہاں ہوا جی اس سے تو کہہ دیا کہ تو کافر مرے گا اور اتنا چپکے سے کہہ لیا کہ اگر ہمارا فضل نہ ہو چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی حکایت ہے کہ کسی مقام پر وہ پہنچے تو ان کی شہرت سُن کر ایک مجمع زیارت کے لئے جا پہنچا وہ گھبرائے کہ یہ کہاں کی بلا آ ٹوٹی، آپ نے کیا ترکیب کی کہ پکار کر کہہ دیا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ یعنی کوئی خدا نہیں سوائے میرے پس عبادت کر میری یہ سنتے ہی سب لاحول پڑھ کر بھاگ گئے کہ یہ شخص تو مردود ہوگیا اب یہ بایزید کہاں رہے یہ تو یزید ہوگئے یہ زمانہ تھوڑا ہی تھا کہ جو جتنی کفریات بکے اتنا ہی وہ مقبول اور خدا رسیدہ سمجھا جائے غرض سب لاحول پڑھ کر بھاگ گئے، لیکن بعض خاص خاص لوگ جو عشاق تھے وہ البتہ رہ گئے انہوں نے موقع پا کر نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان الفاظ کا کیا مطلب تھا بظاہر تو خدائی کا دعویٰ معلوم ہوتا تھا۔

حضرت بایزید ہنسنے لگے کہ نعوذ باللہ میں نے خدائی کا دعویٰ تھوڑی ہی کیا تھا اجی میں تو سورہ طٰہٰ پڑھ رہا تھا، میں نے صرف یہ کیا کہ یہ آیت ذرا پکار کر پڑھ دی، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ پھر اس میں حرج ہی کیا ہوگیا میاں کیا یہ جائز نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ پڑھتے پڑھتے تھوڑا سا کلام مجید پکار کر پڑھ دے، آخر میں نے خلاف شرع کونسا کام کیا، عجب پاگل ہو جو اس کو خدائی کا دعویٰ سمجھ بیٹھے، اجی مجھے لوگوں سے پیچھا چھڑانا منظور تھا، اس لئے میں نے یہ کیا کہ یہ آیت پکار کر پڑھ دی تاکہ لوگوں کو مجھ سے وحشت اور نفرت ہو جائے اور میرا پیچھا چھوڑ دیں تو جیسے اہل اللہ نے بعض مصلحتوں سے ایسا کیا ہے، اسی طرح اللہ میاں نے بھی بغرض امتحان ہاتف سے اتنا تو کہلوا دیا با آواز بلند کہ تو کافر مرے گا چاہے کچھ ہی عبادت کر اور اتنا آہستہ سے کہلوا دیا کہ اگر خدا کا فضل نہ ہوا لیکن وہ جزو جو آہستہ کہا گیا تھا شیخ کو کلیا یا جزیا معلوم تھا اس نے اطمینان دلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں یہ دشنام محبت ہے آزمایا گیا ہے کہ دیکھیں یہ پیٹ ہی بھرنے کو ہماری عبادت کرتا ہے یا اسے ہماری کچھ محبت بھی ہے جب امتحان ختم ہو چکا تو پھر وہ کشف بھی بند ہوگیا۔

سوئے جنت:

دیکھئے کتنی بڑی تسلی ہوئی شیخ سے واقعی شیخ کے ہوتے ہوئے ہر وقت بے فکری رہتی ہے

www.besturdubooks.net

کہ جو مرض ہوگا کہہ دیں گے چاہے جتنی حالت خراب ہو پریشانی نہیں ہوتی غم تو پاس بھی نہیں پھٹکتا کیونکہ شیخ گویا ہر وقت بزبان حال کہتا رہتا ہے ۔

من غم تو مے خورم تو غم مخور برتو مشفق ترم از صد پدر

(میں تمہارا غم کھاتا ہوں اس لئے تم غم مت کرو میں تم پر باپ سے سو گنا بڑھ کر مہربان ہوں)

اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

باشد حقیقی دلپذیر (سچے وعدے دل کو لگتے ہیں) دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں وعدہا باشدی مجازی تاسہ گیر (مجازی وعدے طبیعت میں تردد پیدا کرتے ہیں) تاسہ کہتے ہیں اضطراب کو یعنی جھوٹے وعدوں سے بجائے تسلی ہونے کے اور اضطراب بڑھتا ہے یہ جو مکار پیر ہیں یہ بھی بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں لیکن ان کے وعدوں سے ذرا تسلی نہیں ہوتی اور جو سچے پیر ہیں چاہے ظہور ہو دس روز کے بعد لیکن ان کے وعدوں کے بعد ہی تسلی فوراً ہو جاتی ہے حصول مقصود میں کچھ شک نہیں رہتا بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ غرض مخلوق کے وعدوں کے ساتھ تو ہم لوگوں کا یہ معاملہ ہے اب تو حق تعالیٰ کے وعدے سو افسوس حق تعالیٰ کے ایسے ایسے وعدے سنتے ہیں مثلاً اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لیکن پھر بھی مرے ہوئے اور بجھے ہوئے سے رہتے ہیں کوئی اثر فرحت کا نہیں ہوتا کہتے ہیں کہ دیکھئے کہاں جائیں حالانکہ کوئی وجہ تردد کی نہیں یہاں تک کہ کہیں تو حق تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے یدخلون الجنۃ مگر کہیں یوں بھی فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے جنتوں میں داخل کرے گا) جیسے یہاں فرمایا ہے اگر سب جگہ یہی صیغہ ہوتا کہ داخل ہوں گے جنت میں تو خیر یہ بھی سوچ ہوتی کہ شاید اس داخل ہونے کے لئے خود ہم ہی کو چلنا پڑے پھر معلوم راستہ کدھر کو ہے اور یہ امر طبعاً کمزوری پیدا کر سکتا تھا طبیعت میں مثلاً گورنمنٹ کا حکم آپ کو ملا کہ تم کو برس کے روز کے بعد نینی تال جا کر فلاں عہدہ کا چارج لینا ہوگا تو اب آپ کو اسی وقت سے فکر سوار ہو جائے گی کہ بھائی نینی تال پہنچنے کا رستہ معلوم کرنا چاہئے کہ کدھر سے ہے کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ گورنمنٹ آپ کو آغوش میں لے کر تو نینی تال پہنچائے گی نہیں، آپ کو خود ہی وہاں پہنچنا پڑے گا، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کرے گی کہ خرچ دیدے گی کہ جاؤ اب اگر اللہ میاں بھی یہی کرتے یعنی تمہیں اجازت تو دے دیتے جنت میں جانے کی لیکن رستہ نہ بتلاتے تو حضرت رستہ پوچھتے پوچھتے واللہ دیوانے ہو جاتے کہ آخر رستہ ہے

www.besturdubooks.net

کہاں لیکن حضرت آپ کی رعایت یہاں تک منظور تھی کہ اتنا بھی تو گوارا نہیں کیا گیا بلکہ یہ ارشاد فرمادیا کہ میاں تم کیا جنت میں جاتے وہ تو ہم خود ہی داخل کردیں گے اپنے فضل سے، چنانچہ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے جنتوں میں داخل کرے گا، جس کے نیچے جاری ہوں گی) یعنی تمہارا کام تو بس دوڑنا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ دوڑو مغفرت اور جنت کی طرف اور ڈرومت آگے دیوار نہیں ہے، تم تو بس اپنا کام کرو یعنی دوڑو اور یہ فکر نہ کرو کہ ہم جنت میں پہنچیں گے، کیسے، اجی پہنچا دینا تو ہمارا کام ہے یہ خیال نہ کرو کہ تمہیں خود وہاں پہنچنا پڑے گا نہیں بلکہ ہم ہی خود تمہیں وہاں پہنچا دیں گے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید
خیرہ یوسف دار می باید دوید

(اگرچہ دنیا میں کوئی رخنہ معلوم نہیں ہوتا پھر بھی یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا شروع کردو)

توکل اور تامل:

حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سات قفل کے اندر بند کردیا تھا مگر اللہ اکبر حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل تو دیکھئے یعنی ہم ہوتے اول تو بچنا ہی مشکل تھا اور اگر خیر بچنے کی فکر بھی ہوتی تو بس دروازہ کے پاس تک پہنچ کر سوچتے کھڑے ہو کر کہ یہاں تو قفل پڑا ہوا ہے اس میں سے آخر کیونکر نکل سکتے ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل کچھ نہیں سوچا اور بے تامل بس سیدھے بھاگتے ہی چلے گئے، جس وقت وہ پہلے دروازہ کے پاس پہنچے قفل تڑ سے ٹوٹا اور بھڑ سے دروازہ کھل گیا، اسی طرح ساتوں قفل ٹوٹتے چلے گئے اور باہر نکل گئے پیچھے پیچھے زلیخا بھی تھیں جنون عشق میں عجب نہیں وہ سمجھتی ہوں کہ دروازے میرے ہی لئے کھلتے چلے جارہے ہیں تاکہ میں پیچھا کرسکوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے فرعون چلا اور دریا پایاب ہوگیا شاید فرعون کو یہ ناز ہوا ہو کہ یہ میرے ہی لئے پایاب ہوگیا ہے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے پار ہو چکے تو دریا پھر ویسا کا ویسا ہو ہی گیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہوگیا۔

غرض دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام حق تعالیٰ پر جو توکل کرکے دوڑے تو رستہ خود بخود ملتا ہی چلا گیا، میں اس کی ایک اور مثال دیتا ہوں، اس مثال کو میں کئی دفعہ بیان بھی کرچکا ہوں لیکن بہت ہی اچھی مثال ہے اس لئے پھر عرض کرتا ہوں، کسی لمبی سڑک پر جاؤ مثلاً کلکتہ سے پشاور تک جو شاہی سڑک گئی ہے اُس پر جاکر دیکھو تو یہاں کھڑے ہو کر جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے، یوں معلوم

ہوتا ہے کہ درخت آگے چل کر آپس میں مل گئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس آگے چل کر رستہ بند ہے جو رہبر کا معتقد نہ ہوا اگر اُس سے رہبر کہے کہ دوڑ و تو وہ صاف انکار کر دے گا کہ بھلا آگے رستہ ہی کہاں ہے، دوڑوں تو کہاں دوڑوں گو اس کے پاس موٹر بھی ہے، گھوڑا بھی ہے گدھا بھی ہے، سب کچھ ہے مگر آگے بڑھتا ہی نہیں بھلا مانس بس آپ کھڑے کہہ رہے ہیں کہ جناب میری عقل میں فتور نہیں ہے کہ میں آگے بڑھوں، درختوں سے ٹکرا کر موٹر بھی ٹوٹے، گدھا بھی مرے، خود بھی ہلاک ہوں، اب وہ رہبر لاکھ کہتا ہے کہ ارے کمبخت میرا کہنا مان بھی تو لے ذرا چل تو سہی رستہ بالکل کھلا ہوا ہے، لیکن اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا، کہتا ہے کہ بھائی اپنی آنکھوں پر پٹی کیسے باندھ لوں، آخر مشاہدہ کی تکذیب کیونکر کر دوں، سائنس والے بڑا مشاہدہ لئے پھرتے ہیں، وہ اس مثال میں اپنے مشاہدہ کی حقیقت دیکھ لیں۔

جنت کا راستہ:

غرض رہبر لاکھ یقین دلاتا ہے کہ راستہ کھلا ہوا ہے لیکن اُسے کسی طرح یقین ہی نہیں آتا، خیر اگر یقین نہیں آتا تو پھر رہو عمر بھر یہیں اور اگر کسی نے یقین کر لیا اور ایک دم سے موٹر چھوڑ دیا تو وہ دیکھے گا کہ کلکتہ سے پشاور تک راستہ بھر میں کوئی رکاوٹ نہیں بس کلکتہ سے چل کر سیدھا پشاور ہی جا کر دم لے گا، بلکہ راستہ میں کہیں اُس کو جھجک تک بھی نہ ہوگی کیونکہ اُس کا تو یہ ایمان ہے کہ رہبر نے جو کچھ خبر دیدی ہے وہ بالکل صحیح ہے، اس لئے اس کو احتمال ہی اس کے خلاف کا نہ ہوگا، اسی طرح واللہ آخرت کا رستہ بالکل کھلا ہوا ہے، گو آپ کو بظاہر بند نظر آتا ہے مگر ہے کھلا ہوا۔ اسی لئے حق تعالیٰ دوڑنے کا حکم فرما رہے ہیں، پس بندہ کو اپنا کام کرنا چاہئے، آگے رہا جنت میں داخل ہونا سو اس کی بابت ہمیں بے فکر فرما دیا ہے کہ تمہارا کام نہیں ہے تمہارا کام صرف دوڑنا ہے اور وہ دوڑنا ایمان اور اعمال صالحہ کرنا ہے، باقی جنت میں داخل کرنا یہ ہمارا کام ہے تو تعجب ہے کہ اتنا بڑا وعدہ ہو ایمان واعمال صالحہ پر اور پھر طبیعت میں جوش اور امنگ پیدا نہ ہو بلکہ بجھے ہوئے اور مرجھائے ہوئے رہیں کہ دیکھئے صاحب جنت میں پہنچنا بھی ہوتا ہے یا نہیں، میں کہتا ہوں اس کو سوچا ہی کیوں جاوے، ابی بس تم کو پڑ کر مر جانا چاہئے، اللہ کے رستہ میں تم کو تو چلتے چلتے تھک کر گر جانا چاہئے، جب اس طرح عاجز و درماندہ ہو جاؤ گے جب ہی تو اللہ میاں رحم کھا کر تمہاری دستگیری فرمائیں گے، اور فوراً اٹھا کر جنت میں پہنچا دیں گے، جیسے فرض کرو تمہارا بچہ تمہارے پاس آنے کو

www.besturdubooks.net

چاہ رہا ہے مگر اس سے چلا نہیں جاتا تم نے اس سے کہا کہ خود چلا آ، چنانچہ اُس بیچارہ نے جیسے تیسے لڑکھڑا کر چلنا شروع کیا اب آپ کہہ رہے ہیں کہ چلا آ چلا آ اور وہ روتا ہے مگر جب تک وہ ہاتھ پاؤں چلاتا رہا چلاتا رہا آپ اس کو اپنی جگہ پر کھڑے بلاتے رہے اور جب وہ گر کر چلنے کے قابل نہ رہا اب آپ نے دَوڑ کر اس کو فوراً گود میں اُٹھا لیا اور پیار کرنے لگے (اس موقع پر حضرت کے ایک خادم خاص پر بہت گریہ طاری ہوا جن کو حضرت سے عشق کے درجہ کی محبت ہے اللہ تعالیٰ اس کاتب المواعظ کو بھی حضرت کی کامل محبت اور متابعت سے مشرف فرمائے اور اس کو ذریعہ بناوے اپنی محبت صادقہ اور طاعت کاملہ کا، آمین (۱۲) اسی کو فرماتے ہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ؂

طفل تا گیر اوتا پویا نبود مرکبش جز گردن بابا نبود

جب تک بچہ ہاتھ پاؤں چلانے کے قابل نہ تھا، اس وقت تک تو آپ ابا جان کے کاندھے پر سوار رہے اب خود چلنے کے قابل ہو گیا اور پھر بھی گود میں چڑھنے کے لئے اصرار کیا اُنہیں ابا جان نے ایک چپت لگایا کہ نالائق خود نہیں چلا جاتا، شرم نہیں آتی، بڈھا ہو کر بھی گود میں چڑھنا چاہتا ہے، لیجئے اب چپت لگنے لگے، لیکن اب بھی اگر خدانخواستہ وہ کہیں بیمار پڑ جائے اور خود چلنے کے قابل نہ رہے تو باپ کو پھر وہی شفقت اور رحمت ہو گی اور پھر وہی آغوش موجود ہے، بہت سے سالکین کو جب وہ بیمار پڑ جاتے ہیں بڑا غم سوار ہوتا ہے کہ ہائے تندرستی میں تو خوب لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگایا کرتے تھے، اب ذکر تو در کنار فرض نماز بھی بمشکل ادا ہوتی ہے، ایک تو بخار چڑھا ہوا تھا ہی دوسرا بخار ایک اور یہ چڑھا کہ ہائے قرب منقطع ہو گیا، ہائے قرب منقطع ہو گیا ارے بیوقوف قرب منقطع کہاں ہوا بلکہ اب تو اور بڑھ گیا جیسے لڑکا جب تک خود ہاتھ پاؤں .... چلاتا رہا اس کو باپ سے اتنا قرب میسر نہ تھا جتنا کہ گر جانے سے اب حاصل ہو گیا کہ باپ کی گود ہی میں آبیٹھا اسی طرح یہاں ہے کہ اب تک تو اپنی ہی ہمت تھی کہ سالک چل رہا تھا اور اب وہ خود آغوش میں لے کر چلیں گے حضرت اگر کہیں حق تعالیٰ تم ہی پر چھوڑ دیتے کہ ہمارا راستہ منقطع کر دو تو خبر بھی ہے وہ رستہ اتنا طویل اور عریض ہے کہ تمہارے قطع کیے وہ کبھی بھی منقطع نہ ہو سکتا ہے ؂

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا اس لئے کہ مثل انگور کے کاٹنے سے خود بخود بڑھتا رہتا ہے)

www.besturdubooks.net

اور فرماتے ہیں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست

(بحر عشق ایسا سمندر ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں)

حزن اور فرح:

عشق کا دریا تو ایسا ہے کہ جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں جب کنارہ ہی نہیں پھر اس کو قطع کیا کرو گے اب یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر یہ قصہ ہی لا علاج ہے اور غیر اختیاری ہے تو آگے چل کر اس کا علاج بتاتے ہیں، فرماتے ہیں ؎

آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست،

(اس جگہ سوائے اپنی جان سونپنے کے دوسرا کوئی چارہ نہیں)

اس سے یہ مطلب نہیں ہے حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا کہ کوئی علاج ہی نہیں بلکہ دراصل اس مصرعہ میں علاج ہی بتلاتے ہیں یہ مقصود نہیں ہے کہ اس کا انجام ہلاکت ہی ہے، نہیں نہیں یہ شخص عارف ہے نرے شاعر تھوڑا ہی ہیں بڑے شخص ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

(اس جگہ سوائے اپنی جان سونپنے کے دوسرا کوئی چارہ نہیں)

یعنی بس ایسی حالت میں یہی علاج ہے کہ اپنی جان کو اللہ کے سپرد کر دو۔ تو مؤمن جب ایسی حالت میں جان دیتا ہے، یعنی حالت عمل ہی میں وہ فنا ہو جاتا ہے تو پھر اب حق تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتے ہیں اور اس کو جنت میں داخل کر دیتے ہیں، جب اتنا بڑا وعدہ ہے حق تعالیٰ کی طرف سے تو حیرت ہے اب بھی ہم خوش نہ ہوں خصوص جب ہمیں امر بھی ہے خوش ہونے کا تو ایسی تیسی میں جائے پژمردگی اور افسردگی چنانچہ ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر فرحت کا اظہار کرو) بس اب اس ارشاد کے بعد تو ہمارا یہ مذہب ہونا چاہئے ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(شہنشاہ دین اگر مجھ سے طمع کے خواہاں ہوں تو پھر ایسی قناعت پر خاک)

اور اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اہل اللہ بھی پژمردہ نہیں رہتے تو خوب سمجھ لیجئے کہ وہ پژمردہ نہیں

www.besturdubooks.net

رہتے بلکہ محزون رہتے ہیں پژمردگی اور چیز ہے حزن اور چیز ہے، پژمردگی تو مایوسی سے ہوتی ہے، سو مایوسی اُنہیں ہرگز نہیں ہوتی، ہاں حزن ہوتا ہے اور حزن کا ہے کا ہوتا ہے حزن ہوتا ہے غلبہ ہیبت کا حزن ہوتا ہے، غلبہ عظمت کا حزن ہوتا ہے، غلبہ جلال کا حزن ہوتا ہے اپنی نااہلی کا اپنے عجز کا اپنے ضعف کا تو مایوسی اور پریشانی اور چیز ہے، افسردگی اور پریشانی انہیں نہیں ہوتی، ایسی مثال ہے اس کی کہ دو شخص تھے، ان دونوں کے بیٹے مر گئے اور دونوں کو یکساں محبت تھی، اب ایک تو ہے دنیا کا طالب وہ بھی محزون ہوں گے اور ایک ہے اللہ والا اُس کو بھی حزن ہوگا لیکن اس کو جو حزن ہوگا وہ محض طبعی ہوگا باقی اس کا قلب اندر سے نہایت راضی اور خوش ہوگا، ہاں طبعی رنج ضرور ہوگا، سو طبعی رنج کا کچھ بھی مضائقہ نہیں تو غرض یہ راز ہے اہل اللہ کے حزن کا کہ جب اپنے اعمال اور افتقار کو دیکھتا ہے اور اُدھر حق تعالیٰ کی عظمت پیش نظر ہوتی ہے تو اپنے کو بالکل ناچیز اور نااہل مشاہدہ کرتا ہے اس سے طبعاً ایک حزن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اِس حزن کا منشا ہیبت ہوتی ہے نہ کہ مایوسی یعنی افسردگی اس پر نہیں ہے کہ خدا جانے وعدہ سچا ہوگا یا نہیں ساری عمر تو جنت کے عمل کئے ہیں لیکن دیکھئے اللہ میاں حسب وعدہ جنت میں بھیجیں گے یا نہیں، توبہ توبہ اس کا تو کبھی ان حضرات کو وسوسہ بھی نہیں ہوتا، بہرحال اُن حضرات کو طبعی حزن ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی روحانی فرح بھی ہوتی ہے، حزن اور فرح دونوں ایک وقت میں جمع ہو جاتے ہیں اسی واسطے تو کہتے ہیں کہ محقق جامع بین الاضداد ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ واقع میں وہ دو چیزیں متضاد ہوتی ہیں نہیں واقع میں متضاد نہیں ہوتیں، ہاں عوام کی نظر میں متضاد معلوم ہوتی ہیں، اس لئے جمع ہو سکتی ہیں اور اس جمع کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی کی ایک چھوٹی سی لڑکی مری اور جس تاریخ میں وہ مری اسی تاریخ میں ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اور ایک بزرگ نے کہا تھا کہ اگر یہ لڑکی نہ مرے گی تو وہ لڑکا زندہ نہ رہے گا اب چونکہ وہ اس لڑکی کو بھی کھلاتا تھا اس لئے اس کے مرنے کا بھی طبعی رنج ہے اور لڑکے کی خوشی بھی ہے لیجئے ایک تاریخ میں غم اور خوشی دونوں جمع ہو گئے تو دیکھا آپ نے ایک وقت میں حزن اور فرح دونوں جمع ہو سکتے ہیں، ایسے ہی اگر اہل اللہ میں ایک وقت میں دو متضاد چیزیں جمع ہو جائیں تو کیا مستبعد ہے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے کسی محبوب نے عاشق کے زور سے ایک لکڑی ماری تو اس کے چوٹ بھی لگے گی تکلیف بھی محسوس ہوگی لیکن اس کے ساتھ ہی فرحت بھی ہوگی کہ خیر کچھ علاقہ تو ہوا محبوب سے (بقول امیر مینائی) ۔

www.besturdubooks.net

گو دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

یا جیسے کسی نے اپنے دنبل میں نشتر لگوایا تو وہ مارے تکلیف کے آہ آہ بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی خوش بھی ہے یہاں تک کہ پچاس روپیہ نکال کر سول سرجن کو انعام میں دیتا ہے، غرض اُسے ایک ہی وقت میں فرحت بھی ہے اور غم بھی ہے یعنی غم تو ہے طبعی اور فرحت ہے عقلی، غرض بہت مثالیں اس کی موجود ہیں کہ ایک وقت میں حزن اور فرحت دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ لہذا اہل اللہ کے حزن کو عوام اپنے حزن پر ہرگز قیاس نہ کریں کیونکہ حزن ہوتا ہے حق تعالیٰ کی ہیبت کا حق تعالیٰ کی عظمت کا اور ان کا ہوتا ہے پژمردگی کا مایوسی کا پریشانی کا۔

چنانچہ حدیث شریف میں بھی فرق آیا ہے، ذاکر اور غافل میں حی اور میت کا، بھلا اللہ تعالیٰ کا یاد کرنے والا اور پژمردہ ہو تو بہ کیجئے، دیکھئے کوئی عاشق اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے تو اُس کو اس کی یاد میں کس قدر چین ملتا ہے اور اللہ کا یاد کرنے والا چین والا نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے بھلا کوئی اللہ والا بھی کہیں پژمردہ ہو سکتا ہے، اس کے پاس تو ہر وقت مایہ تسلی موجود ہے، پریشانی اور پژمردگی تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی۔

دو غلطیاں:

خلاصہ یہ کہ جب چھوٹے چھوٹے وعدوں پر فرحت ہوتی ہے تو پھر اتنے بڑے وعدہ پر کیوں فرحت نہیں ہوتی، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ جو چیز فرحت میں کمی کرنے والی ہے وہ کیا ہے سو فرحت میں کمی کرنے والی چیز یہی ہے کہ اعمال صالحہ میں اور نعمائے جنت میں علاقے نہیں معلوم، اگر علاقے معلوم ہو جائیں تو پھر یہاں بھی کیوں نہ پوری فرحت ہو، خلاصہ یہ کہ دو غلطیاں تھیں ایک تو یہ کہ جنت کو اختیاری نہیں سمجھتے، اس لئے طبیعت اُبھرتی نہ تھی، اور ایک یہ کہ باوجود اختیاری سمجھنے کے اسباب اور مسبب میں کوئی تعلق نہیں سمجھتے اس سے بھی طبیعت کم اُبھرتی ہے، غرض جنت کے لئے جو طبیعت نہیں اُبھرتی اس کا علاج یہی ہے، اعمال صالحہ اور نعمائے جنت میں علاقے معلوم ہوں تو بڑی ضرورت اس کی ہے کہ یہ علاقے معلوم ہوں، اب اس کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ اجمالی طور پر معلوم ہو جائے اور عوام کے لئے اسی میں سلامتی ہے اور اس سے زیادہ کی نہ انہیں فرصت نہ قدرت فہم، دوسرا درجہ یہ ہے کہ تفصیل سے معلوم ہو جائے پھر اس تفصیل کے بھی دو درجے ہیں ایک تو استیعاب کے ساتھ اس کا نام تفصیل مطلق ہے اور ایک

www.besturdubooks.net

یہ کہ نمونہ کے طور پر یعنی اگر چند جزئیات پر بھی اطلاع ہو جائے تب بھی ایک قسم کی قناعت سی ہو جاتی ہے، اس کا نام تفصیل مجمل ہے، اس طرح گویا کل تین درجے ہوئے ایک اجمال ایک تفصیل مطلق، ایک تفصیل مجمل، تفصیل مطلق کے لئے تو بہت زیادہ وقت درکار ہے کئی جلسے بھی اس کے لئے کافی نہیں نہ اس کی چنداں حاجت ہے کیونکہ اگر صرف اجمال یا تفصیل مجمل ہی معلوم ہو جائے تو دوسری جزئیات میں مقایسہ سے بھی اطمینان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ عرض کرتا ہوں یہ جو میں نے آیت تلاوت کی ہے اس کے درمیان جنت کی نہروں اور جنت کے پھلوں کا ذکر ہے اب میں ان نعمتوں کا اعمال سے جو تعلق ہے اس کو بیان کرتا ہوں گو اس تعلق کی تعیین اشارات نصوص ہی سے ہوگی صریح نصوص سے نہ ہوگی مگر قناعت کے واسطے اور قوت دعویٰ کے واسطے اور طبیعت کے ابھرنے کے واسطے یہ بھی کافی ہے گو قطعی طور پر تو تعلق کی تعیین وہاں ہی ہو سکتی ہے جہاں تعلق منصوص ہے، سو تفصیل تو کہیں منصوص نہیں اس لئے اس کا قطع نہیں ہو سکتا لیکن اجمالی تو منصوص ہے یعنی صرف اتنا حکم کہ جہاں اعمال ہوں گے وہاں جنت بھی ضرور ہوگی اور یقین کے لئے اتنا اجمال بھی کافی ہے مگر تفصیل سے قدر اعتقاد میں قوت ہو جائے گی، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گو پہلے ہی سے یقین تھا کہ حق تعالیٰ احیاء موتیٰ پر قادر ہیں لیکن مشاہدہ ہونے پر اطمینان زیادہ ہو گیا، اسی طرح یہاں بھی تعلق کی تعیین سے زیادہ اطمینان ہو جاتا ہے گو وہ اطمینان اس درجہ کا تو نہیں ہوگا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا تھا، یعنی گو یقین کے درجے میں تو نہیں ہوگا مگر رجحان کے درجہ میں تو ضرور ہو جائے گا، اس واسطے بعض حدیثیں نمونے کے طور پر مختصراً عرض کرتا ہوں اس وقت میرے پاس میری کتاب جزاء الاعمال بھی موجود ہے میں اس سے کچھ مختصر طور پر عرض کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے ایک مضمون سمجھ لینا چاہئے جس کے متعلق بعض کو ایک سخت غلطی واقع ہو گئی ہے ایک تو وہ غلطی ہے اور ایک اس غلطی کا محل ہے یعنی وہ چیز جس کے متعلق وہ غلطی ہے وہ غلطی جس چیز کے متعلق ہے پہلے اس کو بیان کرتا ہوں پھر اس غلطی کو عرض کروں گا، وہ محل غلطی کا عالم مثال کا وجود ہے جس کا وجود صحیح اور ثابت ہے مگر اس کے متعلق ایک غلطی ہو جاتی ہے، دونوں کو بہ ترتیب بیان کرتا ہوں۔

عالم مثال:

اول عالم مثال کا اثبات کرتا ہوں سو سمجھ لیجئے کہ یہ ثابت ہے اشارات نصوص سے اور اشارات

www.besturdubooks.net

تو میں نے احتیاطاً کہہ دیا ہے ورنہ وہ اشارات بمنزلہ صراحت کے ہیں تو گویا بالتصریح یہ ثابت ہے کہ علاوہ عالم شہادت یعنی دنیا کے اور عالم غیب یعنی آخرت کے ان دونوں کے درمیان میں ایک اور بھی عالم ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں جو من وجہ مشابہ ہے عالم شہادت کے اور من وجہ مشابہ ہے عالم غیب کے یعنی وہ برزخ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے اور اس عالم کے ماننے سے ہزاروں اشکالات قرآن وحدیث کے حل ہو جاتے ہیں مثلاً حدیث میں ہے اور یہ کام کی بات ہے حدیث میں وارد ہے کہ قبر میں اس طرح سے عذاب ہوگا یا ثواب ہوگا، مثلاً عذاب کی ایک یہ صورت بھی ہوگی کہ زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبا لے گی، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم مردہ کو قبر کے اندر تو رکھ دیں لیکن مٹی ڈال کر دفن نہ کریں تو ظاہر ہے کہ جب تک ہم بیٹھے رہیں گے نہ زمین ملے گی نہ وہ مردہ کو دبائے اس صورت میں ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جتنا فصل لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے وہی باقی رہتا ہے لاش دبتی دباتی کچھ بھی نہیں، ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے تو یہ صورت عذاب قبر کی جو حدیث میں آئی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کے متعلق تو ہے ہی نہیں کیونکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ اشکال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو گیا کہ لوگوں نے اس کو دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا، حالانکہ اگر دنیا کے متعلق ہوتا تو اس کے آثار کا نظر آنا بھی ضروری تھا اور اگر آخرت کے متعلق سمجھا جاوے تو اول تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو لفظ زمین سے متبادر ہے دوسرے یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جاوے تو پھر وہاں دو ہی ٹھکانے ہیں جنت یا دوزخ اور داخل ہونے کے بعد جنت سے تو کسی کا نکلنا ممکن نہیں اور دوزخ سے سب کا نکلنا ممکن نہیں اور حشر ہوگا جنت دوزخ سے باہر تو معلوم ہوا کہ ابھی جنت یا دوزخ میں گیا ہی نہیں۔ پھر حدیث کے کیا معنی تو اول نظر میں تو کسی کو یہی شبہ ہو سکتا ہے کہ جو ملاحدہ اور اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے چنانچہ ملاحدہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے ان کا بھی مذہب یہی رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں اور تشبیہیں ہیں اور مطلب ان مثالوں کے دینے سے یہ ہے کہ ایسی حالت ہوتی ہے یعنی مشابہ ان حالتوں کے حالت ہوتی ہے واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت بڑی دوڑ دوڑے، حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ وہ لوگ محض روحانی عذاب اور ثواب کے قائل ہو گئے اور جسمانی کے منکر ہو گئے، اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرات النار (مجمع الزوائد ۳: ۴۶، اتحاف السادة المتقين ۲: ۱۰۳، الترغيب

والترھیب ۴: ۲۳۸۔) یعنی قبر تو دوزخ کا گڑھا ہوتی ہے یا جنت کا ٹکڑا تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں قبر میں کہ یہاں نہ تو پھول ہیں جنت کے نہ آگ ہے دوزخ کی پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہوسکتی ہے، غرض یہاں قبر کی جنت دوزخ میں تو یہ اشکال ہے رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ جنت میں وہ اشکال ہے جو میں نے پہلے عرض کیا، بہر حال یہ اشکال حل نہیں ہوسکتا، جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں یعنی عالم برزخ کے جس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا کہ وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا کہ وہ آخرت ہے تو وہ ایسا عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ یا جیسے کہ حوالات بہ نسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر بہ نسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے اور آخرت کا بھی نمونہ بنایا ہے اور تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے، وہاں ایک آسمان بھی ہے، مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے، مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم ہی تو مرنے کے بعد روح کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے، غرض یہ ایمان ہے ہمارا کہ حشر روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی یعنی یہی جسم جو ہم اب لئے بیٹھے ہیں اور جو گل سڑ کر خاک ہو جائے گا اسی کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر تازہ بنا کر محشور فرمائیں گے لیکن وہاں اس جسم کی خاصیت بدل جائے گی یعنی اب تو یہ خاصیت ہے کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس کا پیشاب پاخانہ بنتا ہے، بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یہاں تک کہ ایک دن مر کر فنا ہو جاتا ہے اور وہاں گویا ابدی اور خالد ہو جائے گا۔ غرض ایک تو جسم یہاں ہے اور ایک جسم ہے عالم مثال میں اور وہ مشابہ ہے اس جسم کے یہ جسم بعینہ نہیں تو عالم مثال میں بدن بھی مثالی ہے وہاں کی جنت بھی مثالی ہے وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے۔ بس اس عالم مثال ہی کا نام قبر ہے اب سب اشکال رفع ہو گئے کیا معنی کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے کیونکہ کسی کو بھیڑیا کھا گیا یا کوئی سمندر میں غرق ہو گیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لئے اس کو چاہئے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو لیکن اب اشکال ہی نہیں رہا کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا، اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں

www.besturdubooks.net

بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں، قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو اور اس عالم مثال کے نہ جاننے ہی کی وجہ سے یہ بھی کہتے ہیں عوام کہ قبر ذرا بڑی رکھنی چاہیے تاکہ مردہ کو بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی قبر کے اندر مردہ کو بٹھایا جاتا ہوگا تو بس پھر کیا ہے اگر اپنے دشمن کو ستاتا ہو تو اس کی قبر ذرا تنگ بنا دی جاوے تاکہ مر کر بھی اُسے چین نصیب نہ ہو کیونکہ بعض لوگ اپنے دشمن کے لئے تمنا کرتے ہیں کہ مر کر بھی مصیبت سے نہ بچے تو اچھا ہے۔

اکرام مسلم:

حضرت یہ جو وسیع قبر کی تجویز شریعت نے کی ہے یہ اس بناء پر تھوڑا ہی ہے کہ اس کے اندر مردہ اس طرح بٹھا دیا جائے گا جیسے آپ اس وقت بیٹھے ہیں بلکہ یہ تو محض اکرام اور عزت ہے مومن کی کہ اس کو مر کر بھی بیکار نہیں کیا گیا، مرنے کے بعد بھی اس کے مرتبے کا لحاظ کیا اور ہر طرح اس کا اکرام کیا یہ نہیں کیا کہ وہاں تھا ٹال دیا بلکہ یہ حکم ہوا کہ اُس کی اس وقت بھی خاطر تواضع کرو قبر ایسی بناؤ کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو ویسی ہی جگہ اس کے لئے تجویز کرتے کپڑا ایسا پہناؤ جیسا وہ زندگی میں پہنتا تھا یعنی ویسا ہی لباس ہو، ویسی ہی صفائی ہو، خوشبوئیں بھی لگاؤ، نہلاؤ، دھلاؤ بھی، غرض بنا سنوار کر عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرو اور واقعی جیسے مسلمانوں میں مردہ کا اکرام ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں ہوتا اور عیسائیوں میں بھی گو بہت اکرام ہوتا ہے لیکن ان میں غلو بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ پیٹی بھی کستے ہیں بوٹ بھی، پٹی بھی غرض پوری وردی پہناتے ہیں گویا وہاں جا کر بھی صاحب بہادر پہرہ ہی دیں گے، پہرہ پر یاد آیا کہ ایک صاحب بہادر نے اپنے نوکر کو کسی خطا پر برخاست کر دیا اس نے معذرت چاہی اس نے کہا کہ چلے جاؤ وہ بولا کہاں جاؤں، اس نے نہایت برہم ہو کر کہا کہ جہنم میں جاؤ خیر اس وقت تو وہ نکل گیا لیکن تھوڑے دنوں ہی کے بعد پھر آ گیا، سامنے جا کر کہا سلام صاحب، صاحب بہادر بولے ہیں تم پھر آ گئے، اس نے کہا کہ حضور نے حکم دیا تھا کہ جہنم میں جاؤ چنانچہ میں وہاں گیا تھا لیکن حضور وہاں تو چاروں طرف صاحب لوگوں کا پہرہ ہے کسی نے مجھے گھسنے نہیں دیا کہنے لگے کہ یہ جگہ تمہارے لئے نہیں یہ تو خاص صاحب لوگوں کی ہے کسی ہندوستانی کو اندر جانے کی اجازت نہیں، یہ سُن کر وہ بہت ہنسا اور خوش ہو کر اسے پھر نوکر رکھ لیا، خیر یہ حکایت اس پر یاد آ گئی تھی کہ عیسائیوں کے یہاں مردہ کو پہرہ کا سامان گھڑی ڈوری بھی دیتے ہیں وہاں غلو ہے مگر یہاں اعتدال ہے یہاں کپڑا تو پہناتے ہیں مگر بے سلا وہاں تو اچکن پچکن بلکہ سایہ تک پہنا دیتے ہیں، غرض عیسائیوں کے یہاں تو اکرام میں غلو

www.besturdubooks.net

ہے اور ہندوؤں کے یہاں بالکل بھی اکرام نہیں بلکہ اور اُلٹی بے حرمتی کرتے ہیں، یہاں تک کہ بے چارہ کا سر بھی پھوڑتے ہیں، خیر وہ بے چارہ تو نہیں ہے ہے تو واقعی وہ سر پھوڑے جانے ہی کا مستحق، بہر حال اسلام میں اعتدال ہے تو وہ عالم عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اول پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے، وہیں اس کو فرشتے بٹھلاتے ہیں وہیں اس سے سوالات کرتے ہیں وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اُس کو عذاب ثواب ہوتا ہے وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور لو میں اب تمہیں کچھ اُس کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں جس سے یہیں اس کی کچھ کچھ حقیقت سمجھ میں آجاوے۔

عالم مثال:

وہ عالم کچھ کچھ خواب میں منکشف ہوتا ہے لیکن ایک تو خواب ہوتا ہے سچا اور ایک ہوتا ہے محض خیال تو جو خواب سچا ہوتا ہے اس میں کچھ کچھ انکشاف اس عالم کا ہوتا ہے بس اتنا فرق ہے کہ خواب میں تو حقیقت اُس عالم کی مغلوب ہوتی ہے کیونکہ اس میں آمیزش خیال کی بھی ہوتی ہے اور وہاں بالکل حقیقت ہی حقیقت ہوگی، ہاں وہ حقیقت اصلیہ بھی عالمِ آخرت کی حقیقت اصلیہ کے اعتبار سے تو بمنزلہ خواب ہی کے ہے بلکہ خواب میں جو حقیقت عالم مثال منکشف ہوتی ہے وہ بمقابلہ عالم مثال کی حقیقت اصلیہ کے اتنی ضعیف نہیں ہوتی جتنی عالم مثال کی حقیقت اصلیہ بمقابلہ عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے ضعیف ہے وہ اس سے بھی ضعیف تر ہے تو خواب میں اگر کوئی یہ دیکھے کہ مجھے سانپ نے کاٹا تو خواب ہی میں بھاگتا بھی ہے چلتا بھی ہے چیختا بھی ہے چلاتا بھی ہے اب کوئی اس سے کہے کہ ارے تو تو برابر بستر پر پڑا رہا ہے نہ تجھے کسی سانپ نے کاٹا نہ تو بھاگا نہ چلایا کیوں خواہ مخواہ جھوٹ بولتا ہے تو کہہ سکتا ہے مگر چونکہ یہ امر خواب میں ہر شخص کو واقع ہوتا ہے اور عالم مثال منکشف ہوتا ہے، اس لئے اس کی کوئی تکذیب نہیں کرتا اور شارع علیہ السلام اس کی خبر دیں تو وہاں تکذیب کرتا ہے حیرت ہے تو عالم مثال میں ہر چیز کا نمونہ موجود ہے یعنی جتنی چیزیں ہیں موجودات حقیقیہ وہ سب وہاں موجود ہیں ایسی مثال ہے جیسے آئینہ کہ اس میں بھی اپنی شبیہ نظر آتی ہے لیکن جس طرح آئینہ میں بھی ہمیشہ شکل بالکل مشابہ نظر نہیں آتی، یعنی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی آئینہ میں تو بڑا لمبا چہرہ نظر آتا ہے کسی میں بہت چوڑا اور ایسا برا کہ خود ہی تھپڑ مارنے کو جی چاہے، اسی طرح سیاہ آئینہ میں سیاہ صورت نظر آتی ہے حالانکہ اپنے چہرہ پر کالک نہیں لگا رکھی اور سرخ آئینہ میں

www.besturdubooks.net

سرخ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کوئی سرخ چیز نہیں مل رکھی تو جس طرح یہاں جو چیزیں آئینہ میں نظر آتی ہیں وہ من کل الوجوہ مشابہت نہیں رکھتیں اصل کے ساتھ بلکہ جو آئینہ سچا ہوتا ہے وہ بھی بالکل سچا نہیں ہوتا، اس واسطے کم از کم اتنا فرق تو ضرور ہوگا کہ آپ تو مثلاً بیٹھے ہیں مغرب میں لیکن آئینہ میں آپ نظر آویں گے مشرق میں تو دیکھئے کہاں رہی مشابہت من کل الوجوہ۔ غرض یہ جو آئینہ میں عکس نظر آتا ہے یہ محض ایک مثال ہے اصل صورت کی یعنی اُس کو ایک گونہ مناسبت ہے اصل صورت کے ساتھ تو جیسے آئینہ میں سب چیزیں نظر آتی ہیں گو وہ حقیقتاً مشابہ نہیں ہوتیں مگر صورۃً من وجہ مشابہ ہوتی ہیں اسی طرح عالم مثال میں اور اس عالم میں جو صور متشابہ ہیں اُن میں سے بعض میں تو مماثلت ہوتی ہے اور بعض میں مناسبت جب یہ بات سمجھ میں آ گئی۔

مناسبت اور مماثلت:

اب یہ سمجھئے کہ وہ مناسبت بعض اوقات جلی ہوتی ہے اور بعض اوقات خفی مثلاً ہم نے خواب میں دیکھا کہ فلاں شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہے اور بعد میں سُن بھی لیا کہ واقعی اسی شخص کے لڑکا پیدا ہو گیا تو یہاں تو باہم مناسبت قوی ہے اور جلی ہے جس کو مماثلت کہنا چاہئے اور کبھی یہ مناسبت قوی نہیں ہوتی بلکہ ضعیف اور خفی ہوتی ہے.......... جیسے میں نے دیوبند میں خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ دو ہیں یعنی سرہانے بھی وہی بیٹھے ہیں اور پائینتی بھی وہی بیٹھے ہیں۔ غرض یہ دیکھا کہ دو سراج الحق ہیں ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ ان شاءاللہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا کیونکہ اولاد جو ہے وہ باپ کا وجود ثانی ہے۔ چنانچہ ان کے گھر میں امید تھی لڑکا ہی پیدا ہوا یہ مناسبت خفی تھی یعنی بیٹے کو باپ کی شکل میں دیکھا یہ مماثلت تو نہیں کہی جاسکتی یہاں مناسبت ہے اب جس کو اس عالم مثال کی وجوہ مناسبت کا زیادہ علم ہوتا ہے وہی معبر ہوتا ہے اور جس کو جتنا زیادہ اس مناسبت کا علم ہوگا اتنا ہی وہ اعلیٰ درجہ کا معبر ہوگا کیونکہ تعبیر خواب کا حاصل یہ ہے کہ معبر صورۃ مرئیہ سے صورت مثالی کی طرف عبور کرتا ہے تو یہ معبر صورت مناسبہ کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ کس حقیقت کی صورت ہے اور یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں بلکہ محض فراست ہے چنانچہ بعض کفار بھی نہایت صحیح تعبیر دیتے ہیں یہاں تک کہ ابوجہل بھی بہت بڑا معبر تھا تو اب کیا اس کو بھی بزرگ کہیں گے۔

تعویذ بازی:

بس آج کل تو بڑا بزرگ وہ سمجھا جاتا ہے جو خوابوں کی تعبیر بتا دیتا ہو یا جیسا کوئی تعویذ مانگے

www.besturdubooks.net

ویسا ہی وہ دیتا ہو اور اگر کوئی صاحب کہہ دے کہ ہم تو بھائی تعویذ گنڈے جانتے نہیں تو یا تو اسے کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے بھلا کوئی بزرگ بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جو تعویذ نہ جانتا ہو اور اگر اسے سچا سمجھیں گے تو کہیں گے کہ اجی یہ بزرگ وزرگ کچھ نہیں اگر بزرگ ہوتے تو تعویذ لکھنا نہ جانتے، پھر اگر تعویذ دیا اور بیمار اچھا نہ ہوا تو تعویذ دینے والے کی بزرگی ہی میں شک ہونے لگتا ہے کہ اگر یہ بزرگ ہوتے تو کیا تعویذ میں اثر نہ ہوتا حالانکہ اچھا ہو جانا کچھ بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اس کے تعویذ میں زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اس کے محض سوچنے ہی سے جاڑا بخار اتر جاوے چاہے وہ کافر ہی کیوں ہو کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی موجود ہے اور یہ مشق سے اور بھی بڑھ جاتی ہے بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص مناسبت ہوتی ہے غرض بزرگی کا اس میں کچھ دخل نہیں یا مثلاً آج کل لوگ تصرفات کو بڑی بزرگی سمجھتے ہیں کہ ایک نگاہ دیکھا تھا دھڑ سے نیچے گر گیا تو یہ بزرگ کیا ہیں گویا گرگ ہیں، یوں کہئے کہ پہلوان بھی ہیں بزرگ صاحب، سو جناب یہ ساری خرابی بزرگوں کے اخلاق کی ہے کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے کچھ نہ کچھ تعبیر ضرور دے دینا، یا کوئی نہ کوئی تعویذ ضرور لکھ دینا اس میں بھی تو ایک بناوٹ اور تصنع سے ایسا کرتا ہے تاکہ درخواست کرنے والا ہماری بزرگی کا معتقد رہے یہ بات تو خیر الحمد للہ اہل حق میں نہیں ہے لیکن یہ خیال کر کے کہ اس کا دل نہ ٹوٹے لاؤ کچھ کر دیں اور بنا کر سوچ سا چکر کچھ کر کرا دیا اس میں اہل حق بھی احتیاط نہیں الا ماشاء اللہ اور صاف جواب اس لئے نہیں دیتے کہ دل ٹوٹے گا، سو اب چونکہ کہیں سے جواب تو ملتا نہیں اس لئے ان چیزوں کو بھی لوگ داخل بزرگی سمجھنے لگے، یہ خرابی ہوئی اخلاق کی، میں کہتا ہوں کہ خیر اگر دل شکنی کو بھی دل گوارا نہ کرے اور صاف جواب نہ دے سکیں تو کم از کم ایک بات تو ضروری ہے وہ یہ کہ یوں کہہ دیا کریں کہ بھائی اس کا تعلق دین سے تو کچھ نہیں ہے لیکن خیر تمہاری خاطر سے تعویذ دیئے دیتا ہوں باقی اثر ہونے کا میں ذمہ دار نہیں اور اگر اثر ہو بھی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں میرا کچھ دخل نہ ہوگا۔

تعبیر بازی:

اسی طرح تعبیر کے متعلق کہہ دیں اگر یوں بھی کہہ دیا کریں تب بھی خیر غنیمت ہے، لوگوں کے عقیدے تو خراب نہ ہوں، اس کی ایسی مثال ہے کہ ہم لوگ یہاں قربانی کی کھال اور سری پائے سقہ کو نہ دیا کرتے تھے کیونکہ یہ محض رسم ہے شرعاً اس کا کوئی حق نہیں لیکن جب سقوں نے

www.besturdubooks.net

بہت برا مانا تب میں نے یہ کیا کہ ان سے صاف کہہ دیا کہ شرعاً تمہارا کوئی حق نہیں ہے مگران کو کچھ پیسے دیدیئے، یہ ہمارے درجے کی بات ہے بس اب ہم تو یہ ہے کرتے ہیں کہ اٹھا کر پیسے دے دیئے قربانی کا گوشت یا کھال نہیں دیتے یا سری پائے دے دیئے اور کہہ دیا کہ غریب سمجھ کر دے دیتے ہیں تمہارا کچھ حق نہیں، تو غرض اتنا بھی کریں تو غنیمت ہے مگر بزرگوں کے اخلاق کہ جی برا نہ ہو بس جی اگر جی بُرا ہونے میں اتنی ہی وسعت ہے تو پھر حق واضح ہو چکا اور اس میں جی بُرا ہونے کی کیا بات ہے اچی نرمی کے ساتھ کہہ دو کہ سمجھ میں نہیں آئی تعبیر۔ اسی واسطے اگر کوئی مجھے خواب لکھ کر بھیجتا ہے تو میں تجربوں کی بنا پر اکثر یہ شعر جواب میں لکھ دیتا ہوں

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ‏ ‏ ‏ ‏ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر بیان کروں، محبوب حقیقی کا غلام ہوں پس انہی کی باتیں کرتا ہوں)

صاف لکھ دیتا ہوں کہ خواب کوئی بڑی چیز نہیں بیداری کا قصہ بیان کرو اور واقعی خواب میں اگر کوئی یہ بھی دیکھے کہ میں سور کا گوشت کھا رہا ہوں بلکہ سور ہی بن گیا تب بھی واللہ العظیم اس کو حق تعالیٰ سے مطلق بعد نہیں ہوا اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے بازو پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہیٰ پر جا پہنچا ہوں بلکہ خود جبرئیل ہی بن گیا تب بھی خدا کی قسم اس کو ذرہ برابر قرب حاصل نہیں ہوا ہاں بعد بیداری کے اُس نے اب اُٹھ کر غیبت کی تو اب بعد ہوا اور جب خواب میں گو کھاتا پھرتا تھا اور سور بنا ہوا تھا اس وقت بُعد نہ تھا نہ اسی طرح جب خواب میں جبرئیل بنا ہوا تھا، اس وقت قرب نہ تھا تو نہ جبرئیل بننے سے خواب میں قرب حاصل ہو نہ سور بننے سے بُعد ہو، خواب میں کیا رکھا ہے مگر ہزاروں لوگ غلطیوں میں مبتلا ہیں، یہی حال تعویذوں کا ہے غرض حقائق میں اور صور مثالیہ میں جو مناسبتیں ہیں جن لوگوں پر وہ منکشف ہو جاتی ہیں وہی معبر ہوتے ہیں خواہ وہ انکشاف عقل وفراست ہی سے ہو کیونکہ بعض عاقل بھی اُن مناسبتوں کو اپنی فراست سے سمجھ جاتے ہیں جیسے ابوجہل دنیا کا بڑا عاقل تھا وہ بھی بہت بڑا معبّر تھا حالانکہ وہ بزرگ تو کیا ہوتا رئیس الکافرین تھا اسی واسطے تو میں کہا کرتا ہوں کہ نری عقل سے کچھ نہیں ہوتا جب تک فضل بھی نہ ہو۔

عقل پر ناز:

اللہ کی قسم عقل پر ناز کرنا بے عقلی اور بیراہی ہے اس لئے خدا کے واسطے اگر کسی کو اپنی عقل پر

www.besturdubooks.net

ناز ہوتو اس خیال کو دُور کرے نری عقل کچھ کام نہیں آتی بڑے بڑے عقلاء نے ٹھوکریں کھائی ہیں جب تک حق تعالیٰ کی دستگیری نہ ہو عقل کچھ کام نہیں آتی، دیکھئے بڑی رفتار گھوڑے کی یہ ہے کہ دامنِ کوہ تک پہنچادے اُس کے بعد گھوڑا بالکل بیکار ہے وہاں تو ہوائی جہاز کی ضرورت ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہر کجا پستی آب آنجا رود　　ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش　　ہمچو او باگریہ و آشوب باش

(فہم وخاطر کو تیز کرنا راہ سلوک نہیں بلکہ شکستگی پیدا کرنا ہے، اللہ کا فضل و کرم سوائے شکستہ لوگوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔ فہم و خاطر کو تیز کرنا راہ سلوک نہیں بلکہ شکستگی پیدا کرنا ہے، اللہ کا فضل و کرم سوائے شکستہ لوگوں کے کسی پر نہیں ہوتا۔ جہاں پستی ہوتی ہے پانی وہیں جاتا ہے جہاں اشکال پیش آتا ہے جواب وہاں دیا جاتا ہے۔ برسوں تم دلخراش پتھر متکبر بنے رہے آزمائش اور امتحان کی نظر سے کچھ روز خاسر بن کر (متواضع بن کر) دیکھو، بہار کے موسم میں پتے کب سرسبز ہوتے ہیں، مٹی بنوتا کہ اس میں سے رنگ برنگ کے پھول اگیں، اگر تم یوسف نہیں تو یعقوب بنوان کی طرح گریہ وزاری اور درد وطلب اختیار کرو)

وہاں تو شکستگی اور پستی کام دیتی ہے عقل کچھ کام نہیں دیتی، فرماتے ہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ؎

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

یہاں عقل پر تمہیں بڑا ناز ہے لیکن عنقریب ایک ایسا عالم تمہارے سامنے آرہا ہے کہ وہاں متاعِ عقل کو تم دیکھو گے کہ کاسد محض ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی سوار ہوا کشتی پر اس کو بڑا ناز تھا اپنی نحودانی پر ہر کسی سے پوچھتا کہ تم کچھ نحو بھی جانتے ہو حتیٰ کہ جاہل ملاح سے بھی آپ نے یہ سوال کیا وہ غریب کیا جانے کہ نحو کسے کہتے ہیں اس نے کہہ دیا کہ میں تو نحو نہیں جانتا، آپ یہ سُن کر بولے کہ واہ میاں تم نے اپنی آدھی عمر یوں ہی برباد کی وہ بے چارہ بہت دل شکستہ ہوا، تھوڑی دیر کے بعد چلتے چلتے کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی، اب لگے مولانا چلانے اس وقت ملاح نے پوچھا کہو مولانا کچھ تیرنا بھی جانتے ہو۔ مولانا بھلا

www.besturdubooks.net

تیرنا کیا جانتے کہا میں تو تیرنا نہیں جانتا، ملاح نے کہا کہ واہ مولانا تم نے اپنی ساری عمر یونہی برباد کی اس جگہ پہنچ کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

محوی باید نہ نحو ایں جا بداں

(یہاں محو ہونے کی ضرورت ہے علم نحو جاننے کی ضرورت نہیں)

آگے کا مصرعہ یاد نہیں رہا، آج ایک عالم جن پر تو طعن کرتا ہے کل قیامت میں ان کے سر پر تاج بھی ہوگا اور ان کے لئے تخت بھی ہوگا اور جو طعن کرنے والے ہیں اُن کے سر پر گو کا ٹوکرا ہوگا اور پیروں میں زنجیریں ہوں گی، وہاں حقیقت کھلے گی کہ جن کو اب ہم احمق اور خبطی سمجھتے ہیں ان کا اور اللہ کا تعلق کس قدر قوی ہے اور وہاں معلوم ہوگا کہ محض ضابطہ کا نماز روزہ کچھ کام نہیں آئے گا، اس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ما بروں را ننگریم وقال را / مادروں را بنگریم و حال را

ناظر قلبیم اگر خاشع بود / گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود

(ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن اور حال کو دیکھتے ہیں، ہم دل کو دیکھتے ہیں کہ اس میں اگر خشوع ہے اگرچہ اس نے عاجزی والے کلمات ادا نہ کئے ہوں)

غرض شکستگی ہونی چاہئے نری عقل اور ذکاوت سے کچھ کام نہیں چلتا، غرض حقائق اور صور مثالیہ کی مناسبتیں کبھی عقل سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں، عقل بھی کبھی دور تک پہنچ جاتی ہے مگر دین میں نری عقل کافی نہیں، بڑا کمال عقل کا یہ ہے کہ وہاں تک پہنچ جائے جہاں تک عقل کا پہنچنا ممکن ہے، سو عقل بھی ایک بڑا رہوار گھوڑا ہے لیکن گھوڑا چاہے کتنا رہوار ہو ہوائی جہاز کا کام تو نہیں دے سکتا۔ اسی طرح عقل سے آگے وحی کی ضرورت ہے سو عقل کی رسائی وجوہ مناسبت عالم مثال تک ہو سکتی ہے مگر کمال نہیں اور یہ مضمون استطراداً آ گیا اب مقصود کی طرف عود کرتا ہوں۔

عالم مادی:

یہ تو معلوم ہو گیا کہ علاوہ عالم شہادت اور عالم آخرت کے ایک عالم مثال بھی ہے اس کا مان لینا ضروری ہے ورنہ قرآن حدیث کے بہت سے معانی مشتبہ رہتے ہیں اور ایسے اشکالات واقع ہوتے ہیں کہ جن کا جواب ہی نہیں اور عالم مثال کے ماننے سے سب اشکالات دور ہو کر معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں یہاں تک تو عالم مثال کا اثبات تھا اب اس کے بعد اُس غلطی کا ذکر کرتا ہوں جو اس

www.besturdubooks.net

کے ماننے والوں میں سے بعض کو واقع ہوگئی ہے وہ یہ کہ یہ لوگ عالم مثال کے ایسے قائل ہوئے کہ سرے سے آخرت ہی کو اُڑا دیا یعنی آخرت کی حقیقت ہی یہ بیان کی کہ آخرت بھی تمثلات ہیں، وہاں مادیات نہیں یعنی جیسے دنیا عالم مادی ہے، عالم آخرت ان کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ وہ غیر مادی ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک آخرت بھی عالم مادی ہے اور وہ غلط کار لوگ کہتے ہیں کہ آخرت عالم مادی نہیں بلکہ محض تخیل ہوگا لیکن ایسا قوی تخیل ہوگا کہ یوں معلوم ہوگا جیسے مادیات ہوں پس ایسا عالم ہوگا جیسا خواب میں ہوتا ہے کہ سانپ کے کاٹنے کی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے انسان ڈرتا بھی ہے بھاگتا بھی ہے، چیختا بھی ہے چلاتا بھی ہے لیکن واقع میں نہ کوئی سانپ ہوتا ہے نہ وہ کاٹتا ہے نہ کچھ ہوتا ہے وہ عذاب قبر کے بھی اسی طور پر قائل ہیں کہ مثلاً یہ جو آیا ہے کہ سانپ اور بچھو کاٹیں گے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سچ مچ سانپ اور بچھو کاٹیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسی بچھوؤں کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے ایسی ہی تکلیف روح کو ہوگی، اس تکلیف کو تعبیر کر دیا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عنوان سے کہ سانپ بچھو کاٹیں گے، غرض وہ لوگ اس کے قائل ہوگئے کہ آخرت میں عذاب اور ثواب اس طور پر ہوگا کہ جیسے بعض اوقات انسان پر خیال کا غلبہ ہوتا ہے وہاں بھی اعمال کی صورتیں ایسے طور پر نمایاں ہوں گی کہ وہ شخص یوں سمجھے گا کہ میں باغوں میں پھر رہا ہوں، حوروں میں مشغول ہوں اور واقع میں نہ باغ ہوں گے نہ حوریں ہوں گی مگر تصرف متخیلہ کا ایسا ہوگا جیسے یہاں آدمی بیٹھ کر وہم کو اپنے اُوپر غالب کر لیتا ہے۔

جوتے کی برکت:

چنانچہ دیوبند میں ایک ذی علم پر تخیل کا غلبہ تھا کہ وہ یوں کہتے تھے کہ سوکھے ٹکڑے بھی اگر پلاؤ کے تصور سے کھاؤں تو پلاؤ کا لطف آتا ہے مجھے بھی اُن کی زیارت ہوئی ہے اُن ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ رضائیاں اور لحاف اپنے سر پر باندھتے تھے انہیں یہی وہم سوار ہوگیا تھا کہ میرا سر نہیں رہا ہے اس لئے سر کی جگہ وہ ان چیزوں کو باندھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے طبیب بھی بہت اچھے تھے، طب میں اچھی خاصی عقل تھی لیکن اس خبط میں مبتلا ہوگئے تھے کہ میرا سر نہیں رہا، مولانا کو اطلاع کی گئی مولانا علاج کے لئے تشریف لے گئے، حال پوچھا تو وہی ہانکا کہ سر نہیں مولانا صاحب نے نکال کے جوتہ سر پر ہی مارنا شروع کیا وہاں اس کا بہت چرچا تھا چلانے لگے کہ مولوی صاحب چوٹ لگی، چوٹ لگی، مولانا نے فرمایا چوٹ کہاں لگی بولے سر میں فرمایا سر تو ہے ہی نہیں، کہنے لگے اجی ہاں ہے اب معلوم ہوا کہ واقعی ہے بس جاتا رہا مالیخولیا، اسی طرح جب کوئی آکر شکایت کرتا

www.besturdubooks.net

کہ میرے فلاں عزیز پر اللہ بخش جن کا اثر ہے تو مولانا فرماتے کہ یہ میرا جوتہ لے جاؤ اور جا کر چار پانچ سر پر لگاؤ دیکھیں تو کیسا اللہ بخش ہے اور مولانا کا یہ مطلب نہ تھا کہ واقع میں اللہ بخش کا اثر نہ ہوتا تھا محض مکر ہی ہوتا تھا نہیں بلکہ اگر سچ مچ بھی اثر ہوتا تھا تو وہ بھی مولانا کے جوتہ کی برکت سے جاتا رہتا تھا کیونکہ کاملوں سے سب ڈرتے ہیں، اللہ بخش بھی خدا بخش بھی، اس قسم کی ایک کرامت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ خلیفہ کی لڑکی پر جن کا اثر ہوا، امام صاحب نے اپنا جوتہ بھیج دیا وہ دیکھتے ہی بھاگ گیا، جب امام صاحب کا انتقال ہو گیا تو پھر اثر ہوا، اُن کے ایک شاگرد کو اطلاع کی گئی انہوں نے بھی اپنا جوتہ بھیج دیا، جن نے کہلا بھیجا کہ خیر اوّل گستاخی تو معاف کی جاتی ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہو جو تمہارے جوتے میں وہ برکت ہو، یاد رکھو آئندہ اگر ایسی گستاخی کی تو تمہاری اچھی طرح اصلاح کی جائے گی۔

مالیخولیا کا علاج:

غرض مالیخولیا کا بڑا علاج یہ ہے کہ کسی تدبیر سے مریض کا خیال بدل دیا جاوے، ایک شخص کو یہ خیال ہو گیا کہ میرا بدن شیشے کا ہے، حکیم صاحب نے نبض جو دیکھنی چاہی تو آپ کہنے لگے کہ ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو مجھے ہاتھ نہ لگانا، میرا بدن شیشے کا ہے ٹوٹ جاوے گا، حکیم صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا یہ تو بڑی دور پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے کیا تدبیر کی اگلے دن بلایا اور آنے کے قبل خادموں کو حکم دیا کہ یہ جب آوے اس پر کمبل ڈال کر گرا کر اوپر سے شیشہ کے ٹکڑے پتھر سے توڑ دو لیکن اس طرح کہ چوٹ نہ لگے، اگر غل مچائے تو مچانے دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس نے بڑا غل مچایا کہ ہائے میں ٹوٹا، ہائے میں پھٹا، لیکن کسی نے ایک نہ سنی، بالآخر حکیم صاحب نے اُسے شیشہ کے ٹکڑے دکھلا کر کہا کہ دیکھو میاں ہم نے تمہارے بدن سے شیشے کا خول اتار دیا اب تو اصلی بدن ہو گیا یا نہیں، شیشے کے ٹکڑے دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ شیشے کا جو خول تھا تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ اُتر گیا پھر آپ نے بدن ٹٹول کر کہا کہ ہاں اب تو ہو گیا بدن غرض یہ خیال ایسی چیز ہے۔

حکایت افلاطون:

ایک حکایت افلاطون کی ہے جس کو دنیا پر منطبق کرو تو بالکل ٹھیک ہے اور دنیا ہی کے متعلق وہ ہے بھی، ہائے اس وقت ایک قطعہ یاد آ گیا دنیا پر ؎

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ　　گفت یا خوابے یا بادیست یا افسانہ

باز گفتم حال آنکس گو کہ دل در روئے بہ بست　　گفت یا غولے ست یا دیو یست یا دیوانہ

(ایک عقلمند سے میں نے دنیا کا حال دریافت کیا اس نے کہا یا تو خواب ہے یا ہوا ہے یا افسانہ ہے، پھر میں نے کہا اس شخص کا حال بیان کرو جس نے دنیا میں دل لگایا، اس نے جواب دیا وہ بھتنا ہے شیطان ہے یا دیوانہ ہے)

افلاطون کو اہل ظاہر تو کافر کہتے ہیں لیکن بعض اہل باطن کا کشف ہے کہ وہ مومن تھا اور کیا تعجب ہے کہ وہ مومن ہی ہو ورنہ اس میں تو شک نہیں کہ وہ اشراقی تو ضرور تھا اور صاحب کشف تھا اور یہ شراقین سب حکماء تھے فاسق فاجر نہ تھے نہ طامع تھے کیونکہ جو علوم میں کامل ہوگا خواہ وہ علم مقصود نہ ہو مگر وہ دنیا کا طالب ہرگز نہ ہوگا ویسے حکماء تو مشائین میں بھی تھے، فاسق فاجر وہ بھی نہ تھے لیکن اشراقین تو بالکل تارک الدنیا ہوتے تھے جیسے جوگی پھوگی ہوتے ہیں اگرچہ مقبول نہ ہوں چنانچہ افلاطون بھی اگر مومن بھی نہ ہو مگر ایسا ہی تھا وہ اللہ کی یاد کرتا تھا چاہے اس کی یاد مقبول نہ ہو کیونکہ اگر کسی میں ایمان نہ ہو تو وہ لاکھ عبادت اور ریاضت مجاہدہ کرے کچھ بھی نہیں، بہرحال افلاطون کا یہ دستور تھا کہ جو کوئی اس سے ملنے آتا تھا پہلے اس کی تصویر منگاتا تھا اس کا ایک شاگرد تھا جو دروازہ پر رہتا تھا وہ مصور اعلیٰ درجہ کا تھا اس کو حکم ہوتا تھا کہ آنے والے کی تصویر کھینچ کر ہمارے سامنے پیش کرو وہ فوراً تصویر کھینچ کر افلاطون کے سامنے پیش کر دیتا، افلاطون قیافہ داں اس غضب کا تھا کہ تصویر ہی سے آنے والے کے تمام اخلاق معلوم کر لیتا تھا جو ملنے کے قابل ہوتا اس کو اپنے پاس بلا لیتا اور جو ملنے کے قابل نہ ہوتا اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتا گو کتنا ہی بڑا شخص ہو۔

حکایت خلوت نشیں:

اس پہرہ چوکی پر ایک بزرگ خلوت نشیں کی حکایت یاد آ گئی کہ اُن کا بھی ایک خادم پہرہ پر رہتا تھا، ایک دفعہ بادشاہ وقت ان بزرگ سے ملنے گئے اور واقعی جو تارک الدنیا ہیں ان کے سامنے بادشاہوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں، چنانچہ وہاں ان کا ایک خدمت گار بطور دربان کے تھا گو وہ ٹوٹا پھوٹا ہی سا تھا مگر ــــ

مبیں حقیر گدایاں عشق را کایں قوم　　شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

(گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہان بے تخت ہیں)

جو مرید ہوتے ہیں اُن کی نظر میں اپنے شیخ کی برابر بادشاہ بھی نہیں ہوتا، چنانچہ بادشاہ جیسے صاحب ہیبت اور صاحب شوکت کا بھی اس خدمتگار پر مطلق اثر نہیں ہوا اس نے بادشاہ سے

www.besturdubooks.net

کہا کہ ذرا ٹھہر جائے میں پہلے دریافت کرلوں اگر اجازت مل گئی تو آپ اندر جا سکیں گے، ورنہ نہیں غرض بادشاہ کو مجبوراً باہر ٹھہرنا پڑا، جب باقاعدہ اجازت مل گئی تو اندر پہنچا دیکھا تو ایک معمولی سا شخص ہے، دل میں کہا کہ میاں کا لباس تک تو ٹھیک نہیں اور دماغ ایسے ہیں جیسے مالک الملک ہوں اور دماغ کیوں نہ ہوں بادشاہ اگر مالک الملک تھا تو وہ مالک الفلک تھے، فلک سے مراد فلک کیونکہ فلک بھی ایک قسم کی کشتی ہے جو فضا میں گھوم رہی ہے بادشاہ اس پہرہ چوکی سے جلا ہوا تو تھا ہی اس نے بطور اعتراض کے ان درویش کے سامنے پہنچتے ہی یہ مصرعہ پڑھا ؎

درویش را درباں نباید (درویش کو دربان نہ چاہئے)

انہوں نے فی البدیہہ جواب میں دوسرا مصرعہ پڑھ دیا ؎

بباید تاسگِ دنیا نیاید (ضرور چاہئے تاکہ دنیا کا کتا اندر نہ آئے)

موت کا خوف:

یہ لوگ اہل دنیا سے بالکل نہیں ڈرتے اور کیوں ڈریں وہ ان کا کیا کرلیں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جان لے لیں گے بس اور کیا کرلیں گے سو اس کے بارہ میں ان کا یہ جواب ہے کہ لَا ضَیْرَ. اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ کچھ حرج نہیں تم اگر ہمیں مار ڈالو گے تو اور اُلٹا ہمارا بھلا ہو جائے گا ہم اپنے اللہ میاں کے پاس چلے جائیں گے، اچھا ہے قید سے چھوٹ جائیں گے، ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خبر مرنے کی جب سنتے ہیں تو خوش ہو کر بزبان حال یہ پڑھتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سر جاں شوم

(وقت قریب آگیا ہے کہ میں بدن کے لباس میں سے ننگا ہو جاؤں گا جسم کو چھوڑ کر سراپا جان ہو جاؤں گا)

جب تک زندہ تھے قالب میں مقید تھے زندگی میں تو حجاب بھی تھا جب مر گئے تو حجاب اٹھ گیا، اس لئے یہ حضرات مرنے پر اور بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ اس کہنے کا وقت آگیا ؎

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانہ ما کہ کسے نیست بجز دردِ تو در خانہ ما

(بے دھڑک اندر آجا میرے کاشانہ (دل) میں تیرے سوا اور کوئی موجود نہیں)

انہیں کیا ڈر مرنے کا، یہ تفسیر لطیف ہے، اس آیت کی لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ غرض ان کے یہاں موت تو ایک کھیل ہے انہیں موت سے کوئی کیا ڈراوے وہ تو خود موت کی تمنائیں کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ؎

www.besturdubooks.net

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم واز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ میں اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں، میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں۔)

اور خیر وہ تو غزل کیا پڑھتے مگر مرنے کے وقت اپنے نائب کو پڑھنے کی وصیت کر جاتے ہیں، اللہ اکبر کیسی مطمئن ہوگی وہ روح ایک بزرگ وصیت کر گئے تھے کہ ہمارا کوئی خوش آواز مخلص مرید ہمارے جنازہ کے ساتھ یہ پڑھتا ہوا چلے ۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو (آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں) یعنی ہماری طرف سے عرض کرتا ہوا جاوے ۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست و بربازوئے تو

(آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عنایت کیجئے، ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھائیے آپ کے دست وبازو پر آفرین ہے)

تو ان کی خوشی کی کیا انتہا ہے وہ کیا ڈرتے موت سے، اس واسطے ان درویش نے بے دھڑک بادشاہ کو اس کے مصرے کا یہ جواب دیدیا ۔ باید تاسگِ دنیا نیاید

وجہ یہ کہ یہ جو شخص تارک الدنیا ہوگا وہ تارک تارک بھی ضرور ہوگا تارک سر کو کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جس روز آپ شہید کئے گئے تھے، آپ کو کشف ہوگیا تھا چنانچہ آپ صبح ہی سے نہایت شاداں اور فرحاں تھے، موت کی وجہ سے اور بار بار یہ کہتے تھے ۔

سر جدا کرداز تنم یارے کہ باما یار بود قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

(سر جدا کیا میرے جسم سے اس یار نے جو ہمارے ساتھ یار تھا قصہ مختصر ورنہ دردِ سر بہت تھا)

متاعِ دنیا:

بڑے بے فکر ہیں یہ لوگ انہیں تو بس ایک ہی فکر ہے جیسے عصائے موسیٰ اتنا بڑا سانپ ہوگیا تھا کہ سارے سانپوں کو نگل گیا تھا، ایسے ہی ان کی یہ ایک فکر ایسی ہے کہ سارے فکروں کو نیست و

www.besturdubooks.net

نابود کر دیتی ہے۔ سبحان اللہ کیا انتہا ہے ان کی زندگی کی پاکیزگی کی ایک بار بادشاہ وقت افلاطون کے پاس آیا اور بعد امتحان اس نے بادشاہ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیدی، جب رخصت ہونے لگا تو افلاطون نے کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں بادشاہ نے دل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے زیادہ دنوں تک تنہائی میں رہتے رہتے خبط ہوگیا ہے، یہ جنون ہی تو ہے کہ آپ کی ایسی پھٹی ٹوٹی تو حالت اور بادشاہوں کو دعوت کرنے کے حوصلے بادشاہ اس خیال میں معذور بھی تھا وہ تو اسی متاع کو بڑی چیز سمجھتا تھا، مگر افلاطون کی نظر میں اس کی وہ وقعت تھی جیسے بچے ایک گھر بناتے ہیں پیر مکوڑا دیکھو وہاں سہ دریاں بھی ہیں کوٹھے بھی ہیں سب کچھ موجود ہے مگر باپ اس کو دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ ان حضرات کا سارا گھر میری ایک لات کا ہے بس ایسی ہی متاع ہے عقلاء دنیا کی جیسے ایک منہیارا اپنے سر پر چوڑیوں کا ایک ٹوکرا لئے جارہا تھا گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی چیز کی بابت انہیں پوچھنا ہوتا ہے اپنی لاٹھی سے آہستہ سے ایک کھودا دیا کرتے ہیں، کھود کرید کرنے کے لئے اسی طرح دیہاتی نے ان چوڑیوں میں لاٹھی سے کھودا دے کر منہار سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہے اس نے کہا جی بس ایک دفعہ اور مار دو تو کچھ بھی نہیں یعنی ایک ضرب سے سب تقسیم تفریق سے مبدل ہو کر کسور تک پہنچ گئی اور کسور بھی صرف کسور عام نہیں بلکہ کسور اعشاریہ بھی غرض سارا حساب یہیں ختم ہوگیا تو اہل دنیا کے نزدیک دنیا کی متاع بڑی چیز ہے۔

افلاطونی دعوت:

اسی بناء پر بادشاہ نے عذر کیا افلاطون کو اس خیال کا ادراک تھا اس لئے افلاطون نے کہا تھا، میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں یہ سن کر بادشاہ نے دل میں تو یہی کہا کہ واقعی اس کے دماغ میں خلل معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ضروری سامان تک نہیں یہ مجھے کھلا دے گا کیا، لیکن زبان سے یہ بات تو ادب کی وجہ سے کہہ نہ سکا کہ یہ عذر کیا کہ آپ کو فضول تکلیف ہوگی، افلاطون نے کہا کہ نہیں مجھے کچھ تکلیف نہیں ہوگی، میرا جی چاہتا ہے۔ جب اصرار دیکھا تو بادشاہ نے دعوت منظور کر لی کہ اچھا آجاؤں گا اور ایک آدھ ہمراہ بھی میرے ساتھ ہوگا افلاطون نے کہا نہیں مع لشکر اور وزراء امراء سب کی دعوت ہے۔ غرض ایک ساتھ دس ہزار کی دعوت کر دی اور لشکر معمولی نہیں خاص شاہی لشکر، بادشاہ نے کہا خیر خبط تو ہے ہی یہ بھی سہی، غرض تاریخ معین پر بادشاہ مع لشکر اور جملہ امراء کے افلاطون کے پاس جانے کے لئے شہر سے باہر نکلا تو کئی میل پہلے دیکھا کہ چاروں طرف استقبال کا سامان نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کیا گیا ہے ہر شخص کے

www.besturdubooks.net

لئے اس کے درجہ کے موافق الگ الگ کمرہ موجود ہے اور دوطرفہ باغ لگے ہوئے ہیں، رات کا وقت تھا ہزاروں قندیل جگہ جگہ ناچ رنگ نہریں اور یہ وہ ایک عجیب منظر پیش نظر تھا، اب بادشاہ نہایت حیران کہ یا اللہ یہاں تو کبھی کوئی ایسا شہر تھا نہیں غرض ہر شخص کو مختلف کمروں میں اتارا گیا اور ہر جگہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان فرش فروش جھاڑ فانوس، افلاطون نے خود آکر مدارت کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا، ایک بہت بڑا مکان تھا اس میں سب کو جمع کر کے کھانا کھلایا گیا کھانے ایسے لذیذ کہ عمر بھر کبھی نصیب نہ ہوئے تھے، بادشاہ کو بڑی حیرت کہ معلوم نہیں اس شخص نے اس قدر جلد یہ انتظامات کہاں سے کر لئے، بظاہر اس کے پاس کچھ جمع پونجی بھی نہیں معلوم ہوتی، یہاں تک کہ جب سب کھا پی چکے تو عیش وطرب کا سامان ہوا ہر شخص کو ایک الگ کمرہ سونے کے لئے دیا گیا جو ہر قسم کے ساز وسامان سے آراستہ پیراستہ، اندر گئے تو دیکھا کہ تتمیم لطف اور تکمیل عیش کے لئے ایک ایک حسین عورت بھی ہر جگہ موجود ہے۔ غرض سارے سامان عیش وطرب کے موجود تھے، خیر وہ لوگ کوئی متقی پرہیز گار تو تھے نہیں اہل خانقاہ تھوڑا ہی تھے بلکہ خواہ مخواہ کے آدمی تھے، جیسے مشہور ہے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی یہ رنگ مہمانی کا دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور رات بھر خوب عیش اڑائے کیونکہ ایسی رات انہیں پھر کہاں نصیب ہوتی، یہاں تک کہ سو گئے۔

قوت تصرف:

جب صبح آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ نہ باغ ہے بلکہ نرا راغ ہے، نہ درخت ہیں بلکہ نرے کرخت ہیں یعنی بجائے درختوں کے دیکھا کہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں اور ایک جوتا سب کی بغل میں ہے اور پاجامہ خراب ہے، یہ عورتیں تھیں بڑے شرمندہ ہوئے کہ لاحول ولاقوۃ یہ کیا قصہ ہے، بادشاہ کی بھی یہی حالت تھی، افلاطون نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ ساری دنیا جس پر تمہیں اتنا ناز ہے ایک عالم خیال ہے اور حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں، اس قدر قوی تصرف تھا، افلاطون کے خیال کا کہ پس اس نے یہ خیال جمالیا کہ ان سب کے متخیلہ میں یہ ساری چیزیں موجود ہو جائیں بس سب کو وہی نظر آنے لگیں جب وہ لوگ سو گئے اس نے اس خیال کو ہٹا لیا، پھر صبح اُٹھ کر جو اُنہوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا، افلاطون مجاہدہ وریاضت بہت کئے ہوئے تھا، اس لئے یہ قوت اس کے خیال میں پیدا ہو گئی تھی، یہ تصوف نہیں ہے تصرف ہے یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز ہے بس مزہ سب سرد ہو گیا، افلاطون نے کہا کہ جیسے تمہیں ان چیزوں میں مزہ آتا ہے مجھے بالکل نہیں آتا کیوں کہ مجھے ان کی حقیقت معلوم ہے تو

www.besturdubooks.net

واقعی جو کچھ نظر آیا وہ عالم خیال تھا، مسمریزم میں بھی جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی عالم خیال ہی ہوتا ہے اور یہ جو حاضرات و اضرات ہے یہ بھی وہی ہے محض قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے روح وروح کچھ نہیں ہوتی، اسی واسطے بچوں پر یہ عمل چلتا ہے بچے کو آئینہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ دیکھو بھنگی آیا سقہ آیا اسے سچ مچ نظر آنے لگتا ہے کہ بھنگی آیا سقہ آیا یا عورتوں پر یہ عمل چلتا ہے کیونکہ اُن میں بھی عقل کم ہوتی ہے یا کوئی مرد ہو جو بہت ہی بے وقوف ہو اس پر بھی چل جاتا ہے اور اثر ڈالنے کے لئے بڑی بڑی ترکیبیں کرتے ہیں ناخن پر سیاہی لگا کر کہتے ہیں کہ نہایت غور کے ساتھ اس سیاہی کے اندر دیکھتے رہو، یہ اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ خیالات بالکل یکسو ہو جائیں، چنانچہ طلسمی انگوٹھی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں اس کا بھی یہی راز ہے ایک صاحب کے پاس طلسمی انگوٹھی تھی ان کے ایک دوست تھانہ دار تھے ان کے یہاں پیشانی پر زخم لگا تھا پھر وہ زخم اچھا ہو گیا تھا، وہاں بھی یہ شرط تھی کہ دیکھنے والا کوئی بچہ ہو یا عورت اور یہ عجیب بات ہے کہ خود عامل کو کچھ نظر آتا نہیں معمول کو نظر آتا ہے ان صاحب نے بچہ سے پوچھا کہ داروغہ جی آئے تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا ہاں ایک شخص آئے تو ہیں انہوں نے پوچھا کیسی شکل ہے اس نے سارا حلیہ داروغہ جی کا بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ اُن کے ماتھے پر ایک لکیری ہے اس پر وہ صاحب بہت حیران ہوئے مجھ سے کہنے لگے کہ ایسی صورت میں ہم کیسے سمجھیں کہ یہ مکروفریب ہے، میں نے کہا کہ یہ تمہارا خیال تھا واقع میں روح نہ تھی، انہوں نے کہا کہ ہاں صاحب واقع میں ٹھیک ہے میں نے کہا تم نے ایسی جلدی کیسے تصدیق کردی کہنے لگے کہ دوران عمل میں جب میں کتاب دیکھنے لگتا تو وہ اس وقت کہتا کہ اب تو کچھ بھی نظر نہیں آتا، میں نے ان صاحب سے کہا کہ پھر بتلایئے اس کی کیا وجہ تھی، کیا آتے جاتے روح تھک گئی تھی یا لاحول لکھی ہوگی اس کتاب میں تو اس طرح سے ایسے تخیلات اور تصرفات ہوا کرتے ہیں غرض دنیا کی حالت کو تو ایسا ہی سمجھئے ؎ گفت یا خواب است یا بادیست یا افسانہ

اعمال کے ثمرات:

لیکن اگر کوئی آخرت کو بھی ایسا ہی سمجھنے لگے جیسا بعض فلاسفہ کا عقیدہ ہے تو یہ سراسر گمراہی ہے اور بالکل غلط عقیدہ، سو بعض کا تو یہ عقیدہ ہے جو مذکور ہوا کہ عالم آخرت میں اعمال ہی بشکل درخت وغیرہ متخیل ہوں گے اور ان میں واقعیت کچھ نہ ہوگی باقی جو نصوص کو مانتے ہیں ان کا یہ عقیدہ تو نہیں لیکن ان میں بعض مبتدعین جیسے معتزلہ جنت ونعمائے جنت کو فی الحال موجود نہیں مانتے، ان

www.besturdubooks.net

کو سرسری نظر سے کچھ تائید مل گئی، اس حدیث سے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر (اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑے ہیں) اس حدیث سے انہیں دھوکہ ہوا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ کسی شیخ سے پڑھنا چاہئے وہ یوں سمجھے کہ جنت بھی خالی ہے اور دوزخ بھی خالی ہے ہم جیسے جیسے عمل کریں گے یہ عمل ہی اس شکل سے ظہور کریں گے، سو خوب سمجھ لیجئے یہ بھی غلطی ہے، واقع میں یہ سب چیزیں پہلے سے موجود ہیں مگر باوجود موجود ہونے کے ہیں، انہیں اعمال کے ثمرات، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ کون شخص کیا کیا عمل کرے گا، اسی کے مناسب جزا سزا کی صورت پہلے سے بنا کر اس کے وجود واقعی کی خبر دینے کے لئے یہ فرمادیا اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (کافروں کے لئے تیار کی گئی) اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (متقیوں کے لئے تیار کی گئی) جیسے میزبان کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے مہمان کا مزاج غلیل ہے اور وہ پہلے سے اس کے مزاج کے مناسب کھانا تیار کر کے رکھ دے تو وہ کھانا رکھا گیا مزاج ہی کی مناسبت سے یعنی سودا یا صفرا یا بلغم کے لحاظ سے پلاؤ یا اور کوئی چیز اس کے لئے تیار کی گئی ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی میزبان کو خبر ہی نہ ہو کہ میرے میزبان کا مزاج کیسا ہے وہ کیا پرہیزی کھانا کھاتا ہے لیکن حق تعالیٰ جو میزبان ہیں انہیں تو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے مہمانوں کے مزاج کی کیا کیا کیفیت ہے انہیں تو پہلے ہی مفصل علم ہے کہ میرا فلاں فلاں بندہ فلاں فلاں عمل کرے گا، پس اُن اعمال کے مناسب ہی جزاؤں کو مہیا فرما رکھا ہے پس قیعان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ واقع میں وہ قیعان ہے کیونکہ جنت کا مع نعمائے حسیہ بالفعل موجود ہونا تو منصوص ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ درجہ حصول فی الحال میں قبل صدور اعمال بمنزلہ قیعان کے ہے اور درجہ ذات میں قیعان نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ فی نفسہ قیعان نہیں بلکہ جنتیوں کے حق میں قیعان ہے جیسے ایک شخص نے دس ہزار روپیہ اپنے خادموں کے لئے خزانہ میں جمع کر دیئے اور فی کام دس بیس پچاس روپیہ علیٰ قدر مراتب نامزد کر دیئے پھر وہ شخص سب کو خطاب کر کے یوں کہتا ہے کہ اتنا روپیہ خزانہ میں رکھا گیا ہے اگر تم خدمتیں کرو گے تو خزانہ میں سب کچھ ہے ورنہ یوں سمجھو کہ بالکل خالی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل خدمتیں کرنے کے تمہارے حق میں گویا خزانہ خالی ہے جب خدمتیں کرنا شروع کر دو گے تو اب سمجھو کہ وہ پُر ہوگا واقع میں تو وہ اب بھی پُر ہے لیکن تمہارے حق میں وہ جبھی پُر سمجھا جائے گا جب تم خدمتیں کرو گے تو معنی یہ ہیں حدیث کے کہ اعمال کے ثمرات تو پہلے سے مہیا کر دیئے گئے ہیں لیکن

www.besturdubooks.net

ابھی وہ کسی کی ملک نہیں بنائے گئے جیسے جیسے بندے عمل کرتے جاتے ہیں وہ ثمرات ان کے نامزد ہوتے جاتے ہیں، اب اس تقریر پر سب اشکال رفع ہوگئے تو عالم مثال میں بھی حق تعالیٰ نے انہی اعمال کو پہلے سے متمثل فرمایا ہے اور جنت دوزخ میں بھی انہی اعمال کی شکلیں پہلے سے پیدا فرمادی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ میرے بندے کیا کیا اعمال کریں گے، انہیں اعمال کی صورتوں کو جنت دوزخ بنادیا یہاں عالم مثال کے اثبات اور اس کے متعلق جو غلطی تھی اس کا بیان ختم ہوا۔

جزاالاعمال:

اب بعض جزئیات کا نمونہ کے طور پر حدیثوں سے حسب وعدہ ذکر کرتا ہوں اس غلطی پر متنبہ کرنے کے بعد اب ان جزئیات کا سننا مضر نہ ہوگا اور ان جزئیات کو اپنی کتاب جزاء الاعمال سے پڑھ کر سناتا ہوں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی وہ قیامت کے دن سانپ کی شکل بن کر صاحب مال کے گلے میں بطور طوق کے ڈالا جاوے گا، قرآن مجید میں بھی اس کی تائید ہے:

" وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بل هو شَرٌّ لَّهُمْ ، سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ "

(اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ (جو ضروری موقعوں پر) ایسی چیز کے خرچ کرنے پر بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے اچھی ہے ہرگز نہیں بلکہ ان کے لئے بہت بری ہے وہ لوگ طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا سانپ بنا کر جس میں انہوں نے بخل کیا تھا)

تو گویا وہ مال سانپ بن کر گلے کے درمیان ڈال دیا جاوے گا، تو دیکھئے ایسا مال قیامت کے دن اژدھا بن کر ظاہر ہوگا، رہی یہ بات اس میں اور اژدھا میں مناسبت کیا ہے سو مناسبت یہ ہے کہ مال جو ہوتا ہے وہ گلوگیر ہوتا ہے یعنی اس کا تعلق اور اس کی محبت قلب کو محیط ہوتی ہے اس وجہ سے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوجاوے گا، اس کے علاوہ اور مناسبتیں بھی نکل سکتی ہیں لیکن اس وقت احاطہ کرنا مناسبتوں کا مقصود نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ جو بدعہدی کرے گا اس کی بدعہدی کو جھنڈا بنا کر اس کی پشت پر گاڑ کر پکارا جائے گا: هذه غدرة فلان یعنی یہ فلانے کی بدعہدی ہے کیونکہ بدعہدی ایسی چیز ہے کہ اس کی شہرت ہوجاتی ہے اور جھنڈا بھی ایک شہرت کی چیز ہے اس کے علاوہ اور بھی مناسبتیں ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوسکتی ہیں مگر غور کرنے کا وقت نہیں ہے اور حدیث

www.besturdubooks.net

میں ہے کہ کسی کی غیبت کرنا ایسی چیز ہے جیسے مردہ کا گوشت کھانا یعنی مردہ کا اگر گوشت کھاؤ تو اس کو خبر نہیں ہوتی اسی طرح جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کو اس وقت غیبت کی خبر نہیں ہوتی، نیز کسی کی آبرو لینا گویا اس کا گوشت نوچ لینا ہے، اسی واسطے بلا ضرورت جو بھیک مانگے اور جو اپنی آبرو کو اُتار دے بتصریح حدیث اس کا قیامت میں اس شکل سے ظہور ہوگا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا۔

انسان اور حیوان میں مناسبت:

بعض چیزوں کی صورت مثالیہ کے بیان میں محققین نے فرمایا ہے کہ ہر خصلت ذمیمہ کو ایک جانور کے ساتھ خصوصیت خاصہ ہے جس شخص میں یہ خصلت غالب ہوگی وہ قیامت میں اسی جانور کی شکل میں اُٹھے گا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو متکبر ہیں وہ چیونٹیوں کی شکل میں اُٹھیں گے، اس لئے کہ مناسبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو مقابلہ کی مناسبت ہوتی ہے جیسے گرم دوا کو کہ سرد دوا سے مقابلہ کی مناسبت ہے اور ایک موافقت کی مناسبت ہے جیسے گرم دوا کو گرم دوا سے موافقت کی مناسبت ہے یہاں متکبر اور چیونٹی میں مقابلہ کی مناسبت ہے یعنی جو اپنے آپ کو کھینچتا تھا اس کو چیونٹی کی طرح زمین پر گھسایا جاوے گا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں بعض جو بناؤ سنگھار کے شوقین ہیں وہ طاؤس کے مشابہ ہوتے ہیں بعضے خود پرور ہوتے ہیں مثل مرغی کے بعضے کینہ پرور ہوتے ہیں مثل اونٹ کے بعض مشابہ مکھی کے ہوتے ہیں بعض مشابہ لومڑی کے امام ثعلبی نے فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجاً (پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے) کی تفسیر میں کہا ہے کہ قیامت میں یہ سب لوگ انہی صورتوں پر محشور ہوں گے جس جانوروں کی عادت طبیعت پر غالب ہوگی قیامت میں اسی کی شکل بن جاوے گا۔

پس ہر آں خصلت کہ بر تو غالب است پس بر آں تصویر حشر واجب است

(پس ہر خصلت پر تو غالب ہے پس ہر اس صورت پر حشر واجب ہے)

قرآن مجید میں ہے بنی اسرائیل کے قصہ اصطیاد میں کُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ (ذلیل بندر بن جاؤ) اس کی حکمت بعض نے یہ ذکر کی ہے کہ چونکہ بندر حیلہ باز اور مکار ہوتا ہے اور انہوں نے بھی حیلہ کیا تھا شکار میں اس لئے بندر بنا دیئے گئے اور بعض اشکال مثالیہ مولانا نے بھی ذکر فرمائے ہیں۔

چوں سجودی یار کوئی مرد گشت شد دراں عالم سجودِ او بہشت

چونکہ پرید از دہانت حمد حق مرغ جنت ساختش رب الفلق

www.besturdubooks.net

چوں زدستت رفت ایثار و زکوٰۃ - گشت ایں دست آں طرف نخل ونبات

(پس جب کسی مردنے کوئی سجدہ یا رکوع ادا کیا وہ اس کے عالم تجود میں بہشت بن گیا، جب تیرے منہ سے اللہ کی تعریف ادا ہوئی، اللہ نے اسے جنت کا پرندہ بنا دیا، جب تیرے ہاتھ نے قربانی اور زکوٰۃ ادا کی تو اس ہاتھ کا وہاں کھجور کا درخت اور انگوری نباتات بن گیا)

پھر فرماتے ہیں ۔

خیر وجودت آب جوئے خلد شد جوئے شیر خلد مہر تست وددو

(تیری نیکی وسخاوت بہشت کا پانی بن گیا، تیری محبت دودھ کی نہریں بن گئیں)

ان اشعار میں اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِيهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ط

(اس میں بہت سی نہریں پانی کی ہیں جس میں ذرہ برابر تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرہ برابر تبدیل نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جن کو پینے والے لذت محسوس کریں گے اور بہت سی نہریں صاف شفاف شہد کی ہیں)

اور فرماتے ہیں ۔

ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں مستی و شوق تو جوئے خمر بیں

ایں سبہا آں اثر ہارا نماند کس نداند چونش جائے آں نشاند

(تیرا ذوق وشوق عبادت شہد کی نہر بن گیا، تیرا شوق مستی شراب کی نہر بن گئی، کوئی آدمی اس کے اسباب نہیں جانتا اور کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اس جگہ کیوں بٹھایا)

اس طرح سے دور تک لکھا ہے خیر تو گویا مناسبتوں کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ایک اور بھی مضمون ہے جس سے مناسبتوں کی تقویت ہوتی ہے۔

مثالی شکلیں:

مثلاً حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ وغیرہ کی صورت مثالی درختوں کی سی ہے اور سورۂ بقرہ اور آل عمران کی صورت مثالی مثل بادل کے ٹکڑوں یا پرندوں کے ہے، یہ حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید کو لا

www.besturdubooks.net

جاوے گا اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے سو اس کے آگے آگے سورہ بقرہ اور آل عمران اس طرح ہوں گی جیسے دو بدلیاں ہوں یا دو سیاہ سائبان ہوں اور ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی۔ تو جیسے قرآن مجید سایۂ رحمت ہے اسی طرح یہ صورتیں بدلیوں اور سائبانوں کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ اور ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی وہ چمک کا ہے کی ہوگی وہ ہے بسم اللہ کی یہ اہل حقیقت نے بیان فرمایا ہے اور حدیث شریف میں ہے جو اعضا وضو میں دھوئے جاتے ہیں وہ قیامت کے دن چمکتے ہوئے نظر آویں گے گویا وضو جو ایک عمل ہے وہ قیامت کے دن نور کی شکل میں ظاہر ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دس دفعہ قل ھو اللہ پڑھ لے گا اُس کے لئے جنت میں ایک محل تیار ہو جائے گا اس کی شکل مثالی محل ہے اور جو نیک کام کر کے مر جاوے اور وہ نیک کام ایسا ہو کہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے اس کی شکل مثالی چشمہ جاری کی سی ہے۔ چنانچہ حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون کے لئے خواب میں ایک چشمہ جاری دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان کا عمل ہے جو جاری ہوتا ہے ان کے لئے دین کی شکل مثالی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شکل لباس کے ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ لوگ کرتے پہنے ہوئے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کرتا اتنا بڑا ہے کہ وہ اس کو زمین پر گھسیٹتے چلتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین سے تعبیر فرمایا جیسا قرآن مجید میں ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ (اور تقویٰ کا لباس وہ بہتر ہے) اور علم کی شکل مثالی دودھ کی سی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ خواب میں میرے پاس ایک پیالہ دودھ کا لایا گیا میں نے اس میں سے پیا یہاں تک کہ اُس کی سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں سے نکلتا پایا پھر بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا لوگوں نے تعبیر پوچھی آپ نے فرمایا علم اور نماز کی شکل مثالی نور کی سی ہے کیونکہ نماز کی طرح نور میں بھی شان برہان اور ہدایت کی ہے۔

مثالی صورتیں:

صراط مستقیم کی شکل مثالی پل صراط کے ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حقیقت لکھی ہے جس سے یہ استبعاد بھی دفع ہو جاتا ہے کہ جب وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے تو پھر اس پر چلیں گے کیسے، سو انہوں نے اس کی حقیقت بتلا دی ہے لیکن یہ تحقیق ظنی ہے محض تائید کے لئے ذکر کر دی ہے، باقی نفس مسئلہ کہ اعمال کی مثالی صورتیں ہوتی ہیں تو یہ حدیث سے

www.besturdubooks.net

ثابت ہو چکا، وہ حقیقت پل صراط کی یہ لکھی ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کی تو اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

اخلاقی حدود:

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قویٰ سے اخلاق پیدا ہوئے ہیں وہ تین ہیں قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غضبیہ، حاصل یہ کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے رفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک وہ قوت کہ جس سے منفعت ومضرت کو سمجھے کہ یہ مضرت یا منفعت ہے وہ قوت مدرکہ قوت عقلیہ ہے اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ قوت شہویہ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ قوت غضبیہ ہے۔ غرض یہ قویٰ ہیں ایک کا نام قوت عقلیہ ہے ایک کا نام قوت شہویہ ہے ایک کا قوت غضبیہ، پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں افراط وتفریط اعتدال، چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی ہے کہ وحی کو بھی نہ مانے، جیسے یونانیوں نے کیا، تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل وسفہ تک اُتر آئے، اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال حرام کی بھی تمیز نہ رہے، بیوی اجنبی سب برابر ہو جائیں اور ایک درجہ ہے تفریط یعنی ایسے پرہیزگار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں، اسی طرح غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جاویں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارے سلے دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آوے تو یہ افراط وتفریط تھا ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کا استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے، یہ اعتدال ہے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے، افراط تفریط اعتدال۔ ان سب درجوں کے الگ الگ نام ہیں جو قوت عقلیہ کا افراد درجہ ہے اس کا نام ہے جزیرہ جو تفریط کا درجہ اس کو سفاہت لکھتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے، اسی طرح قوت شہویہ کا افراط کا درجہ فجور ہے تفریط کا درجہ خمود ہے، اعتدال درجہ عفت ہے اور قوت غضبیہ کا بڑھا ہوا درجہ تہور ہے گھٹا ہوا درجہ جبن ہے، اعتدال کا درجہ شجاعت ہے تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں اور

www.besturdubooks.net

مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہوئے اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے عدالت اسی لئے اس اُمت کا لقب ہے اُمت وسط یعنی اُمت عادلہ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں انسان بہت کم ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند　　ایں جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(زاہد ہوئے شیخ ہوئے، دانشمند ہوئے، یہ سب کچھ ہوئے لیکن انسان نہ بنے)

اعتدال حقیقی:

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب یہ سمجھئے کہ اعتدال حقیقی سب میں زیادہ مشکل ہے کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو کہ اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط ہو اور مشاہدہ سے اس کا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اور اس کی دشواری تلوار کی تیزی کی صورت میں ظاہر ہوئی اور اس کا اعتدال حقیقی بال سے زیادہ باریک ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ جب اعتدال وسط حقیقی ہوگا اور وسط حقیقی غیر منقسم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ منقسم ہو تو پھر خود اس میں طرفیں اور وسط نکلیں گے تو وہ وسط حقیقی نہ رہا بہر حال وسط حقیقی کا غیر منقسم ہونا لازم ہے اور بال منقسم ہے تو وہ بال سے زیادہ باریک ہوگا، پس اس طریق شریعت کا وسط حقیقی ہونا اس شکل سے ظاہر ہوگا کہ وہ پل صراط بال سے زیادہ باریک ہوگا اس تشبیہ میں کوئی امر خلاف اصول عقلیہ لازم نہیں آیا اور اسی درجہ کے وسط ہونے سے اُس کا مشکل ہونا بھی لازم آیا کہ نہ اِدھر جاؤ نہ اُدھر جاؤ، بیچوں بیچ میں رہو بس یہ ہے حقیقت پل صراط کی وہ شریعت کی صورت مثالی ہے جس کا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہونا بدلائل ثابت کر دیا گیا تو شریعت پر چلنے والے اب بھی پل صراط پر چل رہے ہیں جب یہ ہے تو جو یہاں پل صراط پر یعنی شریعت پر چل چکا ہے وہ وہاں بھی باآسانی چل سکے گا، کیونکہ وہ یہی تو ہے اب بتلایئے پل صراط پر چلنا کیا دشوار رہا جو یہاں شریعت پر چل رہا ہے، اسے وہاں چلنا بھی آسان ہو جائے گا، سو پل صراط پر چلنے کا طریقہ بہت ہی آسان ہے اور وہ سنت طریقہ ہے یہی سنت بیچ کا رستہ ہے اسی کو فرماتے ہیں شیخ سعدی ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز درپے مصطفیٰ ﷺ

دریں راہ جز مرد داعی نرفت　　گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

www.besturdubooks.net

(سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے ہوسکتا ہے اس راہ میں سوائے فریاد کرنے والے شخص کے علاوہ کوئی نہیں گیا، پیچھے رہنے والا حاکم گم ہوگیا نہ پہنچ سکا)

غرض یہ ہے کہ سنت کا اتباع کرے جو کہ طریق وسط ہے پل صراط پر چلنے کو آسان کر لینا چاہئے اور یہ طریق چونکہ نہایت دقیق اور غامض ہے جیسا معلوم ہوگا اسی وجہ سے اس طریق میں شیخ کی سخت ضرورت ہے خدا کی قسم میں کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی کتنا ہی بڑا عاقل ہو کتنا ہی بڑا عالم ہوا کثر بھی ہے اور یہ اکثر بھی میں نے احتیاطاً کہا ورنہ اس کلیہ میں سب ہی داخل ہیں کہ بدون رہبر کے بطور خود اس طریق کا کسی کو پتہ نہیں چل سکتا، یہ حال ہے اس طریق کا کہ ہر جگہ اشتباہ ہر موقع پر ہزاروں اشکال ؂

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

(طریق عشق میں شیطان کے وساوس بہت ہیں ہوشیار رہو اور وحی کی طرف کان لگا)

غضب ہے آج کل صراط مستقیم پر خود ہی چلنا مشکل ہے نہ کہ ہمت کر کے دوسروں کو بھی لے چلنا ہاں اذن ہو کسی کامل کی طرف سے تو یوں سمجھئے کہ ان کی برکت سے اللہ مدد کرے گا ورنہ دوسروں کو لے چلنا ہر کسی کا کام نہیں ؂

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند ؂

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نباشی کے راہبر شوی

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(اے خبر کوشش کرتا کہ تو خود صاحب خبر بن جائے جب تک خود صحیح راستہ دیکھنے والا نہیں بنے گا راہبر کب بن سکتا ہے حقائق کے مکتب میں معلم عشق کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتا کہ ایک دن تو خود بھی پدر (عارف) بن جائے)

ابھی تو پسر صاحب یونہی پسر پسر کر چل رہے ہیں اگر ابھی سے پدر بننے کی ہوس ہوئی تو پدر پدر رکھیں گے ابھی تو پسر ہی بنے رہیں اگر پدر بن بھی گئے تو ایسے بنیں گے جیسے چھوٹی بچیاں گڑیاں کھیلا کرتی ہیں کہ یہ میری می ہیں یہ میرا مما ہے اور تو اس کی اماں ہے بس ایسے ہی آج کل کے پیر مرید ہیں جیسے گڑے گڑیوں کا کھیل کہ آج ایک ذرا سی گڑیا بنی اگلے دن دوسری بنی اور وہ لڑکی ہوگئی غرض اعتدال کا جو راستہ ہے اس میں اس قدر اشتباہ ہے کہ طریق محمود اور طریق مذموم میں تمیز ہونا دشوار ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

www.besturdubooks.net

بحر تلخ بحر شیریں ہمعناں درمیان شان برزخ لا یبغیاں

(بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگران دونوں کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دونوں باہم مختلط اور مشتبہ نہیں ہو سکتے)

اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دیکھئے اتنے بڑے عارف ہیں پھر بھی یہ فرماتے ہیں اور عارف ہی سمجھے گا کہ مشکل رستہ ہے ۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا ماچو مرغان حریص بے نوا

دمبدم پابستۂ دامِ نو ایم ہر یکے گر باز و سیمرغے شویم

میرہانی ہر دمے مارا و باز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

(اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے بے آواز پرندوں کے ہیں، ہم ہر وقت ایک نئے جال میں گرفتار ہیں اگر ہم سب باز اور سیمرغ بن جائیں اے بے نیاز تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے پھر بھی ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں)

فرماتے ہیں اے اللہ آپ ہی فضل کیجئے آپ ہی مشکلات طریق کو حل کیجئے ہمارا فہم کچھ کام نہیں کرتا دوسری جگہ طریق بتلاتے ہیں ۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہستش ورق

(بغیر حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور خاصان حق کی مہربانی کے اگر فرشتہ بھی ہوگا تو اس کا نامہ اعمال سیاہ رہے گا)

وساوس وقرب:

کیا رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ اپنی عنایت کا ظہور اس طرح کیا کہ اپنے مقبول بندوں کو اپنا نائب بنایا جنہوں نے رہبری فرمائی ورنہ بچ جانئے ہم لوگ کفر تک کو خیر سمجھ لیتے، مجھے خود اپنی حکایت یاد ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے حضرات کی صحبت میسر ہوگئی ورنہ باوجود علم حاصل کر لینے کے بھی اتنا جہل غالب ہوتا کہ اللہ کی پناہ وہ حکایت یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں میں نے ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر اپنی حالت عرض کی کہ حضرت مجھ پر خشیت بہت غالب ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے کوئی ایسی تدبیر بتلایئے ہم تو اپنے نزدیک بڑی دولت لینے گئے تھے لیکن مولانا نے فرمایا ہیں توبہ کرو

www.besturdubooks.net

توبہ کرو کفر کی درخواست کرتے ہو یعنی بالکل اطمینان ہو جاتا کہ بس اب کیا ڈر ہے ایسی بے فکری تو کفر ہے یہ سُن کر بس آنکھیں کھل گئیں کہ جسے ہم بڑی معراج سمجھے ہوئے تھے وہ تو کفر نکلا۔ ایسے ہی بہت سے کفر مزعوم واقع میں خیر ہوتے ہیں، وہ کیا وسوسے طالب سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا، وساوس نے تمام ناس کر دیا، میرے ایمان کا ہائے میں کافر ہو گیا، حالانکہ ان وساوس کی بدولت دمبدم قرب خدا تعالیٰ کا بڑھ رہا ہے کیونکہ

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(حق سبحانہ تعالیٰ کا فضل و کرم سوائے شکستہ دلوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا)

اور یہ شخص سخت شکستگی اور بڑے مجاہدہ میں ہے اس لئے قرب بڑھ رہا ہے چاہے مجاہدہ اضطراریہ ہی سہی بلکہ مجاہدہ اضطراریہ تو اور بھی زیادہ نافع ہے کیونکہ یہ سخت ثقیل ہے بالخصوص اس مجاہدہ خاص میں تو بہت ہی شکستی اور پستی ہوتی ہے کیونکہ ہر وقت اپنی ناکارگی پیش نظر رہتی ہے اور اپنے آپ کو کافروں سے بھی بدتر سمجھتا ہے تو دیکھئے ایک جگہ تو کفر کو قرب سمجھ لیا اور ایک جگہ قرب کو کفر سمجھ لیا اب ذرا کسی غیر محقق سے تو پوچھ کر دیکھئے جو قیامت تک بھی اس کا ذہن اس تحقیق کی طرف جاوے یوں اب سُن کر تو سب کے گھوڑے دوڑنے لگیں گے لیکن یہ گھڑ دوڑ بھی اول تو کہاں تک کیونکہ ایسی ایسی باتیں ہزاروں پیش آتی ہیں پھر جس کو خود ذوق حاصل نہ ہو اس کے محض نقل کر دینے سے کہیں تسلی ہوتی ہے اور شیخ کامل چاہے وہ پڑھا لکھا بھی نہ ہو لیکن وہ جو کچھ بتائے گا سمجھ کر بتائے گا اور چونکہ وہ صاحب ذوق ہے اس لئے اس کے بتانے میں بھی اثر ہوگا، دوسرے نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ یوں ہی سنی سنائی بے پَر کی اڑا دی اس سے کیا ہوتا ہے تو بہر حال یہ شریعت ہے ہی پل صراط کی حقیقت اور روح۔

ظاہر و باطن کا فرق:

پل صراط اب بھی قائم ہے یعنی یہی شریعت یہاں پر اس شکل سے ظاہر ہے وہاں پر اُس شکل سے ظاہر ہو جاوے گی یعنی دونوں جگہ ایک ہی چیز ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہاں حقیقت ہے وہاں صورت ہوگی جیسے کبھی جبرئیل علیہ السلام کسی خاص صورت اعرابی وغیرہ میں متمثل ہو کر تشریف لاتے تھے یا کوئی اور روح کبھی متمثل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بعضے بزرگوں کو حق تعالیٰ نے یہ تصرف عطا فرمایا ہے کہ جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو جائیں، مولانا شاہ ولی اللہ

www.besturdubooks.net

صاحب کے والد آگرہ میں تھے قاضی میرزاہد ہروی کے پاس ایک بار حضرت شیخ شیرازی کے دوشعر پڑھ رہے تھے چوتھا مصرعہ یاد نہ آتا تھا یعنی ؂

علمے کہ رہ حق نہ نماید جہالت ست

(وہ علم جوراہ حق نہ دکھائے جہالت ہے)

تیسرے مصرعہ پرآ آ کر رُک جاتے تھے بہت تنگ ہورہے تھے کہ دفعتاً ایک شخص کمبل اوڑھے ظاہر ہوئے جب وہ تیسرا مصرعہ پڑھ چکے تو اس شخص کے برابر سے نکل کر فوراً یہ چوتھا مصرعہ پڑھ دیا ؂ علمے کہ رہ حق نماید جہالت ست

(وہ علم جوحق سبحانہ وتعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے)

بس کھل گئے دوڑے اور جا کر مصافحہ کیا پوچھا آپ کا اسم شریف، کہا فقیر را مصلح الدین شیرازی میگویند (فقیر کو مصلح الدین شیرازی کہتے ہیں) یعنی عالم یقظہ میں بیداری میں حضرت شیخ سعدی کی روح نے متمثل ہو کر مصرعہ بتادیا، یہ کرامت ہے۔ ایک حضرت قضیب البان کی حکایت ہے یہ حکایت میں نے کتاب میں بھی دیکھی ہے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے بھی سُنی ہے بعض اہل ظاہر نے ان حضرت پر قتل کا فتویٰ لگادیا تھا جو بے بنیاد ثابت ہوا، اسی واسطے ایسے امر میں محققین کا فیصلہ معتبر ہے جو جامع شریعت وطریقت ہوتے ہیں خشک لوگ سمجھتے ہی نہیں حقیقت کو وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں اور جو محقق ہوگا وہ دیکھے گا ظاہر کو بھی اور باطن کے حالات کو بھی جن سے بعض اوقات ظاہر کا حکم بھی بدل جاتا ہے میں اس ظاہر و باطن کے اختلاف کے متعلق ایک واقعہ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں۔

ایک بار حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بلا اجازت چلے گئے، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی بیوی بیٹھی تھیں وہ بھاگنے لگیں، حضرت جنید نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا کہ بیٹھی رہو ان کو اس وقت غیبت ہے وہ کہنے لگیں کہ اچھے خاصے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں کیا تم بیٹھی بھی رہو تم ان کی حالت کیا سمجھو، غرض حضرت شبلیؒ آکر حضرت جنیدؒ کے پاس بیٹھ گئے اب یہ بھاگی جاتی ہیں کہ غیر مرد کے سامنے میں کیسے بیٹھی رہوں بار بار اُٹھنے کو ہوں مگر حضرت جنید ان کو روک روک لیں پھر حضرت شبلی نے حضرت جنید سے باتیں جو کرنی شروع کیں تو نہایت ہوش کی کسی بات سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں برابر بیٹھے حقائق و معارف بیان کرتے رہے اب وہ ان ہوش کی باتوں کو سُن سُن کر بیچاری اور بھی پریشان

www.besturdubooks.net

ہوئیں اور اٹھیں لیکن حضرت جنید ہاتھ پکڑ پکڑ کر بٹھالیں کہ تمہیں کیا وہم ہوگیا، یہ شخص اپنے ہوش میں ہی نہیں ہے اور لطف یہ کہ گفتگو نہایت مسلسل اور جو کچھ پوچھا جائے اس کا نہایت معقول جواب دیں۔ غرض بظاہر کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ دیکھنے والا ان کو بیہوش سمجھ سکے اسی دوران میں حضرت جنیدؒ نے ایک مضمون جو بیان فرمایا اس پر حضرت شبلی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اس وقت حضرت جنید نے اپنی بیوی سے کہا کہ بس اب بھاگ جاؤ، اب ان کی وہ حالت جاتی رہی اب انہیں افاقہ ہوگیا اب یہ ہوش میں آگئے یعنی جو بعد میں غلبہ گریہ سے مغلوبیت کی حالت معلوم ہوتی تھی اس میں تو ہوش تھا اور جو ابتدا میں بظاہر ہوش کی حالت تھی اس میں بے ہوشی تھی تو حضرت احوال باطنی کی تشخیص کے لئے مشخص اور نباض بھی کامل ہی چاہیے اس واسطے ایسے امور میں نہ محض اہل ظاہر کا فتویٰ معتبر ہے نہ محض اہل باطن کا جامع محض کی ضرورت ہے اگر کوئی محض اہل ظاہر ہوتا تو حضرت جنید پر بھی فتویٰ لگادیتا کہ بی بی کو نامحرم کے پاس بٹھلا رکھا ہے۔

تصرف کی قدرت:

غرض حضرت قضیب البان پر اہل ظاہر نے فتویٰ قتل کا لگادیا تھا قاضی دُرّہ لے کر ان کے پاس پہنچے ایک مقام پر دیکھا کہ آرہے ہیں چاہا کہ دار و گیر کریں بس فوراً ہی ایک قالب کے ستر قالب ہوگئے کوئی داڑھی والا کوئی بےداڑھی کا کوئی رومی شکل میں کوئی فوجی شکل میں، آواز دی کہ لو اپنے مجرم کو پہچان، قاضی جی حیران کہ یا اللہ ان میں سے کس کو گرفتار کرلوں آخر قضیب البان ان میں کس و سمجھوں کس کو نہ سمجھوں سب کو کس بناء پر گرفتار کرلوں۔ غرض اپنا سا منہ لے کر قاضی جی چلے گئے۔ قضیانی کے پاس۔ اسی طرح بعض بزرگوں کا وفات کے بعد بھی اذن حق سے ظہور ہو جاتا ہے اس عالم، میں یہ نہیں کہ وہ اس وقت اس عالم میں نہیں رہتے یہ بات نہیں بلکہ روح وہیں رہتی ہے، حقیقت اس کی یہ ہوتی ہے کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن خیر چونکہ اس موقع پر ضرورت ہے اس لئے کہے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عناصر میں تصرف کرنے کی قدرت عطا فرماتے ہیں، بس انہوں نے جب چاہا عناصر میں تصرف کیا اور فوراً ایک جسد تیار کرلیا، یعنی وہ جسم عناصر ہی سے بنا ہوا ہوتا ہے اور اللہ نے انہیں ایسی قوت دے رکھی ہے کہ ایک جسد بنالیں یا دو بنالیں جتنے چاہیں بنالیں غرض وہ جس قسم کے چاہیں اور جتنے چاہیں اجساد تیار کرسکتے ہیں تو وہ خود تو اسی عالم میں رہتے ہیں لیکن ان کا ظہور یہاں اس شکل میں ہوتا ہے تو وہ عالم ارواح میں بھی رہتے ہیں اور یہاں بھی وہاں اور شکل ہوتی ہے، یہاں اور شکل میں ظہور ہوتا ہے اسی طرح حقائق اعمال شہادت میں بھی موجود ہیں اور عالم آخرت میں بھی گو الوان مختلف ہوں۔ بقول شاعر ؎

www.besturdubooks.net

عباراتنا شتی و حسنک واحدٌ و کل الی ذاک الجمال یشیر

(ہماری عبارتیں متعدد ہیں اور آپ کا حسن و جمال ایک ہے اور یہ سب آپ کے جمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں)

اعمال کی صورتیں:

یہی وجہ ہے کہ جنت میں جب نعمتوں کو دیکھیں گے فوراً پہچان لیں گے کہ یہ وہی تو اعمال ہیں جو ہم نے دنیا میں کئے تھے، کیا اپنے نماز روزہ کو نہیں پہچانتے جس طرح قیامت میں ہر روح اپنے جسد کو پہچان لے گی کیونکہ جس قالب میں مدتوں رہ چکی ہے کیا اُسے پہچانے گی نہیں، مولانا نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ جیسے اندھیری رات میں ہر شخص اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح روحیں بھی اپنے اپنے جسد کو پہچان لیں گی بعض نے اس ارشاد کی کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا یہی تفسیر کی ہے یعنی جب کوئی پھل جنت میں دیا جائے گا تو جنتی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا، یہ تو ترجمہ ہے اب اس کی دو تفسیریں ہیں ایک تو یہ ہے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا سے مراد فور کہ اور من قبل سے مراد جنت ہے یعنی جب انہیں کوئی پھل ملے گا تو اُسے دیکھ کر کہیں گے کہ آہا یہ تو وہی ہے جو ہم کو ابھی ملا تھا کیونکہ صورت یکساں ہوگی مگر جب تو ڑکر کھائیں گے تو اور ہی مزا پائیں گے، ایک تو تفسیر یہ ہے اور بہت سے مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ هٰذا سے ثمرات و فواکہ مراد نہیں بلکہ اعمال مراد ہیں............اور...........من قبل سے مراد دنیا یعنی وہ یوں کہیں گے کہ یہ تو وہی عمل ہے جس کی توفیق ہمیں دنیا میں ہوئی تھی اُسی کی شکل یہاں انار کی ہوگئی اور امرود کی ہوگئی تو اس کی تفسیر پر اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو نعمائے جنت ہیں وہ صورتیں ہیں یہیں کے اعمال صالحہ کی یہ ہے ارتباط ان اعمال کا نعمائے جنت کے ساتھ، جب یہ بات ہے تو جب کوئی عمل کیا بس یقین کرلو کہ جنت کا ایک مکان ہمارے قبضہ میں آ گیا پھر مکرر کیا تو دوسرا مکان تیار ہو گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے فکر ہو جاؤ مگر ہاں یہ فکر مت کرو کہ نہ معلوم اعمال کر کے بھی جنت ملے گی یا نہیں کیونکہ اعمال صالحہ کا ثمرہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ جنت یقینی ہے۔

خوف وبیم:

البتہ یہ فکر رکھو کہ دیکھئے کہیں ہمارے اس نماز روزہ کے ضبط اور خبط ہونے کی نوبت نہ آ

www.besturdubooks.net

جائے اوراس وجہ سے ان نعمتوں سے بھی محرومی رہے جو ہمارے نماز روزہ پر مرتب ہونے والی ہوں مثلاً خدانخواستہ خدانہ کرے ہم کہیں اپنا ایمان ہی نہ دے بیٹھیں کیونکہ نفس کا کیا اعتبار ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

علت ابلیس انا خیر بدست ایں مرض در نفس ہر انسان ہست

(علت ابلیس کہ میں اس سے افضل ہوں یہ مرض ہر انسان کے نفس میں ہے)

انسان کے اندر آخر بری بری صفتیں بھی تو ہیں ہی موجود اللہ اکبر اگر وہ اچھی جگہ صرف نہ ہوں تو پھر کیا ٹھکانا ہے، اب یہ بیواؤں کے نکاح ہی کا قصہ ہے، سب جانتے ہیں کہ سنت ہے لیکن پھر طعن کرتے ہیں جو کفر ہے اللہ بچاوے یہ عار ایسی چیز ہے اور خودرائی کہ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اینٹھ مروڑ ایسی چیز ہے تو مادہ کفر کا موجود ہے ہی صرف رگڑ کی کسر ہے اس واسطے بس ہمیشہ ڈرتا ہی رہے اور ترساں لرزاں رہے کہ خدا جانے ہم کیا کر بیٹھیں گو ہم کریں گے خود ہی مگر خدا جانے کیا کر بیٹھیں کہ کیا کرایا سب ایک دم اکارت ہو جائے تو یہ معنی ہیں خوف اور بیم کے اور یہ مطلب ہے الایمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) مگر اعمال صالحہ کے اثر میں تردد اور شک نہ کرے کہ باوجود اعمال صالحہ ہونے کے بھی خدا جانے جنت ملے یا نہ ملے میں اس شک کو رد کر رہا ہوں ہاں اپنے اوپر اطمینان نہ رکھے کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو حابط اعمال ہو مگر ایسا شک مانع نہیں ہوتا طبیعت کے ابھارنے میں اس جگہ پر وہی مثال نینی تال والی یاد دلاتا ہوں یعنی ایک تو باوجود سارے سامان مہیا کر لینے کے نینی تال تک پہنچ سکنے کی تکذیب ہے اور ایک یہ احتمال ہے کہ شاید چلنے کے زمانہ میں اپنی غفلت سے ٹکٹ گر جائے اور راستہ ہی میں اتار دیئے جائیں یا مثلاً آگے تانگہ کا کرایہ بھی تو دینا ہے اگر سارا روپیہ راستہ کی فضول خرچیوں میں اڑا دیا تو پھر نینی تال کیونکر پہنچ سکیں گے، ایک یہ صورت ہے احتمال کی یہ تو چلنے کی حالت کا شک ہے مگر یہ شک اس طبیعت کے اُبھار کا ہرگز مانع نہیں ہوتا جو نینی تال کے حالات سُن کر پیدا ہوتا ہے تو شکایت یہ ہے کہ نینی تال کا حال سن کر تو طبیعت میں اُبھار پیدا ہو جاتا ہے مگر جنت کی نعمتوں کا ذکر سن کر اُبھار کیوں نہیں پیدا ہوتا، آخر وجہ کیا فرق کی تو جناب آفت تو یہ ہے اس کی ہی شکایت ہے اور اسی کا علاج میں نے بتایا ہے مجمل طور پر، حاصل اس علاج کا یہ بتایا ہے کہ اعمال صالحہ اور نعمائے جنت میں ایک خاص ارتباط ہے اس ارتباط کو مستحضر رکھ کر طبیعت کو ابھارنا چاہئے اور قوی رکھنا چاہئے کہ اگر اعمال کریں گے تو جنت ضرور ملے گی یہ تو گویا ایک اجمال ہوا۔

www.besturdubooks.net

اعمال واسرار:

آگے اس اجمال کی کچھ تفصیل ہے یعنی خاص خاص اعمال کے ارتباطات خاص خاص نعمتوں کے ساتھ جنہیں میں بزرگوں کے اقوال سے یا قرائن سے جو موجب تائید ہوں گے بیان کر رہا ہوں لیکن یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اُن ارتباطات مفصلہ پر اعتقاد جازم رکھا جاوے کیونکہ یہ قرآن جیسی قطعی نہیں لیکن بعض آیتوں کی تفسیر ظنی بھی تو موثر ہوتی ہے اسی کو میں نمونہ کے طور بیان کر رہا ہوں اسی قصد سے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے مجھے یہ بتلانا ہے کہ جنت میں جو یہ چار نہریں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے وہ کن کن اعمال کی صورتیں ہیں لیکن جو مقدمات میں بیان کر چکا ہوں ان کو برابر مستحضر رکھا جائے کیونکہ میں ہر ہر موقع پر ان کا اعادہ کہاں تک کر سکتا ہوں، پھر بھی باوجود تاکید کے جو کوئی ان مقدمات کو بھلا دے گا اس پر مقدمہ قائم ہوگا، ہم نے اپنی طرف سے اچھی طرح سارے پہلوؤں کا انتظام کر دیا ہے پھر بھی اگر کوئی گمراہ ہو تو وہ اپنے ہاتھوں گمراہ ہوگا، ہم ذمہ دار نہیں، اسی وجہ سے ایسے مضامین میں بہت کم بیان کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو شبہ ان کے حقائق ہونے کا نہ ہو جائے، پھر یہ بھی ہے کہ لطائف ونکات پر بفضلہ تعالیٰ ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں بلکہ حقائق ہی پر نظر ہے اور سچ یوں ہے کہ بضرورت ہی ایسے مضامین کو بیان کرنا چاہئے ورنہ ان لطائف میں مشغول ہونا ہے خطرناک مگر یہ نہیں ہے کہ ہمارے حضرات کو اطلاع نہیں ہے اسرار کی۔ اطلاع سب کچھ ہے مگر اول تو اُن کو قابل وقعت نہیں سمجھتے کیونکہ محض ظنیات ہیں، پھر ان کے اظہار میں عوام کے فسادِ عقیدہ کا بھی اندیشہ ہے چنانچہ دیکھ لیجئے مجھے کتنے مقدمات ملانے پڑے، اپنے حضرات کے مطلع علی الاسرار ہونے پر تو میں وہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(مصلحت نہیں کہ راز افشاں کیا جائے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی خبر نہ ہو)

واقعی یہی بات ہے سب کچھ اس تھیلہ میں مگر بعضی بات کا کہنا ہی مصلحت نہیں ہوتا یعنی ایک تو اعمال ہیں اور ایک ہیں اسرار اعمال، اعمال کو تو اپنے حضرات خوب کھول کھول کر بیان کرتے ہیں لیکن اسرار اعمال کا بیان پسند نہیں کرتے، الا بضرورت ایسے ہی مصالح احکام کا بھی بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے الا بضرورت چنانچہ اس کے متعلق میں نے کچھ لکھا بھی ہے۔

مصالح عقلیہ:

مصالح عقلیہ ایک کتاب ہے اس میں میں نے ایک مقدمہ لکھا ہے نہایت لطیف نہایت

www.besturdubooks.net

نفیس میں اس کی اس حیثیت سے تعریف نہیں کر رہا ہوں کہ وہ میری تقریر ہے اور اپنی تقریر محبوب ہوا ہی کرتی ہے مقرر سے کیا بحث ہے وہ تقریر دراصل ہے ہی اچھی اگر وہ تقریر دوسرے کی بھی ہوتی تب بھی میں اس کی ایسی ترغیب دیتا کیونکہ وہ بہت ہی ضروری ہے تو میں مصالح عقلیہ کے مقدمہ کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دیکھنے کے قابل ہے اگر کسی کو مصالح کے مطالعہ کا شوق ہو اس کے لئے تو نہایت ہی ضروری ہے اس کا پہلے سے دیکھ لینا ورنہ ضرور ضرر ہوگا اس واسطے کہ علوم اسرار غامض ہوا کرتے ہیں اور میں نے بھی اس وقت محض تقلیداً لبعض العلماء بیان کر دیئے ورنہ میرا اصلی مذاق یہ نہیں ہے یوں سمجھئے کہ مہمانوں کی خاطر سے چٹنی دسترخوان پر رکھ دی ہے (چنانچہ چند خاص مہمانوں ہی کی تحریک سے یہ وعظ بیان فرمایا گیا تھا جن میں سے بعض پیرزادے تھے اور بعض بوجہ دوسرے سلسلہ میں ہونے کے متعارف درویشانہ مذاق رکھتے تھے ۱۲) کسی کا بغیر چٹنی کے منہ ہی نہ چلے تو کیا کیا جائے، ہاں جس کے مذاق کے موافق نہ ہو وہ ساری تقریر کو بھلا دے لیکن جو شخص جزئیات کو بھی یاد رکھنا چاہئے، اُسے کلیات کا بھلا دینا جرم ہے، اگر وہ کلیات کو بھلا دے گا تو کلیات یعنی کلھیوں میں رکھا جاوے گا، یعنی جیل خانوں میں، کیا معنی کہ تنگی میں پڑے گی اُس کی روح۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ راتبو د حیا

(تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال (حفاظت کا سامان) نہ ہو تو واپس ہو جا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا کیونکہ تلوار کو کاٹتے وقت کسی کا لحاظ اور شرم نہیں ہوتی)

اور جنھوں نے بے دھڑک ان مضامین کو بیان کر دیا ہے اور کسی قسم کی احتیاط نہیں کی تو ان پر مولانا سخت ناراض ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخن ہاعالمے راسوختند

(وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کر لیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلا دیا)

سبحان اللہ کیسے محقق شخص ہیں، یہ فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخن ہاعالمے راسوختند

(وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کر لیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلا دیا)

www.besturdubooks.net

مگر باوجود اس کے خود بھی کہیں کہیں نکتے بیان کرنے لگتے ہیں مگر بضرورت اور مخاطب کے فہم کا ہر موقع پر لحاظ کر کے چنانچہ عالم مثال کی صور بیان کرتے کرتے جوش میں حق تعالیٰ کی بھی بہت سی مثالیں بیان کر گئے، پھر سب کچھ بیان کر کے آخر میں سب کی نفی فرمادی اور تنزیہ کو یہ کہہ کر ظاہر کر دیا ۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک برفرق من و تمثیل من

(اے وہ ذات عالی جو میرے وہم اور قیل وقال سے افزوں ہے مجھ پر اور میری مثال پر خاک)

دہن اور ذہن:

آگے وجہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ ہے تو پھر کیا وجہ مثال دینے کی ۔ وجہ یہ ہے کہ بغیر مثال دیئے بھی تو چین نہیں آتا ۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت　　ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

(عاشق کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لئے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کر کے اپنی تسلی کرتا ہے)

ورنہ وہ مثال سے بالکل پاک ہیں اُن کی تو یہ شان ہے ۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں　　بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ ان کے حسن کی انتہا نہ سعدیؒ کے کلام کی، جیسے جالندھر کا مریض پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے)　　اور یہ شان ہے ۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر　　ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(دفتر تمام ہوگیا اور عمر انتہا کو پہنچ گئی مگر ہم ایسے ہی پہلے وصف ہی کر رہے ہیں)

مگر باوجود اس کے خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. اسی طرح مولانا نے بھی تشبیہیں دی ہیں مگر چونکہ شبہ تھا کہ کوئی گستاخ ان تشبیہوں کی بناء پر کہیں حضرت حق کی تنزیہ کا منکر نہ ہو جائے، اس لئے آخر میں اپنی تشبیہوں کی حقیقت کھولتے ہیں ۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک برفرق من و تمثیل من

(اے وہ ذات عالی جو میرے وہم اور قیل وقال سے افزوں ہے مجھ پر اور میری تمثیل پر خاک)

پھر کیوں مثال دی۔ آہ ۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت　　ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

www.besturdubooks.net

(عاشق کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لئے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کر کے خوش ہوتا ہے)

میں کہتا ہوں کہ اگر ذہن سے مثال نہ بھی دی تو ذہن میں تو کوئی نہ کوئی تصور ضرور آوے ہی گا، پھر ذہن اور ذہن میں فرق کیا۔ اگر ایسے ہی تشبیہ سے بچتے ہو تو پھر تصور بھی مطلق تنزیہ کا کرو اور یہ ممکن نہیں کیونکہ انسان جب حق تعالیٰ کا تصور کرتا ہے کچھ نہ کچھ قیود اس کے ساتھ ضرور ہوتے ہیں اگر کچھ قیود نہ ہوں تو پھر تصور ہی میں آنا محال ہے، اسی لئے انسان بس اسی کا مکلف ہے کہ جہاں تک رعایت تنزیہ کی ہو سکے کرے۔ باقی حق تعالیٰ کی کنہ ذات کا تصور میں لانا محال ہے۔

در تصور ذات اور ا گنج کو (ہمارے تصور میں اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے ہمارے تصور میں جو کچھ آتا ہے اس کی تو مثال ہے)

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کس کو کہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ جو عقل میں نہ آوے، پھر اس نے پوچھا کہ عقل کسے کہتے ہیں اُنہوں نے کہ جو خدا کو پاوے اور وہ پانا بھی اس شان سے ہوگا

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم وازہر چہ گفتہ اند وشنیدیم و خواندہ ایم

(اے وہ ذات عالی جو ہمارے قیاس، خیال، گمان اور وہم سے بڑھ کر ہے جو کچھ ہم نے پڑھا، سنا اور کہا ہے)

باقی اضطرارا کچھ نہ کچھ تو تصور خدا تعالیٰ کا پھر بھی آوے ہی گا، چاہے یہی آوے کہ قیود سے پاک ہے مگر اس پاکی کی بھی تو ایک نہ ایک ہیئت ذہن میں ہوگی سو وہ ایسی پاکی سے بھی پاک ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ وزگراں جانی و چالاکی ہمہ

(جیسی پاکی تم بیان کرتے ہو ہم اس سے بھی پاک ہیں، ہم ہر طرح کی سستی اور چالاکی سے بھی پاک ہیں۔)

یعنی جیسی پاکی تم بیان کرتے ہم اُس سے بھی پاک ہیں مگر باوجود اس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے تصور کرنے سے منع نہیں کیا کیونکہ جانتے تھے کہ

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

(بندہ کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لئے وہ آپ کے واسطے اچھی سی اچھی تمثیل بیان کر کے اپنی تسلی کرتا ہے)

www.besturdubooks.net

مگر اسی میں کبھی مستی بڑھ جاتی ہے تو حد سے بڑھ جاتا ہے اور یہ کہتا ہے ؂

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن یا صغیر السن یا رطب البدن

(کبھی وہ آپ کو مستی سے ابوالحسن کہتا ہے اور کبھی کم عمر یا نازک اندام لڑکا کہتا ہے)

واقعی مولانا بڑے محقق ہیں یہاں مستی بڑھا دی تاکہ اعتراض واقع نہ ہو کیونکہ مستی میں مغلوب ہو کر حدود کی رعایت کا ہوش نہیں رہتا، جیسے شبان کہ وہ مغلوبیت عشق میں حق تعالیٰ سے ایسے ایسے خطابات کر رہا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت شاق گزرے چنانچہ انہوں نے سختی کے ساتھ اجتناب کیا وہ بیچارہ ڈر گیا اور سہم گیا اور کہنے لگا ؂

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی وز پشیمانی تو جانم سوختی

(اس (چرواہے) نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تو نے میرا منہ بند کر دیا اور پشیمانی سے میری جان کو جلا دیا)

مگر اس کی نسبت کیا فیصلہ ہوا، وہاں سے یہ فیصلہ ہوا ؂

موسیا آداب داناں دیگر ند سوختہ جان درو انان دیگر ند

عاشقاں را ہر نفس سوزید نے ست بردہ ویراں خراج و عشر نیست

(موسیٰ علیہ السلام کے آداب اور ہیں سوختہ جانوں اور عقلمندوں کے آداب الگ الگ ہیں عاشقوں کے آداب ہر نفس کے مانند نہیں ویران مقامات پر خراج و عشر واجب نہیں)

گر خطا گوید وراخاطی مگو ور شود پرخوں شہید آنرا مشو

خوں شہید نرا زآب اولیٰ ترست ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

(شہیدوں کا خون آب حیات سے بڑھ کر ہے یہ خطا صد صواب سے اولیٰ اور بڑھ کر ہے)

کیونکہ وہ مغلوب ہے وہ آداب کا مکلف نہیں ہے وہ سکر میں جاہل ہے جانتا نہیں ہے کہ کون سی بات کہنے کی ہے کون سی نہیں، اس واسطے ان مثالوں میں گنجائش ہوتی ہے اسی طرح اگر کوئی اعمال کی امثلہ بضرورت بیان کر دے جس کی نصوص سے تائید ہوتی ہو تو کیا حرج ہے اس کی ضرورت یہ ہے تاکہ ایک قسم کی قوت پہنچے طبیعت کو اور رغبت ہو اعمال کی اس بناء پر یہ سب تقریر کی گئی ہے اور اب تک جو میں نے تقریر کی ہے وہ زیادہ تر بطور کلیہ کے بیان کی گئی ہے اور اب اس آیت کے متعلق میں مضمون تمثل کو بیان کرنا چاہتا تھا، یعنی اس آیت کے متعلق یہ مضمون

www.besturdubooks.net

یعنی جنت میں چار نہروں اور پھلوں کا ہونا تو میں بیان کر چکا ہوں مگر اس کے بعد مجھ کو یہ بتلانا تھا کہ یہ چیزیں کن اعمال کی شکلیں ہیں اور دراصل بیان تو مجھے اسی کو کرنا تھا لیکن تمہید ہی اتنی لمبی چوڑی ہوگئی کہ اُسی میں سارا وقت ختم ہوگیا (اذان بھی عصر کی ہو چکی ہے ۱۲) اب میں اس مضمون کو جو اس وقت بیان کرنا چاہتا تھا ملتوی کرتا ہوں کیونکہ اس کا اس وقت بیان کرنا اس کو بالکل کھو دینا ہے اگر میں نے اس وقت بیان کیا تو ایسا ہوگا جیسے بعضے حافظ قرآن پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا اگلے جمعہ میں دیکھا جائے گا، بشرطیکہ یاد رہا اور جو مضمون اس وقت ذہن میں ہے وہ اس وقت تک ذہن میں محفوظ بھی رہا کیونکہ جو کچھ آتا ہے اُدھر ہی سے آتا ہے، چاہیں رکھیں چاہیں لے لیں، اس لئے میں وعدہ نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کرنا حقیقت میں دعویٰ کرنا ہے، بہرحال یہ جتنا بیان ہو چکا ہے یہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اصل مقصود کے لئے یعنی ربط بین العمل والجزاء بہت مفید ہے۔ اور کافی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مضمون معین مقصود ہے، اُس کے متعلق بھی جستہ جستہ بیان ہو ہی چکا ہے آگے اگر بیان بھی نہ ہو تو کچھ ضرر نہیں، میں اب ختم کر کے دعا کرتا ہوں (پھر سب نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی ۱۲)

تم بحمد اللہ الذی بنعمته تتم الصالحات

www.besturdubooks.net

اَلْمَوَدَّةُ الرَّحْمَانِيَہ

ایمان و عمل صالح کے ثمرہ کے متعلق

یہ وعظ ۲۵؍ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ کو جلال آباد تاج خان صاحب کے مکان میں ہوا۔ جو حضرت والا نے تین گھنٹے پانچ منٹ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی علاوہ مستورات کے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورہ مریم آیت ۹۶)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا)

ایمان عمل صالح:

یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس میں حق تعالیٰ شانہ نے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی بتلایا ہے، یایوں کہئے کہ ایک عمل کا ذکر کر کے اس کا ثمرہ بتلایا ہے، خلاصہ یہ کہ اس جگہ یا تو ایک مقصود اور اس کا طریق مذکور ہے یا ثمرہ مقصودہ اور اس کا طریق مذکور ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک صورت میں مطمح نظر مقصود ہے اور طریق تابع ہے اور دوسری صورت میں مطمح نظر طریق ہے اور اس کی تسہیل کے لئے ثمرہ کا ذکر ہے یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں طریق کا ذکر ہے اور سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا) میں مقصود کا ذکر ہے اور یہی ثمرہ بھی ہے بہر حال یہاں حق تعالیٰ نے ایمان وعمل صالح پر محبت کو متفرع فرمادیا ہے یعنی اس سے محبت پیدا ہوتی اور محبوبیت حاصل ہوتی ہے مگر دونوں عنوانوں کے اعتبار سے

www.besturdubooks.net

اس مضمون کی تعبیر میں ذرا سا فرق ہوگا ایک صورت میں تو ایمان وعمل صالح کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ثمرہ محبت کا ذکر اس کی طرف سہولت سے رغبت کرنے کے لئے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا) کیا گیا، اس وقت مقصود بالذکر ایمان وعمل صالح ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اے ہمارے بندو! تم ایمان وعمل صالح حاصل کرو یہ مقصود ہے آگے ترغیب وتسہیل کے لئے فرمایا کہ ہم تم کو محبت عطا کریں گے محبت کی تعریف میں نے ابھی نہیں کی انتظار کیجئے ابھی میں مسوق لہ الکلام کی تعیین کررہا ہوں یا یوں کہئے کہ مقصود نعمت محبت کا ذکر ہے اور اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں ایمان وعمل صالح کو اس کا طریق بتلایا ہے اس صورت میں مراد کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ اے مسلمانو! نعمت محبت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کا طریقہ ایمان وعمل صالح ہے خلاصہ یہ کہ یہاں دو کام ہیں ایک ہمارے کرنے کا دوسرا حق تعالیٰ کے کرنے کا اور جو کام ہمارے کرنے کا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک ظاہری ایک باطنی ایمان عمل باطن ہے اور عمل صالح ظاہر ہے تو کل تین کام ہوئے جن میں دو ہمارے کرنے کے ہیں اور ایک حق تعالیٰ کے کرنے کا اور تینوں فی نفسہ حاصل کرنے کی چیزیں ہیں چاہے محبت کو مقصود کہو اور اس کے واسطے ایمان وعمل کو اختیار کرو، یا ایمان وعمل صالح کو مقصود سمجھو اور اس کے اختیار کرنے کے بعد محبت کی امید رکھو حاصل دونوں کا ایک ہی ہے گو ملتفت الیہ بالذات وبالعرض کا فرق ہوگا مگر ضروری تینوں میں چاہے پہلے وہ حاصل ہو یا یہ ہر صورت میں مدعا حاصل ہے عارف شیرازی خوب کہتے ہیں ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(بخت اگر مدد کرے تو اس کا دامن تھام لوں اگر وہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو باعث مسرت اور اگر میں اس کو پہنچوں تو باعث مسرت)

حقیقت ایمان عمل صالح:

یعنی مقصود تو وصال ہے چاہے وہ کھینچ لیں یا ہم کھینچ لیں اسی طرح یہاں مقصود رضاء حق ہے چاہے محبت اول ملتفت الیہ ہو اور اعمال ملتفت الیہ ثانیاً ہوں یا اعمال .... ملتفت الیہ اولاً ہوں محبت ثانیاً تینوں چیزیں حاصل کرنے کے قابل ہیں نہ وہ قابل ترک ہے نہ یہ مقصود اصلی بہر صورت متحد ہے گو دونوں کی تعبیروں میں فرق ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ محبت کیا چیز ہے اور ایمان وعمل صالح اس کا طریق کیونکر ہے ایمان وعمل صالح کی تفسیر کی تو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تفسیر کو سب جانتے ہیں اس کا مقتضاء تو یہی تھا کہ ان کی تفسیر نہ کی جائے

www.besturdubooks.net

صرف یہ بتلانا ضروری ہے کہ محبت کا ترتب ایمان وعمل صالح پر کیونکر ہے اور کیسا ہے مگر اس وجہ سے ان کی تفسیر کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ گولوگ ان کے جاننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر چونکہ ان پر توجہ کا ترتب نہیں ہوتا اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ شاید حقیقت ہی کو نہ جانتے ہوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص اختلاج قلب کا مریض ہو اور اس کے سامنے سیب رکھا ہوا ہو مگر وہ اس پر توجہ نہیں کرتا تو اس سے شبہ ہوگا کہ شاید اس کو سیب کی حقیقت اور منفعت معلوم نہیں۔

صاحبو! اگر ایک بچہ روپے اور پیسے میں عملی فرق نہ کرے تو جائے تعجب نہیں لیکن اگر کوئی بڑا آدمی ایسا ہی کرنے لگے تو ضرور شبہ ہوتا ہے کہ اس کو روپیہ اور پیسہ میں فرق معلوم نہیں جبھی تو روپیہ دے کر پیسہ لیتا ہے اس وقت بعینہ یہی حالت ہماری ہے کہ اکثر لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کو ایمان وعمل صالح کی حقیقت معلوم نہیں جبھی تو دنیا کے لئے ان کو برباد کیا جا رہا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے)

اس لئے ایمان وعمل صالح کی تفسیر بھی بیان کرتا ہوں تو سنئے ایمان وعمل صالح کیا ہے یہ سعی ہے آخرت کی طرف اور آخرت کا دنیا سے مقدم ہونا مسلمانوں کو مسلم ہے کیونکہ یہ بات عقیدہ میں داخل ہے پس ایمان وعمل صالح کا دنیا سے مقدم ہونا ثابت ہو گیا مگر ہماری حالت اس کے خلاف ہم دنیا کے لئے اعمال صالح کو برباد کرتے ہیں۔

حقیقت دنیا:

اب سمجھئے کہ دنیا کیا ہے، دنیا کی حقیقت ہے حظوظ ولذات نفسانیہ مضرۂ آخرت میں مشغول ہونا، دنیا کی حقیقت مطلق حظوظ ولذات نہیں ہے بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ وہ حظوظ و لذات مضرِ آخرت ہوں ورنہ جو حظوظ ولذات معین آخرت ہیں وہ گو ظاہر میں دنیا ہیں مگر حقیقت میں وہ سعی الآخرۃ کا مصداق ہیں ایسی دنیا کے ارادہ کی نسبت حق تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بھی کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

"مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ"

(تم میں سے وہ شخص جو دنیا کا طالب ہے اور تم میں سے وہ شخص جو دین کا طالب ہے)

اس میں صحابہ کو بھی طالب دنیا کہا گیا ہے اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ صحابہ بھی اگر طالب

www.besturdubooks.net

دنیا ہوئے تو ہمارا تو کہاں ٹھکانا رہا پھر ہم کو طالب دنیا ہونے پر کیوں ملامت کی جاتی ہے، اس کے جواب علماء نے مختلف دیئے ہیں مگر سب سے اچھا جواب عارفین کا ہے انہوں نے خوب سمجھا ہے وہ آیت کی تفسیر میں فرماتے "مِنكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ الصرفة" کہ تم میں سے بعض تو آخرت کے لئے دنیا کے طالب تھے اور بعض محض آخرت خالصہ کے طالب تھے اور اس پر کچھ اشکال نہیں کیونکہ دنیا کو آخرت کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں طلب دنیا وہ مذموم ہے کہ دنیا کو لذاتہا طلب کیا جائے اور صحابہ اس سے بری تھے اب کسی معترض کو کیا حق ہے کہ وہ مِنكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا کو ارادہ دنیا لذاتہا پر محمول کر کے اعتراض کرے وہ اس کی دلیل لائے کہ یہاں ارادہ دنیا لذاتہا مراد ہے رہا یہ کہ وہ ہم سے مطالبہ کرے کہ تم بھی اس تفسیر پر دلیل لاؤ کہ یہاں ارادہ دنیا للآخرۃ مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس دلیل موجود ہے وہ کیا؟ حضرات صحابہ کی شان؟ اور ان کے حالات و واقعات کہ وہ ہمیشہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا کرتے تھے، حضرات صحابہ کے اخلاص و محبت الٰہیہ کے واقعات اس کی خود دلیل ہیں کہ وہ طالب دنیا لذاتہا ہرگز نہیں تھے دوسرے خود اس واقعہ میں جس کی بابت صحابہ کو خطاب فرمایا گیا ہے اس کی دلیل موجود ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ کے اندر طلب دنیا لذاتہا نہیں پائی گئی تھی۔

واقعہ غزوہ احد:

واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں ایک جماعت کو ایک گھاٹی پر متعین فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ یہاں سے نہ ہٹنا چاہے ہم کو فتح ہو یا ہزیمت اس انتظام کے بعد آپ نے مسلمانوں کو حملہ کی اجازت دی اور بحمد للہ مسلمانوں کا حملہ کامیاب ہوا کہ تھوڑی دیر میں کفار کو ہزیمت نصیب ہوئی اور انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور دُور تک مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اس وقت ان صحابہ میں اختلاف ہوا جو گھاٹی پر متعین تھے بعض نے کہا کہ اب ہمارے یہاں جمے رہنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائیوں کو فتح دے دی ہے اب ہم کو بھی کچھ کام کرنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب بھی یہی تھا کہ حصول مقصود تک یہاں رہنا چاہئے اور اب مقصود حاصل ہو گیا بعض نے کہا کہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر ہم کو یہاں سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی مخالفت نہ کرنا چاہئے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ جماعت وہاں سے ہٹ گئی اور معدودے چند جمے رہے، اس وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام نہ لائے تھے اور کفار کے لشکر میں موجود

www.besturdubooks.net

تھے، یہ فنون حرب سے بڑے واقف تھے، خفیہ پولیس کا محکمہ ان کے یہاں ہمیشہ تھا چنانچہ جب اس گھاٹی سے صحابہ کا بڑا حصہ الگ ہوگیا تو مخبر نے حضرت خالد بن ولید کو خبر کی کہ گھاٹی بالکل خالی ہے، انہوں نے معاً اپنا رخ پلٹا اور تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر گھاٹی پر حملہ کر دیا، یہاں دس گیارہ آدمیوں کے سوا کوئی نہ تھا کچھ دیر تک تو وہ مقابلہ کرتے رہے بالآخر سب شہید ہوئے اور حضرت خالد بن ولید نے مسلمانوں پر پشت کی طرف سے اسی حالت میں حملہ کیا وہ بے فکری کے ساتھ اسباب غنیمت جمع کرنے اور کفار کا تعاقب کرنے میں مشغول تھے، ناگہانی حملہ کا اثر بہت سخت ہوتا ہے چنانچہ اس حملہ کو مسلمان نہ روک سکے اور شکست کھا کر ادھر اُدھر منتشر ہوگئے مگر یہ انتشار زیادہ دیر تک نہیں رہا بلکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پکارا تو بہت جلد سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوگئے یہ تو واقعہ تھا اس میں صحابہ کی طرف سے ارادہ دنیا کا ظہور اس طرح ہوا کہ وہ گھاٹی والے اپنی جگہ کو چھوڑ کر اسباب غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔

لمحہ فکریہ:

مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان حضرات نے مال غنیمت اپنے واسطے جمع کیا تھا تو بات یہ ہے کہ اگر غنیمت فقط غانمین اور مقاتلین کو ملا کرتی تب تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے واسطے مال جمع کرتے تھے مگر یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ مال غنیمت صرف غانمین اور مقاتلین کے لئے نہیں ہے بلکہ مقاتلین کے لئے بھی ہے اور ان کے محافظین کے واسطے بھی ہے، اگر یہ گھاٹی والے غنیمت جمع کرنے میں مشغول نہ ہوتے جب بھی غنیمت سے ان کو ضرور حصہ ملتا پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حضرات استحقاق غنیمت کے لئے گھاٹی سے ہٹے تھے، اور یہ فعل انہوں نے اپنی ذات کے واسطے کیا تھا ہرگز نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے واسطے انہوں نے یہ کام کیا تھا اور وہ احراز غنیمت کا ثواب لینے کے لئے اپنی جگہ سے ہٹے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھے کہ گو غنیمت سے حصہ تو ہر حال میں ہم کو ملے گا مگر شاید ثواب نہ ملے کیونکہ ہم نے اس وقت تک جہاد میں عملی حصہ کچھ نہیں لیا ہم تو اب تک گھاٹی ہی پر جمے بیٹھے رہے نہ کسی سے مقابلہ کیا نہ اور کوئی کام کیا یہ حضرات یوں سمجھے کہ جہاد کا ثواب بدوں مباشرت عمل کے حاصل نہ ہوگا، ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہوگا کہ محافظ مجاہدین بھی جہاد ہی ہے اور اس کا ثواب بھی عمل کے برابر ہے کیونکہ صحابہ کے علوم یوماً فیوماً ترقی پذیر تھے ایک دن میں ان کی تکمیل نہیں ہوئی تو کسی مسئلہ کا انہیں معلوم نہ ہونا چنداں تعجب خیز نہیں بہرحال یہ حضرات محض دنیا کے لئے احراز غنیمت میں مشغول نہ ہوئے تھے بلکہ تحصیل ثواب کے لئے شریک جہاد ہوئے تھے مگر حق تعالیٰ نے تنبیہ کے لئے ان کے فعل کو ارادہٴ دنیا

www.besturdubooks.net

فرمایا کہ اس میں نص صریح کی صورۃً مخالفت تھی اور گو اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی مگر یہ موقعہ اجتہاد کا نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مجمع میں موجود تھے، اگر قیام شعب کی ضرورت نہ رہتی تو آپ خود ہی فرما دیتے ایسی حالت میں اجتہاد کی کیا ضرورت تھی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ہٹنا چاہئے تھا آج کل اجتہاد کی ضرورت ہے کیونکہ صاحب وحی موجود نہیں ہیں، غرض نص صریح کی مخالفت کی وجہ سے اس کو دنیا کہا گیا اور اس پر ملامت کی گئی گو اجتہادی غلطی سے ثواب بھی ملا ہو مگر ایسی عجلت صحابہ کی شان کے خلاف تھی ورنہ واقع میں وہ دنیائے مذموم کے طالب نہ تھے، بلکہ آخرت کے لئے دنیا کے طالب تھے اور ایسی دنیا مذموم نہیں اور نہ میں اس کی بابت شکایت کرتا ہوں کیونکہ اس کی طلب تو شرعاً مامور بہ ہے حدیث میں ہے **طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ** (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۹۰، اتحاف السادۃ المتقین ۱:۱۳۱، کنز العمال: ۹۲۰۳.) (حلال روزی تلاش کرنا فرضوں کے بعد ایک فرض ہے) اور مامور بہ شرعاً ملامت کا محل نہیں اور جہاں اس پر ملامت کی گئی ہے اس کی حقیقت میں نے بتلا دی (کہ مخالفت نص صریح منشاء ملامت ہے ۱۲)

تلبیس خداع:

مگر شکایت اس پر ہے کہ ہم لوگ تو آخرت کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہیں ہر شخص اپنی حالت دیکھ لے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ آخرت کے لئے دنیا میں مشغول ہے یا آخرت کو چھوڑ کر اس میں مشغول ہے ہماری حالت یہ ہے نماز کا وقت ہو رہا ہے مگر دکان داری میں مشغول ہیں، رشوت حرام ہے مگر چونکہ مال برابر گھر میں آ رہا ہے اس لئے خوب رشوت لے رہے ہیں سُود گناہ ہے مگر چونکہ دولت بڑھ رہی ہے اس لئے بے تکلف لے رہے ہیں، غیبت کے متعلق جانتے ہیں کہ گناہ ہے لیکن چونکہ اس سے اپنے مخالف کی ذلت ہو رہی ہے اس لئے جرأت کے ساتھ اس پر اقدام کرتے ہیں بعضے پالیسی برتتے ہیں گو اس سے دین برباد ہو جاوے، پھر ان میں جو دنیا دار ہیں وہ تو گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتے ہیں اور ان میں جو مشغول علم ہیں طالب علم کہلاتے ہیں وہ اس کو اطاعت بنا کر کرتے ہیں۔ مثلاً غیبت میں تاویل کر لیتے ہیں ؎

کس راشنیدم کہ غیبت رواست   چوزیں درگزشتی چہارم خطاست

یعنی تین شخصوں کی غیبت جائز ہے ظالم کی اور فاسق کی مجاہر کی اور مبتدع کی پھر مغتاب کو کسی ایک میں داخل کر کے اپنے فعل کو جائز کر لیتے ہیں خواہ واقع میں داخل نہ ہو یہ حالت ہماری اور بھی بری ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو لوہے کو لوہا کہہ کر بیچے اور دوسرا شخص اس پر چاندی کا

www.besturdubooks.net

طمع کر کے چاندی بنا کر بیچے پھر اس سے دوسروں کو راستہ ملتا ہے کہ وہ بھی ایسی تاویلیں کر کے گناہ کرنے لگتے ہیں، ہاں اگر کوئی واقعی مظلوم ہو اور وہ شفاء غیظ کے لئے ظالم کی غیبت کرے تو اس کی اجازت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (اللہ تعالیٰ بری بات بری زبان پر لانا پسند نہیں کرتے سوائے مظلوم کے) اگر کسی سے امداد کی توقع ہو تو ظالم کی شکایت کرنا جائز ہے ہی اگر کسی سے اس کی بھی توقع نہ ہو وہاں بھی شفاء غیظ کے لئے ظالم کی برائی کرنا جائز ہے مگر جہاں شفاء غیظ بھی نہ ہو نہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہو وہاں محض بلا وجہ غیبت کرنا اور تاویل کر کے اپنے فعل کو مباح میں داخل کرنا سراسر تلبیس وخداع ہے۔

مذمت دنیا:

صاحبو! بزرگوں نے تو مباحات میں بھی ایسے کام کو برا سمجھا ہے جس کی کوئی غرض نہ ہو پھر بلا وجہ غیبت تو کیوں نہ بری ہوگی، حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں چند بزرگ حاضر ہوئے اور ان کے پاس بیٹھ کر دنیا کی مذمت کرنے لگے آپ نے فرمایا **قوموا عنی فانکم تحبون الدنیا** میرے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے ان حضرات کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہم تو دنیا کی مذمت کر رہے ہیں ہم محب دنیا کیونکر ہو گئے فرمایا **من احب شیئا اکثر ذکرہ** جس کو کسی شے سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے اگر تم کو دنیا سے محبت نہ ہوتی تو اتنی دیر تک تم بلا وجہ اس کے ذکر میں مشغول نہ رہتے بلکہ محبوب حقیقی کو یاد کرتے جس بات پر حضرت رابعہ کی نظر پہنچی ہے وہ گہری بات ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی شئے کی مذمت سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس سے بچانا منظور ہے۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اس کے سامنے کسی شے کی مضرت کا ذکر کیا جائے یہ مذمت تو بلا وجہ نہیں اور کبھی مذمت اس غرض سے ہوتی ہے کہ اس شخص کی نظر میں اس کی وقعت ہے تو یہ اس کی مذمت کر کے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہتا ہے مثلاً کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ملا تھا مگر میں نے نہ اٹھایا ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں رئیس نے ہم کو پانچ ہزار روپے دینا چاہے تھے مگر ہم نے توجہ بھی نہ کی تو پیسہ کے متعلق عدم التفات کا ذکر نہ کرنا اور اتنی بڑی رقم کے متعلق ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کے دل میں پانچ ہزار روپے کی وقعت ہے اس لئے ان سے بے پروائی ظاہر کر کے یہ اپنا کمال ثابت کرنا چاہتا ہے اسی طرح یہ کبھی نہ کہا جائے گا کہ ہم کو ایک چمار راستہ میں ملا تھا ہم نے اس کو سلام نہ کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حاکم ہم کو ملا تھا ہم نے اس کو

www.besturdubooks.net

سلام بھی نہیں کیا اس میں خود اقرار ہے کہ اس کے دل میں حاکم کی وقعت ہے اب سمجھئے کہ جن بزرگوں نے حضرت رابعہ کے سامنے دنیا کی مذمت کی تھی ان کے اندر طالب دنیا کوئی نہ تھا سب تارکِ دنیا تھے تو ان کی مذمت قسم اول میں تو داخل تھی نہیں کیونکہ مخاطبین میں مریض کوئی نہ تھا بس قسم دوم میں داخل تھی کہ مذمت دنیا کر کے ان کو اپنا زہد ظاہر کرنا مقصود تھا اور اس سے خود دنیا کی وقعت کرنا ہے اگر دل میں اس کی وقعت نہ ہوتی تو اس سے بے رغبتی ظاہر کرنے کا خیال ہی نہ ہوتا، جیسا کہ ایک پیسہ سے بے رغبتی کو کوئی بھی ظاہر نہیں کرتا اس لئے حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے یعنی اس کی وقعت کسی قدر تمہارے دل میں باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بعض دفعہ دنیا کی مذمت فرمائی ہے وہ بضرورت تھی یعنی وہ قسم اول میں داخل تھی کہ مخاطبین میں بعضے مریض تھے ان کی اصلاح مقصود تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہ تھے بلکہ ساری اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب تھی۔

گرانی اور گراں باری:

بہر حال بزرگوں نے تو مباحات کو بھی جبکہ ان میں کوئی غرض صحیح نہ ہو بُرا سمجھا ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ** (الکامل لابن عدی ۳:۹۰۷، مسند احمد ۱: ۲۰۱، کنز العمال: ۳: ۸۲۹۱.) (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے) اور حق تعالیٰ نے اس کو لغو سے تعبیر فرمایا ہے **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ** (اور وہ لوگ فضول (کاموں اور باتوں سے) اعراض کرتے ہیں) ظاہر میں اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مالا یعنی اور لغو جب مباح ہیں تو پھر ان سے اعراض کرنے اور ان کے ترک کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر اس میں راز یہ ہے کہ بعض کام فی نفسہ مباح ہوتے ہیں مگر ان میں بلا ضرورت مشغولی مفضی الی الشر ہو جاتی ہے اور بضرورت میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہ بقدر ضرورت ہوگی ۱۲) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ مضمون دو تین روز ہی سے بالہام الحق میں سمجھ میں آیا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور افضاء کے گناہ تک وصول ہو گیا ہے مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آ کر بلا ضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب جائیں گے اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے گو وہ خفیف ہی ہو گناہ کبیرہ نہ ہو صغیرہ ہی ہو مگر صغائر کو ہلکا نہ سمجھو کیونکہ چھپر میں جیسے بہت سی آگ نہیں لگائی جاتی چنگاری بھی نہیں ڈالی جاتی، عقلاء تو دیا سلائی کو

www.besturdubooks.net

بھی استعمال کر کے ویسے ہی نہیں ڈالتے بلکہ بجھا کر پھینکتے ہیں گو آس پاس چھپر بھی نہ ہو کیونکہ دیا سلائی پھینکنے سے بعض واقعات سخت ہو گئے ہیں اس لئے گرانی مخاطب کو بلکا نہ سمجھو میں اپنا حال عرض کرتا ہوں کہ واقعی مجھے اس سوال سے گرانی ہوتی ہے اگر سوال کرنے والا مخلص بھی ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے یہ ہمارا اتالیق ہے یا مصلح ہے کون ہے؟ ہاں اگر اس سوال کے ساتھ سوال کی مصلحت بھی بتلا دی جائے مثلاً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ میں بھی ساتھ چلنے کا ارادہ کر رہا ہوں اس لئے پوچھتا ہوں یا اور کچھ مصلحت بیان کر دی جائے تو پھر انشراح ہو جاتا ہے کیونکہ اب یہ سوال لغو نہیں رہا اس کی صحیح غرض نکل آئی، میں پھر بقسم کہتا ہوں کہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں ہے جس کی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو مجھے تو اس میں شرح صدر ہے اور تفتیش کر کے دیکھو تو آپ کو بھی علم ہو جائے گا ورنہ بدوں تفتیش کے تو زہر کی بھی مضرت کا علم نہیں ہو سکتا ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو ہزاروں کو سکھلایا ہے اس سے کیا ہوا اس کو یہ بھی تو تفتیش کرنا چاہئے کہ ان لوگوں کا حال کیا ہوا اسی طرح آپ کی لغو اور فضول حرکتوں سے مثلاً اگر ایک دو کو ایذا نہ ہوئی ہو تو اس سے آپ بے فکر کیوں ہو گئے اچھی طرح تفتیش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے قلوب کو اس حرکت سے ایذا پہنچی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے، اس میں اباحت و معصیت دونوں ملے ہوئے ہیں، فقہاء حکماء امت ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک فعل میں مختلف حیثیات ہو سکتی ہیں اور ایک شے کی حقیقت امور متضادہ سے مرکب ہو سکتی ہے۔

ترک مالایعنی:

چنانچہ فرماتے ہیں کہ قرض تبرع ہے ابتداءً اور معاوضہ ہے انتہاءً حالانکہ تبرع اور عقد معاوضہ بھی تضاد ہے مگر قرض میں وہ ان دونوں کو مجتمع مانتے ہیں کیونکہ اگر قرض کو من کل وجہ تبرع کہا جاوے تو پھر مطالبہ کا کیا حق ہے اور من کل وجہ معاوضہ کہا جاوے تو روپیہ وغیرہ کے قرض میں عوضین کا دست بدست ہونا ضروری ہوگا اور یہ واجب ہو تو پھر قرض کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، فقہاء نے ان دونوں اشکالوں کا خوب فیصلہ کیا کہ قرض تبرع ابتداءً ہے اور معاوضہ انتہاءً ہے اسی طرح ہبہ بالعوض کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ بھی تبرع ابتداءً ہے اور معاوضہ انتہاءً ہے ان حضرات ہی کے بھروسہ پر ہم بھی بول رہے ہیں ورنہ ہمارا کیا منہ تھا کہ ایک شے کو دو متضاد حقیقتوں سے مرکب کہیں مگر اب فقہاء کے اقوال دیکھ کر ہم بھی شرح صدر کے ساتھ کہتے ہیں کہ فعل لغو فضول ہے ابتداءً اور معصیت ہے انتہاءً اسی لئے حضرت رابعہ نے اس فضول کام سے ان بزرگوں کو منع فرمایا ہے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک مالایعنی

www.besturdubooks.net

کو حسن اسلام فرمایا ہے۔ محسوسات میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لطیف المزاج کی دعوت کی جائے اور جب وہ پیٹ بھر کے کھا چکے تو میزبان اصرار کرے کہ حضرت اس حلوے کا ایک لقمہ اور کھا لیجئے یہ بہت لذیذ و نفیس ہے اور وہ لذت کے لئے ایک لقمہ کھا لے تو یہ لذت ہے ابتداء اور کلفت ہے انتہاء کیونکہ لطیف المزاج کو اتنی مقدار سے بھی گرانی ہوتی ہے باقی ہم جیسوں کا کیا ہے ہم تو پہاڑ کو بھی ہضم کرلیں حضرت مرزا مظہر جانجاناں ایسے لطیف المزاج تھے کہ ان کو تو دوسروں کے بہت کھانے سے بھی گرانی ہو جاتی تھی حضرت کا ایک مرید تھا وہ سال میں دوبار زیارت کے لئے آیا کرتا تھا ایک دفعہ اسے محبت کا جوش ہوا تو حضرت سے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کچھ فرمائش کریں تو میں اس کی تعمیل کروں، فرمایا بھائی فرمائش کی کیا ضرورت ہے بس یہی کافی ہے کہ تم محبت سے آجاتے ہو اور مل لیتے ہو اس نے اصرار کیا کہ نہیں حضرت کچھ فرمائش ضرور کیجئے اصرار کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اگر برا نہ مانو تو ایک فرمائش کرتا ہوں اس نے کہا حضرت میں برا کیوں مانتا میں تو خود ہی درخواست کر رہا ہوں فرمایا بھائی میری فرمائش یہ ہے کہ تم بجائے سال میں دو دفعہ آنے کے ایک دفعہ آیا کرو کیونکہ تم کھاتے بہت ہو تمہیں بہت کھاتا ہوا دیکھ کر میرے معدہ میں گرانی اور ایسی گڑبڑ ہو جاتی ہے کہ تمہارے جانے کے بعد مجھے مسہل لینا پڑتا ہے تو سال میں ایک بار تو خیر میں یہ مصیبت جھیل لوں گا مگر دوبارہ مسہل لینے سے بہت تکلیف ہوتی ہے مرزا صاحب ایسے نازک مزاج تھے کہ تانا شاہ کی بھی آپ کے سامنے کچھ حقیقت نہ تھی ایک مرتبہ آپ کے یہاں کچھ مٹھائی آئی تو مولانا شاہ غلام علی صاحب کو پکارا کہ مٹھائی لو گے انہوں نے عرض کیا حضرت، بہت اچھا فرمایا تو پھر لے لو انہوں نے آگے ہاتھ بڑھا دیئے فرمایا نہ تم تو بڑے گنوار ہو مٹھائی ہاتھ میں لیا کرتے ہیں کاغذ لاؤ وہ کاغذ لائے اور مٹھائی لے لی پھر ایک دو روز کے بعد مولوی صاحب سے پوچھا کہ غلام علی کچھ مٹھائی بچی ہے انہوں نے کہا حضرت وہ تو جبھی کھالی تھی فرمایا ساری ایک دم سے کھا گئے کہا جی ہاں فرمایا تم بھی بڑے ہی گنوار ہو ارے اتنی مٹھائی بھی کوئی ایک دم سے کھایا کرتا ہے اس کا تو قاعدہ یہ ہے کہ کھانے کے بعد ایک دو تولہ کھالی تو مرزا صاحب کو اپنے کھانے سے تو کیوں گرانی نہ ہوتی ان کو دوسروں کے بے طریق کھانے سے بھی گرانی ہوتی تھی ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اکبر شاہ ثانی حاضر ہوئے بیٹھے بیٹھے ان کو پیاس لگی تو کوئی خادم نہ تھا جس سے پانی مانگتے مجبوراً خود ہی اٹھے اور صراحی میں سے پانی پیا، پانی پی کر کٹورے کو صراحی پر ٹیڑھا کر کے رکھ دیا مرزا صاحب کی نظر جو ٹیڑھے کٹورے پر پڑی تو فوراً

www.besturdubooks.net

سر میں درد ہوگیا مگر کچھ بولے نہیں بادشاہ نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں حضور کے لئے ایک خادم بھیج دوں، فرمایا کیا ہوگا بس وہ خادم بھی آپ ہی جیسا ہوگا آپ کو تو پانی پینا بھی نہیں آتا چنانچہ کٹورا ٹیڑھا رکھ دیا ہے جس سے میرے سر میں اس وقت تک درد ہو رہا ہے اور وہ خادم بھی ایسا ہی ہوا تو میری مصیبت ہو جائے گی میں بدون خادم ہی کے اچھا۔ واللہ اسی طرح جس کا ادراک لطیف ہے اس کے سامنے اگر کوئی لغو فعل کیا جاوے تو اس کے قلب پر گرانی ہوتی ہے اور جس میں لطافت نہیں وہ تو معصیت سے بھی کچھ گرانی محسوس نہیں کرتا، صاحبو! پہلے نور حاصل کرو پھر فضول اور لغو کاموں کی گرانی کا احساس ہوگا، بہرحال جس کی طبیعت نورانی ہے وہ تو فضول مباح کو بھی گوارا نہ کرے گا جیسا کہ حضرت رابعہ کے واقعہ سے معلوم ہوا گناہ تو اسے کیوں ناگوار نہ ہوں گے اور ہم کو جو ایسے امور سے ناگواری نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ہمارے علوم ہی ناقص ہیں ہم کو بہت سے امور کا گناہ ہونا معلوم ہی نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو اس علم پر عمل کی کوشش نہیں اس لئے ایمان و اعمال صالحہ کی پوری قدر نہیں کی، میں یہ نہیں کہتا کہ ان لوگوں کو ایمان و اعمال صالحہ کا علم نہیں، علم تو ہے مگر ان کو ایمان و اعمال صالحہ کی قیمت معلوم نہیں ان کی قیمت کیا ہے؟

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(اپنی قیمت دونوں جہاں بتائی نرخ زیادہ کرو کہ ابھی ارزانی ہے)

اس کی وہ قیمت ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی خریدار نہیں ہو سکتا وہی اس کی قیمت دے سکتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ"

حلال وحرام کا علم:

اتنی قیمتی چیز کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہے کہ دنیا کی متاع قلیل کے معاوضہ میں اس کو ہاتھ سے دے رہے ہیں چنانچہ زمینداروں کے یہاں بیگار میں بہت سے کام لئے جاتے ہیں حالانکہ بیگار کی بعض صورتیں جائز ہیں مگر پرواہ نہیں ذرا سے نفع کے لئے اپنا اتنا بڑا نقصان دین کا کر رہے ہیں بعض لوگ ابواب زمینداری میں مبتلا ہیں بعضے سود لے رہے ہیں بعضے بیوع و شراء میں عقیدہ فاسدہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بس ہماری وہی مثال ہے جیسے کوئی اشرفی دے کر ایک بسکٹ خرید لے اور یوں کہے کہ اشرفی میں کیا مزا ہے بسکٹ سے تو پیٹ بھرتا ہے ارے ظالم تجھے خبر نہیں کہ اشرفی سے کتنی قسم

www.besturdubooks.net

قسم کی نعمتیں حاصل ہوسکتی ہیں مگر اس کے لئے بڑے خریدار کی ضرورت ہے کم مایہ دکاندار اس کی قیمت کیا دیں گے، صاحبو! میں آپ کو ایک کام کی بات بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگوں کو اپنی حلال و حرام آمدنی کو کم از کم معلوم تو ضرور کر لینا چاہئے، گو اس وقت تمام ناجائز صورتوں کے ترک کی ہمت نہ ہو مگر معلوم کر لینے سے عقیدہ تو درست ہو جائے گا اور ارتکاب کے بعد گناہ کا خطرہ تو ہوگا کیا عجب ہے کسی وقت یہ خطرہ ایسا غالب ہو کہ توبہ خالصہ کی توفیق ہو جائے دیکھئے ایک شخص کے بدن میں خارش ہے اگر اس کو خارش کا نسخہ بھی معلوم نہیں تو وہ بڑے خسارہ میں ہے اور اگر نسخہ معلوم ہو تو زیادہ خسارہ میں نہیں کیونکہ یہ شخص جب بہت تنگ ہوگا اُمید ہے علاج کر لے گا اسی طرح یہاں سمجھئے، پس اپنی آمد و خرچ میں حلال و حرام کو ضرور معلوم کرنا چاہئے پھر دو قسم کے حقوق ہیں ایک حق العباد ایک حق اللہ اگر ایک دم سے سب کے ترک کی ہمت نہ ہو تو پہلے حقوق العباد کو ترک کر دو حقوق اللہ میں اگر ابتلاء ہو تو وہ شاید ایک اللھم اغفرلی سے معاف ہو جاویں، بشرطیکہ توبہ توبہ کے طریقہ سے ہو۔

حقیقی مفلسی:

مگر حقوق العباد میں بندے تم کو نوچ لیں گے حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اتدرون من المفلس فیکم (کیا تم جانتے ہوں کہ مفلس کون ہے؟) صحابہ نے عرض کیا من لا درھم لہ ولا دینار (الصحیح لمسلم کتاب البر والصلۃ: ۵۹، سنن الترمذی: ۲۴۱۸، کنز العمال: ۳۴۷۰۱۔) جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حالت میں جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہے روزہ بھی ہے زکوٰۃ بھی ہے حج بھی ہے اور بہت سے اعمال ہر قسم کے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اس نے کسی کو مارا بھی تھا کسی کو گالیاں بھی دی تھیں کسی کی غیبت کی تھی، پس ایک آیا اس کی نماز لے گیا، دوسرا آیا اس کی زکوٰۃ لے گیا، کوئی حج لے گیا کوئی اور اعمال لے گیا پھر بھی بعضے حقدار باقی رہ گئے تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے وہ تو جنت میں چلے گئے اور یہ سب کے گناہوں کو لے کر جہنم میں بھیج دیا گیا، یہ شخص اپنے کو غنی سمجھتا تھا مگر حقوق العباد ضائع کرنے کی وجہ سے سب نیکیاں اہل حقوق لے گئے اور یہ کورے کا کورا رہ گیا۔ درمختار میں روایت ہے (واللہ اعلم بصحتھا و ضعفھا ۱۲) کہ ایک دانگ کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی بھلا اتنی نمازوں کو کون چھوڑ دے گا تم ہی سوچو! وہاں تو ہر شخص ایک ایک نیکی پر جان دے گا۔ صاحبو! اس کی فکر بہت ضروری ہے مگر افسوس کہ لوگوں کو ذرا فکر نہیں۔

www.besturdubooks.net

جائز و ناجائز:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب فکر کر کے کیا کریں شریعت پر تو عمل کرنا آسان نہیں ہم جن باتوں کو بھی کبھی علماء سے دریافت کرتے ہیں وہ سب کو ناجائز وحرام کہہ دیتے ہیں کسی صورت کو جائز نہیں بتلاتے اب شریعت پر عمل کرنے کی تو صورت یہ ہے کہ معاش کے سب ذرائع چھوڑ دیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں میں کہتا ہوں کہ تم نے ناجائز صورتوں کو تو دریافت کیا اس کے بعد یہ بھی تو سوال کیا ہوتا کہ حضرت کوئی صورت جائز بھی ہے پھر دیکھئے وہ جائز صورتیں بتلاتے ہیں یا نہیں۔ ورنہ آپ کی وہ مثال ہوگی جیسے کوئی شخص طبیب سے مضر اشیاء کے متعلق سوال کرے کہ میں کریلا کھا سکتا ہوں یا مسور کی دال اور ماش کی دال اور گائے کا گوشت اور بینگن اور اروی اور آلو اور طبیب سب سے منع کرے تو وہ کہنے لگے کہ یہ طبیب تو بہت سخت ہے یا یہ کہے کہ طب پر عمل نہیں ہوسکتا تو ہر شخص اس کو پاگل کہے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے طبیب سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ حضرت پھر میں کیا کھاؤں دیکھو اس کے بعد وہ کتنی جائز چیزوں کا نام لیتے کہ لوکی ترئی پالک کا ساگ مونگ کی دال میٹھا کدو، بکری کا گوشت، جنگلی پرندوں کا گوشت وغیرہ وغیرہ کھا سکتے ہو، دوسرے بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ایک طریقہ سے تو ناجائز ہیں اور دوسرے طریقے سے جائز ہیں سب میں تو میں دعوے نہیں کرتا مگر اکثر صورتوں میں ایسا ہی ہوگا پس جس صورت کو علماء ناجائز بتلائیں تم اس کے متعلق کسی محقق سے اپنی مجبوری ظاہر کر کے دریافت کرو کہ کسی صورت سے یہ جائز بھی ہے، ان شاء اللہ وہ اسی کے متعلق جائز طریقہ بتلائے گا، مثلاً زمینداروں کی رعایا میں جو قصائی رہتے ہیں ان سے زمینداروں نے مکان کے کرایہ میں گوشت کا نرخ عام لوگوں سے کم مقرر کرلیا ہے اگر عام لوگ چار آنہ سیر لیتے ہیں تو زمیندار ایک آنہ سیر لیتا ہے یہ صورت بوجہ جہالت مقدار بیع کے ناجائز ہے مگر اس کی جائز صورت یہ ہے کہ تم مکان یا زمین کے کرایہ میں گوشت کی مقدار مقرر کرلو، مثلاً بجائے روپیوں کے پانچ من سالانہ گوشت کرایہ میں طے کرلو اور گوشت کا حساب اپنے پاس رکھو یا رقعہ چھپوا کر رکھ لو اور روزانہ ایک رقعہ قصائی کو دے دیا کرو اور اس سے کہو کہ ان رقعوں کو جمع کرتا رہے پھر ان سب کو دیکھ کر جوڑ لو کہ تمہارے یہاں سال بھر میں کتنا گوشت آیا ہے پھر اس میں سے پانچ من نکال کر کے جو زائد نکلے اس کی قیمت عام نرخ سے دے دو، ایک صورت یہ ہے کہ سلم کے طور پر قصائی کو پیشگی رقم دے کر بھاؤ مقرر کرلو کہ اتنی رقم کا اتنا

www.besturdubooks.net

گوشت اس بھاؤ سے لیا جائے گا اس صورت میں اختیار ہے جو چاہو بھاؤ مقرر کر لو، بشرطیکہ ناجائز دباؤ نہ ہو اگر لوگ علماء سے پوچھا کریں تو اکثر معاملات کے متعلق جائز صورتیں معلوم ہو سکتی ہیں مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو تقویٰ کی قیمت ہی معلوم نہیں اور نہ معاصی کی مضرت معلوم ہے ہم کو یہ ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی ہے اس لئے قدر نہیں جن لوگوں کو مشقت شدیدہ کے بعد یہ دولت ملی ہے ان سے اس کی قدر پوچھو مگر ہمارا تو حال یہ ہے ۔

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص نان دہد

(جو شخص سستا خریدتا ہے سستا بیچتا ہے بچہ ایک نان کے بدلے قیمتی موتی دے دیتا ہے)

ایمان و عمل صالحہ کی تفسیر کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر چونکہ ہم کو اس کی قیمت معلوم نہیں اس لئے بقدر ضرورت بیان کر دیا گیا البتہ ایک چیز کی تفسیر بیان کرنا سخت ضروری ہے یعنی محبت کی اس لئے اب اس کو شروع کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لئے جلدی ہی حق تعالیٰ مودت پیدا کر دیں گے سَيَجْعَلُ میں سین قرب کے واسطے ہے یعنی یہ نقد النقدی سودا ہے ادھار نہیں ہے گو اصل میں حق تعالیٰ کے وعدے اکثر آخرت ہی کے متعلق ہیں اور یہی یہاں بھی سمجھنا مصلحت ہے کہ قرب آخرت کا ہے اس میں بڑی راحت یہ ہے کہ اگر کسی وقت یہاں ثمرہ ملنے میں دیر ہو تو پریشانی نہ ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اعمال صالحہ کا ثمرہ دنیا میں بھی عطا فرماتے ہیں چنانچہ ایک ثمرہ تو خود یہی ہے کہ تم کو ان اعمال کی توفیق دی کیونکہ یہ اعمال خود قیمتی ہیں مگر چونکہ ہم ان کی قیمت سے ناواقف ہیں اس لئے ان کو ثمرہ نہیں سمجھتے اسی کی کم فہمی کے سبب ایک عہدہ دار نے اپنی بیوی سے پوچھا تھا کہ تو جو اتنے زمانے سے نماز پڑھ رہی ہے تجھے کیا ملا! میں نے یہ بات سنی تو کہا کہ میں اس کا یہ جواب دیتا کہ نماز ملی کیونکہ نماز خود بہت قیمتی چیز ہے جس کو یہ دولت مل جائے اس سے یہ سوال کرنا کہ تجھے کیا ملا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو کسی سے روپیہ وصول ہوا اور اس سے پوچھا جاوے کہ مال لے کر تجھے کیا ملا، ہر شخص اس سوال کو فضول کہے گا کیونکہ مال خود مطلوب ہے اس کے مل جانے کے بعد کسی اور چیز کے ملنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح نماز خود مطلوب ہے جس کو یہ مل گئی اس سے یہ پوچھنا کہ تجھے کیا ملا حماقت ہے اور دخول جنت کو جو نماز کا ثمرہ کہا جاتا ہے تو وہ بھی نماز کا ایک ثمرہ ہے ورنہ حقیقت میں نماز خود مطلوب ہے کیونکہ اس کی حقیقت قرب حق ہے قرآن مجید میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کر کے قرب و وصال حاصل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اقرب ما یکون

www.besturdubooks.net

العبد حین یسجد فی الصلوٰۃ (الصحیح لمسلم کتاب الصلوٰۃ: ۲۱۵، سنن ابی داؤد: ۸۷۵، سنن النسائی ۲: ۲۲۶.) انسان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے جنت بھی قرب ہی کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں ۔

عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

حدیث شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول او عمل (مسند احمد ۱: ۱۷۲، المصنف لابن ابی شیبۃ ۱۰: ۲۶۴، کنز العمال: ۳۲۱۰.) (اے اللہ میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس (چیز) کا جو جنت سے قریب کردے قول یا عمل) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال قرب کو جنت کے ساتھ سوال میں معطوف کیا ہے اگر جنت ہی مطلوب ہے اور یہ اعمال خود مقصود نہیں تو سوال جنت کے بعد ان کے مانگنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ کہا جائے کہ جنت کا ملنا ان پر موقوف ہے اس لئے ان کا سوال کیا گیا اور اسی لئے الیہا بڑھایا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (جب ایک چیز ثابت ہوگئی اس کے لوازمات بھی ثابت ہوگئے) جب حصول جنت اعمال پر موقوف ہے تو سوال جنت میں ان کا سوال بھی آ گیا تھا ان کے لئے مستقل سوال کی ضرورت نہ تھی اور الیہا کا بڑھانا اس لئے ہے کہ ظہور قرب جنت میں ہوگا گو حصول اب بھی ہوسکتا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کے بعد اعمال قرب کو مانگنا بتلا رہا ہے کہ یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں اس لئے ان کو مستقل طور پر مانگا گیا اور اس کا راز وہی ہے کہ ان اعمال کی حقیقت قرب ہے اور جنت بھی قرب ہی کی وجہ سے مطلوب ہے تو یہ اعمال بھی قرب کی وجہ سے مطلوب ہیں اور قرب حق جنت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں دنیا میں بھی ہوسکتا ہے چنانچہ خود ارشاد ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ سجدہ کرلو اور قربت حاصل کرلو، اگر دنیا میں قرب نہ حاصل ہوسکتا تو سجدہ پر اس کو متفرع نہ فرماتے۔

قرب کی ایک صورت:

بات یہ ہے کہ قرب کی مختلف صورتیں ہیں کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول جنت میں قرب بصورت عروج ہوگا اور یہاں سجدہ میں بصورت نزول ہوتا ہے اس مضمون کو مولانا رومی نے کیا خوب بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح مت دو)

www.besturdubooks.net

مولانا اس مقام پر حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی (الشفاء للقاضی عیاض ۱:۲۶۵، إتحاف السادة المتقين ۲:۱۰۵.) کی تفسیر فرمارہے ہیں چنانچہ سرخی میں بھی یہی حدیث لکھی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور معراج کے قصہ کو بطور مثال لائے ہیں، پس فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کا جو قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بدوں صریح اجازت خداوندی کے تبلیغ چھوڑ کر وہ اپنے شہر سے چلے گئے یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی چکر میں آگئی پھر ان کو پانی میں ڈال دیا گیا اور مچھلی نے نگل لیا تو ان کی اس حالت کو نقص پر محمول نہ کرو کیونکہ یہ ان کے لئے ویسی ہی معراج تھی جیسے مجھے معراج ہوئی ہے پس تم میری معراج کو ان کی معراج پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی معراج کو گھٹا دو اور اس کا نقص ظاہر ہو کیونکہ ان کی معراج بھی کامل تھی ناقص نہ تھی گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اکمل تھی اب یہاں عام لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آسمانوں پر عروج ہوا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو معراج کہنا درست ہے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو تو عروج نہیں ہوا بلکہ نزول ہوا تھا اس کو معراج کہنا کیوں کر صحیح ہوگا مولانا نے اس کا جواب دیا ہے ۔

قرب ازپستی ببالا رفتن ست ۔ قرب حق از قید ہستی رستن ست

(قرب اس کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ ہستی سے چھوٹ جاؤ)

فرماتے ہیں کہ قرب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیچے سے اوپر کو بلایا جائے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اوپر سے نیچے کو بلایا جائے کیونکہ قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت کے ساتھ مقید نہیں ہیں ۔

نور اوازیمن ویسر وتحت و فوق ۔ برسرو برگردنم مانند طوق

(اس کا نور دائیں اوپر نیچے ہر طرف ہے جیسے گلے کا ہار گردن کو گھیرے ہوتا ہے)

ان کی تجلی تو ہر جہت میں ہے اس لئے ہر سمت میں معراج ہوسکتی ہے، خود ایک حدیث میں آیا ہے لو دليتم محبل الى الارض السفلى لهطباء على الله (الدر المنثور ۶:۱۷۰ و تفسیر ابن کثیر ۸:۳۳، تفسیر الطبری:۲۷.)(رواہ الترمذی فی کتاب التفسیر من جامعہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ مرفوعا وقال غریب وحسن لم یسمع من ابی ہریرۃ مقاصد ص 160) یعنی اگر ایک رسی کو ارض سفلی تک لٹکایا جائے تو وہ حق تعالیٰ پر پہنچے گی مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی

www.besturdubooks.net

تجلی حق موجود ہے کوئی جگہ اور کوئی سمت ان کی تجلی سے خالی نہیں رہی، عرش کی تخصیص اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں تو اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں عرش مستقر الٰہی بالمتعارف ہرگز نہیں پھر اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے کیا معنی ہیں اس کے متعلق سلف نے تو سکوت کیا ہے (اور یہی اسلم ہے) اور خلف نے مناسب تاویلیں بیان کی ہیں اسی قبیل سے حضرت حاجی صاحب کی ایک تاویل ہے فرمایا کہ نصوص میں اللّٰہ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ نہیں فرمایا بلکہ جا بجا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی تجلی عرش پر زیادہ ہے پس یہ تخصیص ایک خاص صفت کی تجلی کے اعتبار سے ہے، ذات کے اعتبار سے نہیں اسی لئے احکام سب عرش سے آتے ہیں کیونکہ احکام میں رحمت کا خاص ظہور ہے، بہرحال قرب اسی کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر جاتا ہو بلکہ اوپر سے نیچے جانے میں بھی قرب ہو سکتا ہے تو یونس علیہ السلام کو اسی صورت سے قرب عطا ہوا ان کی بھی معراج تھی تو یہی صورت قرب کی دنیا میں نماز کے اندر ہوتی ہے کہ سجدہ میں بندہ کو قرب بصورت نزول ہوتا ہے جب حقیقت قرب ان اعمال میں موجود ہے تو وہ بھی خود مطلوب ہیں جیسے جنت مطلوب ہے کیونکہ وہ بھی قرب ہی کی وجہ سے مطلوب ہے اگر جنت میں اللہ تعالیٰ کا قرب نہ ہوتا تو وہ مطلوب نہ ہوتی اور اگر دخول جنت ہی پر قبول و قرب کا مدار ہو تو نعوذ باللہ ان ملائکہ کو غیر مقبول کہنا پڑے گا جو جہنم کے منتظم ہیں حالانکہ فرشتے سب مقبول ہیں ان میں غیر مقبول کوئی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ جنت پر قرب کا مدار نہیں، دوسری جگہ اور دوسری صورت میں بھی قرب ہو سکتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دوسری صورت جنت کی طرح مطلوب نہ ہو، یہ تو دلائل سے ثبوت تھا۔

اعمال کی توفیق:

میں نے ایک بزرگ صاحب کشف سے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ جنت کا مزا برحق کوثر کا مزا برحق مگر خدا کی قسم جو مزا نماز میں ہے وہ نہ جنت میں ہے نہ کوثر میں ہے ہم جب سجدہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا حق تعالیٰ نے پیار کر لیا پھر فرمایا کہ میں نے تم سے کہہ دیا ہے سب سے کہنے کی بات نہیں مگر میں نے اس کو مجمع میں اس لئے کہہ دیا کہ قلوب کسی طرح تو جاگیں اور ان اعمال کی قدر کریں پس بخدا یہ نماز اور ذکر وغیرہ خود بھی مطلوب ہیں" مولانا نے ایک ذاکر کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تو عرصہ سے اللہ اللہ کرتا ہے مگر ادھر سے نہ سوال ہے نہ جواب ہے، نہ سلام ہے نہ پیام ہے اس سے فائدہ کیا، اس وسوسہ نے ایسا غلبہ کیا کہ اس نے ایک رات

www.besturdubooks.net

سب ذکر و شغل چھوڑ دیا اور پڑ کر سو رہا، خواب میں اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے ذریعے سے پوچھا کہ میاں آج تم نے ہم کو کیوں یاد نہیں کیا اس نے وہی جواب دیا کہ حضور عرصہ سے اللہ اللہ کر رہا ہوں مگر اِدھر سے نہ کچھ پیام ہے نہ جواب ہے فرشتہ نے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　دیں نیاز وسوز وردت پیک ماست

(تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز و نیاز اور درد ہمارا قاصد ہے)

فرمایا کہ میاں تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہماری طرف سے لبیک اور جواب ہے اگر ہم کو تمہارا ذکر پسند نہ ہوتا تو ایک بار کے بعد دوبارہ ہمارا نام نہ لے سکتے، صاحبو! خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ کو ہمارا ذکر کرنا ناگوار ہوتا تو دوبارہ ہم ہرگز ان کا نام دل سے نہ لے سکتے تھے، مجھے اپنا قصہ بچپن کا یاد ہے کہ ایک طالب علم نے مجھے چڑانے کے واسطے بار بار میرا نام میرے سامنے لیا، اشرف علی، اشرف علی اشرف علی جیسے کوئی وظیفہ پڑھتا ہو، مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھمکایا کہ خبردار جو تو نے آج سے میرا نام لیا تجھے کیا حق ہے میرا نام لے، اے صاحبو! ہم کیا ہیں کیا چیز ہیں کسی کی زبان پر ہمارا کیا قبضہ ہے مگر جتنا بھی اختیار تھا ہم نے اس سے کام لیا اور اپنا نام لینے سے ایک شخص کو روک دیا اس سے سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا ذکر ناگوار ہوتا تو وہ کیوں ہی ہم کو اپنا نام لینے دیتے، زبان کا روک دینا ارادہ کا بدل دینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، پس ان اعمال کی توفیق ہونا ہی حق تعالیٰ کے توجہ کی دلیل ہے تو یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں اسی لئے حاجی صاحب سے جب کوئی ذاکر شکایت کرتا کہ ذکر سے نفع نہیں احوال طاری نہیں ہوتے انوار نظر نہیں آتے تو حضرت فرماتے کہ یہ کیا کچھ کم نفع ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہو۔ پس سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا) میں جو سین قرب کے واسطے ہے حقیقت میں یہ سودا نقد ہے ایمان و اعمال صالحہ کا ثمرہ دنیا میں بھی ملتا ہے وہ سودا کیا ہے خود یہی ایمان و اعمال کیونکہ یہ خود بھی تو مطلوب ہیں دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ثمرہ آخرت میں ہی ملے گا اور آخرت گو ہم کو دور معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں نزدیک ہے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَّنَرٰهُ قَرِيبًا (یہ لوگ اس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں) ہمارا آخرت کو دُور سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ چیونٹی اپنے سوراخ سے پانی کے گھڑے کو دور سمجھتی ہے مگر ہم اس کو قریب سمجھتے ہیں شاید تم یہ کہو کہ پھر ہمارے اعتبار سے تو وہ دُور ہی ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہے

www.besturdubooks.net

اور آپ کا علم غلط ہے پس تمہارے بعید سمجھنے سے واقع میں آخرت بعید نہ ہوگی، دوسرے اس وقت غفلت وانہماک لذات کی وجہ سے آپ کا علم غلط ہو رہا ہے جب یہ غفلت دور ہوئی اور آپ کو علم صحیح عطا ہوگا تو آپ کا علم صحیح بھی آخرت کو قریب ہی سمجھے گا چنانچہ وہاں کہیں گے لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہ دنیا میں ہم ایک دن رہے یا اس سے بھی کم اس بناء پر آخرت کا ثمرہ بھی نقد ہی ہے ادھار نہیں پھر اچھا وہ نقد نہ سہی ادھار ہی سہی لیکن کیا آپ ادھار سودا نہیں کرتے بھلا اگر ایک تاجر کو آج روپیہ کے سیر بھر چاول نقد ہاتھ در ہاتھ ملتے ہوں اور دوسرا دکاندار یہ کہے کہ میں کل کو یا پرسوں کو روپیہ کے پانچ سیر دوں گا تو آپ اس وقت کیا کریں گے اس حالت میں اگر کوئی تاجر نقد کو ترجیح دے تو آپ اس کو خود پاگل کہیں گے پھر ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ ادھار ہی سہی مگر صاحبو! وہ ایسا ثمرہ ہے کہ دنیا ومافیہا کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را   کہ بیک گل می خری گلزار را

(تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے سارا باغ خرید لو)

اللہ کیا رحمت ہے کہ ۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(ضعیف وحقیر فانی جان لیتے ہیں اور باقی جان دیتے ہیں جو تمہارے وہم وگمان میں نہیں آسکتا وہ دیتے ہیں)

وہاں وہ نعمتیں ملیں گی کہ آپ کے خواب میں بھی نہ آئی ہوں گی، واللہ مانگنے والا کوئی نہیں ورنہ وہ تو بہت کچھ دینے کو تیار ہیں۔

پسندیدہ ادا:

ایک رئیس والی ملک کی ریاست میں ایک بار قحط ہوا استسقاء کی نماز پڑھی گئی اور لوگ دعا کر کے اُٹھنے لگے رئیس نے پوچھا کیا ان کو مدعا حاصل ہوگیا جو دعا کر کے چلنے لگے واللہ! میں تو ساری عمر یہیں ختم کر دوں گا اور بدون بارش کے کبھی نہ اُٹھوں گا، بھلا ہم جیسے ادنیٰ حاکموں کے دربار سے تو امیدوار ناکام نہیں لوٹتا اور احکم الحاکمین کے دربار سے ہم ناکام لوٹیں یہ نہیں ہوسکتا، اس بات کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بڑے زور کا بادل اُٹھا اور بارش موسلا دھار پڑنا شروع ہوئی، صاحبو! کوئی مانگنے والا ہو تو پھر ان کی عطاء کی بارش دیکھئے وہ تو ایسا بازار ہے کہ وہاں مبیع کی بھی تعیین نہیں ہے کہ اعمال صالحہ کے بدلہ میں کیا دیں گے، بس اجمال یہ ہے کہ جو تم چاہو گے وہ یہی دیں گے اور جو

www.besturdubooks.net

تمہارے وہم میں بھی نہیں آیا وہ بھی دیں گے یہاں جو جہالت مبیع مفسد بیع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ
جہالت سے جھگڑا ہوگا اور ہم کو جھگڑے سے کلفت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کو جھگڑ کر مانگنا پسند ہے۔
چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ نابالغ بچے جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو اڑ کر کھڑے
ہو جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں جاتے کیوں نہیں تو وہ حق تعالیٰ سے ضد کریں گے کہ
ہم تو اپنے والدین کے بغیر ہرگز نہ جائیں گے ان کو ہمارے ساتھ کیجئے جب جائیں گے چنانچہ ان
کی ضد پوری کی جائے گی، اس جگہ یہ لفظ ہے **ایھا الطفل المراغم ربه ادخل ابویک الجنة**
(لم أجد الحديث في "موسوعة أطراف الحديث النبوي الشريف") یعنی اے بچے جو اپنے رب سے
جھگڑ رہا ہے اپنے والدین کو جنت میں لے جا اسی طرح حدیث میں ایک شخص کا قصہ آیا ہے جو سب
سے اخیر میں جہنم سے نکلے گا تو حق تعالیٰ اس کو جہنم سے نکالتے ہی فوراً جنت میں نہ داخل کریں گے
بلکہ اس کو اس جہنم کے دروازہ پر بٹھلایا جائے گا اور کہا جائے گا مانگ کیا مانگتا ہے وہ کہے گا الٰہی میرا منہ
جہنم کی طرف سے پھیر دیا جائے بس میں اور کچھ نہیں مانگتا حق تعالیٰ عہد لیں گے کہ اور کچھ نہ مانگے
گا وہ عہد کرے گا کہ میں اور کچھ نہیں مانگوں گا چنانچہ اس کا منہ جہنم سے پھیر کر جنت کی طرف کر دیا
جائے گا تھوڑی دیر تو وہ صبر کرے گا مگر پھر جنت کو دیکھ کر صبر نہ کر سکے گا کہے گا الٰہی مجھے فلاں درخت
تک پہنچا دیا جائے، بس اس کے بعد میں کچھ نہ مانگوں گا، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ابن آدم کیا تو
اپنے وعدہ کو بہت جلد بھول جاتا ہے اچھا عہد کر کہ پھر تو کچھ نہ مانگے گا وہ عہد کرے گا اور درخت کے
پاس پہنچا دیا جائے گا وہاں سے جنت سامنے ہوگی کچھ دیر تو وہ صبر کرے گا مگر پھر نہ رہ سکے گا اور کہے گا
الٰہی مجھے جنت کے دروازہ تک پہنچا دیا جائے بس پھر کچھ نہ کہوں گا، حق تعالیٰ فرمائیں گے تو اپنے
وعدہ کو بہت جلد بھول جاتا ہے اچھا عہد کر پھر تو کچھ نہ مانگے گا وہ عہد کرے گا اور جنت کے دروازہ
تک پہنچ جائے گا، پھر کہے گا الٰہی ساری مخلوق سے زیادہ مجھے ہی بدنصیب نہ کیجئے بس مجھے جنت کے
اندر ہی بھیج دیجئے، حق تعالیٰ اس پر ہنسیں گے اور فرمائیں گے جا جنت میں چلا جا ہم نے تجھ کو دنیا و
مافیہا اور اس کے دس حصے کے برابر جنت میں زمین دی وہ خوش خوش جنت میں جائے گا تو جنت کی
سیر گاہ میں اوّل پہنچے گا جہاں جنت والوں کا ہجوم ہوگا وہ لوٹ کر حق تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ آپ
رب العالمین ہو کر مجھ سے استہزاء کرتے ہیں جنت تو بالکل بھری ہوئی ہے اس میں کچھ بھی جگہ نہیں
حق تعالیٰ اس کی اس بات پر ہنسیں گے اور جنت کے محلات میں اسے بھیجیں گے وہاں پہنچ کر اس کی
آنکھیں کھل جائیں گی کہ جنت تو بہت ہی وسیع ہے غرض حق تعالیٰ کو تو یہ بات پسند ہے کہ بندہ سر ہو
ہو کر ان سے مانگے، حدیث شریف میں ہے **ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء** (فتح الباری

www.besturdubooks.net

لابن حجر ۱۱: ۹۵، الدر المنثور ۵: ۳۶۵، الدرر المنتثرہ: ۴۶ .)حق تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو خوب جھگڑ جھگڑ کر دعا کرتے ہیں بدو خوب دعا کرتے ہیں طواف کر کے ملتزم پر آ کر دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں بخش دے اور ضرور بخشے گا کیوں نہ بخشے گا اگر آپ نہ بخشیں تو اور کون بخشے گا، غرض دعا میں خوب لڑتے ہیں۔

محبت خالق ومخلوق:

سلاطین دنیا کے یہاں یہ جرم ہے مگر حق تعالیٰ کو یہ ادا پسند ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی باتیں سلاطین دنیا کے یہاں ادب ہیں اور وہاں بے ادبی میں داخل ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا یقل احدکم اللھم اغفر لی ان شئت اللّٰھم ارحمنی ولیعزم المسئلة فانه لا یکرہ له**(المصنف لابن ابی شیبة ۱۰: ۱۹۹ .)یعنی دعا میں یوں نہ کہو کہ اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو مجھے بخش دیں (بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ مجھے ضرور بخش دیجئے ۱۲) کیونکہ دنیا میں جو سلاطین کو یوں لکھا جاتا ہے کہ اگر حضور.........کی مرضی ہو تو ایسا کر دیجئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ لکھنے سے ان پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر قادر بھی نہیں ہیں اس لئے ان قیود کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ پر کسی کا کچھ بھی دباؤ نہیں ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر بھی قادر بھی ہیں تو وہاں ان شئت کی کیا ضرورت ہے پھر ایسے دربار میں اگر ثمرہ ادھار بھی ملے تو کیا حرج ہے جہاں ادھار کا ثمرہ اضعاف مضاعفہ دیا جاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں **مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ** (جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے قرض حسنہ تو اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا اضافہ فرمادیں گے اور اس کے لئے اکرام واعزاز والا اجر ہوگا) یہاں قرض حسنہ کے وہ معنی نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ بس خوشی سے ادھار دے دو اگر مقروض کے پاس ہوا تو ادا کر دے گا اور نہیں تو صبر کرو مگر اللہ تعالیٰ کا قرض حسنہ ایسا نہیں کہ جو دیا ہو وہی لے لو بلکہ اختیار ہے کہ جتنا چاہے سود لے لو، گو اس کو سود کہنا بے ادبی ہے مگر میں نے مشاکلۃً اس کو سود کہہ دیا ہے، حق تعالیٰ ایک جگہ فرماتے ہیں **فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً** (پس اس کا کئی گنا بہت زیادہ اضافہ کریں گے) کہ اس قرض کو حق تعالیٰ چند در چند کر کے ادا کریں گے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک چھوارے کو حق تعالیٰ بڑھاتے ہیں کہ وہ جبل احد کے برابر ہو جاتا ہے۔ بتلایئے اس میں کتنے اضعاف ہوئے، صاحبو! پھر ایسے کریم کو اُدھار دینا کیا مشکل ہے کیا تم نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو نادار سمجھتے ہو غرض اگر آخرت ہی کا ثمرہ مراد ہو تب بھی اول تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ نقد

www.besturdubooks.net

ہی ہے ادھار نہیں کیونکہ آخرت کا مثل نقد ہونا اوپر مذکور ہوا ہے اور اگر ادھار بھی ہو تو میں نے بتلا دیا کہ ایسا ادھار طبعاً مرغوب ہوتا ہے جس کا نتیجہ اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً ہو، تیسرے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا میں سین قرب کے واسطے اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے بلانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ممکن ہے کہ آج ہی نماز پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ آپ کو بلا لیں اور سارا معاملہ طے کر دیں پھر مرتے ہی تم کو سب عوض مل جائے گا (کیونکہ مرنے کے بعد ہر مسلمان کو دکھلا دیا جاتا ہے کہ تمہارے واسطے جنت کے یہ درجے تیار ہیں گو دخول جنت قیامت کے بعد ہوگا مگر معاملہ تو مرتے ہی طے ہو جاتا ہے) چوتھے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سین المقرب کا مدلول دنیا ہی میں حاصل ہوتا ہے یعنی ایمان و اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ آخرت میں تو ملے ہی گا دنیا میں بھی ملتا ہے یعنی جس کو حق تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے، سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان میں محبت پیدا فرما دیتا ہے) یہ وہ جیسا کہ آخرت میں حاصل ہوگا دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ ود کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ اس کے محب ہوں اور بندہ محبوب ہو، دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ محبوب ہوں اور بندہ محب ہو تیسرے یہ کہ خلق کو اس شخص کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے، چوتھے یہ کہ خلق سے اس کو محبت ہو جاتی ہے ان اقسام اربعہ میں بجز قسم اول کے سب اقسام کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے گو حصول سب کا یہاں بھی ہو جاتا ہے ان میں شاید آپ کو ایک قسم کھٹکی ہوگی کہ اس شخص کو خلق سے بھی محبت ہو جاتی ہے اس پر شبہ ہوگا کہ یہ تو غیر اللہ کے ساتھ تعلق ہے جو مذموم ہے پھر اس کو ثمرہ اعمال صالحہ کیونکر بنایا گیا مگر کہتا ہوں کہ محبت خلق مطلقاً مذموم نہیں بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم ہے ایک محمود ہے جس کی ایک دلیل تو یہیں موجود ہے وہ یہ کہ مخلوق کا آپ سے محبت کرنا یہ تو آپ کے نزدیک بھی مطلوب ہے اس میں کھٹک نہیں ہوئی آخر کیوں؟ یہ بھی تو خلق کا تعلق ہے کیونکہ آپ بھی تو مخلوق ہی ہیں، یہ کیا آپ کو تو سب چاہیں اور آپ کسی کو نہ چاہیں اگر مخلوق کا آپ سے محبت کرنا مطلوب و محمود ہے تو آپ کا مخلوق سے محبت کرنا بھی کسی درجہ میں محمود ہونا چاہئے، بات یہ ہے کہ مخلوق کا آپ سے محبت کرنا کیونکر محمود ہوا؟ اس لئے کہ وہ تم سے للہ محبت کرتے ہیں (اگر یہ نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض کے لئے محبت کریں تو یہ محمود نہیں ۱۲) اسی طرح ایمان و اعمال صالحہ کے بعد جو آپ کو مخلوق سے محبت ہوگی وہ حقیقت میں خدا سے محبت ہوگی اس وقت مخلوق سے جو کچھ تعلق یا محبت ہوگی محض اس وجہ سے ہوگی کہ حق تعالیٰ کے بندے ہیں اللہ کے ساتھ ان کو نسبت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی پر عاشق ہوتا ہے تو اس کے متعلقین سے بھی اس کو محبت ہوتی ہے (قال مجنوں بنی عامر ؎

www.besturdubooks.net

امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار وذاالجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا (۱۲)

(مجنوں) لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرا، دیواروں کو دیوار والوں کو چومتا ہوا اور گھروں سے محبت کرنا میرے دل کا شیوہ نہیں لیکن میں اس سے محبت رکھتا ہوں جوان گھروں میں رہتے ہیں)

اور کسی سے تعلق اور واسطہ سے کسی کو چاہنا حقیقت میں واسطہ کو چاہنا ہے پس خدا تعالیٰ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ محبت کرنا بھی محمود ہے۔

محمود اور مذموم محبت:

ہاں اگر خدا کے واسطہ سے محبت نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض کی وجہ سے ہو تو وہ مذموم ہے مگر میں نے اس لحاظ سے اس کو اقسام و د میں داخل نہیں کیا تا کہ شبہ ہو سکے بلکہ صرف پہلی حیثیت سے داخل کیا ہے پھر کوئی شبہ نہیں خوب سمجھ لو۱۲) بلکہ میں ایک قسم اور بڑھاتا ہوں گو حقیقت میں وہ بھی اقسام اربعہ میں داخل ہے مگر چونکہ یہ داخل ہونا مخفی ہے اس لئے میں اس کو قسم خامس قرار دیتا ہوں وہ یہ کہ تکمیل اعمال سے آپ کو اپنی ذات سے بھی محبت ہو جاتی ہے اور اس کی بھی ویسی ہی دو قسمیں ہیں، محمود و مذموم، اگر اپنی ذات سے محبت اس حیثیت سے ہے کہ وہ آپ کی ذات ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اسی کی راحت رسانی میں ہر دم مشغول رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں سستی کرو تو یہ مذموم ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ تم اس واسطے اپنی ذات سے محبت کرو کہ یہ سرکاری مشین ہے جو تمہارے پاس امانت ہے تو یہ محبت مذموم نہیں بلکہ محمود و مطلوب ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو نفس کے حقوق شرعاً واجب نہ ہوتے حالانکہ شریعت نے نفس کے حقوق بھی مقرر کئے ہیں جسم کے حقوق بھی مقرر کئے ہیں، آنکھ اور دماغ کے حقوق بھی واجب کئے ہیں، یہ کسی صوفی کا قول نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا و ان لجسدک علیک حقا و ان لاھلک علیک حقا " (الکامل لابن عدی ۳:۷۰۹، مسند احمد ۱:۲۰۰، کنز العمال ۳:۱۹۲۸)

تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور آنکھ کا بھی اور جسم کا اور اہل وعیال کا بھی حق ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء میں آپ خود مختار نہیں ہیں بلکہ یہ حق تعالیٰ کی امانتیں ہیں جن کی حفاظت آپ

www.besturdubooks.net

کے ذمہ ضروری ہے اس حیثیت سے ان کے ساتھ محبت کرنا عین محبت حق ہے باقی لنفسک اور لعینک اور لجسدک میں جو آپ کی طرف اضافت ہے یہ محض آپ کا دل بہلانے کیلئے اور دل خوش کرنے کے واسطے ہے تاکہ تم کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب یہ چیزیں انہی کی ہیں تو نامعلوم کب لے لیں اس لئے تمہارا دل بہلا دیا کہ نہیں یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہمارے کہنے سے ان کے حقوق ادا کرو۔ اسی طرح اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کی جانوں اور مالوں کے عوض جنت عطا فرمائے گا) میں بھی اضافت کا یہی فائدہ ہے مبتدین سلوک اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ یہ نفس اور اعضاء خدا تعالیٰ کی امانت ہیں بلکہ وہ ان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں اسی لئے ان کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے ایسے ایسے مجاہدے کرتے ہیں کہ دماغ خشک کر لیتے ہیں جیسے رہبان اور جوگیہ کیا کرتے ہیں تو وہ کان کھول کر سن لیں کہ یہ جرائم ہیں جن سے باز پرس ہوگی۔

شیخ کا مقام:

ہاں اگر شیخ کے ارشاد سے مجاہدہ ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے باذن حق کہتا ہے اور حق تعالیٰ کو اپنی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

آں کہ جاں بخشد اگر بکشد رواست ‌ ‌ ‌ ‌ نائب است اُودست اودست خداست

(جو جان عطا کرے اگر وہ قتل کرے تو جائز ہے وہ جو نائب ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مشائخ سے دنیوی قصوں میں بھی مشورہ کر لیا کرو کیونکہ کسی سے سن لیا تھا کہ شیخ نائب حق ہوتا ہے سو خوب سمجھ لو کہ وہ نائب حق تعلیم طریق اور ایصال ہی میں ہے ہر کام میں نہیں مگر آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ان کو خدا تک پہنچانے کا طریقہ معلوم ہے تو سب کچھ معلوم ہے جیسے بجنور میں ایک فارسی خواں نے کسی عالم کا رد لکھا تھا لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ جاہل ہو کر تم نے عالم کا رد کیسے لکھا کہا میں نے فارسی پڑھی ہے اور جس کو فارسی آجاتی ہے اس کو سب کچھ آجاتا ہے یہ سن کر ایک شخص نے ایک چارپائی اس کے سامنے پیش کی کہ ذرا اس کو بُن دو۔ اس نے بگڑ کر کہا کیا میں کھٹ بنا ہوں کہا بس اسی برتہ پر یہ دعویٰ کرتے ہو کہ فارسی پڑھ کر سب کچھ آجاتا ہے، سو مجھے ڈر ہے کہیں میرے کلام کا بھی یہی مطلب نہ سمجھا جائے اس لئے میں صاف کہے دیتا ہوں کہ شیخ محض تعلیم طریق میں نائب حق ہے ہر بات میں نہیں کیونکہ آج کل لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ میرا ارادہ تجارت کا ہے بانوں کی تجارت کروں یا عطارے

www.besturdubooks.net

کی میں نے لکھا کہ میرا باپ نہ کھٹ بنا تھا نہ عطار، اس لئے میں اس کے متعلق رائے نہیں دے سکتا۔

ما قصہ سکندر ودارانہ خواندہ ایم   از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندراور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہم سے مہر ووفا کی حکایات کے علاوہ اور نمونہ بھی ہے)

ہاں جن لوگوں کو ان امور میں تجربہ ہے ان سے مشورہ کر کے کسی ایک شق کو اختیار کرلو میں دعا کروں گا کہ حق تعالٰی برکت عطا فرمائیں بہر حال شیخ کی اجازت سے مجاہدہ ہو تو وہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ شیخ محقق ہو شفیق ہو دکاندار یا ناتجربہ کار نہ ہو کیونکہ آج کل بعضے ایسے پیر بھی ہیں جو اپنے کو مریدوں کی جان و مال کا مالک سمجھتے ہیں جو چاہتے ہیں حکم دے دیتے ہیں چاہے اس کی مصلحت کے موافق ہو یا نہ ہو، سو ایسے مشائخ کا اعتبار نہیں نہ ان کی تعلیم سے کسی مجاہدہ کا اختیار کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کسی وقت وہ یہ کہہ دے کہ اپنی ساری آمدنی ہم کو دیا کرو اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ، سو یہ شخص نائب حق نہیں بلکہ نائب شیطان ہے نائب حق شیخ محقق ہوتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے باذن حق کہتا ہے پس اگر شیخ کسی وقت تیمم سے منع کرے اور وضو کا حکم کرے تو اس وقت یہ مجاہدہ جائز ہے لیکن اگر طبیب کہہ دے کہ اس وقت وضو سے تم کو ضرر ہوگا تو پھر شیخ کے قول پر نہ رہا جائے گا بلکہ اب تم کو تیمم کی اجازت ہے اور اب جو تم تیمم کرو گے وہ بھی درحقیقت شیخ ہی کی اجازت سے ہوگا کیونکہ شیخ کا یہ کہنا کہ اس وقت وضو کرو یہ کلام معلق ہے یعنی اگر طبیب مضر نہ بتلاوے کیونکہ محقق کے کلام میں تمام پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے گو کسی وقت ایک قید کو بوجہ ظہور کے وہ بیان نہ کرے مگر قید مراد ضرور ہوتی ہے اور جب قید مراد ہے تو کلام معلق ہوا اور قاعدہ اصولی ہے کہ وجود شرط کے بعد وقوع جزا میں وجود شرط موثر نہیں ہوتی بلکہ کلام سابق موثر ہوتا ہے مثلاً ان دخلت الدار فانت طالق دخول دار سے جو طلاق پڑتی ہے تو اس میں دخول دار سبب نہیں بلکہ فانت طالق کا تکلم سبب ہوا ہے اسی طرح شیخ کا یہ کہنا کہ اس وقت وضو کرو اگر طبیب مضر نہ بتلاوے اور اگر مضر بتلاوے تو تیمم جائز ہے یہی کلام تیمم کے لئے مجیز ہے تو اب تیمم بھی اسی کی اجازت سے ہے۔

فقہ اور تصوف:

فقہاء نے اس راز کو خوب سمجھا ہے واقعی فقہاء حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں لوگوں نے آج کل فقہ و تصوف کو الگ کر دیا ورنہ حقیقت میں فقہ سے مسائل سلوک میں بہت مدد ملتی ہے یہ دونوں فن بہت ہی قریب قریب ہیں اس لئے تصوف کو فقہ سے الگ سمجھنا ٹھیک نہیں امام صاحب رحمۃ اللہ

www.besturdubooks.net

علیہ نے فقہ کی حقیقت خوب سمجھی ہے فرماتے ہیں الفقه معرفة النفس مالها وما عليها (فقہ اپنے نفس اور اس کے متعلق کی معرفت کا نام ہے) اس تعریف میں تصوف بھی داخل ہے (بلکہ وہی اول مصداق ہے کیونکہ پورے طور پر معرفتِ نفس اسی سے حاصل ہوتی ہے ۱۲) غرض یہ ہے کہ ہمارا نفس اور ہمارا جسم سب خدا کا ہے اگر حق تعالیٰ اس میں خود تصرف کریں خواہ بلا واسطہ یا بواسطہ اپنے نائبین کے تو اس وقت ان مشینوں پر مشقت ڈالنا جائز ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت فرماتے ہیں کہ بس اب نیند سے اُٹھو نماز پڑھو اب وہ حکم نہیں رہا ان لعينك عليك حقا الخ (بے شک تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے) اور حق تعالیٰ مشقت نہ ڈالیں نہ نائبان حق اس کی اجازت دیں تو پھر نفس پر مشقت ڈالنا جائز نہیں پس اس حیثیت سے کہ یہ امانت حق ہے اپنے نفس کے ساتھ محبت کرنا بھی محبت حق ہی ہے اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ‏ ‏ رفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ‏ ‏ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ میں پہنچے ہیں میں اپنے بازوؤں کو ہزار بار بوسہ دیتا ہوں کہ ان سے تیرا دامن کو اپنی طرف کھینچا ہے۔)

اور اس کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص جو کام کرے گا رضائے حق کے واسطے کرے گا اور احکام الٰہیہ میں ہرگز سستی نہ کرے گا کیونکہ جس کی یہ مشین ہے جب وہی چلانے کا حکم کر رہا ہے تو اس وقت سے کام نہ لینا سرکشی اور نافرمانی ہے اور جب وہ کام نہ لے بلکہ مشین کے بند کرنے کا حکم کرے اس وقت اس کا چلانا سرکشی ہے اسی لئے عارف کا کوئی کام اپنے واسطے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے واسطے ہوتا ہے۔

سلف کا مذاق:

اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ کو تیس سال ہو گئے کہ میں نے کسی سے ایک بات بھی نہیں کی اس پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ رات دن تو یہ بکواس لگائے رکھتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی سے بات نہیں کی مگر حقیقت میں تعجب کچھ نہیں ان کی بات صحیح ہے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک چپڑاسی صبح سے شام تک اجلاس کے دروازہ پر کھڑا ہوا پکارتا ہے کہ فلاناں حاضر فلاناں حاضر ہے اور پھر شام کو کہے آج دن بھر میں نے کسی سے بات نہیں کی تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے اس پر

www.besturdubooks.net

اگر کوئی یہ کہے کہ آج اس نے ہزاروں آدمیوں کو پکارا اور دن بھر چلاتا رہا تو وہ یہ کہے گا کہ یہ کلام تو میں نے حکم حاکم سے کیا تھا اپنے حظ و نفس کے لئے تو ایک بات بھی نہیں کی یہی جواب ان بزرگ کی طرف سے ہے ان کا بھی یہی مطلب ہے کہ میں نے تیس برس تک اپنے حظِ نفس کے لئے ایک بات نہیں کی بلکہ جو کچھ کہا حکم خداوندی سے کہا، یعنی جہاں شریعت نے بولنے کا حکم کیا وہاں بولا ورنہ خاموش رہا بلکہ بعض دفعہ اس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ جو کچھ کلام فرماتے ہیں وہ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے اس وقت لوگوں کو مغالطہ بھی ہو جاتا ہے کیونکہ اس حالت میں بعض باتیں ان کی زبان سے ایسی نکلتی ہیں جو بندے کی زبان سے نہ نکلنا چاہئیں چنانچہ ایک بزرگ کے پاس ایک مرد و عورت اپنے بچہ کو لائے جو اندھا تھا اور عرض کیا کہ حضرت اس کے بینا ہونے کی دعا کر دیجئے، وہ بہت خفا ہوئے کہ میں کیا عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو مجھ سے ایسی درخواست کرتے ہو، وہ بے چارے لوٹ گئے، پھر فوراً ہی فرمایا ما کنیم ما کنیم بیارید چنانچہ خدام نے ان کو واپس بلایا اور بزرگ صاحب نے بچہ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا وہ اچھا ہو گیا، خدام نے بعد میں سوال کیا کہ یہ کیا بات تھی پہلے تو آپ نے انکار کیا پھر فرمایا ما کنیم اس وقت کے خدام ایسے پیر پرست نہ تھے کہ پیر جو چاہیں کہہ دیں وہ آمنا و صدقنا کہتے رہیں بلکہ وہ ایسے تھے کہ جہاں شیخ نے ذرا بھی شریعت سے تجاوز کیا فوراً گرفت کرتے تھے اور یہ سبق صحابہ نے ہم کو پڑھایا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ میں صحابہ سے پوچھا لو ملت عن الحق شیئاً فما تفعلون اگر میں حق سے ذرا سا ہٹ جاؤں تو تم کیا کرو گے اسی وقت ایک صحابی تلوار لے کر اُٹھے اور تلوار سیدھی کر کے کہا لنقیمنک بھذا السیف ہم اس تلوار سے آپ کو سیدھا بنا دیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمدللہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے دوستوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو میری کجی کو درست کر سکتے ہیں اب مجھے بے فکری ہے کہ ان شاء اللہ میں حق سے نہ ہٹوں گا۔ یہی مذاق سلف کے خدام کا تھا انہوں نے فوراً گرفت کی کہ ما کنیم آپ نے کیونکر کہا فرمایا کہ یہ میں نے خود نہ کہا تھا بلکہ کلام حق میری زبان پر جاری ہو گیا تھا جب میں نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں اسی وقت حق تعالیٰ کا عتاب ہوا کہ سبحان اللہ کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فاعل سمجھتے ہیں ارے وہ کیا اندھوں کو بینا کرتے تھے ہم کرنے والے تھے، سو اب بھی ہم موجود ہیں لاؤ ہم اس کو بینا کریں گے میری زبان پر وہی ما کنیم ما کنیم جاری ہو گیا جیسے چپڑاسی کہا کرتا ہے کہ فلاناں حاضر ہے تو وہ خود نہیں کہہ سکتا یہاں کوئی دوسرا ہے یہ اس کا کلام بعینہٖ ادا کر رہا ہے۔

www.besturdubooks.net

قولِ حق:

اب بے چارے منصور کے اناالحق کا مطلب بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ اناالحق خود نہ کہہ رہے تھے بلکہ اس وقت ان کی وہ حالت تھی جیسے شجرۂ موسیٰ سے آواز آئی تھی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (بے شک میں اللہ سارے جہانوں کا پروردگار ہوں) گو آواز شجرہ ہی سے نکل رہی تھی چنانچہ خود نص میں تصریح ہے نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیءِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰی (وادی ایمن میں بقعہ مبارکہ اور درخت سے آواز دی اے موسیٰ علیہ السلام) تو کیا شجرہ خود کہہ رہا تھا اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ ہرگز نہیں ورنہ شجرہ کا رب ہونا لازم آئے گا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ آواز شجرہ میں سے نہیں نکلی تھی بعینہٖ صورت حق تھی کیونکہ حق تعالیٰ صوت سے پاک ہیں اور یقیناً موسیٰ علیہ السلام کو صوت ہی مسموع ہوئی تھی جو سمت خاص اور مکان خاص کے ساتھ مقید تھی تو اس کو حق تعالیٰ نے وادی ایمن اور بقعہ مبارکہ اور من الشجر ۃ کے ساتھ مقید کیا ہے ورنہ کلام حق بعینہٖ ہوتا تو ان قیود سے مقید نہ ہوتا پس ماننا پڑے گا کہ وہ آواز تو شجر ہی کی تھی اور اسی میں سے نکلی تھی مگر حق تعالیٰ کی طرف سے متکلم تھا خود متکلم نہ تھا جیسے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کہ جب ہم قرآن پڑھا کریں تو آپ قرأت کا اتباع کیا کیجئے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صوت کو سنتے تھے اور اللہ تعالیٰ صوت سے منزہ ہیں پھر اذا قراناہ کا کیا مطلب ہے یہی کہا جاتا ہے کہ یہاں قرأت جبریل کو قرأت حق کہا گیا ہے کیونکہ وہ بحکم حق قرأت کرتے تھے ایسے ہی یہاں بھی قول شجر کو قول حق کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے جو کچھ کہا تھا بحکم حق کہا تھا پس یوں ہی منصور کے اناالحق کو اللہ تعالیٰ کا قول کہنا چاہئے کیونکہ غلبہ حال میں کلام حق ان کی زبان سے نکلتا تھا وہ بھی متکلم بحکم حق تھے، خود متکلم نہ تھے چنانچہ ایک بزرگ کے واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ منصور نے بھی اپنے کو خدا کہا تھا اور فرعون نے بھی وہ تو مقبول ہو گئے اور یہ مردود ہو گیا اس کی کیا وجہ جواب ارشاد ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹا کر اناالحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹا کر اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں) کہا تھا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ منصور نے جو کچھ کہا تھا خود نہ کہا تھا کیونکہ وہ خودی کو مٹا چکے تھے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت فرعونے انا الحق گشت پست   گفت منصورے انا الحق گشت مست

www.besturdubooks.net

لعنت اللہ آں انار ا درجفا رحمت اللہ ایں انار ادروفا
(فرعون نے انا الحق کہا رسوا اور ذلیل ہوا، حضرت منصور نے انا الحق کہا مقبول ہو گئے، راہ جفا میں انا کہنا اللہ کی لعنت کے موجب بننے کا سبب ہے اور راہ وفا میں انا کہنا اللہ کی رحمت کا سبب ہے)

کشف اور جانور:

یہ مضمون طویل ہو گیا میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ اس حیثیت سے محبت کرتا ہے کہ وہ اللہ کی امانت ہے اس کی چیز ہے تو اس کے سب کام اللہ کے لئے ہوتے ہیں اپنے لئے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنے نفس کے ساتھ اس کا محبت کرنا عین محبت حق ہے، غرض ایمان واعمال صالحہ پر جس ثمرہ کو یہاں مرتب کیا گیا ہے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان میں محبت پیدا کردے گا) یہ سودا نقد ہے دنیا ہی میں اس شخص کو ودرحمٰن حاصل ہو جاتی ہے جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مخلوق کے قلب میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے اذا احب اللّٰہ عبدا قال یجبریل انی احب فلانا فاحبہ فینادی جبرئیل فی السموات ان اللّٰہ عبد افال لیحب فلانا فاحبوہ و ثم حتی یوضع لہ القبول فی الارض (مسنداحمد ۵:۲۶۳) یعنی جب حق تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اوّل حضرت جبریل کو حکم ہوتا ہے کہ ہم فلانے کو چاہتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو پھر حضرت جبریل تمام آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فلانے کو چاہتے تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ سب ملائکہ اس سے محبت کرتے ہیں حتیٰ کہ زمین میں بھی اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور تمام مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے مگر اس کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ کوئی بھی اسکو برا نہ کہے کیونکہ یہ تو حق تعالیٰ نے انبیاء کے لئے بلکہ خود اپنے واسطے بھی تجویز نہیں فرمایا۔ انبیاء کے بھی بہت لوگ دشمن ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والے بھی ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں بلکہ اس قبول کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اس شخص سے کسی غرض کا تعلق نہ ہو نہ حصولاً نہ فوتاً ان کے دل میں اس کی محبت پڑ جاتی ہے بشرطیکہ سلیم الطبع ہوں حتیٰ کہ غیر معاند کفار کے دلوں میں بھی ایسے لوگوں کی عظمت ہوتی ہے ہاں کسی طالب جاہ کا جاہ کسی بزرگ کی وجہ سے کم ہو گیا ہو وہ تو ان سے حسد ہی کرے گا باقی جس کی کسی غرض کا حصول وفوت ان پر معلق نہ ہو ان سب کے دلوں میں اس کی محبت وعظمت واقع ہو جاتی ہے، مریدوں کی شہادت کو بھی میں معتبر نہیں سمجھتا کیونکہ ان کو بھی ایک غرض سے تعلق ہے بلکہ

www.besturdubooks.net

اس میں اجانب کی شہادت معتبر ہے بشرطیکہ وہ عقارب نہ ہوں جس کی خاصیت یہ ہے۔

نیش عقرب نہ ازپئے کین ست مقتضائے طبیعتش این ست

(بچھو کا ڈنک اس کی دشمنی کے سبب نہیں بلکہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے)

بلکہ انسانوں سے گزر کر جانوروں کے دل میں بھی اس کی محبت و عظمت ہوتی ہے جس کا کبھی کرامۃً ظہور بھی ہو جاتا ہے مگر کرامت کا ظہور لازم و ضروری نہیں ہمارے نانا صاحب نے ایک دفعہ حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب پانی پتی کو دیکھا کہ دو بھیڑیوں سے کھلاڑی کر رہے ہیں نانا صاحب نے کہا حضرت یہ جانور ہیں یہ نہیں جانتے کہ کون ولی ہے یہ کہیں ایذا نہ پہنچا دیں حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب جانتے ہیں کہ ان کی غذا جانور ہیں انسان نہیں ہیں یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے ہمارے ماموں صاحب اس پر فرمانے لگے کہ جانور صاحب کشف ہوتے ہیں۔

محبت خلق:

اس کی دلیل ایک حدیث سے بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو ثقلین کے سوا سب سنتے ہیں تو یہ کشف القبور ہوا اور اس سے کشف القبور کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ گدھوں اور کتوں تک کو بھی ہو جاتا ہے پس انسان کے لئے یہ کچھ کمال مطلوب نہیں، جانوروں کی نظر میں محبوبیت کے متعلق ایک قصہ یاد آیا جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آزاد کردہ جن کا نام سفینہ ہے ایک دفعہ قافلہ سے الگ ہو کر راستہ بھول گئے تھے، رات کو جنگل میں ایک شیر ملا تو آپ نے اس سے کہا اے شیر میں سفینہ غلام ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر وہ دم ہلا کر خوشامدیں کرنے لگا اور پھر آپ کے آگے آگے ہولیا، تھوڑی دیر میں آپ کو قافلہ کے قریب پہنچا کر دم ہلاتا ہوا ایک طرف کو چل دیا تو محبت خلق کا ظہور تو اس طرح ہوتا ہے جس کی تفصیل مذکور ہوئی اور محبت حق کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس شخص کو بس آواز تو نہیں آتی مگر میں بقسم کہتا ہوں کہ محبت حق کا اثر اس کے دل میں موجود ہوتا ہے ہر وقت واقعات میں اس کی امداد و اعانت ہوتی ہے اور قلب پر علوم و واردات و کلام حق کا ایسا القا ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ اس سے باتیں کرتے ہوں بس آواز تو نہیں آتی اور سب کچھ ہوتا ہے یہ دل سے خوب جانتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھے چاہتے ہیں پھر اس کی لذت کا کیا پوچھنا باقی کامل ظہور اس کا آخرت میں ہوگا یہ تو وہ صورت تھی کہ حق تعالیٰ محب ہوں اور یہ محبوب ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ محب ہو اور حق تعالیٰ محبوب

www.besturdubooks.net

ہوں اور یہ دونوں ساتھ ساتھ ہی ہوتی ہیں مگر کسی پر اول محبوبیت کی شان غالب ہوتی ہے پھر محبوبیت کی (یہ مرادیں ہیں) اور کسی پر اول محبیت کی شان غالب ہوتی ہے اور پھر محبوبیت کی (یہ مرتین ہیں) باقی ایک کے بعد دوسری قسم بھی ساتھ ساتھ ہو جاتی ہے۔ حافظ کا شعر میں پھر پڑھوں گا ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(بخت اگر مدد کرے تو اس کے دامن کو تھاموں اگر وہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو باعث صد مسرت اور اگر میں اس کو اپنی طرف کھینچوں تب بھی باعث سعادت وشرف)

دل کی غذا:

مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہے چاہے تم پہلے چاہو پھر وہ چاہیں یا وہ پہلے چاہیں پھر تم چاہو، پھر اس محبت میں خواہ وہ مقدم ہو خواہ موخر ہو ہر حال میں یہ لذت ہے کہ جیسے پیٹ کی غذا الگ ہے ماکولات ومشروبات اور آنکھ کی غذا الگ ہے مبصرات اور کان کی غذا الگ ہے یعنی مسموعات اسی طرح دل کی بھی ایک غذا ہے اور وہ محبت ہے دل کی غذا محبت کے سوا کچھ نہیں دل کو اسی میں لذت آتی ہے پھر جس کا محبوب ناقص ہو اس کی لذت تو ناقص ہوگی اور جس کا محبوب ایسا کامل ہو کہ اس سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ ہو اس کی لذت سب سے زیادہ ہوگی، ایمان واعمال صالحہ کا یہ ثمرہ بھی دنیا ہی میں حاصل ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے جس کے لذیذو فرحت بخش ہونے کا اندازہ نہیں ہوسکتا ہے، اب ایک شق رہ گئی کہ اس شخص کو خلق سے محبت ہو اس کے متعلق یہ سوال ہوسکتا ہے اس میں کیا لذت ہے جو اس کو ثمرۂ اعمال میں شمار کیا گیا تو بات یہ ہے کہ اس میں بھی یہ شخص چونکہ اوامر کا متمثل ہے اس لئے یہ بھی باعث لذت ہے گو اس میں فی الجملہ استتار ہوگا مگر تجلی کے ساتھ استتار بھی باعث لذت ہے کیونکہ اس سے تجلی کی لذت بڑھ جاتی ہے۔ عارف فرماتے ہیں ؎

گر نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

(اگر غیبت (دوری) نہ ہو تو حضور کی لذت میسر نہیں ہوسکتی)

اور شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار (ابرار کا مشاہدہ تجلی اور حجاب کے درمیان ہے)

شیخ سعدی گو عارف شیرازی اور مولانا رومی کے برابر محقق نہیں مگر فی نفسہ ہیں بڑے شخص تو وہ فرماتے ہیں کہ تجلی کے ساتھ گاہے گاہے استتار بھی ہوتا ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں بھی فی الجملہ استتار ہوگا یعنی مشاہدہ دائمہ نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت

www.besturdubooks.net

میں جو سب سے زیادہ مقبول ہوں گے ان کو صبح وشام دیدار ہوا کرے گا تو اس سے اور اوقات میں استتار ثابت ہوا اور اسی میں بندہ کے لئے حکمت بھی ہے پھر دنیا میں اگر کسی وقت استتار ہو تو کیا تعجب ہے لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک مشاہدہ تام یعنی رویت یہ تو جنت میں ہوگا دنیا میں نہیں ہوسکتا، دوسرے مشاہدہ ناقص یعنی استحضار تام یہ دنیا میں بھی ہوتا ہے گو مشاہدہ تام کے سامنے یہ دوسری قسم استتار ہی میں داخل ہے مگر چونکہ دنیا میں سالک کو اس سے بھی بہت کچھ تسلی ہو جاتی ہے اس لئے یہاں کے اعتبار سے استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

مدارِ قرب:

بہرحال جس کا نام مشاہدہ ہے خواہ تام ہو یا ناقص اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے نہ اس لئے کہ وہاں سے کچھ کمی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں کیونکہ دنیا میں تجلی دائمی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے جس سے قرب کم ہو جاتا ہے کیونکہ مدار قرب اعمال ہی پر ہے اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں کیا کہ حضور تام کے ہوتے ہوئے یا رویت کے ہوتے ہوئے حضور یا رویت سے منع کر دیا ہو کیونکہ یہ صورت اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف متوجہ کر دیا اور جنت میں بعض اوقات لذائذ نفس کی طرف مشغول کر دیں گے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک محبوب نے عاشق کو دیکھا کہ یہ مجھے بڑے غور سے تک رہا ہے اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ دیکھنے سے مر نہ جاوے تو اب ایک صورت تو یہ تھی کہ عاشق کو اپنے سامنے رکھ کر دیدار سے منع کر دے کہ ہم کو مت دیکھو یہ صورت بہت سخت ہے، اس میں عاشق کو سخت بے چینی ہوتی ہے اس لئے محبوب نے یہ تو نہیں کہا بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے واسطے عاشق کو بازار بھیج دیا کہ جاؤ آم لے آؤ اس صورت میں گو محبوب سے فی الجملہ استتار ہو گیا مگر اس سے شوق معتدل ہو جائے گا اور بازار جانے میں عاشق کی لذت بھی کم نہیں ہوتی کیونکہ تعمیل حکم محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو لذت دیدار ہی کے قریب ہے (عشاق) اس کو خوب سمجھتے ہیں ۱۲) اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی حضور تام یا تجلی کو باقی رکھ کر دیدار و مشاہدہ سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا تا کہ ہر وقت کے حضور و مشاہدہ سے عشاق کے دل نہ پھٹ جائیں اور ان کا شوق معتدل رہے اسی لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں ؂

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم   گر نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

www.besturdubooks.net

(دوست سے میں جدائی کی شکایت نہیں کرتا اگر غیبت (دوری) نہ ہو تو حضور کی لذت حاصل نہیں ہو سکتی)

اور یہی حکمت ہے قبض میں بھی کہ اس سے شوق معتدل ہو جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو   آں صلاح تست آلیس دل مشو

چونکہ قبض آمد تو دروی بسط بیں   تازہ باش و چیں میفگن برجبیں

(جب تم کو قبض کی حالت پیش آئے تو اس میں بسط کا ملاحظہ کرو اس میں خوش وخرم رہو پیشانی پر بل مت ڈالو)

خلاصہ یہ ہوا کہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا) میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

غذائے روحانی:

ایمان واعمال صالحہ اختیار کرنے پر ہم تم کو دنیا ہی میں غذائے روحانی دیں گے جس سے زیادہ دل کو کوئی غذا نہیں اب اس سے بڑھ کر اور کیا ثمرہ ہوگا کیونکہ یقیناً غذائے جسمانی سے غذائے روحانی افضل والذ ہے اس لئے تمام اسباب نعم سے اصل مقصود راحت قلب ہے جو غذائے جسمانی سے بواسطہ حاصل ہوتی ہے اور غذائے روحانی سے بلا واسطہ، پھر کمال یہ کہ اس دسترخوان پر مختلف غذائیں ہیں کبھی تم محب ہو اور حق تعالیٰ محبوب ہیں اور پھر حق تعالیٰ محب ہیں اور تم محبوب ہو اس کی لذت اور ہی کچھ ہے پھر خلق کو تم سے محبت ہو جاتی ہے، اس میں اور ہی قسم کی لذت ہے اور پھر خلق سے تم کو محبت ہوتی ہے اس میں کچھ اور ہی حظ ہے، ان مختلف اقسام سے لذت بہت ہی بڑھ گئی پس ہم کو ایمان واعمال صالحہ کی تکمیل میں کوشش کرنا چاہئے تاکہ یہ غذائے روحانی نصیب ہو اور ان اسباب کی تحصیل ہمارے اختیار میں ہے تو وہ غذائے روحانی بھی ہمارے قبضہ میں ہے کیونکہ اسباب کا اختیاری ہونا سبب کے اختیاری ہونے کو مستلزم ہے یہاں سے ان لوگوں کا بھی جواب ہو گیا جو اس دولت کو محض الصول سمجھتے ہیں مگر عمل کے لئے اول آپ کو علم کی ضرورت ہے کیونکہ بدون جانے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا نہ دنیا کا نہ دین کا لہذا علم دین حاصل کرنے کی کوشش بھی ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اردو میں جو احکام دین

www.besturdubooks.net

کے رسالے علماء محققین کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں ان کا مطالعہ کریں یعنی جو آسان ہیں ان کو خود دیکھیں اور جو کسی قدر مشکل ہیں ان کو کسی عالم سے پڑھ لیا کریں مجھے یہ خبر سُن کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس قصبہ میں ایک درس گاہ قائم کرنے کے لئے ریاست بھوپال میں کوئی معقول رقم منظور ہوئی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل قصبہ کی نیت یہ ہے کہ اس سے ایک عالم کو بھی تنخواہ دے کر یہاں رکھا جائے ایسا ضرور ہونا چاہیے گو علم معاش کا انتظام بھی اس رقم سے کیا جائے مگر علم معاش کے ساتھ علم معاد کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ میری رائے یہ ہے کہ معقول تنخواہ پر کسی عالم محقق کو رکھا جاوے گو وہ بچوں ہی کو تعلیم دے گا کیونکہ یہاں نری کتابیں پڑھنے والے نہیں ہیں مگر میرے نزدیک بچوں کو پڑھانے کو بھی عالم محقق ہی تجویز کرنا چاہیے کیونکہ طبیب تو ہمیشہ محقق ہی ہونا چاہیے ناقص طبیب کو کوئی گوارا نہیں کرتے پھر اس میں یہ بھی نفع ہے کہ عوام ان سے اردو رسائل پڑھ سکیں گے ضرورت کے وقت مسئلے مسائل پوچھ سکیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ کام معمولی میاں جی نہیں کر سکتا، پھر ان عالم صاحب کو چاہیے کہ ہفتہ میں ایک دن احکام کے بیان کا مقرر کریں جس میں ایک دو گھنٹہ وعظ کہہ دیا کریں اس سے عوام کو بہت نفع ہوتا ہے پس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو ایمان و اعمال صالحہ کا ثمرہ یعنی وہ غذائے روحانی جس کو یہاں مودت رحمانیہ سے تعبیر فرمایا ہے، عطا فرمائیں اور علم و عمل کی توفیق دیں اس وعظ کا نام بھی المودۃ الرحمانیہ رکھتا ہوں۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

www.besturdubooks.net

اظہارِ مسرت وتحسین

از حضرت اقدس مرشدی ومربی مولانا الحاج محمد شریف صاحب دامت برکاتہم
خلیفہ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے درپے ہیں۔ انہیں حضرت رح سے صرف نسبت ہی نہیں بلکہ عشق ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپوا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافع اور ہدایت اور ان کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

دعا گو

احقر محمد شریف عفی عنہ

www.besturdubooks.net

گرامی نامہ

حضرت اقدس الحاج مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی دامت برکاتہم
خلیفہ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

۱۷ رمضان المبارک [illegible]

مستغنی و مکرمی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔
آپ کی گرانقدر ہدیہ تالیف
ہمارے [illegible] شریعت موصول ہوا۔ آپ
کے لئے دل سے دعا نکلی ہے۔ ماشاء اللہ
بڑی نیک توفیق حاصل ہوئی ہے۔ آپ دین کی
ایسی خدمت کر رہے ہیں جس کی دور حاضر
میں سخت ضرورت ہے۔ حضرت کی تعلیمات
کی اشاعت خصوصاً مواعظ و ملفوظات
کی جدید ترتیب بھی اس وقت کی [illegible]
ہے دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو
بے حد مشکور و مقبول فرمائیں اور ذریعہ نجات
آخرت بنائیں۔ آمین۔ محمد عبدالحی عفی عنہ

www.besturdubooks.net

ادارہ کی مطبوعہ جدید مبارک کتاب

زیارت حرمین البم

ایک ہزار سے زائد مقدس مقامات کی رنگین تصاویر
برصغیر کے اکابر اہل دل شعراء کا مستند کلام حمد و نعت
عالم اسلام کے خطاطین کے بے مثال جواہر پارے

☆.....روئے زمین کے مقدس ترین مقامات حرمین شریفین و دیگر متبرک مقامات کی رنگین تصاویر کے ذریعے مرتب تاریخ۔
☆.....دل کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشنے والی سب سے زیادہ نادر و نایاب تصاویر پہلی مرتبہ اس مبارک کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔
☆.....حرمین شریفین کی محبت میں اضافہ کرنیوالی تصاویر اور پُر کیف نعتیہ کلام کیساتھ ایک مفید ترین مجموعہ جو آپ کے دل میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کو متحرک کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ادارہ نے اس موضوع پر تحقیقی کام کرتے ہوئے حرمین شریفین کی قدیم و جدید سادہ و رنگین تصاویر اور غزوات کے نقشے جمع کیے ہیں اور نادر و نایاب ضخیم عربی اردو انگریزی کتب سے مراجعت و استفادہ کرتے ہوئے ایک ہزار سے زائد تصاویر یکجا کر دی ہیں۔ الحمد للہ بلا مبالغہ زیر نظر کتاب میں ایک ہزار سے زائد ایسی نادر و نایاب تصاویر جمع ہو گئی ہیں جن کی زیارت سے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور حاصل ہوتا ہے۔ جن میں حرمین شریفین انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے امت کے مقابر و دیگر مقدس مقامات کی تصاویر اور ان کے تبرکات شامل ہیں۔
اس کے ساتھ جا بجا برصغیر کے نامور اہل دل شعراء کی ایسی نعتیں بھی دیدی گئی ہیں جو دل میں حرمین شریفین کی محبت و عقیدت کو جلا بخشتی ہیں۔ دور حاضر کے عظیم بزرگ شاعر سید الخطاطین حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ کا مکمل نعتیہ کلام بھی دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فن خطاطی کے جدید و قدیم ماہرین کی دلآویز کتابت کے جواہر پارے بھی مختلف جگہوں پر دیدیئے گئے ہیں۔ گویا مقدس مقامات کی تصاویر اگر مسلمانوں کے فن تعمیر کی عکاس ہیں تو خطاطی کے یہ جواہر پارے فن خطاطی میں مسلمانوں کے عروج و کمال کی واضح دلیل ہیں۔ ان دونوں فنون میں مسلم امہ کی برتری و فوقیت کو آج بھی مسلم مورخین مانتے اور برملا اعتراف کرتے ہیں۔

زیارت حرمین کی نادر و نایاب اہم رنگین تصاویر پر ایک نظر

مزار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کی قبر..... غار حرا کے مختلف مناظر..... قبلہ اوّل کی اندرونی و بیرونی تصاویر..... مسجد اقصیٰ کا خوبصورت منظر..... مدینہ منورہ کے خوبصورت مناظر..... وادی بدر کے مقامات..... شہدائے بدر کا جائے مدفن..... غار احد کے اندرونی و بیرونی مناظر..... نقشہ غزوہ خندق واحزاب..... غزوہ احد کے تیراندازوں کی جائے قیام..... غزوہ خندق کا فضائی فوٹو..... عہد صحابہ کی مساجد..... غزوہ خیبر کے مناظر..... غزوہ موتہ کا میدان کارزار..... بیت اللہ کا روح پرور منظر..... تبوک کے خوبصورت مناظر..... غزوہ تبوک میں معجزات کے جائے ظہور..... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی..... مختلف تبرکات نبویہ..... مدفن ازواج انبیاء بنی اسرائیل..... غزوہ خندق کے مختلف مناظر
اور اس طرح کی سینکڑوں نایاب رنگین تصاویر کا پہلا مستند تحقیقی ذخیرہ

اس کتاب کا مطالعہ عوام الناس، عازمین حج اور اسلامی تاریخ پڑھنے والوں کیلئے بصیرت افروز ثابت ہوگا

www.besturdubooks.net

التکشف
عَنْ مُهِمَّاتِ التَّصَوُّف

تصوف کے سینکڑوں دقیق مسائل کا قرآن وحدیث سے استنباط

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق وتخریج احادیث
حضرت مولانا محمد عفان منصورپوری مدظلہ

مجموعہ رسائل

اَلتُّقٰی فِیْ اَحْکَامِ الرُّقٰی

اَوْرَادِ رَحْمَانِی

اَلْفُتُوْح فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِالرُّوْح

حَقِیْقَۃُ الطَّرِیْقَۃ مِنَ السُّنَّۃِ الْاَنِیْقَۃ

تَائِیْدُ الْحَقِیْقَۃ بِالْاٰیَاتِ الْعَتِیْقَۃ

عِرْفَانِ حَافِظ

اَلنُّکَتُ الدَّقِیْقَۃ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالْحَقِیْقَۃ

جیسے نایاب رسائل کا مجموعہ پہلی مرتبہ جدید ترتیب وتخریج کے ساتھ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

www.besturdubooks.net